ہماری ویب ڈیجیٹل بک

لیاقت علی مغل

LIAQUAT ALI MUGHAL

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Liaquat Ali Mughal"
at Hamariweb.com

احتجاجی قوم.... شناخت پاکستان

دنیا میں تمام قومیں کسی نہ کسی خصوصیت کی بنا پر مشہور ہیں اور جانی پہنچانی جاتی ہیں اور ان خصوصیات کی بنا پر چار دانگ عالم میں ان کا ڈنکا بجتا ہے۔ کوئی قوم اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے مشہور ہے تو کوئی منافقانہ پالیسیوں کی بنا پر جانی جاتی ہے۔ کسی کا نام مہمان نوازی کی بنا پر جانا جاتا ہے تو کوئی اپنی زبان کی مٹھاس کی کھٹی کھا رہی ہے۔ کسی کا پرچار ان کی محنت کی بنا پر کیا جاتا ہے تو کوئی اپنی عیاری و مکاری کی بنا پر نام کیش کرا رہی ہیں کسی نے اپنی افرادی قوت کا لوہا منوایا ہے تو کسی نے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا ہے۔ زبان کی پاسداری کسی کا شیوہ ہے تو کوئی اپنی بے وقوفیوں کی بنا پر لوگوں کیلئے مزاح و تسکین قلب کا باعث بنتی ہے کوئی نفاست کی پروردہ ہے تو کوئی اندھیروں کی باسی۔ کسی کا ڈیل ڈول اس کی شناخت ہے تو کسی کا بونا پن ان کی تعریف بن جاتا ہے۔ کہیں پر کامیابیوں کا تسلسل ہے تو کہیں ناکامیاں منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑی ہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں نے جب سے وہ معرض وجود میں آئی ہیں ترقی کی منازل طے کی ہیں پستی کے اندھیروں سے نکل کر عروج کی کرنوں کو چھوا ہے۔ کوئی قوم تیز رفتاری سے دنیا میں سرفراز ہوتی گئی تو کسی نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بام عروج تک پہنچایا اور اس افراتفری

رکھنے کیلئے ان ملکوں کے حکمران و عوام چھوٹے maintain کے دور میں اپنے آپ کو بڑے سب اپنے اپنے تئیں تن من دھن کے ساتھ شامل ترقی ہیں لیکن یہاں پر ایک اور قوم کا ذکر کرنا بھی چاہوں گا کہ جس نے اپنی ترقیوں کامرانیوں اور کامیابیوں کا کی تسلسل شروع کیا اور دنیا کی بڑی اقوام میں اپنے ہونے کا اپنے نام کا لوہا منوایا لیکن وہ لوہا شاید خام ثابت ہوا۔ وہ قوم جس کی عظمت کے گن گائے جانے لگے تھے۔ جن کی بہادری و شجاعت ان کی پہنچان تھی جن کی محنت و حوصلے کا طوطی بولتا تھا شاید اس کو کسی کی نظر بد لگ گئی یا پھر حکمرانوں اور عوام کی بداعمالیوں کا شکار ہو گئی کہ دن بدن اس کی ترقی کا گراف گرتا گیا، ترقی معکوش ہوتی گئی تنزلی بڑھتی گئی۔ خوشحالی خواب بن گئی غربت لباس بن گئی۔ خوشیاں سراب بن گئیں اور ناخلف حکمرانوں اور نو دولتیوں کی اولادیں نواب بن گئیں۔ ملک کا دیوالیہ نکلتا گیا۔ جڑیں کمزور ہوتی گئیں تنے ادارے) کھوکھلے ہوتے گئے کہ جس پر تھوڑا سا بوجھ ڈالا گیا وہ تڑاخ سے زمین بوس)
۔ہوگیا

جی ہاں قارئین آپ یقینا سمجھ گئے ہونگے میں قوم پاکستان کی بات کررہا ہوں ملک پاکستان کی بات کررہا ہوں۔ دنیا کا واحد ملک ہے جو اس تیز رفتار اور کمپیوٹر کے دور جدید میں تنزلی و پستی کا شکار ہے۔نا اہل حکمران ملک کو ہاتھوں پیروں سے لوٹ رہے ہیں عوام سدا کی طرح خاموش تماشائی بنی اپنے آپ کو

لٹوا کر بھی خوش ہے اور بہتری کی امید میں نا امیدیوں کی گہرائیوں میں گرتی جا رہی ہے۔یعنی اپنے حق کی خاطر پہلے تو اٹھتی ہی نہیں کیونکہ ان کو اپنے حقوق کا ادراک ہی نہیں اور اگر قسمت سے ادراک ہو جائے تو اس کا واحد حل احتجاج کی صورت نکلتا ہے۔

روڈز بلاک کر دیئے جاتے ہیں سرکاری و غیر سرکاری عمارتوں اور املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے گاڑیوں اور دکانوں کو آگ لگائی جاتی ہے یعنی کہ دوسری اقوام کی طرح پاکستانی قوم کی بھی ایک شناخت بن گئی ہے کہ "احتجاجی قوم" نشان پاکستان۔

حکمرانوں اور اقتدار کے رسیا لوگوں سے کام نکلوانے اور بات منوانے کا ایک اور واحد حل احتجاج کو مان لیا گیا ہے اور پاکستان کی حالیہ پانچ سے سات سالہ ہسٹری کو دیکھ لیں کہ ہر شخص ہر شعبہ احتجاج ہڑتال بائیکاٹ کی نظر ہو گیا۔ بچے بوڑھے نوجوان مرد و عورت سب کسی نہ کسی انداز میں احتجاج کر رہے ہوتے ہیں۔پہلے جب کبھی کوئی احتجاج یا ہڑتال کرتا تھا تو اس کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ لیکن یہ احتجاج احتجاج کھیل کر عوام نے احتجاج کا تاثر ہی ختم کر دیا ہے۔دوسری طرف یہ عمل اب عوام سے منتقل ہو کر محکموں کی جانب چلا گیا ہے ۔مزدور ہو کہ ٹیکسٹائل مل اونر۔ملازم ہو کہ افسران بالا۔ اساتذہ ہوں کہ طالب علم۔ دکاندار ہوں کہ ریڑھی بان۔تاجر ہوں کہ صنعت کار۔پٹرول پمپس مالکان اور سی این جی مالکان ہو کہ ٹرانسپورٹرز ،ڈاکٹرز ہوں کہ مریض، وکلا

ہوں کہ سائل، انسانی حقوق کے علمبردار ہوں کہ حقوق نسواں کے متوالے غرض صحافی سیاستدان ججز بیوروکریٹس سب نے احتجاج کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ غضب خدا کہ وہ لوگ جو مسیحائی کا دعوی کرتے ہیں ان کے سامنے مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں لیکن یہ سنگدل اور کھٹور دل نام نہاد مسیحا چند روپوں کی خاطر انسان کو راہی عدم کا راستہ دکھادیتے ہیں آپریشن نہ ہونے کی بنا پر کتنی ہی جانیں جان آفریں کو لبیک کہہ جاتی ہیں لیکن مسیحائے قوم کو اپنی تنخواہ بڑھوانے کی فکر کھائے جارہی ہے اپنے الاؤنسز کی وصولی ان کا سب سے اولین مطمع نظر بن جاتا ہے۔ ننھے ننھے معصوم بچے ان بے حسوں کی بے حسی پر دنیا سے عدم سدھا جاتے ہیں کہیں کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی۔ ایمرجنسی ان ڈورآؤٹ ڈور میں مریض درد کی شدت سے بلبلا رہے ہوتے ہیں زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن مسیحا زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے زخموں پر نمک پاشی کرتے نظر آتے ہیں۔

کبھی اگر ہڑتال وکلا کریں صحافی یا اساتذہ کریں، بیوروکریٹس کریں یا انسانی حقوق والے احتجاج کریں تو قابل برداشت ہے کہ اس سے کسی کی جان جانے کا احتمال نہیں ہوتا اور ان کی ہڑتال کے دوران بھی یہ ہدایت عام طور پر ہوتی ہے کہ میڈیکل سٹورزاور ہسپتالوں کو نہ چھیڑا جائے نہ بند کرایا جائے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں طبی امداد دی جاسکے لیکن جب ڈاکٹرز اور ان سے

متعلقہ عملہ نرس پیرامیڈیکس وغیرہ بھی بائیکاٹ کردیں تو پھر....؟ پھر تو اللہ ہی حافظ ہے۔

یہ واقعی حقیقت ہے کہ ہمارے کرتا دھرتاؤں نے ملک کے نام نہاد و نااہل لیڈرز نے عوام کو اتنا زچ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ لیکن معاملات و معمولات پھر بھی جوں کے توں ہیں۔ کہیں کوئی اصلاح یا فلاح کی صورت دکھائی و بجھائی نہیں پڑتی دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا شاید اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے کہ ان کیلئے ہدایت کا راستہ بند ہوگیا ہے اب ان سے اچھائی کی امید سوائے بیوقوفی کے اور کچھ نہیں اسی لئے لگے رہو بھائیو میرے ملک کے معمارو میرے وطن کے جوانوں میری دھرتی کی ماؤں بہنو اور بیٹیو لگے لگے شاید کہ کوئی تمہاری تقدیر کا سنوارنے والا آجائے!

بھکاری بادشاہ

پوری دنیا میں مافیا کا لفظ خوف ، نفرت اور دہشت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لفظ مافیا بذات خود برا ہے کیونکہ استحصال کی سب سے بڑی اور نمایاں عامت ہے مثلا کمیشن مافیا، بوٹی مافیا، انڈر ورلڈ مافیا، کرپشن مافیا ٹمبر مافیا اور بھکاری مافیا وغیرہ اور آجکل بھکاری مافیا جتنا سرگرم عمل ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بھکاری مافیا کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ علاقے اور جگہیں بٹی ہوتی ہیں کوئی کسی دوسرے کے علاقے میں جا کر بھیک نہیں مانگ سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے جرمانے کے ساتھ ساتھ سزا بھی دی جاتی ہے۔ بھکاری مافیا اپاہج اور معذور بچوں کو اپنے کیمپوں میں باقاعدہ ٹریننگ دے کر ان کا برین واش کر کے مختلف علاقوں اور پوائنٹس پر چھوڑ جاتے ہیں اور جو سرکش قسم بچے یا خریدے گئے بچے ہوتے ہیں ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی ہے یہ وہ بچے ہوتے ہیں جنھیں اس قبیح عمل کیلئے اغوا کرکے ان کے پیاروں سے جدا کرکے تیار کیا جاتا ہے۔

یہ بھکاری وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کماتے ہیں اور اپنے مالکوں اور کرتا دھرتاؤں کی روزی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں اور یہ مالک اور کرتا

دھرتا لوگ سختی کرنے کے علاوہ ان کو پروٹوکول بھی دیتے ہیں ان کو پک اینڈ ڈراپ کی بہترین سہولیات بھی دی جاتی ہیں۔ کہیں موٹر سائیکل پر تو کہیں کار پر اور کہیں بڑی گاڑیوں میں ان کو ان کے علاقوں اور ٹھکانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

یہ تمہید باندھنے اور لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے ملک میں ایک اور طبقہ بھی اسی کام پر لگا ہوا ہے یہ اشرافیہ کہلاتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کا نظام اور باگ دوڑ انہیں کے ہاتھوں میں ہے اگر انہوں نے یہ فریضہ انجام نہ دیا تو ملک کا دیوالیہ نکل جائے گا حالانکہ دیوالیہ تو یہ لوگ نکال چکے ہیں۔انکل سام سے ملک کے عوام کا سودا کرکے امداد کی صورت یوں بھیک مانگی جارہی ہے اور جس طرح یہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ لو اور دو کی پالیسی پر عمل پیرا لوگ دھڑلے سے یہ ٹوپی ڈرامہ کررہے ہیں کہ غریب عوام کیلئے امداد کی اشد ضرورت ہے۔یعنی عوام کو بھی بھکاری اور مقروض بنادیا ہے حالانکہ غریب عوام کو پتہ ہی نہیں کہ انہیں کہاں کہاں بیچا جارہا ہے۔ کہاں کہاں ان کی بولی لگا کر نہیں فروخت کیا جارہا ہے اور پھر فروختگی کے بعد وصول ہونے والی خطیر رقم (بھیک) کو کہاں پر، کیسے اور کب استعمال کیا جارہا ہے آیا کہ استعمال بھی کیا جارہا ہے یا اپنی ہوس ناک تجوریوں کو بھرا جارہا ہے بینک بیلنس بڑھایا جارہا ہے اور یقینا یہ بات ہے کہ اپنے پیٹ کے

جہنم کو ایندھن مہیا کرکے اسے دہکایا جارہا ہے کیونکہ اگر یہ امداد (بھیک) کہیں پر استعمال ہوتی تو نظر ضرور آتی اس کا آؤٹ پٹ دکھائی دیتا۔ لیکن معاملہ تو الٹ ہی نظر آتا ہے کہ خوشحالی کی بجائے بدحالی کے ڈیرے ہیں،ارزانی کی بجائے گرانی منہ پھاڑے نگلنے کو تیار ہے۔ ترقی کی بجائے تنزلی کا شکار ہیں۔ لوڈشیڈنگ میں اضافہ ہماری پالیسیوں کا منہ چڑا رہا ہے گیس کی قلت ہمارے گیس کے ذرائع کا پول کھول رہی ہے۔ تعلیمی فقدان ہماری نسل نو کو کچوکے لگا رہا ہے۔ طبی سہولیات کی کمی غیر صحتمندانہ معاشرے کی دلیل دے رہی ہے اور ہم ہیں کہ بھیک پہ بھیک مانگے جارہے ہیں اور مسائل کا لانبا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔ قرض بڑھتا جارہا ہے مسائل بڑھتے جارہے ہیں بجلی گیس پانی غائب ہورہے ہیں ان کے اخراجات دو سو فیصد بڑھ چکے ہیں ہمارے "بھکاری بادشاہ" اپنی گدڑیوں کو بھرتے جارہے ہیں اور عوام ہیں کہ ان کے بستر تک بک رہے ہیں،اور اب وہ اپنے پیاروں اپنے لخت جگر تک بیچنے پر مجبور ہوگئے ہیں لیکن ہمارے حکمران ہیں ۔کہ اس امداد کو اپنے باپ کی جائیداد گردانتے ہوئے اس پر ہاتھ صاف کئے جارہے ہیں ملک میں افراتفری ہے۔ بے سکونی و بے چینی ہے۔ بے روزگاری و افلاس نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ بھوک نوے فیصد عوام کو ہڑپنے کو تیار ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کی شاہی خرچیاں روزافزوں بڑھتی جارہی ہیں۔ 70 70 کے وفد کی شکل

میں اپنے خاندانوں اور اپنے خوشامدیوں کو برطانیہ کی سیر کرائی جارہی ہے افریقہ میں ہنی مون منایا جارہا ہے۔ عوام ہے کہ کھانے کو تنکے تک کو ترستی ہے اور اشرافیہ مفلس عوام کو بیچ بیچ کر اللے تللوں پر ناجائز اور بے جا صرف کررہی ہے یعنی بھکاریوں سے بھی بڑھ گئے ہیں کہ جن کی خاطر اور جن کے ایما پر بھیک مانگتے ہیں ان کو کم از کم ان کا حصہ تو دے دیتے ہیں لیکن ذرائع کے مطابق یہ بھکاری بادشاہ اس کو ہوا تک لگنے نہیں دیتے اور باروں بار (باہر ہی باہر سے) ہی اپنے اکاؤنٹس میں ٹرانسفر ہو جاتی ہے یا پھر غائب کردی جاتی ہے اس کا سایہ تک عوام پر نہیں پڑنے دیا جاتا ہے۔

یہ بھکاری بادشاہ اپنے درباریوں کو نوازتے ہوئے بھی بار بار سوچتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ صرف خالی خولی ٹرخا دیا جائے ٹوم ٹلی سجالی جائے۔ لیکن اس طرح سے کسی بھی صورت ملک میں مسائل کا سلسلہ کم نہ ہوگا اور بڑھتا ہی جائے گا اور پھر بھوکی پیاسی اور مفلس عوام سوائے رونے چیخنے چلانے اور واویلا کرنے کے کیا کرسکتی ہے اور جب معاملہ بہت زیادہ برداشت سے باہر ہو جائے تو پھر خودکشی اور خودسوزی کی شکل میں اپنے غصے اور بے بسی کا اظہار کرتی ہے لیکن اشرافیہ اور بھکاری بادشاہوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ان کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور عوام اسی طرح اپنی قیمتی جانوں اور خون و پسینے کو ضائع کرتی اور بہاتی رہے گی اور حکمران اپنے معمولات کو اسی شد

ومدے ساتھ جاری رکھیں گے اور بھوکے اور بھکاری دونوں انقلاب کا انتظار کریں گے۔

فروری یوم یکجہتی کشمیر 5

تمام دنیامیں پاکستانی کمیونٹی کے درمیان 5 فروری اتحاد اور کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کا دن ہے کشمیر کے ساتھ یکجہتی کا دن ہے۔ ہر سال فروری کی 5 تاریخ کو1990 سے لیکر آج کے دن تک بھارتی مقبوضہ کشمیر کے خلاف احتجاج کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کشمیری اس دن سے آج تک پاکستان کے ساتھ الحاق کے نعرے بلند کر رہے ہیں جب سے مقامی لوگوں کی مرضی کے خلاف جموں و کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے اکتوبر1947 میں بھارت کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان کیا ہے۔ تاہم کشمیر تحریک بنیادی طور پراس دن سے شروع ہو گئی تھی جب برطانیہ نے سکھ حکمران کومعاہدے کے تحت علاقے کو بیچ دیا تاہم 1931 سے ڈوگراروں کے خلاف تحریک جاری ہے اور ابھی تک کشمیری بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔

پھر بھی 5 فروری کو ان کے کشمیری بھائیوں کے ساتھ آنے والے تمام پاکستانی کشمیری لوگ جواب بھی بھارتی جبر کے جوا کے تحت سڑ رہے ہیں کے ساتھ شہدا کو سلام اور اظہاریکجہتی پر خراج عقیدت پیش کریں گے۔ اس سال 26 جنوری کو پوری دنیا میں تمام کشمیریوں نے بھی بھارتی یوم جمہوریہ کو یوم سیاہ کے طور پر منایا۔

پاکستانی عوام نے کشمیریوں کے ساتھ اتحاد اور یک جہتی کرنے کیلئے اور کشمیر میں بھارتی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی بھی مذمت کی ہے یہ واضح ہے کہ 1989 سے 15 اکتوبر 2012 کے بعد تک 93801 بے گناہ افراد کو قتل کیا گیا مختلف کیمپوں او جیلوں میں حراست کے دوران 6996 افراد کو قتل کیا گیا۔ مجموعی طور پر 120392 افراد کو گرفتار کیا گیا جبکہ مکانات اور پراپرٹی کے نقصانات 105955 تھے۔ 22764 عورتوں کو گرفتار اور زخمی کیا گیا 10042 خواتین کو ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی جبکہ 107441 معصوم اور بے گناہ بچوں کو یتیم کر دیا گیا۔

خاص طور پر سینئر افسران سمیت بھارتی فوجیوں کی خدمت کے حوالے سے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی میں ملوث پائے گئے جیسا کہ روزنامہ گارڈین کی رپورٹ میں بتایا گیا۔ برطانیہ کے ایک معروف اخبار کی شائع شدہ مضمون کو حوالے کے طور پر ہمالیہ کی ریاست میں قانونی ماہرین کی طرف سے رپورٹ کیا گیا اور مزید بتایا گیا کہ اس میں عام پولیس مین سے لے کر جنرل رینک تک کے افسران شامل ہیں۔ مصنف جیسن برک دہلی کی بنیاد پر کہتا ہے کہ پچھلے بیس سالوں میں نئی دہلی کے حکمرانوں کی جانب سے مسلح مذہبی اور سیاسی گروپوں کے درمیان فائرنگ اغوا تشدد اور عصمت دری کے واقعات عام ہیں۔

بے شک جموں اور کشمیر کے معاملے میں اقوام متحدہ کے ایجنڈے میں سب سے پرانا حل طلب مسئلہ ہے اور 1948 سے لیکر 1971 تک بہت سی قرار دادیں منظور ہوچکیں اور بہت سے بحث و مباحثے کئے گئے اور اقوام متحدہ کی جانب سے سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 91,96 سال 1951 اور قرارداد نمبر 98 1952 میں واضح طور پر اقوام متحدہ نے UNCIP رائے شماری کا کہہ دیا گیا۔ اور ان تمام قراردادوں بشمول بھارت کو کہا کہ وہ صحیح اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کرائے تاکہ جموں اور کشمیر کے مستقبل کے حالات کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکے کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔

مرحوم وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے چین بھارت جنگ کے دوران اس بات پر اتفاق کیا لیکن جنگ کے بعد مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے ساتھ کیا وعدہ اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا اور اس مسئلے پر دونوں ملکوں کے درمیان بھی شامل ہے CBMs چار جنگیں لڑی گئیں۔ اس حوالے سے باہمی گفتگو شنید جس میں میں مسئلہ کشمیر کو لایا گیا لیکن بھارت نے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی جبکہ پاکستان نے ہمیشہ اسے سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں پاکستان نے اسلام آباد میں انڈیا سے باہمی اعتماد کے طریقوں پر بات کرنے کو ترجیح دی لیکن دہلی نے کبھی بھی مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں

حوصلہ افزا ردعمل نہیں دکھایا۔ دونوں دارالحکومتوں کے درمیان معمول کے تعلقات مضبوط کرنےکے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی پاکستان کی جانب سے بارہا کوشش کی گئی لیکن بھارت ہمیشہ پانی اور کشمیر کے مسئلہ پر ہچکچاتا رہا۔ اور کبھی بھی اس تنازعہ کو حل کرنے میں کوئی مثبت پیش رفت نہ دکھائی۔

نتیجتاً کشیدگی بڑھتی گئی اور حالات اس وقت مزید کشیدہ ہوگئے جب 6 جنوری کو اسی سال لائن آف کنٹرول پر حاجی پیر سیکٹر میں ایک پاکستانی چیک پوسٹ پر حملہ کرکے ایک پاکستانی فوجی شہید اور کئی کو زخمی کردیا 10 اور 16 جنوری کو لائن آف کنٹرول پر گرما گرمی اور پاکستانی فوجی کو گولی مارنا۔ دوسری طرف بھارتی اشرافیہ سیاسی اور فوجی دونوں کو جنگ فوبیا ہوگیا ہے اور جنگ مسلط کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم کا اسلام آباد کا دورہ کینسل کرنا وولر بیراج پر مذاکراتی ٹیم کو روکنا پاکستانی ہاکی ٹیم کے کھلاڑی کے ساتھ شرمناک رویہ۔ پاکستانی ثقافتی سفیر کے خلاف احتجاج۔ پاکستانی سفارت خانے کے سٹاف کو جے پور کا وزٹ کرنے سے روکنا۔ لائن آف کنٹرول پر کشیدگی پر انڈین آرمی اور فضائیہ کے چیفس کی جانب سے دھمکی اور کشمیری لوگوں کو دھمکی کہ وہ زیر زمین بنکرز میں ممکنہ جوہری حیاتیاتی اور کیمیائی جنگ کیلئے تیاری کررہے ہیں جبکہ انتخابات سے قبل افواہوں کا پھیلانااور مخصوص لابی تیار کرنا شامل ہیں۔

اصل میں مسئلہ کشمیر پر ہمیشہ اندرونی اور بیرونی سیاست میں بھارت پاکستان میں بہت ہی جذباتی پہلو رہا ہے ہم شروع سے تسلیم کرتے ہیں دونوں حکومتوں کے لئے اس مسئلے سے صرف نظر کرنا بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ جیتنا اور جیتنا ہی اسکی روایت ہے۔

انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگوں کی تاریخ بھی اسی مسئلے سے براہ راست جڑی ہے اور جنوبی ایشیا میں سیکیورٹی حالات بھی اس سے متاثر ہیں اس کے علاوہ علاقائی قدرتی وسائل جغرافیائی حصوصیات زرعی معیشت پن بجلی پیدا کرنے کی ضرورت اہم مقامات اور ایٹمی تنصیبات کی ترقی جیسے عوامل کو سپر پاور کی مداخلت سے تحریک دی جا سکتی ہے۔

علاقائی سیکیورٹی قدرتی وسائل کو قبضے میں کرنے کی کوشش کی بنا پر غیر محفوظ رہی ہے تاہم ہمارا کہنا ہے کہ دو نیوکلیائی طاقتوں کے درمیان تنازعہ کو حل کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بگاڑ کی شکل میں یہ علاقائی نیوکلیئر جنگ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ تاہم علاقہ کا مستقل امن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک سیاچن سر کریک وولر بیراج پانی اور بالخصوص کشمیر کے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ لیکن ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستانی عوام کشمیریوں کے ساتھ ان کے شانہ بشانہ ساتھ کھڑی ہے ۔تاوقتیکہ کشمیر آزاد ہو جائے

ملک کی ترقی کیلئے چینی صدر درکار ہے

چینی سرکاری میڈیا کے مطابق چینی حکومت نے سرکاری خرچ پر اعلی فوجی افسران کیلئے پر تعیش دعوتوں کے اہتمام پر پابندی عائد کردی ہے۔ کیونکہ اس اقدام سے افسران عیش کوشی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ملک میں بدعنوانی پروان چڑھتی ہے۔ مزید بتایا گیا کہ دورے پر جانے والے افسران کو لگژری ہوٹلز اور مہنگی گاڑیاں استعمال کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ اور ایسا ہی ایک حکم نامہ سویلین حکام کیلئے بھی جاری کیا گیا ہے۔ چین کے نو منتخب صدر شی جن پنگ نے چین کی کمیونسٹ پارٹی کے اعلی فوجی اور سول حکام پر مشتمل کمیٹی کے آٹھ نکات پر حکم نامہ جاری کیا۔ ان آٹھ نکات میں یہ باور کرایا گیا کہ افسران ملک کی ترقی اور عوام کی خوشحالی کیلئے اپنے طور طریقے تبدیل کریں۔ اس کے علاوہ انھوں نے فوج میں بھی خوش آمدیدی بینرز، سرخ قالینوں اور پھولوں کی آرائش وزیبائش کے ساتھ ساتھ تحفے تحائف کے لین دین پر بھی پابندی عائد کردی ہے۔ اس کے علاوہ اخراجات میں مزید کمی کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو افسران کسی معائنے کی غرض سے دوروں پر جائیں گے ان کو بھی پر تعیش اور مہنگے ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اس دوران وہ مہنگی گاڑیاں بھی استعمال نہ کرسکیں گے اور ہوٹر اور سائرن کا بے جا استعمال بھی ممنوع ہوگا۔ ان تمام احکامات کا پس منظر صدر

شی جن پنگ کی جانب سے یہ بتایا گیا ہے اگر پر تعیش طور طریقے جاری رکھے گئے تو ملک میں بدامنی پھیلے گی اورانتشار اور کشمکش بڑھے گی جو کہ ملک و قوم کیلئے کسی بھی طرح سے سود مند نہیں۔

سبحان اللہ ! واہ جی۔چین کے صدر کی کیا بات ہے ! لگتا ہے کہ وہ اپنے ملک کیلئے اور اس کی عوام کیلئے مخلص ہیں اوران کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں اور آج کے دور میں بالخصوص پاکستان میں اس قسم کی باتیں "دیوانے کا خواب" معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ہم لوگ اور بالخصوص ہمارے حکمران تو تعیشات کے اس قدر دلدادہ و گرویدہ ہو چکے ہیں کہ اس قسم کی باتیں فضول نظر آتی ہیں کہ وزیر ہو اور اعلی نسل کی گاڑی نہ ہو مشیر ہو اور مشورہ دینے کی غرض سے کسی مہنگے ہوٹل میں قیام نہ ہو، ایم این اے ہو اور ان کی آمد پر پھولوں کی پتیاں نچھاور نہ کی جائیں اور رنگیں بینرز سے ان کو ویلکم نہ کیا جائے۔ایم پی اے ہو اور ان کی آمد پر انہیں تحفے تحائف نہ دیئے جائیں۔ کوئی سیکرٹری ہو کہ ڈپٹی سیکرٹری،ڈائریکٹر، آر پی او، سی پی او ہو کہ ڈی سی او، اے سی حتیٰ کہ ایک پٹواری و پولیس اہلکار تک اس بات کا خواہاں اور شائق ہے کہ اگر اس قسم کے لغویات نہ کی جائیں تو ان کی شان میں گستاخی تصور کیجاتی ہے اور مرتکب فرد یا افراد کو ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے اور اسے جاہل، بے ادب اور نہ جانے کیا کیا القابات سے نوازا جاتا ہے۔

لیکن ! لیکن !اگر ہم اپنی ہسٹری اٹھا کر دیکھ لیں تو بانیان پاکستان میں بہت سے ایسے لوگ مل جائیں گے کہ جنھوں نے ان فضول لغویات سے قطع نظر اپنے سامنے ملک کی حالت اور عوام کے مفاد کو رکھا اور کم سے کم وسائل کو استعمال کرکے ملک و قوم کو اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کا درس دیا۔ ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ کہ پاکستان بننے کے بعد کراچی میں پہلی قومی پریڈ ہوئی اور قائداعظم محمد علی جناح نے اس پریڈ کی سلامی لی۔ تو وہاں پر پروٹوکول کی مجبوریوں،اعلیٰ ملبوسات کی نمائش اور مصنوعی چکاچوند کے بغیر بانی پاکستان کیلئے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر اینٹوں کی مدد سے سلامی کیلئے چبوترا بنایا گیا اور اس پر ایک میلی سی دری بچھائی گئی جس سے ایک چھوٹا سے سٹیج بن گیا۔ اور اس استقامت کے پیکر نے آہنی ارادوں کے ساتھ ملک پاکستان کی ترقی اور قوم کی بہتری اور خوشحالی کا عزم کیا۔ لیکن ان کا عزم اور ارادے آج کی اس نام نہاد گورنمنٹ اور ان کے چیلے چپٹوں نے خاک میں ملادی ہے۔ اور مکار لومڑی کی طرح اپنے حصے کی خاطر اندھے اور بہرے بے حس حکمرانوں کو شکار کے نئے نئے طریقے متعارف کراتے رہتے ہیں۔

آج قائداعظم کی روح ہم میں سے پرواز کرچکی ہے۔ حکمرانوں کیلئے ملک و قوم کسی کھاتے میں نہیں سوائے اس کو لوٹنے اور زیر بار کرنے کے۔ انہیں صرف اور

صرف اپنے کروفراور گردن میں سریے کی فکر ہے۔ انہیں نہ تو ملک کی عزت و وقار سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی عوام سے کوئی مطلب ہے۔ بیرون ملک کے دوروں پر کروڑوں روپے ایسے فضول میں خرچ کردیئے جاتے ہیں جیسے کہ ان کے باپ کا مال ہو یا حرام کی کمائی ہو۔ان کے نخرے ہیں کہ ختم ہونے کا نام تک نہیں لیتے ۔ مظلوم عوام بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنی ان کے اللے تللے برداشت کرتی ہے۔

کسی جلسے میں جاتے ہیں تو عذاب میں بھی پھر عوام آجاتی ہے سڑکیں بلاک کردی جاتیں ہیں گلیوں کو کیموفلاج کردیا جاتا ہے گھروں اور حتیٰ کہ مساجد میں لوگ باجماعت نماز تک ادا نہیں کر سکتے ۔کیا یہ قائدا عظم کا پاکستان ہے ؟ بالکل نہیں ۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کیلیئے بھی قائدا عظم یا پھر چینی صدر شی جن پنگ کی ضرورت ہے جو کہ صرف اور صرف ملک و قوم کیلیئے سوچے۔کاش میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنے ملک کی صدارت چین کے صدر کے حوالے کردیتا کیونکہ جب پہلے بھی امپورٹڈ صدر اور وزیراعظم پاکستان پر حکومت کر سکتے ہیں اور اس کی قسمت کا فیصلہ کرکے اسے پستی و تنزلی میں دھکیل سکتے ہیں تو پھر ہمسایہ دوست ملک کے صدر کو عوام و ملک کے بہترین مفاد میں اپنا صدر بنالینا کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوگی کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اس حکم نامے پر عمل درآمد کروانا جانتے ہیں۔

فرانسیسی صدر کو چوری کے اونٹ کا تحفہ

العربیہ کی رپورٹ کے مطابق فرانسیسی صدر فرانسواولانڈ کے دورہ مالی کے دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ انہیں اپنے دورے کے دوران عرب نسل کے ایک قیمتی اونٹ کا تحفہ پیش کیا گیا جسکا مقصد ملک کے شمالی حصے کو اسلامی جماعتوں کے چنگل سے آزاد کرانے کا بطور شکریہ تھا جس سے انہیں بہت زیادہ خوشی محسوس ہوئی اس کے ساتھ تصاویر بنوائیں لیکن انکی خوشی اس وقت ہوا ہو گئی جب انہیں معلوم ہوا کہ تحفے میں دیا جانیوالا اونٹ دراصل چوری کا ہے اور وہ کسی عرب کی ملکیت ہے اور مالک صدر پرچوری کا مقدمہ کرانے کی تیاریوں میں مصروف ہے اس اونٹ کے مالک کا تعلق مالی کے شہر ٹمبکٹو کے مضافات سے ہے اور وہ فرانسیسی فوج کے مظالم سے تنگ آ کر موریطانیہ نقل مکانی کر چکا ہے اس عرب نے ازوادی قبائل کے تعاون سے موریطانیہ کی سپریم کورٹ میں فرانسیسی صدر کے خلاف اونٹ کی چوری کا مقدمہ دائر کرنے کی تیاری بھی کی ہے تاہم مقدمہ دائر ہونے سے قبل ہی فرانسیسی حکام کو اس واقعے کی خبر مل گئی اور انہوں نے اسی میں عافیت جانی کہ جلد از جلد اونٹ کو واپس لوٹا دیا جائے تاکہ کسی عدالتی کارروائی کا سامنا نہ کرنا پڑے چونکہ فرانسیسی حکام اس مقدمے سے صدر اور ملک کی ہونے والی سبکی اور شرمندگی سے باخبر تھے اسی وجہ سے انہوں نے بری الذمہ ہونے میں ہی عافیت.

محسوس کی۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ اس سارے واقعہ کا مقصد صدر کو ڈی ویلیو کرنا تھا اور یہ ایک نہایت ہی بھونڈا مذاق تھا جو کہ صدر کے ساتھ کیا گیا ان کے مطابق اگر یہ مقدمہ صدر کے خلاف دائر ہو جاتا تو یہ فرانس کے خلاف دائر کئے جانے والا اپنی نوعیت کا واحد مقدمہ ہوتا۔ اس کے باوجود مالی اور کی سماجی ویب سائٹس پر اس اونٹ پر تبصروں کی بھرمار ہے اور ان میں اکثر پیغامات میں مالی اور فرانسیسی حکام کو شدید تنقید اور طنز ومزاح کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

قارئین کو یقینا معلوم ہوگا کہ مالی میں اونٹ شمالی علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور شمالی علاقوں کو ہی فرانسیسی فوجیوں نے اسلام پسندوں سے خالی کرایا ہے اور یہاں اسلام کے حامیوں پر مظالم کا سلسلہ اور قتل و غارت گری جاری ہے تاہم فرنچ صدر کو اونٹ کا تحفہ جنوبی علاقے میں واقع مالی کے دارالحکومت باماکو میں دیا گیا اور یہاں ویسے بھی اونٹ پالنے کا رواج نہیں کیونکہ یہاں کا موسم اس کے موافق نہیں۔

یہاں پر یہ سارا واقعہ کوڈ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرانسیسی صدر اور حکام کو یقینا معلوم ہے کہ عزت و توقیر کی کیا قیمت ہوتی ہے اور اگر دنیا میں ذرا

.برابر بھی سبکی یا ذلت کی بات کی گئی تو پوری مملکت اور قوم کو سبکی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کا عوام کو جواب بھی دینا ہو گا لیکن یہاں مملکت خداداد وطن عزیز پاکستان میں حالات و خیالات و نظریات بالکل برعکس ہیں یہاں پر تو صدر سے لیکر ایک چپڑاسی تک اس ملک کو لوٹنے اور اس کی عزت و توقیر کو مٹی میں ملانے پر تلے ہوئے ہیں اور جس کا جہاں تک بس چلتا ہے ملک کی املاک کو کھانے کی کوشش میں مصروف دکھائی و سنائی دیتا ہے ان کی سوچ تو یہ ہے کہ مال آنا چاہیئے عزت کو آنی جانی شے ہے اور مقدمات تو ہوتے ہی رہتے ہیں روز کا معمول ہیں فرانسیسی صدر تحفے میں ملنے والا اونٹ نہ بچا سکے اور یہاں تو بلڈنگوں کی بلڈنگیں غائب کر دی جاتی ہے اور ڈکار بھی نہیں لی جاتی۔

ستر فیصد لوگ

پاکستان میں عرصہ دراز سے نظام کو تبدیل کرنے کی بات چل رہی ہے عوامی جذبات کی ترجمانی کرنے کے دعویٰ کئے جارہے ہیں فرسودہ اور روایتی سسٹم کو ختم کرنے کی باتیں ہورہی ہیں۔ عوام میں بھی چینج کی کی لہر ہے جو دوڑنے کو تیار ہے لیکن ہر مرتبہ وہ پاکستانی بجلی کی طرح آتے ہی غائب ہوجاتی ہے اور پھر لمبے عرصے کے بعد دکھائی دیی ہے ور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ جس طرح سے ہم بجلی کی "آنیاں اور جانیاں" پر قابو نہ پاسکے اسی طرح پاکستان میں تبدیلی نظام ایک نہایت ہی مشکل اور صبر آزماکام ہے جو کہ بہت زیادہ توجہ، خلوص، صائم اور جذبہ کی قربانی مانگتا ہے لیکن یہ کام کرنے کو کوئی تیار نہیں اور چوری کھانے والے مجنوں بننے پر تلے ہوئے ہیں اور الیکشن کیلئے سب ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں جو کہ ناممکن امر ہے۔

وطن عزیز میں عمران خان ہو کہ طاہر القادری جنہوں نے نظام کو تبدیل کرنے کی بات کی اور اس سلسلے میں ملک گیر جلسے جلوس اور مارچوں کا سلسلہ شروع کیا۔اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح کلئیر ہو گئی کہ ہر پہلے جلسے کی نسبت ہر مرتبہ دوسرا جلسہ تعداد اور مقبولیت کی کمی کا شکار رہا۔ چاہے وہ عمران خان کا

جلسہ ہو کہ شیخ الاسلام طاہر القادری کا۔ جلسوں کی عوامی کمی اور غیر دلچسپی کی وجوہات کیا ہیں کہ ہم جلسوں میں جن لوگوں کو نظام بدلنے کیلئے تیار کرتے ہیں انہیں بلاتے ہیں اور تیار ہو جاتے ہیں اور آ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی نظام کی تبدیلی کے دلی طور پر خواہاں ہیں لیکن بدقسمتی سے 30 فیصد لوگ ہیں جنہیں ہم شہری پڑھا لکھا اور سمجھ بوجھ رکھنے والے خواندہ کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ سب لوگ ووٹ دے کر پارٹی کو کامیاب بھی کروائیں گے۔ مگر باقی کے ستر فیصد لوگ جو کہ دیہاتی علاقوں سے تعلق رکھنے والے ہیں ان پڑھ اور ناخواندہ ہیں آخر انکا بھی تو ووٹ ہے جو کہ ہمیشہ کی طرح خان ازم، شاہ ازم، مخدوم ازم، لغاری و کھوسہ ازم، بھٹو ازم، قبیلہ ازم شریف ازم، برادری ازم اور وڈیرہ ازم کے جابرانہ اور سفاکانہ شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے اور اس سے باہر نہیں نکل سکتا اور انھوں نے اپنے ووٹ بھی بغیر کسی نظریے، کسی تصور کسی سوچ اور بغیر کسی تبدیلی کی خواہش کے کاسٹ کرنے ہیں اور ان تمام ازموں میں سے کسی ایک یا چند کو تمام عوام کی زندگی اور مقدر کا فیصلہ کرنے کیلئے ہمارے سروں پر مسلط کروا دینا ہے۔ تو پھر تبدیلی کیسے آئے گی؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ان ستر فیصد ہجوم کے لیڈرز کو ان کی معمولات زندگی سے بے دخل کیا جائے کیسے چند لوگوں کو ستر فیصد کی زندگی کے فیصلے

کرنے سے روکا جائے تو اس کیلئے محنت اور شدید محنت کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان لوگوں تک رسائی حاصل کی جائے ان کے معاملات کو دیکھ پرکھ کر ان کے حل کی یقین دہانی کرائی جائے ان کے تھانے کچہری کے معاملات کو دیکھا جائے ان کی ضروریات روزمرہ کو پورا کیا جائے۔ بالخصوص انہیں انکے اپنے حقوق سے آگاہی دلائی جائے ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کو سمجھایا جائے لیکن یہ سب کچھ دنوں میں ہونے والا نہیں۔

شہروں میں پڑھے لکھے لوگوں میں جلسے اور مارچ کرنے سے ہونے والا نہیں۔ ٹی وی شوز ٹاک شوز میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے سے تبدیلی نہیں آنے والی کیونکہ میرا سوال پھر وہیں کھڑا ہے کہ یہ 30 فیصد لوگ تو ٹی وی چیلنز دیکھتے ہوں گے آپ کی آواز اور سچائی سنتے اور دیکھتے ہونگے لیکن ان ستر فیصد کے گھروں میں تو کیبل نہی آتی نا اور اگر کسی کے ہاں آتی ہے تو اسے ان ٹاک شوز سے کوئی دلچسپی نہیں اسے تو صرف زی ٹی وی سٹار پلس کلر ٹی وی اور سونی ٹی وی پر چلنے والے ڈرامے اور فلمیں دیکھنا زیادہ مرغوب ہے۔ انہیں نہیں معلوم آئین کیا ہوتا ہے اور اس کی شق کیا ہوتی ہے آئین انہیں کیا حقوق دیتا ہے اور ان سے کن فرائض کی ڈیمانڈ کرتا ہے۔ لہٰذا تبدیلی کیلئے ان ستر فیصد لوگوں کی سوچ ذہنیت رویے اور اقدار کو بدلنا ہوگا پھر ہی تبدیلی آئی گی اور پھر اسے کوئی نہیں روک سکے گا فی الوقت آنے والی الیکشن اس تبدیلی

ہوگئے برا ہے۔

مارکنگ سسٹم کو بہتر بنا کر طلبا کو خود کشی سے بچایا جائے

اس نے میٹرک میں 85 فیصد نمبر حاصل کئے تھے اور آج اس کا فرسٹ ایئر کا رزلٹ اناؤنس ہونا تھا ان کا رواں رواں بے چین تھا اور آج کا رزلٹ بھی کچھ تاخیر کا شکار تھا آخر کار رزلٹ انٹرنیٹ پر ڈسپلے ہونا شروع ہوا اور جب اس نے اپنا رولنمبر لکھ کر submit کیا تو جو رزلٹ اس کے سامنے تھا وہ اس کی سوچوں تمناؤں اور خواہشوں کو تہہ و بالا کرنے کیلئے کافی تھا اس نے دوبارہ رولنمبر چیک کیا لیکن رزلٹ وہی رہا یعنی کہ وہ تین مضامین میں فیل تھا۔ اس کا سر گھوم رہا تھا دنیا چکر کھاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہایت دل برداشتہ تھا اس کے دل و دماغ اس رزلٹ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا کہیں کوئی رہ نظر نہیں آتی تھی کوئی راستہ کوئی منزل کوئی حل سجھائی نہ دیتا تھا آخر جو حل اسے قابل عمل لگا اس نے اس پر عمل کر ڈالا جی ہاں اس نے خود کشی کر لی۔ خود کو نظام تعلیم کی
خامیوں، بداعمالیوں اور بے حسی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا کیونکہ اس کے پاس اسکے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ شہزاد احمد گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کا طالب علم تھا حالانکہ جب ری چیکنگ کی گئ تو وہ پاس تھا اور اسی طرح سے بیس سے زائد طالب علموں نے فیل ہونے پر خود کشی کی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی سٹوڈنٹ اس حد تک جاتا ہے تو اس میں ذمہ دار کون ہے؟ والدین گھریلو ماحول تعلیمی بورڈ پیپر مارک کرنے والے اساتذہ یا پھر خود طلبہ۔ اگر اس میں کہیں پر قصور طلبہ کا ہے تو لازمی طور پر تعلیمی بورڈز اور بالخصوص وہ پیپر چیک کرنے والے اساتذہ ہیں جو صرف اور صرف بنڈل کو مکمل کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں کہ بنڈل جتنے زیادہ چیک ہونگے معاوضہ اتنا ہی زیادہ ملے گا اس سے کسی کا مستقبل تباہ ہوتا ہے تو ہو جائے کوئی جان سے جاتا ہے تو چلا جائے انہیں تو صرف اور صرف پیسے بنانے سے غرض ہے اور گذشتہ دو تین سالوں سے تو یہ پریکٹس عام ہو چکی ہے -اور مارکنگ میں غلطیوں کی بھرمار اس قدر سامنے آئی ہے کہ رہے نام اللہ کا
قارئین کرام افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر سٹوڈنٹ ری چیکنگ (ری کاونٹنگ) کی درخواست دے تو فی مضمون 750 روپے بورڈ کو ادا کرنے پڑتے ہیں اور پھر ایک مخصوص فارمیٹ کا ایک لیٹر سب کے پاس جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا پیپر چیک کرلیا ہے اور اس میں کوئی کمی یا خامی نہ پائی گئی ہے پھر بھی اگر آپ خود آ کر دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ کو بورڈ میں حاضر ہوں اس لیٹر کے بعد نوے فیصد طلبا اسی پر اکتفا کرلیتے ہیں اور جو دس فیصد بورڈ کے دفتر جا دھمکتے ہیں ان میں سے 99 فیصد کو اپنے پیپرز میں غلطیوں سے واسطہ

پڑتا ہے اور کچھ کے نمبرز بھی بڑھ جاتے ہیں لیکن ! اس غلط مارکنگ کرنے والے استاد" سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی اور کیسے ہو کہ ایسے ہی لوگ تو بورڈ کے ریونیو" میں اضافے کا سبب بنتے ہیں یعنی خود بھی کھاتے ہیں اور بورڈ کو بھی مستفید کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں بیچارے غریب اور نادار طلبا اور والدین-

پرچوں کی چیکنگ اور ری چیکنگ کا معیار اور طریقہ کار طلبہ کیلئے اس قدر سنگین اور گھمبیر بن چکا ہے کہ اس معاملہ میں ان کی حالت اس شخص جیسی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور اپنے تئیں تمام تر کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ خود کو موجوں کے حوالے کر دیتا ہے کہ اب قسمت میں بچنا ہوا تو بچ جائیں گے ورنہ موت تو مقدر ہو چکی ہے اس سارے عمل میں "دریا" اور مرکزی نقطہ پیپر چیک کرنے والہ وہ ٹیچر ہے جو لاکھوں کروڑوں بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے لیکن افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک ایف اے بی اے پاس کرکے بھرتی ہونے والا ٹیچر سائنس کے مضامین کی چیکنگ کر رہا ہوتا ہے جسے آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیت تک معلوم نہیں ہوتی کہ ان کے ملنے سے پانی بنتا ہے نتیجتاً وہ ٹیچر بہت سے بچوں کے فیل ہونے کا سبب بنتا ہے اور قانون وہی ہے کہ غلط ہوگیا تو ہوگیا اب کوئی چارہ نہیں-

پاکستان میں آئے روز نت نئے تجربات نے تعلیم کے شعبے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ تعلیم جیسے حساس شعبے کو سیاستدانوں اور بیوروکریسی نے تختہ مشق بنالیا ہے آئے روزنئے نئے تجربے کرکے تعلیم کو مذاق بنادیا گیا ہے۔ گذشتہ 65 سالوں میں پاکستان میں آنے والی ہر سیاسی و معاشی تبدیلیوں کے پیچھے جس طرح سے بیوروکریسی اپنی پالیسیاں تھوپتی ہے اسی طرح تعلیم کے معاملے میں بھی یہی حال ہے۔ اگر ہم ترقی یافتہ اقوام کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ ہوگا کہ آج جس مقام پر جنوبی کوریا اور ملائیشیا کھڑے ہیں وہ سب کا سب تعلیم کی ترقی واہمیت کے سبب ہی ہے جبکہ پاکستان میں ہماری تعلیمی پالیسی آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کا منظر پیش کررہی ہے۔

یہ ساری تمہید اور باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب پھر میٹرک کے امتحانات سرپر ہیں اور طلبا وطالبات کے ساتھ ساتھ والدین بھی پوری طرح سے اس میں involve نظر آتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ نت نئے تجربات کرنے کی بجائے پہلے سے موجود سسٹم کو بہتر بنایا جائے اور ایجوکیشن سیکٹر کو مزید تختہ مشق نہ بنایا جائے تاکہ مزید طالب علموں کو خودکشی سے بچایا جاسکے اور انہیں ملک و قوم کیلئے معاون و مددگار بنایا جاسکے علاوہ ازیں چیک اینڈ بیلنس کے ذریعے "معزز استاد" کو بھی پابند کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں پر ان کی اہلیت کو مستقل ختم کرکے نظام کو شفاف

بنایا جائے۔

یہ کیسی امن کی آشا ہے....؟

یہ کیسی امن کی آشا ہے کہ پاکستانی ہاکی ٹیم کو اپنے میچز کھیلے بغیر واپس آنا پڑا کہ انہیں ناصرف کھیلنے سے روک دیا گیا بلکہ ان کی جان کی حفاظت کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔ پاکستان کی وویمن کرکٹ ٹیم کو سٹیڈیم میں ہی نظر بند کر دیا گیا انڈیا میں کوئی ہوٹل اور ریسٹورنٹ ایسا نہیں تھا کہ جس نے یہ ذمہ داری قبول کی ہو یا ہمت کی ہو کہ وہ پاکستان وویمن کرکٹ ٹیم کو اپنے ہوٹل میں رہائش دیں گے۔ ہندو شدت پسند اور متعصب جماعت کی دھمکی کی وجہ سے سب کی "چیں" بول گئی اور ویسے بھی ہماری کرکٹ ٹیم ان کی لگتی ہی کیا ہے کہ ان کیلئے کوئی ڈان شیو شینا یا ان کے کسی آرڈر کی عدولی کرے یا پنگا لے۔

یہ تو تازہ ترین واقعات ہیں جو کہ ہمارے پسندیدہ پڑوسی ملک میں ہمارے کھلاڑیوں کے ساتھ روا رکھے گئے اس سے تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو کبڈی کے ٹورنامنٹ میں کیسے پاکستانی ریسلرز کو انڈر اسٹیمٹ کیا گیا ان کے حوصلے پست کرنے کی بزدلانہ کوشش کی گئی۔ بار بار ڈوپ ٹیسٹ کروائے گئے جو کہ غیر قانونی و غیر اخلاقی تھے لیکن ملک پسندیدہ ہے اور امن کی آشا چل رہی ہے۔ دنیا میں واحد فائنل میچ تھا جو کہ انڈیا میں ہوا کہ جسکے بارے میں ہماری ٹیم کو یہ

معلوم ہی نہ تھا کہ فائنل میچ کہاں پر کھیلا جائے گا اور کس وقت کھیلا جائے گا اور جب میچ ہوا تو بے ایمانی کی انتہا کی گئی اور نتیجہ انڈیا کی حسب منشا آیا اور پاکستان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا لیکن کہیں کوئی عالمی ٹھیکیدار وارد نہ ہوا اور امن کی آشا جاری رہی۔ بات یہیں پر ختم ہو جاتی تو شاید ہم بھی حکمرانوں کی طرح امن کی آشا کی عینک لگائے امن اور پسندیدگی کے گیت گاتے جاتے لیکن جب ہماری بلائنڈ کرکٹ ٹیم کے کپتان کو جو کہ ہمارا سب سے بہترین کھلاڑی تھا ان کو پانی یا مشروب کے بہانے تیزاب پلا دیا گیا جس نے ان کی حالت غیر ہو گئی لیکن ہماری غیرت اپنی نہ ہو سکی مگر بھارت کی انسان دوستی اور امن سے محبت روز روشن کی طرح دنیا پر عیاں ہو گئی لیکن عالمی ٹھیکیداروں اور ملکی ٹھیکیداروں کی خاموشی ایک معمہ ہی رہی اور ویسے بھی جب تک "اباجی" کی طرف سے کوئی مزاحمت کوئی مذمت دکھائی اور سنائی نہیں دیتی اس وقت تک ہماری آنکھوں سے امن کا شہد ٹپکتا رہے گا اور کانوں میں پسندیدگی کی لہریں شہد گھولتے رہیں گے

حالیہ مسئلہ لائن آف کنٹرول پر بھارتی فوجیوں کی جانب سے بے غیرتی کا ایک اور مظاہرہ کیا گیا لیکن عالمی ٹھیکیداروں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی بلکہ کوشش کی گئی کہ سارا ملبہ پاکستان آرمی پر ڈال دیا جائے اور انڈین

آفیشلز کے بیانات کہ ج تک لائن آف کنٹرول پر کشیدگی پیدا کرنے بارے پاکستان ذمہ داری قبول نہیں کرتا اس وقت تک پسندیدگی اور امن کے مذاکرات بند ہو جانے چاہئیں

۔

جب اس قسم کے بیانات بھارت کیجانب سے آنے لگتے ہیں تو ہمارے "محبتی لوگوں" کے دلوں کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے انہیں ایسے محسوس ہوتا ہے اگر امن کی آشا نہ اڑی اور پسندیدگی برقرار نہ رہی تو کوئی قیامت آجائے گی۔ یہ اس عوام کو بتایا جائے کہ جس کے بل پر آپ اس مملکت خداداد پر من مانی کر رہے ہیں جس کے نام پر اربوں روپے کے فنڈز ہڑپ کر رہے ہیں ان کو بتایا جائے کہ ایسی کیا مجبوری ہے کہ وہ انڈیا والے بات بے بات جس طرح چاہیں ہمارے وفود کو ذلیل و رسوا کریں لیکن ہم انہیں صرف like کرتے رہتے ہیں اور فیورٹ قرار دیتے ہیں۔ خاکم بدہن اگر محبت اتنی ہی جوش مارنے پر تل گئی ہے تو بنگلہ دیش کی طرح باقی حصہ میں ان کو دان کرکے ان کی گود میں بے شرمی و بے حیائی کی نیند کے مزے لوٹتے جائیں

خدارا کچھ تو اپنی عزت واکرام بنالو کبھی تو پاکستانیت کا سکہ منوالو۔ کہیں تو مسلم غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرلو۔ تو کون ؟ میں خوامخواہ .... کی کھال سے نکل آؤ تا کہ ہمارے وقار عزت و تکریم کا کچھ تو مورال بلند ہو عوام کو بتایا

جائے کہ یہ کیسی امن کی آشا ہے؟

آخر کب بدلیں گے حالات؟

دنیا خوشیوں اور مسائل کی آماجگاہ ہے۔جہاں دنیا میں خوشیوں کو بھرپور انداز میں انجوائے کیا جاتا ہے وہیں پر مسائل کی بھرمار کا بھی سامنا ہے۔ جسکی ایک مثال ضلع لودہراں کی پرانی تحصیل کہروڑپکا ہے۔اس تحصیل میں نت نئے مسائل ہر روز کسی نہ کسی کو اپنی لپیٹ میں لیے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے حل کیلئے نہ تو عوام ہی دلچسپی لیتی ہے ۔اور نہ ہی حلقہ اقتدار اپنا پلو پکڑواتا ہے۔اور مسائل جوں کے توں بلکہ مزید ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

تحصیل کہروڑپکا میں معمار قوم صحت مندانہ سرگرمیاں نہ ہونے کی بناپر طلباء طالبات منفی سرگرمیوں کی جانب راغب ہوجاتے ہیں۔ اپنا قیمتی وقت کیبل ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر گزارتے ہیں۔جس سے ان میں سستی اور کاہلی کا عنصر مزید نمایاں ہو جاتا ہے ۔اگر ان کے لیے کوئی سپوٹس گراؤنڈ سٹیڈیم یا تفریحی مقامات مہیا کر دیے جائیں تو وہ ملک قوم کیلئے ایک بہترین سرمایہ ثابت ہوں اور ملک و قوم اور علاقہ کا نام دنیا میں بلند کر سکیں۔

صفائی نصف ایمان ہے۔یہ جملہ ایک مکمل اور جامع تشریح ہے کہ جو لوگ رہنے

کیلئے صفائی کا اہتمام کرتے ہیں ۔تو ان نہ صرف ایمان مضبوط تر ہوتے ہیں ۔بلکہ وہ لوگ دوسروں کی نسبت صاف ستھرے ۔پاکیزہ اور صحت مند نظر آتے ہیں تحصیل کہروڑ پکا میں صفائی کی ناقص صورت حال لوگوں کے وبال جان بنی ہوتی ہے ۔ہر طرف سڑکیوں پر گلیوں میں ، محلوں اور بازاروں میں جگہ جگہ گندگی کے انبار لگے ہوئے ہیں ۔اور سیوریج لائنز کی صفائی نہ ہونے کی بنا پر گٹروں کا پانی ہر شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ۔اور اس کی صفائی اور پاکی کو اپنا شکار بنا لیتا ہے ۔مزید ستم یہ کہ شہر کے با ورنق چوک میں پھلوں اور سبزیوں کی ریڑھیوں کی بھرمار نے شہر کی حالت کو مزید بگاڑ کر رکھ دیا ۔لوگوں طلباء وطالبات کا گزرنا محال ہے۔ان کیلئے علیحدہ اور مستقل سپاٹ بنانے گندگی اور کیچڑsmell کی اشد ضرورت ہے تاکہ پھلوں اور سبزیوں کے گلنے سڑنے کی سے بچا جاسکے اور شہر کی خوبصورتی میں اضافہ ہو سکے۔

تعلیم کا مسئلہ سب سے بڑا اور گھمبیر ہے۔ تحصیل میں جو کہ تقریباایک لاکھ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے طلباء اور طالبات کیلئے تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں جو چند ادارے موجود ہیں ان میں ہر قسم کی سہولیات کا فقدان ہے ۔ گرلز ڈگری کالج کی عمارت خدا خدا کرکے تکمیل کے مراحل میں ہے طالبات کیلئے مناسب فرنیچر کا انتظام نہ ہے سٹاف کی کمی ایک بڑا المیہ ہے گورنمنٹ ہائر سکینڈری سکول میں اتنی تعداد میں بچیاں زیر تعلیم ہیں کہ سکول کے کمرے

پلاٹس اور اساتذہ کم پڑتے ہیں اور گرمیوں میں تو حالت اور بھی ابتر ہو جاتی ہے جب سورج سر پر ہوتا ہے اور بچیاں کھلے آسمان کے نیچے تپتی دھوپ میں زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کیلئے جسم جھلسا رہی ہوتی ہیں لیکن کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہے۔اس طرح کم از کم ایک ہائی سکول طالبات کیلئے اور طلباء کیلئے دو ہائی سکول بنا کر اس مسئلے کو کسی حد تک کم کیا جاسکتا ہے اور علاقے کی تعلیمی اور عملی ترقی کیلئے کام کیا جاسکتا ہے۔

سوئی گیس کی ترسیل کا سلسلہ لا ینحل ہے ابھی تک شہر میں مکمل طور پر مین پائپ لائن نہیں بچھائی گئی ہے اور نہ ہی ان علاقوں کی فزیبیلٹی رپورٹ تیار کی جا سکی ہے چند جگہوں میں پلاسٹک پائپ لائن دبا کر سوئی گیس کی سپلائی کی ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے ۔بڑھتی ہوئی مہنگائی نے عام آدمی کی خریدنے کی سکت کو ختم کر دیا ہے اور اوپر سے لکڑی کے بڑھتے ہوئے نرخ جس سے بہت سے غریبوں کے چولہے ماند پڑ گئے ہیں۔علاقے میں گیس کی سپلائی کو ہنگامی بنیادوں پر مہیا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

زرعی لحاظ سے کہروڑپکا ایک زرخیز علاقہ ہے جہاں ہمہ قسم اجناس پیدا کی جا رہی ہیں لیکن کاشتکاروں کو کوئی حکومتی مراعات حاصل نہیں ہیں۔کاشتکار اور مستاجر دن رات زمین کا سینہ پھاڑ کر اس میں سے ملک و قوم کیلئے اجناس (کپاس ، گندم

چاول، مکئی، سورج مکھی، گنا) وغیرہ پیدا کر رہے ہیں اور جب فصل پک کر تیار ہوتی ہے، تو چند لوگ اپنی من پسند کی قیمت ادا کرکے ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر خرید لیتے ہیں اور پھر مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں۔ اگر کسانوں کے لئے زرعی اصلاحات خرید وفروخت ،پانی کی فراہمی ، کھاد کی ضروریات کو پورا کرنے کے مراکز حکومتی نگرانی میں بنادیے جائیں تو کسان اور کاشتکار خوشحال ہو سکتے ہیں

بے روزگاری اس تحصیل کہروڑپکا کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ کپاس اور گندم کے سیزن کے علاوہ لوگوں کیلئے کوئی ذریعہ معاش نہ ہے۔ صنعتوں کا نہ ہونا اس علاقے کیلئے ایک المیہ ہے اور بیروزگاری کا بڑا سبب ہے اگر علاقہ میں کوئی صنعت لگادی جائے تو بہت سے بیروزگار لوگ نہ صرف باروزگار بن جائیں بلکہ افرادی قوت کو زنگ لگنے سے بھی محفوظ رکھا جاسکے گا اور علاقہ میں ترقی اور خوشحالی کا بھی دور دورہ ہوگا۔

اس کے علاوہ چوری، ڈاکہ زنی ،راہزنی ،جوا، شراب کے مسائل بھی منہ کھولے کسی بھی کو اپنا شکار بنانے کیلئے تیار کھڑے ہیں اور متاثرہ لوگوں کی کوئی شنوائی کا سلسلہ نہ ہے پولیس خاموش تماشائی بنی اپنا الو سیدھا کرنے میں مصروف ہے۔ شہریوں کے جان و مال کسی طور محفوظ نہیں۔ تحصیل کہروڑپکا کرپٹ

افسروں کے لئے سونے کی چڑیا ہے اور پولیس افسر کی کوشش ہوتی ہے کہ کھروڑپکا کے ہو جائے۔ پولیس سرپرستی کی بنا پر لٹیرا طاقتور ترین ہوتا جا appoint کسی تھانے میں رہا ہے اور شریف کمزور ترین۔

حلقہ اقتدار اور ارباب اختیار سے پر زور اپیل ہے کے خدارا۔ خدارا اپنے علاقے کے مسائل اپنے مسائل سمجھ کر ترجیحی بنیادوں پر حل کرائیں اور علاقہ کو ترقی کی راہ پر گامزان کریں۔ شکریہ۔۔۔۔

کیا ہم محسن کش ہیں کہ یوم قائد بھی یاد نہیں؟

25 دسمبر 2012 آیا اور خاموشی سے بہت سے سوالیہ نشان چھوڑ کر گزر گیا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش تھا وہ مرد آہن کہ جس نے مسلمانان ہند اور عالم اسلام کے حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں آج ان کا یوم پیدائش عام دنوں کی طرح سے حکومت کی سرد مہری کی نذر ہوگیا۔ چند ایک اہم مقامات و دفاتر کے علاوہ (جو کہ مجبوری کی بنا پر منایا گیا اور فارمیلٹی پوری کی گئی کہ دنیا کیا کہے گی) کہیں بھی قائداعظم کی پیدائش اور خدمات کے حوالے سے کوئی تقریب منعقد نہ کی گئی۔ دوسرے بہت سے اضلاع و تحصیلوں کی طرح کہروڑپکا تحصیل میں بھی یوم قائد کا یہی حشر ہوا۔ کسی بھی سرکاری و نیم سرکاری سکولز و کالجز اور دفاتر میں کوئی بھی تقریب نہ کی گئی۔ جس کا واضح اشارہ بانی پاکستان اور محسن قوم کی اہمیت و احساس کا دلوں کے نکلنے کا ہے اور یہ بالکل حقیقت کے قریب تر بھی ہے کیونکہ جس ملک میں ایک بڑے صوبے کا وزیراعلی تک کو یہ علم نہ ہو کہ آج 25 دسمبر یوم پیدائش ہے کہ یوم وفات حالانکہ موصوف ایک تقریب میں مدعو تھے لیکن شاید ان کے حواس پر نہ جانے کیا چھایہ ہوا تھا کہ انہیں یہ تک معلوم نہ تھا کہ 25 دسمبر کی اہمیت و حقیقت کیا ہے؟

جب ملک کے حکمرانوں کا یہ حال ہو کہ وہ اپنے محسنوں رہنماؤں بانیوں اور نجات دہندہ کو یوں بھول جائیں تو پھر اس ملک کے طلبا و طالبات کو کیسے معلوم ہوگا کہ پاکستان کے بنانے کا مقصد کیا تھا؟ پاکستان کے بنانے والے کون تھے؟ کن لوگوں نے پاکستان کی تخلیق میں اپنا تن من دھن لگا دیا؟ وہ کس مٹی کے خمیر سے بنے تھے کہ ان کے پیش نظر صرف اور صرف عوام کی فلاح و بہبود تھی؟ کیسے آج کی نسل نو کو معلوم ہوگا کہ ہم جس ملک کے باسی ہیں وہ ہمیشہ سے اسی طرح ہمارے آباواجداد کی جاگیر تھا کہ اس کیلئے کوئی جدوجہد بھی کی گئی۔ کس نے اس کیلئے اپنی جان و مال عزت و آبرو کو قربان کیا؟جب سکولز و کالجز اور سرکاری دفاتر میں یوم قائد و اقبال منایا ہی نہ جائیگا تو ہماری نسل نو کے ہیروز تو پھر شان ریمبو شاہ رخ خان سلمان خان عامر خان و اکشے کمار ہونگے۔ جب قوم کے راہی و داعی صحیح حقائق ہی منظر عام پر نہ لائیں گے تو کیسے قائد و اقبال کی پہچان ہو سکے گی؟ کیسے اہمیت پاکستان ملک و قوم ذہنوں میں نقش ہوگی۔

اب تو ہم نے ان محسنوں نجات دہندوں اور رہبروں کو منفی انداز میں پیش کرنے کی قسم سی کھالی ہے آج کے دن ٹی وی چینلز پر شوز یہ ثابت کرنے کیلئے ہو رہے تھے کہ قائداعظم سیکولر ذہنیت کے مالک تھے کہ مسلمانیت کے جراثیم ان کے دل و دماغ تھے۔ اصل میں سیکولر ذہنیت کے مارے خود کو اس صف میں کھڑا کرنا چاہتے

ہیں حالانکہ ہسٹری کے اوراق پلٹیں تو قائداعظم محمد علی جناح کے خطابات و تقاریر ان کے منہ پر زوردار طمانچہ ہیں جیسا کہ 13 جنوری1948 کو پشاور میں طلبا سے خطاب کرتے ہوئے باور کرایا کہ ”ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کیلئے نہیں کیا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں“ ایک دفعہ کسی نے قائداعظم سے پوچھا کہ آپ سنی فرقے کے تعلق رکھتے ہیں کہ شیعہ فرقے سے ؟ تو آپ نے جواب میں سوال پوچھ لیا کہ آپ ﷺ کا مذہب کیا تھا؟ وہی دین و مذہب میرا ہے

دوسری طرف ہمارے نام نہاد جمہوروں نے کسی بھی موت و فوت کو شہادت کا رنگ دے دیا ہے۔اور ان کے ڈیز (days) مخصوص کر دیئے ہیں یہ وہ ملک ہے کہ جس میں متنازعہ شخصیات کو کہ وہ کسی بھی حوالے سے ہوں کسی ایک طبقے یا جماعت کے حوالے سے یا کسی فرقے کی نسبت سے ہم نے اپنی پسند و ناپسند کے معیار کے مطابق شہید قرار دے دیا ہے اور شہادت کا معیار داغدار کردیا ہے کوئی شہید جمہوریت ہے تو شہید قوم ۔ کوئی ملک کا ہیرو تھا تو کوئی قوم کا کوئی کسی خاص طبقے سے تعلق رکھتا تھا تو کوئی کسی خاص حلقے سے سب کے سب شہید۔ ان سب کیلئے گورنمنٹ اور تمام مشینری کو اور وسائل کو ان کی یاد و عقیدت میں جھونک دیااور اصل مستحق لوگوں اور رہنماؤں کی یادوں کو مسخ کرنے کی کوشش شعوری و

لاشعوری طور پر سرکاری سطح پر نہایت بے شرمی و ڈھٹائی سے جاری ہے جس میں بانی پاکستان کا یوم پیدائش بھی شامل ہے جسے اپنے علاقے اپنے سکول کالج و دفتر میں منعقد کرنے میں بھی پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے جبکہ بے نظیر بھٹو کا یوم وفات منانے کیلئے ملک کے شہر شہر اضلاع و صوبوں سے سرکاری کارندوں کی رفاقت و قیادت میں گڑھی خدا بخش پہنچتے ہیں۔

یہ تمام حقائق و نقائص ان بات کے غماز ہیں کہ جن کے والی وارث زندہ ہیں ان کے یوم ولادت و وفات منانے کیلئے کسی بھی حد تک جایا جاسکتا ہے لیکن قائد و اقبال کے ایام منانے کیلئے کوئی ہدایات کوئی ڈائریکٹو ایشو نہیں ہوتا بس خالی دعوے اور نعرے سنائی دیتے ہیں۔

خدارا پاکستانی قوم پر ظلم مت کیجئے اس پر رحم کھایئے کیوں تم نے محسن کش ہونے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ پلیز اے قوم کے علمبردار و ہوش کے ناخن لو اور محسن پاکستان کو وہی اہمیت دی جائے جس کے وہ درحقیقت مستحق ہیں اور یوم قائد و اقبال نہ منانے والے افسران سربراہان ادارہ اس میں برابر کے مجرم ہیں اور ان کے خلاف ضابطہ کی کارروائی عمل میں لانی چاہئے تاکہ وہ اس جرم کو قومی جرم سمجھتے ہوئے دوبارہ دہرانے کی کوشش نہ کرسکیں۔

بلغاروی وزیر اعظم بمقابلہ اپنا وزیر اعظم

بلغاریہ کے وزیر اعظم بوئیکو بوریسوف نے عوامی احتجاج سے تنگ آکر آخر کار خود ہی استعفی دے دیا۔ وجوہات کو دیکھا جائے تو ہمارے حکمرانوں کیلئے لحاظ سے نہایت ہی معمولی اور غیر سنجیدہ ہیں لیکن بلغاریہ کے عوام اور وزیر اعظم کیلئے یہ ایک ہاٹ ایشو تھا اسی لئے وہ مستعفی ہوگئے یقینا ان کے وزیروں مشیروں نے انہیں لازمی طور پر روکا ہوگا لیکن وہ یقینا پاکستانی وزیر اعظم نہیں تھے

مستعفی ہونے کی وجوہات میں کفایت شعاری اور بچت اقدامات کے ساتھ ساتھ بجلی کے نرخوں میں اضافہ تھا جس کی وجہ عوام نے احتجاج کیا اور عالمی اقتصادی بحران کی وجہ سے بلغاری کی حکومت بھی بچت پالیسیاں سامنے لانے پر مجبور ہوگئی تھی جس کے نتیجہ میں مہنگائی بڑھی اور بجلی کے نرخ آسمان سے باتیں کرنے لگے تب حکومت کے حلاف مظاہرے شروع ہوگئے۔ بلغاریہ کے وزیر اعظم بوریسوف نے سوچا اور کہا کہ وہ کسی ایسی حکومت کا حصہ نہیں رہنا چاہتے جس کے دور میں پولیس عوام کو تشدد کا نشانہ بنائے اور مسائل کو حل کرنے کیلئے بات چیت کا راستہ اختیار نہ کیا جائے ۔ بوریسوف نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوام نے ہی انہیں اس منصب کا اہل جان کر بٹھایا تھا اور اب انہوں نے یہ

حق واپس کرنے کا مطالبہ کیا ہے تو میں یہ حق واپس کر رہا ہوں ۔ بلغاریہ میں بے روزگاری سے پریشان حال دو افراد نے خود سوزی کی کوشش کی تھی جن میں سے ایک ہلاک ہوگیا تھا جبکہ دوسرا زیر علاج ہے ۔

واضح رہے کہ بلغاریہ کا شمار یورپی یونین کے غریب ترین ملکوں میں ہوتا ہے یہاں اوسطا ماہانہ تنخواہ 350 یورو ہے صوفیہ کی حکومت کے مطابق ملک میں بیروزگاری کی شرح تقریبا12 فیصد ہے لیکن یورپی یونین کا اندازہ ہے کہ اصل شرح 17 سے 18 فیصد ہے ۔ گزشتہ ایک برس کے دوران بلغاریہ میں بجلی کی قیمتوں میں 11 فیصد کا اضافہ ہوا جو کہ بلغاروی عوام پر ایک واضح بوجھ تھا اور وزیر اعظم نے اپنی نااہلی سمجھتے ہوئے استعفی دے دیا ۔

پاکستان میں معاملہ یکسر الٹ ہے یہاں معاملہ یہ ہے کہ پچاسیوں افراد روزانہ دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں کراچی جل رہا ہے اور مسلسل جل رہا ہے ۔ بم دھماکے ٹارکٹ کلنگ کھلے عام فائرنگ بوری بند لاشوں کا ملنا راہزنی ڈکیتی کی وارداتوں کا عام ہونا عدم تحفظ کا احساس کراچی کی پہچان بن چکے ہیں کوئٹہ میں دہشت گردی کے اندوہناک واقعات نے پوری امت مسلمہ کو دہلا کر رکھ دیا ہے ۔ لاقانونیت اور اقربا پروری ولوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ خوشیاں خواب بن کر رہ گئیں ہیں۔ گھر سے نکلنے والا ہر شخص بے یقینی اور عدم تحفظ کا احساس لئے

ہوئے ہوتا ہے کہ شاید ہی وہ صحیح سلامت اپنے گھر کو واپس لوٹ سکے۔
یہ سب کچھ بے حسی کا ثبوت ہے حکمران بے شرمی کی دوائی کھا کر بے غیرتی کی نیند سو رہے ہیں۔ بلغاریہ میں مہنگائی سے تنگ دو افراد کی خود سوزی نے بو ئکو بوریسوف کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور انہوں نے اس معاملے کو اپنی نااہلی گردانتے ہوئے عنان حکومت سے مستعفی ہونا ہی بہتر خیال کیا۔ لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان ییں ہمارے صدر سے لیکر ایک ایم پی اے اور سیکرٹری سے لیکر ایک کلرک تک تمام لوگ نجانے کتنے گھروں کے چراغ گل کرنے کے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرح ذمہ دار ٹھہرتے ہیں۔ لیکان بے حسی کی چادر اوڑھے اور ڈھٹائی کے لباس میں ملبوس ذہنیت کے یہ لوگ مکروہ ہنسی ہنستے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے پڑوسی ملک میں اگر ٹرین کا حادثہ ہوجاتا ہے اور کچھ لوگ لقمہ اجل بن جاتے ہیں تو وزیر ریلوے اسے اپنی نااہلی نالائقی اور ذمہ داری مانتے ہوئے مستعفی ہو جاتا ہے حالانکہ اس میں اس کا قصور کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ پاکستان میں ریلوے کا محکمہ پورا کا پورا تباہ ہوجاتا ہے اور وزیر ریلوے کو "بلور" تک محسوس نہیں ہوتا۔ لوگ چیخ چیخ کر بتاتے ہیں کہ ذمہ دار کون ہے اسے اقتدار سے الگ کیا جائے اس کا محاسبہ کیا جائے لیکن بے بس عوام کی آواز نقار خانے کی طوطی کی آواز کی مانند دب جاتی ہے اسے زبان خلق نقارہ خدا

۔ نہیں سمجھا جاتا اور اگلے دن پھر کچھ نیا الٹ اور غلط ہو جاتا ہے
جمہوروں کے ملک میں صرف اور صرف سیاسی کھیل چمکانے کیلئے انسانی جانوں اور لاشوں کو بطور سیڑھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے اعلی منصب تک فائز ہونے کی کوشش میں تمام اخلاقی و قانونی حدیں پھلانگ لی جاتی ہیں اور گناہوں کا کیچڑ دوسروں پر اچھال کر تمام معاملات سے اپنے آپ کو بری الذمہ کر لیا جاتا ہے ۔ جی ۔ہاں یہی تو ہے پاکستانی حکمرانوں کی پہچان اور یہی ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان

خواتین کے ساتھ زیادتی کی بڑھتے ہوئے واقعات ....ایک المیہ

ڈاکٹروں کی ملی بھگت سے صحافیوں کے حملہ آور کو پولیس تشدد کا شکار دکھایا گیا گرم ریت پر بٹھا کر اس طرح سے پوز کیا گیا کہ پولیس نے "چھتر" مار مار کر شدید زخمی کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ پولیس پر دباؤ ڈالا جائے تاکہ ملزم اور دیگر کو ریلیف مل سکے اور ایسا ہی ہوا کہ پولیس کو اپنے لالے پڑ گئے اور صحافیوں سے گفت و شنید کے بعد ایک بیان حلفی لکھ دیا گیا اب پولیس بھی کچھ عرصہ کیلئے "ٹھنڈی" ہو گئی اور ملزمان کی بھی کچھ وقت کیلئے خلاصی ہو گئی

یہ سارا واقعہ مشہور زمانہ رابعہ یاسمین ٹیچر زیادتی کیس کا ایک پہلو ہے جو کہ آجکل اخبارات کی سیاہی کی طرح تاریک ہے اور بہت سے سوالات جنم دیتا ہے اسے مختصرا متاثرہ ٹیچر کی زبان میں بیان کر دیتا ہوں کہ میں مثالی پائلٹ سکول کہروڑ پکا میں بطور معلّمہ اپنے فرائض انجام دیتی آرہی تھی کہ ایک دن سکول کے پرنسپل اصغر نقشبندی اور عظمی اسلم نے مجھے اپنے آفس میں بلایا اور مٹھائی کھانے کو دی مٹھائی کھا کر میں مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا پھر اصغر نقشبندی (مرکزی کردار) نے عظمی اسلم اور رانا ریاض کے ساتھ مل کر انسانیت کو شرمندہ کر دینے والا شرمناک کھیل رچایا اور حالت مدہوشی و بے ہوشی میں میری

.برہنہ تصاویر اور ویڈیوز بنالی اور پھر عزت و عصمت کو تار تار کر دیا گیا۔ہوش میں آنے پر مجھے میری ویڈیوزاور تصاویر دکھا کر مجھے منہ بند رکھنے کا کہا گیااور دھمکی دی گئی کہ اگر آج کے واقعے کے بارے کسی کو بتایا تو تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے والدین کی عزت بھی مٹی میں ملادوں گا۔یہ گھناؤ نا اور قبیح کھیل کافی عرصے چلتا رہااور بھیڑیا اصغر نقشبندی عظمی اسلم کی موجودگی میں رانا ریاض اور دوسروں دوستوں کے ساتھ میری آبرو ریزی کرتا رہااسی دوران میں نے سکول بھی چھوڑ دیالیکن عظمی اسلم اور اصغر نے مجھے بلیک میل کرکے دوبارہ سے سکول جوائن کروالیا مرتی کیانہ کرتی کے مصداق اپنے والدین کی عزت کو بچانے کی خاطر میں انکی جنسی ہوس کانشانہ بنتی رہی۔ قدرت کو شاید میری بے بسی پر رحم آگیا اور ان درندوں کی رسی کو کھینچ لیناچاہتا تھا کہ جب آخری مرتبہ انہوں نے مجھے سکول بلایا تو مجھے گھر واپس جانے میں دیر ہو گئی میرے والد مجھے ڈھونڈتے ہوئے اس طرف آنکلے اور سکول سے میرے شور واویلا کی آواز سن کر سکول میں موجود بیڈ روم نما کمرے میں داخل ہوئے تو مجھے اصغر نقشبندی نوچ رہا تھا میرے والد کو دیکھ کر وہ سب وہاں سے فرار ہوگئے مجھے نیم بے ہوشی کی حالت میں گھر لایا گیا ایف آئی آر چاک ہوئی دوسرے دن تینوں ملزموں نے عبوری ضمانت کروالی اور پھر ملزمان نے پورے شہر اور گردونواح سے مدعی کے ملنے والوں سے پریشرائز کرنے کی بھرپور کوشش کی

گئ مزید یہ کہ سیاسی اثر رسوخ کو بھی نہایت حد تک استعمال کرنے کی کوشش کی گئ
صحافیوں کو دبانے کی کوشش کی گئ۔ مگر مدعی اور صحافیوں نے ٹھان لی ہے کہ ان
درندوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔

اوپر بیان کردہ واقعات یقینا شرمناک اور انسانیت سوز ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا
مقصد یہ ہے کہ ملزمان کو نشان عبرت بنایا جائے تاکہ حوا کی بیٹیاں اس بے لگام
معاشرے میں محفوظ و مامون رہ سکیں۔ خواتین کے ساتھ زیادتی اور اجتماعی زیادتی کے
واقعات دنیا بھریں ایک بڑے المیے کا روپ دھار چکے ہیں اور پاکستان جیسے اسلامی ملک
میں امریکہ جیسے سیکولر اور بھارت جیسے مشرقی ملک میں خواتین بالخصوص ملازمت کرنے
والی خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔ پاکستان میں
ہر روز خواتین کے ساتھ زیادتی کے بہت سے واقعات میڈیا کے ذریعے سے عوام الناس
تک پہنچ پاتے ہیں مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ بہت سی وجوہات کی بنا پر رپورٹ ہی
نہیں کئے جاتے جس کی وجہ سے بھی عورتوں کا استحصال بڑھتا جا رہا ہے ۔

اس لڑکی کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک بھیانک واقعہ ہے اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ
واقعہ یا اس قسم کے واقعات اس قدر عام کیوں ہوتے جا رہے ہیں ملزموں کی اس قسم
کے جرائم کرنے کی ہمت کیونکر ہوتی ہے پاکستان میں اس قسم کے

واقعات کو روکنے کیلئے کن اقدامات کی ضرورت ہے کہ خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات کو روکا جاسکے۔ مندرجہ ذیل عوامل بھی ان واقعات کے رونما ہونے کے ذمہ دار ہیں

☆پاکستان میں خواتین پولیس اہلکاروں کی تعداد نہایت کم ہے جس کی وجہ سے خواتین کے معاملات کو تھانہ تک لے جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پولیس اہلکاروں کی نفری نہ ہونے کی بنا پر خواتین کے مقدمہ جات کے اندراج نہیں ہو پاتے جو کہ ملزمان کو آشیر باد دینے کے زمرے میں آتا ہے۔

☆عوامی و تفریحی مقامات پر پبلک سیفٹی کی کمی بھی ایک اہم ایشو ہے جس کی وجہ سے گھر سے باہر عورت کو تحفظ حاصل نہیں۔

☆ہمارا سست عدالتی نظام بھی ان جرائم کے اضافے کا ایک اہم حصہ ہے جو کہ ججوں کی کمی اور عدالتوں میں کیسز کی بھرمار کی بنا پر تاخیر کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں اور متاثرہ فریق اس سست روی کا شکار ہو کر اپنی جان چھڑانا غنیمت جانتا ہے۔

☆خواتین کے ساتھ روزمرہ کے واقعات میں چھیڑ چھاڑ شامل ہیں جن کے بارے میں کوئی پراپر قانون یا لائحہ عمل موجود نہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملزمان کا حوصلہ بڑھتا ہے اور ریپ کے واقعات کا رجحان بھی بڑھتا ہے۔

☆ہمارے معاشرے میں خواتین کے سٹیٹس کے حوالے سے بھی بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جن میں ایک اہم مسئلہ عورت کو کم تر سمجھنا ہے لڑکوں کے مقابلے میں

لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور عورت کی اہمیت میں کمی بھی خواتین کی بے عزتی و رسوائی کا سبب ہیں۔

☆جنسی زیادتی کا شکار خواتین کو مجرم سمجھنے کا وطیرہ بھی شروع سے ہی کارفرما ہونے کی بنا پر عورت کو ہی موردِ الزام ٹھہرا دیا جاتا ہے اس بدنامی سے بچنے کیلئے عورت ایسے معاملے کو پوشیدہ رکھنے پر ہی اکتفا کرتی ہے کیونکہ معاشرے میں اسے بھی برابر کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور ملزمان کو شک کی بنا پر جرم کرنے کی ہمت ہو جاتی ہے۔

☆زیادتی کے بعد صلح کرنا یا کروانا ہمارے معاشرے میں عام ہوتا جا رہا ہے ملزم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہوس مٹانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ معافی تلافی اور صلح نامے سے کام چل جائے گا اور اکثر واقعات کی تاریخ بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ شادی کر دینا اس معاملے کا مناسب اور بہتر حل مانا جاتا ہے۔

☆لباس کی نامناسبت اور بے ڈھنگا پن بھی جنسی زیادتی کی وجوہات کی ایک بڑی وجہ ہے فیشن اور ماڈرن ازم کے ماری خواتین ایسے بھڑکیلے اور جذبات کو ابھارنے والے لباس استعمال کرتی ہیں جس سے دیکھنے والے کو ترغیب ملتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں پینٹ شرٹ اور سکرٹ وغیرہ پہننے کی وجہ سے بھی ریپ کے واقعات عام ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ تمام وجوہات اپنی جگہ اور زیادتی کے واقعات اپنی جگہ ۔ اگر یہ قبیح عمل ایک عام فرد کرتا ہے تو اس سے ایک عورت یا ایک خاندان متاثر ہوتا ہے لیکن اگر یہ عمل ایک استاد کرے تو پورا معاشرہ اس بھیانک اور لرزہ خیز عمل کا شکار ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو نشان عبرت بنا دینا ہی اس کا واحد حل ہے۔

حسینہ واجد کی حکومت کا غیر انسانی رویہ

حسینہ واجد کی بھارت نواز حکومت کی جانب سے پاکستان کی سلامتی اور بقا کی جنگ جو کہ 1971 میں ہوئی تو اب پاکستان سے محبت و ہمدردی رکھنے والوں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور ان کا قصور صرف اور صرف اتنا ہے کہ انہوں نے پاکستان سے محبت ولگاؤ کے جذبے کے تحت پاکستان کے دفاع کیلئے بھارتی فوج اور مکتی باہنی کے خلاف پاک فوج کا ساتھ دیا تھا لیکن آج جب کہ وہ عمر رسیدگی کی حدوں کو چھو رہے ہیں اور انہیں ہمدردی اور توانائی کی ضرورت ہے تو پاکستان کے کسی گوشے کسی تنظیم کسی سیاسی لیڈر یا اکابرین کی جانب سے کوئی مثبت اور توانا آواز نہیں سنائی دے رہی ہے جو کہ ایک سوالیہ نشان بنتا جارہا ہے علاوہ ازیں پاکستان کی بقا کی جنگ لڑنے والے ان جانبازوں اور محب وطن سپاہیوں اور بالخصوص جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کو ایک اور دکھ گھیرے ہوئے ہے کہ نام نہاد انسانی حقوق کے علمبردار بھی اس معاملے پر دم دبائے ہوئے کہیں کونوں کھدروں میں جا چھپے ہیں جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں کا جرم یہ ہے کہ وہ عوامی لیگ کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں اور حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں لیکن عوامی لیگ ان کا

سیاسی میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے انہیں انتقامی کارروائیوں کانشانہ بنا رہی ہے اس معاملے میں راجہ ظفرالحق نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہاکہ جہاں کہیں بھی کوئی شخص جماعت یا گروہ سیاسی انتقام کانشانہ بن رہا ہو اس کیلئے آواز بلند کرنا چاہئے انہوں نے کہا اس معاملے کو اسلامی کانفرنس میں بھی اٹھایا جاسکتا ہے اور ملکی سطح بھی کوشش کی جائی کہ اس معاملے کو اجاگر کیا جائے اور ہم جماعت اسلامی کے ساتھ مل کر کوئی حکمت عملی طے کریں گے انہوں نے کہاکہ پاکستان کی تمام جماعتیں مل کر بنگلہ دیش پر دباؤ ڈال سکتی ہیں حالات بدلتے رہتے ہیں حکومت بھی تبدیل ہو سکتی ہے یہ انسانی حقوق اور سیاسی آزادی کامسئلہ ہے اور سب کو اس پر آواز بلند کرنا چاہئے

جنرل طارق پرویز (ر) کا موقف ہے کہ جن الزامات کے تحت جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنماؤں کو سزا دی جارہی ہے ان جرائم کا ارتکاب تومکتی باہنی کے غنڈوں نے غیر بنگالیوں کے ساتھ کیا تھا مکتی باہنی نے ہی قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تھا۔ ان کے مطابق حکومت پاکستان کو عالمی سطح پر یہ مسئلہ اٹھانا چاہئے کیونکہ یہ معاملہ پاکستان کی بدنامی کا سبب بنتا جارہاہے اور بے گناہ لوگوں کو محض سیاسی انتقام کانشانہ بنایا جارہا ہے حکومتی کی خاموشی سمجھ سے باہر ہے۔ جب جنگی قیدیوں پر وہ مقدمہ نہیں چلاسکے تو ان لوگوں پر پاکستان کے حوالے سے مقدمہ چلانے کا کوئی جواز نہیں ہے ہماری

حکومت کو کم از کم مذمت تو کرنی چاہئے اور بنگلہ دیش کی وزیر اعظم کو یاد دلانا چاہئے کہ اب دونوں الگ ملک بن گئے ہیں معاملہ ختم ہوگیا ہے اس قسم کی کارروائی ملکوں کے تعلقات کو خراب کر سکتی ہے حسینہ واجد کی حکومت اپنی کینہ پروری کے سبب بلا ثبوت ان لوگوں کو مجرم ٹھہرا رہی ہے اسلئے عالمی سطح پر بنگلہ دیش میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر پاکستان احتجاج تو کر سکتا ہے اور پاکستان اور بنگلہ دیش میں سفارتی تعلقات اس بات کی دلیل ہیں کہ اب ان معاملات پر کوئی بات نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی کوئی انتقامی کارروائی سے کسی کی ذات کو کوئی نقصان پہنچنا چاہئے

حالات و واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ سانحہ مشرقی پاکستان ایک سازش تھا اور آج وہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ بھی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے ماضی میں مکتی باہنی جو قتل و غارت گری لوٹ مار اور عصمت دری کے قبیح افعال کرتی رہی ہے آج وہ جماعت اسلامی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں پاک فوج کو مورد الزام ٹھہرانے کی بات کر رہے ہیں جبکہ یہ سب بھارت اور مکتی باہنی کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور بدقسمتی سے پاکستان سے مشرقی بنگال علیحدہ ہوگیا لیکن اب جو حالات بنگلہ دیش میں پیدا ہو چکے ہیں یا عوامی لیگ کی نااہلی کی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں وہاں پر جماعت اسلامی اب ایک بڑی قوت بن کر ابھر رہی ہے کیونکہ عوامی لیگ کی حکومت ان کے خلاف طاقت کا بے

دریغ استعمال کر رہی ہے جیسا کہ ایک دن میں پچاس کے قریب کارکنوں کو گولی مار کر ہلاک کردیاگیا کارکنوں کی یہ قربانی رائیگاں نہیں گئی اور عوامی لیگ کے خلاف صورت حال بدتر ہوتی جارہی ہے

اصل مقصد یہ ہے کہ پاکستان کو اس مسئلے پر احتجاج کرنا چاہئے کیونکہ معاملہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش اور عوامی لیگ کی سیاسی مخالفت کا نہیں ہے بلکہ یہ انسانی حقوق اور پاکستان کے وقار اور عزت کا مسئلہ بھی ہے وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کا ساتھ دیا اور تقریبا چالیس سال سے عوامی لیگ کے انتقام کانشانہ بن رہے ہیں کیا پاکستان کی حکومت اوور سیاسی جماعتیں ان کی اخلاقی حمایت بھی نہیں کرسکتیں کیا عالمی سفارت کاری کے ذریعے سے عرب ممالک سے دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا یہ ڈلوایا جاسکتا کہ بنگلہ دیش کی حکومت جماعت اسلامی کے رہنماؤ ں اور کارکنوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ختم کردے۔

معاشرہ استاد سے کیا چاہتا ہے....؟

امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا گیا کہ اتنی بڑی مملکت کے خلیفہ ہونے کے باوجود ان کے دل میں کوئی حسرت ہے تو آپ نے فرمایا کہ "کاش میں ایک معلم ہوتا" استاد معاشرے کا وہ ستون ہے کہ جس کے بل پر معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور اگر یہ ستون کمزور ہونے لگے تو معاشرے کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے۔ بہترین سماجی معاشروں میں سب سے زیادہ توجہ حصول علم پر دی جاتی ہے بلاشبہ معلم ایک ایسی شخصیت ہے جو ایک بچے کو بتاتا ہے کہ وہ کون ہے کیا ہے ؟ کہاں سے آیا ہے؟ اسے کہاں جانا ہے ؟ اس دنیا میں اسکے آنے کا کیا مقصد ہے؟ اس کا اصلی مالک کون ہے ؟ وہ کس کی غلامی کا پابند ہے؟ اس کا سر کس کے سامنے جھکنا ہے اور کس کا سر نگوں کرنا ہے؟ کس کا احترام کرنا ہے ؟ کسے توقیر دینی ہے اور کس کو بے توقیر سمجھنا ہے ؟ان تمام باتوں اور معاملات کے بارے میں علم و معلومات دینے کا سہرا صرف اور صرف استاد کے سر جاتا ہے۔ استاد ہی وہ ہستی ہے جو تمام حقیقتوں سے بے خبر بچے کو اس دنیا و مافیہا سے روشناس کراتا ہے اور آہستہ آہستہ مختلف مہارتیں اور علوم سیکھتا یہ بچہ ترقی کی منازل طے کرتا اپنا نام و مقام پیدا کرتا ہے

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ "استاد دراصل قوم کے محافظ ہیں کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہیں کے سپرد ہے۔ سب محنتوں سے اعلی درجے کی محنت اور کارگزاریوں میں سب سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کے معلموں کی کارگزاری ہے۔ معلم کا فرض سب فرائض سے زیادہ مشکل اور اہم ہے کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اس کے ہاتھ میں ہے اور ہمہ قسم کی ترقی کا سرچشمہ اس کی محنت ہے" ۔ مغرب میں کہا جاتا ہے کہ زندگی کے پہلے تیس سال پڑھو اور پھر اگلے تیس سال پڑھاؤ اور سکھاؤ اسے یہ Rea and Lead کا فارمولا کہلاتا ہے۔ استاد معلم اور طلبہ کیلئے ایک مثال کی مانند ہوتا ہے سکول میں آنیوالا ہر بچہ ایک ان لکھی سلیٹ کی مانند ہوتا ہے اور استاد جو کچھ ان کو سکھاتا اور پڑھاتا ہے وہ اسے عمر بھر نہیں بھول پاتا اور اگر ان کو صحیح نہج اور طرز پر تعلیم دی گئی ہو تو یہی باتیں ان کی ترقی کا بہترین زینہ بن جاتی ہے اور یہ بہترین تربیت ہی اس کو بہترین بیٹا بہترین شاگرد اور اعلی کردار بھائی بھی بنادیتی ہے

استاد اور شاگرد کا رشتہ وہ رشتہ ہے جو زمین پر ہی جڑتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر شاگرد استاد سے سر سے پاؤ ں تک محبت کرنے میں جت جاتا ہے اور اس کو اپنا آئیڈیل مان کر ان کے بتائے ہوئے نقش قدم پر چلنا اپنا مقصد اولین جانتا

ہے ان تمام خوبیوں ، خصوصیات اور ذمہ داریوں سے مزین استاد آج کل ایک سوالیہ نشان بنتا جا رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں استاد کو جائز مقام نہ ملنے کی جو وجوہات ہیں سو ہیں لیکن ان میں نمایاں طور پر استاد کا اپنا کردار اور رویہ بھی شامل ہے۔ مثال کے طور پر افسر کی ڈانٹ ڈپٹ، گھریلو جھگڑے، معاشی تنگ دستی سماجی معاملات میں بگاڑ ذہنی تناؤ جیسے مسائل لئے ہوئے استاد کا خمیازہ بالاخر شاگرد کو ہی بھگتنا پڑتا ہے استاد کا یہ رویہ تعلیمی تنزلی کا ایک سبب ہے جو کہ طلبا و طالبات کو تعلیم چھوڑ کر منفی رجحانات کی طرف راغب کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے اور منفی رویے انہیں جرائم کی دنیا میں دھکیل دیتے ہیں اور یہ بچے ملک و قوم کیلئے کارآمد ہونے کی بجائے ناسور بن جاتے ہیں

پاکستان میں سالانہ 35 ہزار بچے ان منفی رویوں اور مارپیٹ کی وجہ سے سکول سے بھاگ جاتے ہیں اور تعلیم کو مستقل طور پر خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ طلبہ و طالبات کی خودکشیوں کے واقعات سے معاشرہ میں جن منفی رجحانات میں اضافہ ہو رہا ہے جسے روکنے کیلئے والدین کے ساتھ ساتھ اساتذہ بھی نمایاں اور کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں مخلوط نظام تعلیم بھی تعلیمی تنزلی کی ایک بڑی واضح وجہ ہے کہ کردار سازی

ہونے کی وجہ سے لڑکے اور لڑکیاں حتی کہ اساتذہ (میل فی میل) بھی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ذہنی پختگی نہ ہونے کی بنا پر معاشرے کیلئے مسائل کے سبب بنتے ہیں اور تعلیم میں رکاوٹ کا بڑا ذریعہ ہیں۔علاوہ ازیں پرائمری سکول سے لے کر جامعات تک میں اساتذہ کی طرف سے بچوں سے ساتھ جنسی زیادتی اور استحصال کا نشانے بنائے جانے کے شرمناک واقعات نے بھی پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔
مادہ پرستی نے استاد کے پیشے اور شعبے کو بھی بہت نقصان پہچایا ہے۔ مادیت پرست استاد کے نزدیک درس وتدریس کا پیشہ صرف اور صرف نوکری سکیل ترقی ٹیوشن اور پیسہ ہی رہ گیا ہے آج کا استاد طالب علم کو اپنی روحانی اولاد نہیں جانتا بلکہ اسے صرف بزنس مین کی طرح ڈیل کرتا ہے اور بزنس ڈیل جان کر تعلیم دینے کا فریضہ انجام دیتا ہے اس کے پیش نظر پیشہ نہیں پیسہ ہوتا ہے اور پرائیویٹ اکیڈمی یا سرکاری ادارے کی ملازمت صرف کمائی کا ذریعہ سمجھتا ہے طلبہ کو اچھے شہری بنانے کا جذبہ نجانے کہاں گم ہو گیا ہے اور درج بالا بیان کردہ باتیں کوئی ذہنی اختراعات نہیں ہیں بلکہ حقیقی دنیا کے واقعات ہیں جو کہ نہایت ہی قابل افسوس اور پریشان کن ہے ۔
ایک اچھے استاد کی خوبیوں کے بارے میں ابراہیم لنکن کہتے ہیں کہ استاد وہ

ہوتا ہے جو طالب علم کو آئندہ زندگی میں پیش آنے والے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کیلئے تیار کرے اس میں جرات کے ساتھ صبر و تحمل کے جذبے کو بھی پروان چڑھائے رزق حلال کمانے کا درس دے اسے فطرت و قدرت کے نظاروں کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ طالبعلم کو سکھائے کہ نیکی اور بہبود انسانیت کیلئے ڈٹ جائے بھیڑ چال کی زندگی سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارے اپنی سوجھ بوجھ کو استعمال کرے اور ظالم کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونے کا حوصلہ اور سلیقہ رکھتا ہو خوشی کو محسوس کرنا جانتا ہو اور غلطی پر پشیمان ہو اور اس سے سبق حاصل کرے اور اپنی روح و ضمیر کا سودا نہ کرے۔ یہ تمام باتیں سکھانے والے کو عظیم استاد کا درجہ دیا جاتا ہے اور دنیا میں اس کی قابلیت کا طوطی بولتا ہے۔

بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کس طرف جارہا ہے؟

وہ دونوں جفاکش اور محنتی خواتین تھیں ان کے چہرے ہاتھ اور جسم ان کے سخت جان ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔ چہرے کی جھریاں ان کی عمر رسیدگی کا پتہ دے رہی تھی۔ وہ اپنے گھر میں روزانہ صبح سویرے اٹھ کر جو دو چار جانور تھے ان کیلئے چارہ کاٹ کر لاتی اور پھر ان کا چارہ بنا کر ان جانوروں اور مال مویشیوں کو کھلاتی۔ نلکے (ہینڈ پمپ) سے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر تمام جانوروں کو پانی پلاتی تھیں۔ اس کے بعد گھروالوں کیلئے ناشتہ تیار کرتیں۔ ان کے ہاں گیس تو تھی ہی نہیں۔ ایل پی جی کا چولہا اور سلنڈر افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔ لہذا لکڑیوں کو مٹی کے چولہے میں جما کر انہیں دہکاتی پھر ناشتہ تیار کرکے تمام چھوٹوں بڑوں کو دینے کے بعد میلے کپڑوں کا گٹھڑ اٹھا کر نہر کنارے چلی جاتی تھیں اور انہیں دھوتیں۔ بعد ازاں کسی کے کھیت میں جاکر بطور مزدوری گودی کرتیں، پنیری لگاتیں سبزی چنتی یا جو بھی کام ملتا پیٹ کے دوزخ بھرنے کیلئے کرتیں اور پھر دن ڈھلے گھر لوٹ کر جانوروں کی ضروریات کو پورا کرتیں اور شام ورات کے کھانے کی تیاری کرتی اور پھر جلد سو جاتیں۔ یہ ان کے روز مرہ کے معمولات تھے لیکن وہ اب اس بے حس و بے درد دنیا سے بے دور جا چکی تھیں۔ عدم کو سدھار چکی تھیں کہ ایک روز انھیڈ علاقے کے نمبر دار و سیاسی گرگوں نے سمجھایا کہ بے

نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت ہزاروں روپے مل رہے ہیں تم بھی اپنے کوائف جمع کراؤ اور پھر ہر ماہ مزے کرو۔ پہلے بھی بہت سی خواتین اس سے "فائدہ" اٹھا رہی ہیں ۔اور ہاں پیسے ملنے کے بعد ہمیں نہ بھول جانا ہمارا حصہ بھی رکھنا

وہ لالچ میں آ کر اور اپنی مجبوری کو دیکھ کر اپنے روز مرہ کے معمولات چھوڑ کر صبح سویرے بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے دفتر کے باہر آ کر بیٹھ جاتیں جہاں اور بھی بہت سی خواتین ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی موجود ہوتی تھیں۔ دفتری عملہ اپنی مرضی کے مطابق آتا اور اس کے بعد ج دھکم پیل چھینا جھپٹی اور مار کٹائی شروع ہوتی کہ الاماں۔ زمین پر انسانوں کے غصے کی گرمی اور آسمان سے آگ برساتا سورج کوئی سائبان، سایہ نہ پانی۔ گرمی کی شدت، دھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدت سے بلبلاتے آدم کے ننھے منے معصوم بچے اور حوا کی جوان و بوڑھی بیٹیاں بھکاریوں کی مانند کھڑی بیٹھی اپنی باری کی منتظر ہوتی۔ لیکن عملہ ان کی مصیبت اور مشکل سے بے نیاز کچھوے کی سی رفتار سے خوش گپیوں میں مشغول رہتا اور 30,20 کیس نمٹا کر اگلے دن کی نوید سنا کر چلا جاتا اور باقی رہ جانے والی 95% خواتین حکومت اور عملے کو ۔کوسنے دیتی بے نیل و مرام گھروں کو لوٹ جاتیں جن میں وہ دونوں بھی شامل تھیں

پھر وہی ہوا کہ جس کا ڈر تھا تیسرے چوتھے روز معمول کے مطابق وہ آئیں لیکن آج وہ خالی پیٹ بغیر ناشتے کئے آئیں کیونکہ یہاں آنے کی وجہ سے کام پر نہ جا سکیں اور گھر میں پیسے نہ ہونے کی بنا پر ناشتہ نہ بن سکا تھا دوسرا سورج کی جولانی عروج پر تھی۔ نہ سایہ نہ پانی اور نہ یہ باری سب "معمول کے مطابق" تھا کہ یکدم وہ چکرا کر گر پڑیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ان کے علاوہ بھی تین اور عورتیں ڈی ہائیڈریشن کی بنا پر بے ہوش ہو گئی تھیں جنہیں ہسپتال میں طبّی امداد دے کر فارغ کر دیا گیا تھا اور جب عملے سے ان کی بابت معلوم کیا گیا تو ان کی لاعلمی اور ڈھٹائی پر سر پیٹنے کو جی چاہتا تھا کہ ایسا کوئی واقعہ رونما ہی نہیں ہوا یہ کہہ کر معاملہ ایسے غائب کر دیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ کہ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری۔

یہ صرف ایک شہر کہروڑ پکا کی روداد ہے دوسروں شہروں میں بھی اسی قسم کے واقعات معمول ہیں لیکن آنکھوں پر اقتدار اور بے حسی و بے شرمی کے خول چڑھائے ارباب اختیار بے نظیر بھٹو کی روح کو چھید رہے ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں اور اس بات کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ بے نظیر کے نام پر کیا کیا بے ہودگی کی جا رہی ہے کوئی پرسان حال نہیں۔ بس دکانداری چمکانے اور الیکشن کی تیاری کے سلسلے میں غرق ہیں--

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام یا اس قماش کے دوسرے پروگرام چاہے صوبائی گورنمنٹ کے ہوں یا وفاق کے ،دے کر کیا ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔کیا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ہم کتنے دیالو ہیں؟ کتنے سخی و غنی ہیں؟ کتنے عوام کے خیر خواہ ہیں۔ جبکہ معاملہ اسکے برعکس ہے سب ڈھکوسلا ہے۔ وہ عوام بالخصوص خواتین جو کچھ نہ کچھ کام کاج کرلیتی تھیں وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس فضول کام میں لگ گئی ہیں۔ یعنی محنت س جی چرا کر کشکول اٹھا کر مانند بھکاری شناختی کارڈ اور کاغذ کے ٹکڑے اٹھائے سارا دن ضائع کرے بھوکے پیاسے ذلیل و خوار ہو کر گھر کو لوٹ جاتی ۔ ارے ان سے تو وہ بھکاری بھی بہتر ہیں جو کم از کم خود بھی کھا کما لیتے ہیں اور بچوں کے پیٹ کا پالن بھی کرلیتے ہیں

اس سسٹم پر پھر کوئی چیک اینڈ بیلنس بھی نہیں ہے کہ کہیں پر تو ایک خاندان کے سات سات افراد کو رجسٹرڈ کرلیا گیا ہے اور جن میں سے اکثر صاحب روزگار بھی ہیں اور کہیں پر حقیقی مستحقین کو گھاس بھی نہیں ڈالی گئی یعنی پسند و ناپسند، جان پہچان اور اقربا کو مبینہ طور پر شامل سکیم کرلیا جاتا ہے اور اکثر کے کاغذات بھی بوگس ہونے کی شکایات بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔

حکومت کو چاہئے کہ خدارا تذلیل انسانیت کو روکا جائے اور اس کا کوئی جامع اور بہتر حل نکال کر اس پروگرام پر عمل درآمد کرایا جائے تاکہ جس کے نام پر پروگرام شروع کیا گیا ہے وہ تو کم از کم اپنی آخری آرام گاہ میں پرسکون رہ سکے۔ یہ نہ ہو کہ وہ عوام پاکستان کہ جس کیلیئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا ان کی حالت زار اور اپنے پارٹی کرتا دھرتاوں کے چہرے کے نقاب اٹھتے دیکھ کر وہ بے نظیر بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
کہ بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان اور متعلقہ ارباب اختیار کو اس بارے ضرور کوئی ٹھوس لائحہ عمل بنانا چاہئے کیونکہ ان کے اس عمل سے پیپلز پارٹی کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے کیونکہ وہاں موجود عوام بالخصوص خواتین جن الفاظ میں حکومت اور پارٹی کو یاد کرتی ہیں وہ یہاں احاطہ تحریر میں لانا اخلاقیات کے تقاضوں کے منافی ہوگا۔ سمجھ دار کیلیئے اشارہ کافی ہے اور ایک بات کہ دفاتر پر تعینات عملے کو بھی انسانیت اور اخلاقیات کے کورس کی تربیت کی اشد ضرورت ہے اور اگر مناسب سائے پانی اور جگہ کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر اس عملے کو عوام کے ساتھ کھلی جگہ پر بٹھایا جائے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو سکے کہ ذلالت تکلیف کس بلا کے نام ہیں۔

ناقابل فراموش ہیرو ! حقیقی ہیرو

کوئی فلم یا ڈرامہ ناول ہو کہ کہانی ہیرو ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور کبھی نہیں مرتا۔ ہیرو کو ہمیشہ ان تمام کرداروں میں غیر مرئی شخصیت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی قوت و طاقت سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے وہ اکیلا کئی کئی لوگوں پر بھاری ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا کردار بہادری دلیری اور ناقابل یقین ذہانت و فطانت سے بھرپور ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہوتا یہ ایک تخیل ہی ہے ایک سوچ ایک اختراع جو کہ کچھ عرصہ بعد دلوں اور ذہنوں سے محو ہو جاتی ہے اور پھر کوئی دوسرا ورسٹائل ہیرو اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

لیکن آج میں جس ہیرو کے حوالے سے یہ کالم لکھ رہا ہوں وہ ایک حقیقی کردار کا حامل ہے اور حقیقت کے آئینے میں خداوند کریم نے اسے ماورائی طاقت سے نوازا اور اپنی اس خڈاداد طاقت صلاحیت ذہانت اور قابلیت کو اس کے ملک و قوم کیلئے بھپورا انداز زیں استعمال کیا.بروقت استعمال کیا اور مملکت خاداد کے دیرینہ دشمن اور میلی آنکھ رکھنے والے بھارت کے خلاف استعمال کرکے اس کے ناپاک ارادوں س کو خاک میں ملادیا یہ ہیرو وہ عام ہیرو نہیں تھا کہ جو کسی محبوبہ کی خاطر اپنے عشق کی چاہت میں جائز و ناجائز کا خیال کئے بغیر

قانون کی پرواہ کیے بغیر گناہگار اور بے گناہ سب کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔
جی ہاں ہمارا ہیرو وہ عظیم و حقیقی ہیرو تھا کہ جو صرف اور صرف حق و سچائی اور وطن عزیز کی خاطر لڑ گیا اور اپنی صلاحیت و قابلیت کے وہ جھنڈے گاڑے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا وہ مرد مجاہد مرد قلندر دنیا میں ایم ایم عالم کے نام سے پہچانا جاتا ہے جس کا اصل نام محمد محمود عالم تھا یہ عظیم سپوت بہار کے شہر کلکتہ میں جولائی 1935 میں پیدا ہوئے۔ ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے۔11 بہن بھائیوں 6 میں سب سے بڑے تھے۔ ذمہ داریوں کو نبھانے کا سلسلہ والد کی وفات سے شروع ہو گیا تھا اس لئے شادی بھی نہ کر سکے۔ والد سرکاری ملازم تھے تقسیم پاکستان کے وقت اپنے خاندان کے ہمراہ مشرقی پاکستان میں ہجرت کی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کر لی اور ہائی سکول میں داخل ہو گئے پھر1952 میں پاکستان ائیر فورس کو جوائن کر لیا1953 میں پاک فضائیہ میں کمیشن حاصل کر لیا۔ مرد افتخار ایم ایم عالم نے تقریبا تیں سال تک افواج پاکستان میں اپنی خدمات سرانجام دیں
دوران سروس ہی وہ عظیم الشان اور ناقابل فراموش کارنامہ سرانجام دینے کا موقع مل گیا جس کی وجہ سے تمام عالم میں ایم ایم عالم کے چرچے زبان زد عام ہو گئے اور پوری دنیا میں ان کی جرات و شجاعت اور قابلیت کے ڈنکے مشرق سے

مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھیل چکے تھے اور اسی چیز کو دیکھتے ہوئے بنگلہ دیشی حکومت نے فوج کا کمانڈر انچیف بنانے کی پیش کش کردی جسے اس عظیم محب وطن سے بلا جھجک ٹھکرادیا اور پاکستان کی خدمت کو ہی اپنا اولین مقصد جانا۔

ایم ایم عالم 11 سکواڈرن کمانڈر نے چھ ستمبر کو جب بھارت نے رات کی تاریکی میں اپنے ناپاک ارادوں کو جامہ پہنانے کیلئے حملہ کیا تو جہاں ہماری پاک فوج نے جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کی پیش قدمی کو روکا وہاں پر ایم ایم عالم کا کردار بھارتی فوج کو مٹی چٹوانے میں نہایت اہمیت کا حامل رہا انھوں نے چار جہاز مار گرائے اور جب 7 ستمبر کو بھارتی فارمیشن کے چھ جہاز سرگودھا پر حملہ آور ہوئے تو مردآہن ایم ایم عالم نے اکیلے ہی ان کا پیچھا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈرامائی اور فلمی انداز میں 30 سیکنڈ میں بھارت کے چار فائٹر جہاز اور اگلے تیس سیکنڈ میں ایک اور جہاز کو جہنم واصل کردیا اور آپ کے حملے کی دشمن پر ایسی ڈھاک بیٹھی کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا-

یہ جذبہ کہاں سے آیا کہ جب سے میں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھے تو میں بہت زیادہ کڑھتا تھا اور یہی کچھ دشمنوں کے ساتھ کرنا چاہتا

تھا اور اس مقصد کیلئے میں نے شروع سے ہی ایک چاقو خرید کرلیا تھا اور اسی نظریے کے تحت ہی جوان ہوا کہ بھارت کو تقسیم ہونا ہی پڑے گا۔

محترم قارئین: یہ ہے وہ اصل ہیرو جو حقیقت میں ہیرو تھا ہے اور رہے گا جسے کبھی بھی فراموش نہ کیا جاسکے گا۔ یہ اہمیت وحیثیت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ عالم جدید میں بھی اس قسم کا کارنامے سرانجام دینا غیر مرئی و ماورائی قوتوں سے جوڑے جاتے ہیں اور یہ ریکارڈ کبھی تو نہ ٹوٹ سکے گا۔

فیکٹریز آن فائر........ لیکن

مرد و خواتین افرا تفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے قیامت صغری بپا تھی۔ آگ کی لپٹیں آسمان سے باتیں کررہی تھیں گاڑیوں کا شور، زخمیوں کی آہ و پکار اور لواحقین کی بھاگم دوڑ میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں پر موجود ہر شخص اپنے پیاروں کی تلاش میں سرگرداں تھا جن کے پیارے آگ کی نذر کی ہو گئے تھے وہ نوحہ کناں تھے اور جن کی کوئی خبر نہ تھی ان کے لواحقین امید و یاس و نا امیدی کی کیفیت بیں کشمکش کی ڈور سے بندھے ہوئے تھے۔ ریسکیو اہلکار بھی فیکٹری میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بچانے کیلئے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر جتے ہوئے تھے لیکن بے رحم آگ تھی کہ پھیلتی ہی جا رہی تھی

جی ہاں یہ مناظر کراچی بلدیہ ٹاؤن میں واقع گارمنٹس کی فیکٹری میں لگنے والی آگ کے تھے جس میں تین دھماکوں کے بعدیک لخت آگ پھیل گئی اور اپر و لوئر سٹورز کو دیکھتے ہی دیکھتے اپنی لپیٹ میں لے کر ساڑھے تین سو کے قریب انسانی جانوں کو لقمہ بنالیا۔ اسے مشیت ایزدی ہی کہا جاسکتا ہے اور خالق کائنات کی حکمتوں اور پالیسیوں کو وہی بہتر جانتا ہے کیونکہ انسان ہمیشہ سے ہی ناشکرا اور ناسمجھ ہے۔ لیکن اگر ground realities کو مد نظر رکھا جائے

تو اس میں انسانی غفلت بلکہ مجرمانہ غفلت دکھائی دیتی ہے جس نے ساڑھے تین سو کے قریب بے گناہ انسانی جانوں کو نگل لیا اور اور اس غفلت کے ذمہ دار بہت سے ہونہار " محکمے اور ان کے ملازمین جن میں لیبر ڈیپارٹمنٹ، سول ڈیفنس، محکمہ " بلڈنگ، محکمہ محنت و صنعت کے علاوہ گورنر، وزیر اعلی وزیر محنت و صنعت اور متعلقہ لوگ اس کے حقیقی ذمہ دار اور سو فیصد مجرم ہیں سب سے پہلے ان کو بغیر کسی روایتی انکوائرز اور کمیٹیاں بنائے قوم کے سامنے کٹھرے میں لاکر کھڑا کیا جائے۔اور انسانی جانوں سے کھیلنے والے ان بے حس اور درندہ صفت بھیڑیوں کو تختہ دار میں لٹکایا جائے۔تاکہ انہیں بھی معلوم ہوسکے کہ موت کی اذیت کیا ہوتی ہے؟ جلنے کا احساس کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے اور پیاروں کے بچھڑنے کا غم کیا ہوتا ہے؟

لیکن ! پاکستان میں قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ لا اینڈ آرڈر کی صورت حال انتہائی ناقص ہے۔ ہر دوسرا شخص غیر قانونی انداز میں اپنے معاملات کو حکومتی کارندوں کی سرپرستی اور آشیرباد سے چلا رہا ہے اور انسانی جانوں سے کھیل رہا ہے ملک میں ہر چھوٹے بڑے شہر قصبات و دیہات میں گلی محلوں اور بازاروں کے نکڑ پر غیر رجسٹرڈ غیر قانونی اور انتہائی ناقص انتظامات بلکہ انتظامات سے بری الذمہ پٹرول مٹی تیل اور گیس کی دکانیں بصورت ایجنسیاں بڑے دھڑلے سے کام کر رہی ہیں اور متعلقہ محکمہ جات کی کارکردگی کا پول کھول رہی

ہیں۔اور قرب و جوار کے لوگ و رہائشی ہر وقت خوف و ہراس کا شکار سولی پر لٹکے رہتے ہیں اور باوجود شکایات کے کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی جاتی الٹا ان کو مختلف مقدمات میں پھنسانے کی دھمکیاں تک دی جاتی ہیں۔ وجہ روز روشن کی طرح عیاں ہے ان تمام افسران واہلکاروں کے منہ اور پیٹ اس انداز سے بھر دیئے جاتے ہیں۔کہ آواز منہ سے نکل نہ سکے پیٹ وزنی ہونے کی وجہ سے وہ جائے وقوع پر پہنچ نہ سکے اور انکھوں پر چربی تو پہلے ہی ہذا من فضل ربی کی چڑھی ہوتی ہے۔

جب حالات سے دلبرداشتہ ہو کر میں کالم لکھنے بیٹھا تو دوستوں نے میرا مذاق اڑایا کہ کیوں اپنی توانائیاں اور سیاہی خرچ کر رہے ہو اس ملک میں کسی کے حلاف کچھ نہیں ہوتا فیکٹری مالکان نے صاف بچ جانا ہے۔انکوائری کمیٹیاں ہمیشہ سے بنتی رہی ہیں اور آج تک کسی کمیٹی کی کوئی ایسی رپورٹ سامنے نہیں آئی کو جس میں کسی ملوث فرد یا افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہو یا ان کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں لائی گئی ہو۔ان کی باتیں حقیقت پر مبنی تھیں

دوسری طرف کوئی بھی فیکٹری کارخانہ تو دور کی بات نقشہ بھی قوانین کے مطابق نہیں بنایا جاتاہے اور پاس ہوجاتا ے عمارت کھڑی ہوجاتی ہے پھر وہی ہوتا ہے جو لاہور اور کراچی کی فیکٹریوں میں عوام الناس کے ساتھ ہوا کہ کسی بھی

ایمرجنسی کی صورت میں کوئی راہ فرار ہی نہیں ملتی۔ آگ بجھانے کے آلات کا کہیں نام نہیں لگائے جاتے۔ سموک سینسر کا distingusher ونشان نہیں ہوتا۔ کہیں پر فائر استعمال ندارد ہوتا ہے ایمرجنسی وے اور سیڑھیوں کو بلڈنگ میں فضول خرچ گردانا جاتا ہے آگ بجھانے کے دوسرے آلات کہیں دکھائی نہیں پڑتے تو پھر اس قسم کی صورت حال میں ایسے حادثات کا رونما ہونا کوئی اچنبھے یا انھونی کی بات نہیں۔

لیکن! لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے ان سب معاملات کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے آیا کہ فیکٹری مالکان ذمہ دار ہیں کہ وہ تمام ادارے جو ان مالکان کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔اور بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں کہ بلڈنگ کو فیکٹری بنانے کا نقشہ نہ ہو تو اس کو فیکٹری exit way کس نے پاس کیا؟ ایک ایسی بلڈنگ جس میں کوئی کے طور پر کام کرنے کی اجازت کس نے دی کن گراؤنڈز پر دی۔ کیا کبھی سول ڈیفنس میٹریل موجود ہے اور flamable نے معائنہ کیا کہ ایک ایسی بلڈنگ جس میں سینکڑوں کی تعداد میں غریب ورکر کام کر رہے ہیں ان کی زندگیاں کس خطرے سے دوچار ہیں اور کیا وہاں ایمرجنسی و آگ سے نمٹنے کے آلات و انتظامات موجود ہیں۔اگر نہیں ہیں تو کیوں نہیں ہیں۔جہاں پر لاکھوں کروڑوں کی لاگت سے پروجیکٹ بنایا جاتا ہے اس کو چلانے والوں کی حفاظت کیلئے ہزاروں روپے خرچ کرنا مالکان کو موت نظر آتا ہے اور یہی موت

غریبوں کو نگل جاتی ہے لیکن پاکستان میں ہر سوال کا ایک ہی جواب ہے۔ کس سے فریاد کریں کس سے منصفی چاہیں۔

اور حکومت کے تو کیا کہنے ! قربان جایئے ان کی سوچ اور بے حسی پر کہ ایک مرنے والے کے لواحقین کو دو چار لاکھ روپے دے کر احسان عظیم کر دیا جاتا ہے کہ مرنے والے کی قیمت ادا کر دی گئی ہے۔اور یہ رقم اتنی ہے کہ اگر مرنے والہ ساری عمر بھی کماتا تو بھی نہ کما سکتا۔ ان عقل کے اندھوں کو کون سمجھائے کہ وہ کسی کا باپ بیٹا بیٹی بھائی بہن بیوی یا شوہر تھا اس کی کمی کو رقم سے کیسے پر کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال مقصد لکھنے کا یہی ہے کہ شاید کوئی دبی چنگاری کوئی سویا ضمیر جاگ جائے اور پاکستان میں کہیں پر غریب کو اس کا حق اور انصاف مل سکے اور قانون کی حکمرانی ہو سکے۔ کیونکہ غریب کا اس ملک میں پیدا ہونا بذات خود ایک جرم اور گالی ہے۔اس لئے تو میرا خیال ہے کہ شاعر سے پاکستان کے غریبوں کیلیے کہا تھا کہ

ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

انسانی حقوق کا علمبردار۔۔۔ دین اسلام

حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اگر کہیں برائی کو دیکھو تو اسے روکنے کی کوشش کرو اور الر اس کی استطاعت و طاقت نہیں رکھتے تو اسے برا کہو اور اگر کہنے کی ہمت بھی نہیں ہے تو اسے دل میں برا خیال کرو اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ محترم قارئین کرام حدیث پاک کا مفہوم لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کا جو کالم لکھنے جا رہا ہوں میں یہ اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ یہ کس درجہ میں شمار ہوگا۔ پہلے درجے میں تو نہیں آسکتا باقی کے درجات کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا لیجئے گا۔ اللہ تبارک تعالی تو یقینا جاننے والا اور باخبر ہے۔ایک خبر کے مطابق ایمنسٹی انٹر نیشنل نے "حکم" صادر فرمایا ہے کہ "توہین رسالت قوانین میں فوری طور پر حکومت ترمیم کرے اور سلمان تاثیر کو ایک مظلوم عورت کی حمایت کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ یہ خبر جان کر مجھے ان نام نہاد انسانی حقوق کے ٹھیکیداروں کی ڈھٹائی اور کمینے پن پر شدید غصہ آیا اور ر ہمارے حکمرانوں کی ایمانی کمزوری دیکھ کر دکھ ہوا کہ تم ماے لگتے ہو توہین رسالت کے قوانین میں ترمیم کرانے کے۔ تم کون ہوتے ہو جو ہمیں توہین رسالت کے قوانین کی بابت ڈکٹیٹ کرو۔ اور ہمیں بتاؤ کہ اسلام میں نعوذ باللہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح ؟ یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ گستاخ رسول کی بھی قسم کی رعایت و معافی کا مستحق نہیں چاہے وہ

کوئی عورت ہی کیوں نہ ۔ اور ایمنسٹی والے تو جس عورت کو مظلوم کہہ رہے ہیں اس سے بڑا ظالم اور لعین اس معاشرے میں ہو ہی نہیں سکتا۔اے انسانی حقوق کے علمبر دارو! کیا تم انسانیت کی ابجد سے بھی واقف ہو کیا تم انسانیت کے حقوق انہیں کہتے ہو کہ معاشرہ مدر پدر آزاد ہو جائے بیٹا باپ کو سمجھانے اور برائی سے روکنے کا مجرم ٹھہرے۔بیٹی کو آوارگی اور بے ہودگی سے روکنا والدین کیلئے وبال بن جائے ۔ انہیں کٹھہرے ہیں لا کھڑا کیا جائے۔ کای انسانیت یہی ہے کہ والدین کو جب بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اولڈ ہوم میں پھینک دیا جائے۔ جبکہ ان کے حقوق شروع ہی اب ہوئے ہیں کیونکہ اولاد کو جوان کرنے تک تو وہ فرائض ادا کرتے رہےاور جب ان کے حقوق کی وقت شروع ہوا تو انکو بے درد زمانے کی ٹھوکروں کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ کیا یہی انسانیت ہے کہ جننے والی ماں اور پالنے والے باپ کو اتنا بھی حق نہیں کہ وہ اولاد کے اچھے برے بارے اس سے باز پرس کرسکے۔انسانی حقوق کی آڑ میں انسانیت کی تذلیل کرنے والو پہلے اپنے آپ کو سدھارو اپنے آپ کو بدلو انسانیت کا حقیقی سبق سیکھو۔انسانیت کے علمبر دار تو وہ تھے کہ جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ملک شام فتح کیا تو ان کے وزراء نے نئے مفتوحہ ملک کا جائزہ لینے کے بعد بہت سے مشورے دیئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ چونکہ نصرانیوں کی اکثریت ہے اور یہ لوگ سرکش اور سخت مزاج ہیں تو ان پر اسلام کے نرم سیاسی اصول کارگر نہ ہونگے ان کے ساتھ دوسرے سخت اصول بھی بنائے جائیں تاکہ ان کو قابو کرنے ہیں آسانی ہو اور حکومت

مستحکم ہو اور پریشانیوں کا سبب بننے والوں کو کچلا جاسکے۔ تو یہ سب سن کر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس وقت انہوں نے جو کچھ فرمایا یہ ان سب انسانی حقوق کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے لئے کافی ہے جو اسلام کو شدت پسندی سے مربوط کرتے ہیں اور توہین رسالت کے قوانین کو نعوذ باللہ سخت اور انسانیت کے منافی قرار دیتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا" تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے یہ جو ملک فتح کیا ہے اس لئے فتح کیا ہے کہ اپنی حکومت اور سلطنت قائم کروں اور لوگوڈ کی گردنوں پر اپنی غلامی کا جوا رکھوں۔ تم میر بات کان کھول کر سن لو کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کیلئے اور اس کی رضا کی خاطر یہ ساری کوششیں کیں ہیں میں تو صرف اپنے ملک کا چاکر ہوں ہیں اپنے حکم ہرگز نہیں نافذ کرونگا یہ ملک رہے یا جائے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تم اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ کوئی بھی حکم قرآن و سنت کے خلاف صادر نہیں کر سکتا اور قرآن و سنت کی مخالفت میں کوئی بھی کوشش ہرگز کامیاب نہیں ہونے دونگا کیونکہ قرآن اللہ کا فرمان اور سنت رسول کی امانت ہے اور انسانیت کی فلاح مومن ہو کہ کافر دونوں پر عمل کرنے میں ہے"اور پھر چشم فلک نے دیکھا اس انسانی حقوق کے محافظ کے دور میں کچھ ہی عرصہ بعد نصرانی اکثریت والا ملک مسلم اکثریت والے ملک میں تبدیل ہوگیا۔ یہاں پر ہر مذہب کو ماننے والے کو مذہبی آزادی بھی۔ مسجدیں محفوظ تھی تو دوسرے عبادت خانے بھی محفوظ تھے کوئی جبر واکراہ نہیں تھا یہ صرف

مسلمانوں کا اخلاق ، حسن سلوک اور انسانی حقوق کی پاسداری تھی جو اسلام اور نبی کریم نے سکھائی تھی ان کے صحابیوں ، ساتھیوں، پیروکاروں اور مسلمانوں نے سکھائی اور پھیلائی تھیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی وہ دین برحق ہے جو دراصل انسانیت کو ہر قسم کے جبر واستحصال واستبداد سے نجات دلا سکتا ہے۔

اے مغرب والو، مغرب زدہ لوگو ، مغرب پرودہ لوگو دیکھو کہ فاتح ہونے کے باوجود کسی انسان کا ناحق خون نہیں بہایا کسی کو تکلیف نہ دی اور اب اپنے گریبانوں میں جھانکو کشمیر بوسینیا فلسطین لیبیا عراق کویت لبنان افغانستان حتی کہ پاکستان ہر جگہ تم انسانیت کی دھجیاں بکھیرتے نظر آتے ہو۔انسانی حقوق کی پامالی کا سب سے بڑا ٹھیکہ تم نے اٹھا رکھا ہے تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں کوئی روکنے ٹوکنے والہ نہیں۔ لیکن لیکن قصور تمہارا بھی نہیں تم مفادات و مراعات ہی اتنی دیتے ہوئے کہ اچھے اچھوں کی رال ٹپک جائے۔ غیرت مرجائے عزت نیلام ہوجائے بس مراعات بند نہ ہوں اگر ایسا ہے تو پھر یہ حکم نامے تو صادر ہوتے رہینگے اور یونہی اسلام بارے ہرزہ سرائی جاری رہے گی۔

اے مسلمانو ! اے حکمرانو ! ہوش کے ناخن لوظالم یورپ کی پیروی چھوڑ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرانہیں یہ بتادو کہ توہین رسالت قوانین میں تبدیلی ہرگز ہرگز نہیں ہوگی جو کوئی بھی اس سے الجھنے کی کوشش کریگا وہ سزاوار اور

خطاکار ہوگا اور اسے سبق سکھایا جائیگا۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی اور فلاح ہے۔

سعودی عرب کا سنہری اقدام

سعودی عرب کا سنہری اقدام ! برما کے مسلمانوں کیلئے خوبصورت سنگ میل ہے
برما کے شہر میانمار کے مسلم آبادی والے علاقے میک تھلا میں صرف مسلمانوں کے
گھروں کو لوٹ کر آگ لگادی گئی ان کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا اور لوٹ لیا گیا۔ 20
مارچ 2013 کو یہ گھناؤنی حرکت دنیا کے سب سے پرامن کہلانے والے بدھ کے
پیروکاروں نے کی اور اس دہشت گردی کی لپیٹ میں اس علاقے میں موجود 13 میں
سے دس مساجد کو آگ لگا کر شہید کیا گیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا انسانی حقوق کی کھلم
کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے چار اساتذہ سمیت 28 طلبہ کو بھی قتل کرکے
جلا دیا گیا اور ان میں مشہور عالم نور الحق کے صاحبزادے حافظ محمد احتشام کو بھی نذر
آتش کر دیا گیا اس موقع پر پولیس کے جوان بھی موجود تھے جو کہ یہ وحشت ناک تماشا
دیکھ کر محظوظ ہوتے رہے اور شہری اپنی جانیں بچا کر فرار ہوئے اور قریبی گاؤں نے
جا کر پناہ لی۔

یہ کوئی نئی بات نہیں عرصہ دراز سے اس قسم کی پریکٹس جاری ہے اور برما کی نام نہاد
حکومت آنکھیں موندے خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے اور ان بے غیرت

بدھوں کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اگلے روز بھی مزید پانچ مساجد کو شہید کر دیا گیا۔ غیر ملکی میڈیا کے نمائندوں نے بھی اس بات کی گواہی دے دی ہے کہ یہ سب کارگزاری بدھوں کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر مختلف ہتھیاروں سے لیس ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ لگائی گئ آگ کو بجھایا بھی نہ جائے۔
حسب معمول علما کرام نے اس عمل کی شدید مذمت کی ہے اور دوسری مسلم دنیا کے حکمرانوں عوام اقوام متحدہ اور او آئی سی کی بے حسی سرد مہری اور چشم پوشی سے مسلم امہ میں شدید مایوسی کی لہر ہے مسلمانوں میں غیرت حمیت اور عزت نامی حس کہیں جا کر کسی کونے میں منہ چھپا چکی ہے اور اس مسئلے پر پاکستان کا رویہ ایک سوالیہ نشان ہے کیونکہ مسلم دنیا میں پاکستان کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور حکومت پاکستان کا یہ رویہ پاکستانی حکمرانوں کی مسلم دوستی کی قلعی کھولتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پاکستانی حکمران صرف اور صرف ملکی دولت لوٹنے اپنی جیبیں بھرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں انہیں مسلم امہ بالخصوص پاکستانی عوام کی فلاح و بہبود کا رتی برابر بھی احساس نہیں۔
لیکن ! مجھے اس وقت نہایت خوشی محسوس ہوئی کہ سعودی عرب ایک ایسا ملک جو کہ

کسی کے لین دین میں نہیں ہوتا اپنے قوانین و قواعد پر سختی سے کاربند رہنے والے ملک
نے ایک عظیم مثال قائم کی جب 24 مارچ کو سعودی حکومت نے میانمار کے مظلوم
مسلمانوں کی آبادی کاری کا فیصلہ کیا مکہ کے گورنر پرنس خالد الفیصل نے اعلان کیا کہ برما
کے دو لاکھ پچاس ہزار تارکین وطن کو مفت اقامہ فراہم کیا جائیگا انہیں طبّی سہولیات اور
تعلیمی مواقع کے ساتھ ساتھ روزگار بھی فراہم کیا جائیگا۔ گورنر مکہ نے یہ شاندار روایت
برما کے مسلمانوں میں اقامہ جات کی تقسیم کے موقع پر کہی تھی جو کہ رہائشی اصلاح کی
ذمہ دار کمیٹی کے ہیڈ کوارٹر میں واقع کودائی بس پارکنگ ایریا میں منعقد کی گئی تھی-
اقامہ جات کی تقسیم کی تقریب خالد الفیصل کی تقریر سے نہایت ہی جذباتی ہو گئی تھی
انہوں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کہ "میری زندگی یہ بے حد خوبصورت لمحات ہیں
جب کہ میں بڑی تعداد میں اپنے مسلم بھائیوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس شہر مقدس میں
اپنی زندگیوں کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے کئی برسوں سے فروکش ہیں ہم ان قیمتی لمحات
کو یادگار بنانے کے متمنی ہیں۔ برما کے مسلمانوں کے رہائشی موقف کا یہ خصوصی
پروجیکٹ ساری دنیا میں اپنی نوعیت کا منفرد تجربہ ہے" انہوں نے یہ بھی کہا میرے
احساسات اور تاثرات کو اس وقت مزید تقویت اور فرحت محسوس ہوئی جب خادم
الحرمین شریفین شاہ عبداللہ نے علاقہ کا امیر بننے کے بعد میری پہلی درخواست پر بلا
تامل ہامی بھر لی۔

شاہ عبداللہ نے فی الفور غیر منظم اضلاع میں رہنے والے تارکین وطن کے رہائشی موقم کو درست کرنے کے احکامات جاری کئے اور تین اضلاع کی ترقی کے حوالے سے ایک وزارتی کمیٹی بھی قائم کردی پہلے ہی پانچ دنوں میں 2000 سے زائد برمی باشندوں چار سالہ مفت اقامہ کا اندراج کیا گیااور یہ منصوبہ لانگ ٹرم ہے اور تقریبا 5 لاکھ پناہ گزینوں کو رہائش کا قانونی حق دیا جائے گا اور انہیں وہاں آباد کرنے کے کام بھی کیا جائے گا، اس منصوبے کا افتتاح 1.8 بلین سعودی ریال سے تعلیمی پروجیکٹس جس میں بوائز اینڈ گرلز سکولوں کا قیام اور جدید سہولیات سے مزین کرنا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ برما کے مسلمانوں کیلئے ایک نہایت ہی خوبصورت اور اہم سنگ میل ثابت ہوگا۔

دوسری مسلم امہ اور بالخصوص پاکستانی حکومت کو اس سے سبق لینا چاہیے اور مسلمانوں کی بھلائی اور فلاح کیلئے کام کرنا چاہیے۔

حرمت رسول کے حوالے سے آزادی اظہار پر پابندی سو فیصد ضروری ہے

فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ جب رومیوں سے شہر کی کنجی لینے کیلئے تشریف لے گئے اور شہر کے قریب پہنچے تو لشکر اسلامی کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ چند مسلمانوں کے ہمراہ حضرت عمرؓ کے استقبال کیلئے نکلے۔ جب حضرت عمرؓ کی جماعت ایک ایسی مقام پر پہنچی کہ جہاں پر پانی جمع تھا تو آپؓ اپنی اونٹنی سے اترے پاؤں سے چرمی موزے اتار کر کاندھے پر ڈال لئے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ جب شہر کی فصیل کے قریب پہنچنے لگے تو حضرت ابو عبیدہؓ سے رہا نہ گیا۔ عرض کی ! حضرت آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کا پیرہن پیوندہ زدہ ہے موزے آپ نے اپنے کاندھوں پر ڈالے ہوئے ہیں اور اونٹ کی نکیل تھام کر چل رہے ہیں۔ جناب سارا شہر آپ کی زیارت کیلئے امڈا ہوا ہے۔ خلیفۃ المسلمین کو اس حلیہ میں دیکھ کر لوگ کیا کہیں گے اس طرح تو ہماری سبکی ہوئی اور مذاق اڑے گا، خدا کیلئے آپ ذرا اچھا لباس پہن لیں شان سے سواری پر بیٹھیں، تب شہر کی فصیل کے قریب تشریف لے جائیں۔ ابو عبیدہؓ کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ ابو عبیدہ آج تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا اور یہ بات کرتا تو خدا کی قسم اسے

ایسی سزا دیتا کہ پوری دنیا کیلئے مثال عبرت بن جاتا۔ پھر فرمایا کہ ابو عبیدہ ہم سب کم درجے کے لوگ تھے، دنیا کی کوئی قوم ہمیں منہ لگانے کو تیار نہ تھی، اللہ نے ہمیں اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے عزت دی۔ یاد رکھو کہ جو عزت ہمیں اللہ نے دی ہے اسکو چھوڑ کر کسی اور چیز یعنی لباس اور سواری کے ذریعے اگر ہم عزت چاہینگے تو خدا ہمیں ذلیل و رسوا کر دیگا اور جو عزت ہمیں ملی ہے چھن جائے گی۔

یہ واقعہ کوڈ کرنے کا مقصد پاکستانی گورنمنٹ کو یہ باور کرانا ہے کہ امریکہ کے پاس کوئی اختیار نہیں کہ وہ تمہیں عزت دیگا تو تمہاری عزت ہوگی۔ اگر امریکہ تمہیں پیسے دے گا تو تمہارے گھروں کا چولہا جلے گا ہاں یہ تو ہو سکتا کہ چند ضمیر فروش اور بے غیرت قسم کے لوگ اس کے پٹھوؤں کا کردار ادا کرکے ان سے پیسے بٹور لیں اور جزوی وقتی شہرت حاصل کرلیں لیکن یاد رکھیں کہ اگر حرمت رسول اور عظمت رسول پر کوئی سودا بازی یا سمجھوتہ کیا گیا تو دنیا میں ان کا نام لیوا کوئی نہ ہوگا خدا کے ہاں دیر ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں کہ گستاخ رسول اور ان کے بے غیرت و بے ضمیر معاونین اس دنیا میں زیادہ عرصے تک عزت سے رہ سکیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب سے گستاخ رسول اور لعنتی خبیث نے گھٹیا ذہنیت کی عکاس فلم بنائی اور ریلیز کی ہے اس وقت سے لیکر آج تک امت مسلمہ غم و غصہ میں ڈوبی اور بھری ہوئی ہے ہر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان

تمام ملعونوں کو جنھوں نے کسی بھی طرح سے اس فلم حصہ لیا ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے عشاق مصطفیٰ کے جلوس میں شامل ہو جائے بالخصوص ملعون پادری ٹیری جونز اور فلم ڈائریکٹر کو تو لازمی طور پر جہنم واصل کر دیا جائے۔

میں آج دنیا کے ان نام نہاد انسانی حقوق کے علمبرداروں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جس کی شان میں گستاخی کو نعوذ باللہ آزادی اظہار کا نام دے رہے ہو وہی شخصیت اور ہستی دنیا میں انسانیت کی سب سے بڑی علمبردار اور عملی نمونہ ہے۔ دنیا میں آج تک ان سے بڑا انسانیت کا خیر خواہ اور علمبردار نہ تو آج تک پیدا ہوا ہے اور نہ ہی کبھی قیامت تک پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ وہ عظیم ہستی ہیں کہ جنھوں نے ہمیشہ انسانیت کی فلاح و بہبود کو اپنی ترجیح قرار دیا۔ آپ کی زندگی ایسے بے شمار واقعات سے مزین ہے۔ اگر یہ ملعون و بے غیرت لوگ آپ کی سیرت کی تھوڑی سی بھی جھلک دیکھ لیں اور محسوس کر لیں تو یقینا انہیں سب معلوم پڑ جائیگا کہ انسانی حقوق کیا ہوتے ہیں۔ ان کی پاسداری کیا ہے تم تو اس کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں رکھتے ہو اور دعوے کرتے ہوئے ٹھیکیدار بننے کے۔

ہمارے نبی ﷺ کو اس دنیا میں سراپا رحمت و شفقت بنا کر بھیجا گیا اور اس کی بہت سی مثالیں صفحہ قرطاس پر کندہ و تابندہ ہیں کہ آپ تو انسانوں کے ساتھ

ساتھ جانوروں پر بھی رحم و شفقت کا درس دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا مقصد ہر گز ہر گز یہ نہیں ہے کہ اگر آپ سے کوئی محبت و صلہ رحمی سے پیش آئے تو آپ اس کی عزت و ناموس کی دھجیاں اڑانا شروع کر دو اور اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر ہمارے ہی نبی نے یہ بھی کہا کہ وہ شخص واجب القتل ہے جو میری شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے اور فتح مکہ وہ تاریخی فتح ہے کہ جس میں آپ نے اپنے تمام مخالفین اور دشمنان اسلام کو عام معافی دے کر ایک بے مثال مثال قائم کی لیکن ان میں اس معافی سے چند لوگ مستثنیٰ تھے یہ وہ لوگ تھے جو آپ کی شان اقدس میں گستاخی کے مرتکب ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ ان کو قتل کرنے والوں سے میں جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ اسلام عفو درگزر کے ساتھ ساتھ غیرت و حمیت کا سبق بھی دیتا ہے کہ جب پانی سر سے گزر جائے بات عزت و ناموس کی آجائے تو پھر تلوار نیام سے باہر آنی ہی چاہئے۔

violation ہر چیز کی حدود قیود ہوئی ہیں اور جب کوئی ان حدود تو پھلانگتا ہے تو بات تک جا پہنچتی ہے اور اظہار آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کے گندے ذہن میں جو ناپاک خیال آئے اور ناپاک زبان جو بکواس کرے اسے آزادی اظہار کا نام دے دیں چاہے اس سے کسی کے جذبات کتنے ہی مجروح کیوں نہ ہوں اچھی آزادی ہے ہم ایسی اظہار پر سو بار لعنت بھیجتے ہیں اور اس کا دم بھرنے والوں پر کروڑوں لعنتیں۔

سی این جی سٹیشنز کی بندش ....ایک اور ریلیف ختم

مون سون بارشوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں فلڈ وارننگ بھی دے دی گئی ہے کچھ علاقوں سے رہائشیوں اور مکینوں کو علاقے چھوڑنے کی ہدایات بھی جاری کر دی گئی ہیں،اور ملک میں کہیں کہیں سیلاب سے نمٹنے کی تیاریوں کا سلسلہ بھی شروع سنائی دیتا ہے۔ لیکن عملی کام کہیں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ تقریبا دو سے تین ماہ قبل ہی محکمہ موسمیات نے شدید بارشوں کی پیشن گوئی کردی تھی کہ جس کے نتیجے ہیں شدید ترین اور خوفناک ترین سیلاب سے واسطہ پڑنے کا عندیہ بھی دے دیا گیا تھا لیکن پھر بھی کوئی پیش رفت محسوس نہیں ہوتی۔ شاید ہماری حکومت اپنی "سنہری روایات" کو چھوڑنے پر تیار نہیں کہ جب تک (خدانخواستہ) پانی سر سے نہ گزر جائے حفاظتی تدابیر اختیار نہیں کرنی۔ حالانکہ اس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں کہ سابقہ سال کے سیلاب کے نقصانات سے متاثرین ابھی تک سنبھل نہیں سکے ہیں اور اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی کمر ابھی تک ٹوٹی ہوئی ہے کہ وہی عذاب دوبارہ نازل ہونے کی پیشین گوئی ہے اور اتنے شدید خطرے کے باوجود کوئی اقدامات نہیں کئے جارہے ہیں بس شور شرابہ ہے اور look busy do nothing کے مترادف بھاگم دوڑ زیادہ ہے لیکن عملی اقدامات ندارد۔ نشیبی علاقوں کے مکین صرف اور

صرف توکل علی اللہ پر اپنے اپنے گھروں میں مقیم ہیں حکومت سے کوئی توقع عبث معلوم ہوتی ہے اور شاید کہ شاید کی امید پر زندگی کی بقا اور ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہمیشہ سے ہماری حکومتوں کا وطیرہ رہا ہے کو کوئی بھی کام کوئی بھی اقدام وقت سے پہلے یا وقت مقررہ پر نہیں کیا جاتا۔ کوئی بھی معاملہ یا مسئلہ ہو ہمیشہ کھیت کے چگنے کے بعد چڑیاں اڑانے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور جب تک چڑیاں اڑتی ہیں بچا کچا کھیت بھی چٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ mismanagemnet کی انتہا دیکھئے کہ سڑکیں پہلے بنا دی جاتی ہیں اس کے بعد سیوریج کا نظام بچھایا جاتا ہے جس سے لاکھوں روپے کی مالیت سے بنائی گئی سڑکیں ہماری ناقص پالیسیوں کا منہ چڑا رہی ہوتی ہیں۔ سیوریج کے بعد محکمہ ٹیلی فون کی آنکھ کھلتی ہے اور رہی سہی کسر وہ پوری کر دیتے ہیں اور روڈز کو بری طرح سے ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا ہے اور سیوریج کا "غیر معیاری نظام گٹراں" لیکج کا شکار ہو کر سڑکوں کے ساتھ ساتھ گلی محلوں کو "معطر و مطہر" کرنے کے علاوہ گھروں کا بٹھہ بٹھانے کا سبب بھی بنتے ہیں۔

کسی بھی پروجیکٹ پر کام کرنا مقصود ہو تو چند "ماہرین" کی "ماہرانہ رائے" پر عمل درآمد کرا دیا جاتا ہے اور ان میں سے اکثر "قابل و اہل" "عزیز و اقربا" یا

چھپتے ہوتے ہیں کہ عام طور پر جنہیں پروجیکٹ کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہوتی۔اور یہی وجہ ہے کہ بلڈنگز اور پلوں کے بنتے ہی یا دوران تعمیر گرنے کے واقعات کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں،اور نہ جانے کتنی قیمتی اور بے گناہ جانوں کی بھینٹ لے لیتے ہیں لیکن ان پر کبھی قتل یا اقدام قتل کے مقدمات تو دور کجا کہ ان کے نقصانات کو پورا کرانے کیلئے چاچے تائے بابے ایڑی چوٹی کازور لگا دیتے ہیں،اور مختلف نام نہاد کمیٹییاں کو نام نہاد انکوائریاں دے دی جاتی ہیں جن میں سے یہ قاتل دودھ سے مکھی کی طرح نکال دیئے جاتے ہیں،اور پھر کسی دوسرے پروجیکٹ کو مختلف نام کی کمپنی بنوا کر نواز دیا جاتا ہے۔

رہی سہی کسر ملک میں مہنگائی کے عفریت نے پوری کر دی ہے جو کہ منہ پھاڑے غریب اور معصوم عوام کو نگلتا جا رہا ہے اور منہ ہے کہ بند ہونے کی بجائے مزید کھلتا ہی جا رہا ہے۔اشیائے خوردونوش کی گرانی نے زندگی کی بقا اور جینے کی خواہش تک چھین لی ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ ایک باپ اپنے دو بچوں سے خود کو مار لیتا ہے جبکہ ایک ماں اپنے تین بچوں سے پل سے کود کر خودکشی کرلیتی ہے ایک باپ اپنے دو ماہ کی بچی کو زندہ درگور کر دیتا ہے کہیں کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی۔پٹرولیم کی قیمتوں کا آسمانوں سے باتیں کرنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ایک لمبے عرصے کے بعد پٹرولیم اور ڈیزل کی قیمتوں کی کمی کا تحفہ دیا گیا تھا لیکن عوام کی خوشی کچھ دن بھی نہ بھائی اور پھر سے قیمتوں میں

اضافہ شروع ہوگیا۔

تو بات ہو رہی تھی بے حسی اور مس مینجمنٹ کی کہ قلم کی رو کسی اور طرف بہہ نکلی۔ بہرحال حکومت کی بدانتظامی اور غیر مربوط پلاننگ یہ حال ہے کہ کسی کو نوازنے کی خاطر یا کمیشن کے چکر میں نئی نئی بے سروپا سکیمیں متعارف کرادیتی ہے اور اگر کوئی سکیم بائی چانس عوام کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کامیاب ہوجائے تو پھر اس کو maintain رکھنا اور قابل عمل رکھنا حکومت وانتظامیہ کیلئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہوجاتا ہے۔ سی این جی کی ہی مثال لے لیجئے حکومت نے ملک میں گیس کی قلت کا رونا روتے ہوئے سی این جی سٹیشنز کو مرحلہ وار بند کرنے کا مژدہ سنادیا ہے کہ عوام کو کسی بھی طرح ریلیف نہیں دینا۔ پہلے سوچے سمجھے بنا دھڑا دھڑ لائسنسز جاری فرمادیئے اور گیس جب استعمال میں آئی تو اس کی قلت کا ڈھنڈورا پیٹ دیا بالکل بجلی کی مانند۔ حالانکہ ملک میں گیس کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں لیکن چونکہ کمیشن ملنا محال نظر آتا ہے اس لئے اس سے استفادہ نہیں کیا جارہا ہے کمیشن کی مار کی وجہ سے غیر ملکی کمپنیاں بھی سرمایہ کاری کرنے سے کتراتی ہیں عالمی مالیاتی ادارے کے قرضے بھی ریلیف کی راہ میں رکاوٹ کی بڑی وجہ ہیں۔ لاکھوں مزدور بے روزگار ہوگئے ہیں گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ اب سی این جی سے فیول کی مد میں جو ریلیف ملا تھا وہ بھی اب چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے۔ صرف دعا کی

.......جا سکتی ہے کہ یہ اونٹ کسی اچھی کروٹ بیٹھ جائے ورنہ

نسل نو ملک میں شرعی نظام کی حامی ہے

وطن عزیز پاکستان میں عام انتخابات کیلئے تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں اور انتخابات کا بخار دن بدن چڑھ رہا ہے اور امید اپنی جیت کیلئے لڑی چوٹی کا زور لگانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ تبدیلی کی بات.بڑی شد ومد کے ساتھ تمام حلقوں میں زیر بحث ہے اور عوام پاکستان کی جانب سے اس مرتبہ تبدیلی کا طبل بلکہ طبلہ بجایا جارہا ہے اور اس میں کلیدی کردار کے حامل نوجوان نسل کو گردانا جارہا ہے۔ پوری دنیا کی نظریں ایشیا بالخصوص پاکستان کے انتخابات پر گڑی ہوئی ہیں کیونکہ بہت سے ممالک کے مفادات کی محافظ اور خیر خواہ ان عام انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔الیکشن کمیشن آف پاکستان نے پہلی مرتبہ بھرپور کوشش کی ہے کہ کم از کم ایسے لوگ انتخابات میں حصہ لیں جو کہ سکروٹنی کے پروسس سے کلیئر ہوں یعنی کہ وہ 62 اور 63 کے تناظر میں پورے اترتے ہوں

دوسری طرف سیکیورٹی کی صورت حال کے پیش نظر امیدواروں میں بھی بے چینی کی لہر پائی جارہی ہے اپنی اور سپورٹرز (نہ کہ ووٹرز) کی سلامتی کیلئے وہ ہر قسم کے اقدامات اٹھانے کیلئے تیار ہیں۔اور الیکشن کمیشن کا رنگران حکومت بھی انتخابی مہم کے دوران سیکیورٹی کو اولین ترجیح دے رہی ہے لیکن انتہا

پسند اس عمل کو ملیامیٹ کرنے کی اپنی بھرپور کوششیں اور توانائیاں بروئے کار لاکر اس انتخابی عمل کو درہم برہم کرنے کیلئے متحرک ہوچکے ہیں اور کئی نامور اور نمایاں سیاست دان ان کے نشانے پر بھی ہیں

جیسا کہ اوپر بیان کیاگیا کہ نوجوان نسل کو اس مرتبہ تبدیلی کا سب سے بڑا منبع سمجھا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں برٹش کونسل کی جانب سے ایک سروے کیاگیا کہ ملک کے بیشتر نوجوانوں کے خیال میں جمہوریت ملک کیلئے کیا اہمیت رکھتی ہے اور پاکستان جمہوریت کا متحمل ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ تو اس سلسلے یں ان کا جواب تھا کہ جمہوریت پاکستان کیلئے درست نظام نہیں۔ اس جائزے کے دوران اٹھارہ سے انتیس سال کی عمر کے پانچ ہزار نوجوانوں سے معلومات حاصل کی گئیں اور ان میں سے نوے فیصد سے زائد نوجوانوں کا کہنا تھا کہ ملک صحیح سمت میں نہیں جارہا ہے۔ بی بی سی کی نامہ نگار لاگیورین کے مطابق یہ جائزہ ایک قنوطی نسل کی تصویر کشی کرتا ہے جو پانچ سالہ جمہوری دور سے ذرا بھی خوش نہیں۔ اس سروے کے مطابق پچاس فیصد سے زائد نوجوانوں نے کہا کہ جمہوریت ان کے لئے اور ملک پاکستان کیلئے کبھی بھی اچھی نہیں رہی ہے۔ چورانوے فیصد نوجوانوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ پاکستان غلط سمت میں جارہا ہے

میں کئے گئے سروے میں یہ شرح 50 فیصد تھی جو کہ اب بڑھ کر نوے فیصد 2007 سے

زائد ہو چکی ہے جو کہ الارمنگ سچوئیشن ہے۔ بہترین سیاسی نظام کے بارے میں پوچھے جانے پر سب سے زیادہ افراد نے شرعی نظام کے حق میں ووٹ دیا جبکہ فوجی نظام کو دوسرے اور جمہوریت کو تیسرے نمبر پر رکھا گیا۔ پانچ ہزار نوجوانوں میں سے 3500 کے قریب نوجوانوں کو پاکستان کی فوج پر زیادہ اعتماد ہے اور جمہوری حکومت کے حق میں بولنے والوں کی تعداد صرف 13 فیصد رہی۔ پچیس فیصد نوجوانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ ملک میں جاری تشدد سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں یا وہ کسی نہ کسی پر تشدد واقعے کے عینی شاہد و گواہ ہیں اور قبائلی علاقوں میں یہ شرح ساٹھ فیصد رہی۔

ایک اور قابل فکر اور پریشان کن بات یہ بھی ہے کہ مہنگائی اور بڑھتی ہوئی قیمتیں دہشت گردی کے خوف کو بھی مات کرکے آسمان کو چھونے لگی ہیں اور ستر فیصد کے قریب یہ صورت حال پانچ برس قبل سے بھی بدتر ہے۔ ان تمام حالات و واقعات اور تشویشناک صورت حال کے باوجود سب سے خوش آئند بات یہ ہے کہ نوجوان نسل جمہوریت کے نالاں اور شاکی دکھائی دیتی ہے اور ان چند نام نہاد لبرل لوگوں کے منہ پر بھی کالک ملنے کے مترادف ہے جو نئی نسل کو لبرل بے راہ رو اور اسلام سے دور کہتے ہیں کیونکہ سروے یہ بتاتا ہے کہ نسل نو اور نوجوان نسل ملک میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں شرعی نظام کے حامی ہیں کیونکہ وہ جمہوریت اور جمہوری نظام کی تلخیاں سہہ سہہ کر قوت برداشت کھو بیٹھے ہیں

اور ایسی جمہوریت کے مزید متحمل نہیں ہو سکتے۔
لیکن ! یہ سب صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حکمرانوں کے چناؤ میں اپنی پسند و ناپسند کو ایک طرف رکھتے ہوئے تعلقات کو پس پشت ڈالتے ہوئے نیک صاف ستھرے اور عوام کے خیر خواہوں کو سامنے لائیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ عمل ایک ہی بار میں مکمل نہ ہو سکے اس لئے صبر اور تحمل بھی ضروری ہے.

حمام میں توسب ننگے ہیں! امن عامہ کی ذمہ داری کس پر....؟

ہمارے ملک میں الیکشن سے پہلے امیدواروں کی سکروٹنی کا مرحلہ مکمل ہوچکا اور اب اعتراضات داخل کرانے کے بعد ان کے فیصلے کئے جارہے ہیں۔ نا اہل ہونے والوں میں سے اکثر جھوٹے اور دغا باز لوگ ہیں جنھوں نے اپنی اسناد کو غلط طریقے سے استعمال کیا اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرکے ملکی اور عوامی پیسے کو بے دریغ استعمال کیا اور حکومت (عوام) کو اربوں روپے کا ٹیکہ لگایا۔ عوام کو ننگے بدن رہنے، بھیک مانگنے بھوکا سونے پر مجبور کردیا جس سے معاشرے میں بدامنی کی فضا قائم ہوئی اور ایسی قائم ہوئی کہ ہر جگہ لاقانونیت دکھائی دیتی ہے امیر غریب سب جائز و ناجائز حربے استعمال کرکے ایکدوسرے کا خون چوستے نظر آتے ہیں کوئی پرسان حال نہیں کوئی مسیحا نہیں کوئی غمخوار نہیں۔

نگران حکومت بھی اللے تللوں پر لگی ہوئی ہے سوائے اجلاس بلانے اور کمیٹیاں بنانے کے کوئی عملی کام نظر نہیں آتا۔ لے دے کہ ایک عدلیہ رہ گئی ہے جسے اب "استادوں" کی طرح ہر کام میں استعمال کیا جارہا ہے اور الیکشن میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کررہی ہے لیکن اس پر بھی اب ایک مخصوص طبقے (خائن اور جھوٹے) کی جانب سے انگلیاں اٹھائی جارہی ہیں۔ کہ سوالات

پوچھنا چاہئے تھے کہ نہیں پوچھنا چاہئے تھے اور اگر پوچھنا تھے تو اسلام سے متعلق نہیں ہونا چاہئے تھے ہاں اگر یورپ کے بارے میں کسی اداکار کے بارے میں کسی کرپٹ معاشرے کے بارے میں پوچھا جاتا تو نہایت فصاحت و بلاغت سے ریٹرننگ آفیسرز کو جوابات سے تشفی کرائی جاتی

یہ ایک مسلمان کا حال ہے کہ جسے معلوم نہیں کہ مغرب کی کتنی رکعت ہوتی ہیں جسے معلوم نہیں کہ عشاء کی نماز وتر میں کونسی دعا پڑھی جاتی ہے جو نہیں جانتا کہ کتاب مقدس قرآن کریم کے کل پارے کتنے ہیں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی سورہ اخلاص کا یاد نہ ہونا "رحمان ملک کی طرح" وہ نہیں جانتا کہ دوسرے کلمے کی اسلام کے بنیادی عقائد میں کیا اہمیت ہے لیکن وہ قانون سازی کی سیٹ پر بیٹھ کر قانون سازی کر رہے ہوتے ہیں اور پھر یہی قوانین ان کے گلے کا پھندہ بن رہے ہوتے ہیں تو ان کو غلط اور انسانیت کے حلاف گردان رہے ہوتے ہیں اور عوام کی بھلائی اور فلاح کی بات تو ان سے کرنا ہی فضول اور بے معنی ہے۔

بہر حال بات ہو رہی تھی کہ دھوکہ فریب جعل سازی بے ایمانی جھوٹ ہٹ دھرمی کی جن کی بنا پر معاشرے میں نقص امن کی صورت حال پیدا ہو گئ ان کو کیسے قابو کیا جائے ۔ در حقیقت صورت حال بھی ہماری ہی پیدا کردہ ہے اگر ہم خود اپنے

آپ کو صحیح کرلیں تو ہر دن عید کا دن ہوگا اس دن میرا حکمران بھی ایک نیک نیت اور پارسا انسان ہوگا پھر ہر تحریک تحریک انصاف ہوگا ہر لیگ مسلم لیگ ہوگی ہر پارٹی پیپلز پارٹی ہوگا ہر موومنٹ متحدہ موومنٹ ہوگی ہر جماعت جماعت اسلامی ہوگی اور اگر انقلاب چاہتا ہوں اور تبدیلی چاہتا ہوں تو مجھے پہلے خود کو بدلنا ہوگا پھر مسجد اقصی کو بچانے ایوبی بھی آئیگا دیبل میں بہن کی عزت و عصمت بچانے محمد بن قاسم بھی آئیگا اور اگر ہمارا منشور اصلاح اور خود احتسابی بن جائے تو پاکستان میں اسلام اور آئین کی بالادستی قائم ہوجائے گی -

امن و امان قائم کرنے کیلئے امیر و غریب کو یکساں معیار اور کسوٹی پر رکھنا ضروری ہے مرتکب افراد کو سزا دینا نہایت ہی لازمی جزو۔ حضرت علیؓ کی مثال سے اس کو باآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ایک روز آپؓ مدینہ سے باہر سفر میں تھے آپ نے دو نوجوانوں کو گتھم گتھا دیکھا اپنی سواری سے نیچے اترے اور دونوں کو الگ الگ کردیا سواری پر سوار ہوگر چند قدم چلے ہونگے کہ ان میں سے ایک نوجوان کی فریاد سنی کہ کوئی ہے میری مدد کرنیوالا آپؓفورا اس کی جانب گئے اور فرمایا مدد آ گئی کہو کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے اس دوسرے شخص سے کپڑے کا سودا کیا اور کہا کہ مجھے بدلے میں کھوٹے سکے نہ دیگا لیکن اس نے مجھے کھوٹے سکے دے دیئے اور اب واپس بھی نہیں کررہا اور مجھے اس

نے منہ پر طمانچہ بھی مارا ہے۔

حضرت علی نے فرمایا کہ "سکے بدلوانے کی تم فکر نہ کرو یہ تو میری ذمہ داری ہے کہ میں کھوٹے سکوں کے بدلے کھرے سکے تمہیں دلواؤں البتہ طمانچہ مارنے کا تمھیں ثبوت دینا ہوگا"نوجوان نے فورا دو گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے تصدیق کردی کہ واقعی تھپڑ مارا گیا ہے۔آپؓ نے مجرم کو پکڑ لیا اور نوجوان کو کہا کہ اس کے منہ پر بھی اسی طرح طمانچہ مارے لیکن اس نے کہامیں اسے معاف کرتا ہوں آپ نے فرمایاکہ تمہیں اس کا اختیار ہے کہ بدلہ لو کہ معاف کردو لیکن حکومت کی طرف سے بھی اس پر فرد جرم عائد کی جاتی ہے کہ اس نے معاشرے کے امن کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے اور وعدہ خلافی کی ہے اور اپنی غلطی پر نادم ہونے کی بجائے طاقت کااستعمال کیا ہے۔حکومت اس حق کو نہیں چھوڑے گی کیونکہ امن عامہ کا قیام اور کمزور شہریوں کے حقوق کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے اور ایک اسلامی ریاست کا فریضہ ۔اس لئے میں اس کو درے لگانے کا حکم دیتا ہوں

اور قارئین کرام اس کو درے لگائے گئے اور وہ مناظر مورخین نے قلم بند کر لئے تاکہ آئندہ نسلوں کو باور کرایا جائے لیکن ....؟اور آج کی اسلامی حکومت و ریاست میں یہ سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر ہورہا ہے لیکن نہ درے لگانے والے ہیں

اور نہ ہی کھانے والے۔ سب ننگے دھڑنگ ہو کر حمام میں موجود ہیں اور نائیوں کے ہاتھ ان کی عزت۔ تو آیئے تبدیلی کا عمل شروع کرتے ہیں اپنے آپ سے اپنے گھر آج سے اور ابھی سے...........

ٹرانسفرز سے تبدیلی نہیں آسکتی

ٹرانسفرز سے تبدیلی نہیں آسکتی لہٰذا یہ پریکٹس چھوڑ کر اصل معاملہ دیکھا جائے
مبارک ہو اے اہل پاکستان ! اے عوام پاکستان مبارک ہو ملک میں تبدیلی آگئی ہے
ملک تبدیلی کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ دھڑا دھڑ تبادلوں کا سلسلہ جاری ہے۔ سیکرٹریز سے
لیکر کمشنر اور علاقے کے پٹواری تک آئی جی سے لیکر محرر تک تبدیل کر دیئے گئے ہیں
چڑیا اڑانے کا یہ سلسلہ پہلے تو پنجاب کی حد تک محدود تھا لیکن اب دوسرے صوبوں
میں بھی زور و شور کے ساتھ جاری ہے اور یوں ملک خداداد میں اللہ اللہ کرکے تبدیلی
کا عمل تو شروع ہوگیا اور عنقریب شاید مکمل بھی ہو جائے
لیکن یہ کا کہ اس تبدیلی سے ہر دوسرا شخص پریشان اور نالاں دکھائی دیتا ہے اور تبدیلی
سے گریزاں ہے۔ آئی جی سے لیکر تھانہ محرر تک اور سیکرٹریز سے لیکر علاقہ پٹواری
تک تبدیل کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ الیکشن کمیشن اور نگران
حکومت نہایت تندہی اور جانفشانی سے انتخابات کے عمل کو شفاف بنانے کی کوشش
میں مصروف عمل ہے مگر حرکات و سکنات کسی اور جانب

اشارہ کر رہی ہیں بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ بجائے الیکشن کو وقت مقررہ پر کروانے کے الیکشن کے التوا اور شاید سبوتاژ کرنے کی کوشش کا سامان پیدا کیا جا رہا ہے یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ علاقوں میں تعینات افسران و اہلکاران شاید ایماندار نہیں اور الیکشن پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں گے یعنی ان کی اہلیت قابلیت کردار اور دیانت داری کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کی اپنی ڈیوٹی اور محکمے سے وفاداری کو سوالیہ نشان بنایا جا رہا ہے اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جا رہی ہے کہ وہ افسر بیوروکریٹ ڈی پی او یا محرر جتنا کارگر اور کارآمد موجود ہو سکتا ہے وہ نیا مقرر شدہ نہیں ہو سکتا جو تعلقات جو روابط جو مراسم عرصہ دو تین سے تعنیات سرکاری ملازم کے ہو سکتے ہیں اور وہ جس طرح الیکشن کی شفافیت اور تکمیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے وہ یقینا ایک نئے تعینات ہونے والہ فرد نہیں کر سکتا

اور اس کی وجہ سے اثر انداز ہونے والی بات affiliation اگر کسی پارٹی سے ان کی کو درست تسلیم بھی کر لیا جائے تو شرح 5 سے 10 تک بمشکل ہوگی جو کہ نئی جگہ پر بھی باآسانی "دور جدید" میں ہو سکتی ہے لیکن اس اکھاڑ پچھاڑ سے جو نقصان حکومت (عوام) کو ہوگا اس کا اندازہ نا معلوم کیوں نہیں لگایا جا رہا ہے حالانکہ ماشاءاللہ اس وقت حکومت میں جو لوگ موجود ہیں وہ ان معاملات پہ

گہری نظر، سوج اور گرفت رکھنے کے دعویدار ہیں لیکن ان کے دعوی جانیوالی حکومت کی طرح ٹھس اور بے اثر ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔نقصانات بتائے دیتا ہوں۔

سب سے بڑا نقصان ریونیو کا ہوگا کہ تبادلے کی وجہ سے اور تبدیلی کے عمل کو مکمل کرنے کیلئے ہر افسر کو ایک اضافی تنخواہ دی جائے گی ان کے ٹی اے ڈی اے عوام کے ٹیکس سے ادا کئے جائیں گے جو کہ اربوں میں ہونگے اسی طرح ہر جانیوالے نے اپنے مستعمل لوازمات کو ساتھ لے کر جانا ہے اور پھر بیچ کر نئی جگہ سے خریدنا ہے یہی عمل آنیوالے نے کرنا ہے جو کہ ماشئے اور پاشئے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے پھر غریب عوام کا خون نچوڑتے ہیں۔

نئی جگہ ایڈجسٹ منٹ کیلئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے اور اس کا افسران بلا جھجک اعتراف بھی کرتے ہیں اور بالخصوص وہ افسران جو کہ اس علاقے سے بالکل بے خبر اور نامانوس ہوں حالات و واقعات نہ جانتے ہوں علاقے کی عوام کا مزاج اور فطرت سے ناواقف ہوں علاقوں کو لوکیشن سے بے خبری بہت سے ایشو پیدا کر سکتی ہے اور اس بات کا برملا اظہار بھی کیا جاتا ہے یعنی ٹائم کا ضیاع جس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔

نئے تعینات ہونے والے ملازمین افسران واہلکاران مائنڈ سیٹ کرکے آتے ہیں کہ

پھر دوماہ بعد ان کا تبادلہ ہوجانا ایک "پاکستانی عمل" ہے۔ اس لئے وہ اس تندہی اور جانفسانی اور فرض شناسی سے کام نہیں کریں گے وہ اسے ٹائم پاس کے طور پر لے ں گے جس سے علاقے کی ترقی و خوشحالی و دیگر معاملات لامحالہ ڈسٹرب ہونگے۔ جانیوالے والے کیلئے الوداعی تقریبات اور آنیوالے کیلئے ویلکم پارٹیز بھی اس عمل کا حصہ بنیں گیں ۔یہ بھی ٹائم اور ریونیو کا ضیاع ہوگا

یہ ساری باتیں بتانے اور لکھنے کا مقصد یہ پوچھنا ہے کہ اس نگران حکومت کو لانے کا مقصد کم سے کم وسائل کو استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ مسائل کو حل کرنا تھا لیکن معاملہ تو الٹ ہوتا جارہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ وسائل کو استعمال کیا جارہا ہے اور مسائل کے حل کی شرح نہ ہونے کے.برابر ہے پہلے ہی سینکڑوں ارب روپے کے قرضے ہم عوام کے سر تھوپے جاچکے ہیں۔ نگران حکومت کو چاہے کہ وہ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے اپنے مسائل کو حل کرنے کو کوشش کرے اور لاحاصل اور لایعنی معاملات میں ٹانگ نہ اڑائے جس مقصد کی خاطر یہ نگران سیٹ اپ بنایا گیا ہے یعنی الیکشن تو صرف الیکشن کو ہی فوکس کیا جائے کیونکہ دوسرے معاملات اس قدر پیچیدہ اور گنجلک ہیں کہ ان کو سدھارنے کیلئے ایک طویل عرصہ اور مخلص لوگ چاہئیں جو کہ فی الوقت available نہیں ہیں اس لئے afficiancy جھاڑنے کی بجائے اپنا نام اونچا کرنے کی خواہش کی بجائے ملک و قوم کا نام روشن کرنے کی خاطر اپنی انرجیز کو صرف کیا جائے کیونکہ موجودہ

کی طرف تولے جا سکتی ہے مس delay ہونے والے تبدیلی کی یہ پریکٹس الیکشن کو کہیں مخصوص طبقے کی آواز نہ mismanagement مینیجمنٹ کو پیدا ہو سکتی ہے اور یہ بن جائے اور الیکشن التوا کا شکار ہو جائیں اس لئے تبدیلی ملک میں آنی چاہیے نا کہ افسران و ملازمین کے ٹرانسفر میں

بڑے بڑے پھنسے رے پاکستان میں آکے

مغل صاحب پھر دوبارہ سے 20,20 گھنٹے کی لوڈشیڈنگ شروع ہو گئی ہے پھر کوئی احتجاج کرو تاکہ بجلی کی صورت حال دوبارہ سے بہتر ہوسکے۔ کیونکہ واپڈا اور حکومت ڈنڈے کی یار ہے یہ ویسے بجلی نہیں دے گی۔ اس قسم کے ملتے جلتے خیالات کا اظہار میرے چھ سات جاننے والوں نے آج کل میں کیا۔ کیونکہ پچھلے دنوں ہمارے علاقے میں لوڈشیڈنگ کا عذاب حد سے تجاوز کر گیا تھا اور بہتری کی کوئی صورت حال دکھائی نہیں دے رہی تھی تو سکولوں کے چند پرنسپلز دوستوں نے پروگرام بنایا کہ طلبا و طالبات تو ویسے بھی سکولوں میں گرمی میں بے حال ہیں کیوں نہ ان کو سڑکوں پہ لایا جائے اور حکومت ،ارباب اختیار اور واپڈا کی غیرت کو جگایا جائے شاید کوئی امید کی کرن سجھائی دے جائے۔ اس سلسلے میں سکولز کے پرنسپلز نے ایک میٹنگ کال کی اور دوسرے دن تقریبا 60 سکولوں کے 2 سے ڈھائی ہزار طلبا نے شہر کے معروف چوک بخاری چوک میں دھرنا دیا اور احتجاج ریکارڈ کرایا۔ اس احتجاج کے سرکردہ لوگوں میں محمود الحسن عباسی، قیصر علی رانا، راقم الحروف بندہ ناچیز، نواب عرفان احمد، سلیم خالد، چوہدری اسلام، عتیق الرحمٰن غوری اور رانا خالد نے اس احتجاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کامیاب کرایا اور میں سمجھتا ہوں کہ بلا

مبالغہ یہ ملکی تاریخ کا بہت ہی منفرد اور بڑا احتجاج تھا کیونکہ پاکستانی تاریخ تو ویسے بھی احتجاجوں سے بھری پڑی ہے اور طلبا بھی مختلف انداز میں احتجاج ریکارڈ کراتے رہے ہیں لیکن کہروڑپکا میں ہونے والا احتجاج اس نوعیت سے مختلف تھا کہ اس میں کلاس دوم سے ہفتم تک کے طلبا نے یعنی پرائمری سکول کے طلبا نے بھرپور حصہ لیا اور اپنی مادر علمی کو چھوڑ کر اپنی کتابیں اور قلم بند کرکے روڈز پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ نونہالان قوم جنہوں نے مستقبل کا معمار بننا ہے 4 سے پانچ گھنٹے چلچلاتی دھوپ میں اپنی بد قسمتی کا رونا روتے رہے لیکن بے حس و بے شرم حکمرانوں کے کانوں پر کوئی جوں نہ رینگی اور آخر کار جب مظاہرین اپنی تقاریر ختم کر چکے تو ایکسیئن واپڈا نے رابطہ کیا اور احتجاج ختم کرنے کی درخواست کی اور یقین دہانی کرائی تو گرمی کے ستائے اور اپنی قسمت سے گھبرائے بچے اپنے اپنے سکولوں کو مایوس لوٹ گئے کہ شہر بے حساں میں کوئی درد آشنا نہیں ہے۔

بہرحال اس احتجاج کے بعد تقریبا15 سے 20 دن بجلی کی صورت بہتر رہی اور پھر واپس اپنی ڈگر پر آنے لگی تو ملنے اور جاننے والوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ مغل صاحب، رانا صاحب عباسی صاحب سلیم بھائی یہ بجلی تو پھر سے اپنی اوقات پر آ رہی ہے تو میں نے ان کو کہا کہ جس قوم کے لوگ اور نوجوان جب دوسروں پر توکل کرنے لگ جائیں۔ دوسروں کے کندھوں پر بھروسہ کرنا شروع کردیں

اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے دسروں کو ان کے فرائض یاد کرائیں لیکن اپنے فرائض اور ذمیہ کام خود نہ کریں تو ان پر ایسے ہی حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو خود دوسروں کی ہڈی پر نظر رکھتے ہیں جن کے اپنے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کی محنت و قیمت پر اپنی دکانداری چمکانے کی کوشش کرتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے کہ نکمے اور نا اہل حکمران دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کے مرہون منت نظر آتے ہیں ان کے ممنون احسان دکھائی دیتے ہیں ان کے جائز و ناجائز احکامات کی پاسداری پر اپنا سر خم تسلیم کرتے ہوئے اپنے ملک کا وطن عزیز کا بے لوث عوام کا اس حدتک نقصان کرتے ہیں کہ جس کی تلافی صدیوں میں ممکن نہیں ہوتی۔

میں نے ان دوستوں کو سمجھایا کہ بھائیو اب بھی جاگ جاؤ ، خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، گھوڑے بیچ کر سونا بند کرو اپنی کھیتوں اور کھلیانوں کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ چڑیاں بچا کچھا کھیت بھی چگ جائیں اور پھر صرف کف افسوس ملنے کے کوئی چارہ نہ ہو۔ اپنے علاقے کے نام نہاد حکمرانوں اور ٹھیکیداروں کو جھنجھوڑو انہیں ان کی ذمہ داریں کا احساس دلاؤ انہیں بتاؤ کہ تم ہمارے ووٹوں کی پیداوار ہو۔ ہمارے منتخب کئے ہوئے نمائندے ہو۔ ہماری اور ہمارے علاقے کی نمائندگی کرو اس کی فلاح و بہبود کیلئے اپنے محلوں اور کوٹھیوں سے نکلو۔ انہیں باور کرایا کہ خود پہلا قطرہ بننے کی کوشش کرو نہ کہ پہلے قطرے

کا انتظار کرو۔ ان ننھے ننھے معصوم بچوں کو دیکھ کر ہی سبق حاصل کرو کہ وہ بچے وہ طالب علم جنہیں سکول کی زینت بننا تھا جنہیں پر سکون ماحول میں پڑھنا تھا، پلنا تھا، بڑھنا تھا آج اپنی کم سنی اور کم عمری میں ہی اپنے حقوق بنیادی اور جائز حقوق حاصل کرنے کیلئے سڑکوں پر بینرز اور پلے کارڈز اٹھائے حکومت اور حکمران مخالف نعروں کے جواب دے رہے ہیں۔ نہایت ہی شرم اور ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ان بنیادی حقوق کی خاطر جن کو مہیا کرنا حکومت کی اولین ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے اس ملک میں روٹی کپڑا اور مکان دینے کی باتیں کرنے والے کھوکھلے نعرے لگانے والے جانے کیا ہوئے۔ لوڈشیڈنگ کے گھمبیر اندھیرے انہیں نگل گئے مہنگائی کا عفریت انہیں کھا گیا کیا ہوئے کہاں گئے۔

اے مرے شہر کے باسیو! خدارا اب تو جاگ جاؤ کہ تمہارے اس علاقے کو اس ڈسٹرکٹ کو اس کے گردونواح کو پستی میں ڈبونے کی قسم کھائی گئی ہے۔ حکمران اور ارباب اختیار شہر کہروڑپکا اور ڈسٹرکٹ لودہراں میں ترقی اور خوشحالی نہیں دیکھ سکتے ہیں ان علاقوں کی ترقی ان کی آنکھوں میں کنکر کی طرح کھٹکتی ہے کیونکہ استطاعت و طاقت اور اقتدار رکھنے کے باوجود اس شہر کی مایوسیوں کی کبھی بھی ختم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اسے مایوسیوں کے اندھیروں میں دھکیلا جاتا رہا ہے وہ تعلیم کا شعبہ ہو کہ صحت کا۔ کھیل کا میدان ہو کہ ترقی کا زینہ ہر جگہ حکمرانوں کی غفلت بے اعتنائی اور لاپرواہی نے اسے

پستیوں میں دھکیل دیا ہے۔اٹھو لوگو اٹھو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔

غفلتوں میں گھری قوم اٹھ تو سہی

اٹھ کہ تیرا مقدر بدلنے کو ہے

اٹھ گرادے فصیلیں ہر اک ظلم کی

دیکھ اس پار سورج نکلنے کو ہے

اس شعر کو پڑھ کر سمجھنے کی ضرورت ہے اور سمجھ آنے کے بعد مقدر کی تبدیلی کو کوئی نہیں روک سکتا اس پر صرف اور صرف عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے ورنہ ایسا نہ ہو کہ بقول دوست کے آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں " کہ بڑے برے پھنسے رے پاکستان میں آکے " یہ جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

پولیس میں .... سفید بھیڑیں

ٹرین سٹیشن پر آکر رکی تو چند پولیس والوں کے ہمراہ ایک شخص کو نیچے اتارا گیا اتنے میں سٹیشن پر موجود ایک پولیس افسر آگے بڑھا اور ٹرین نے اترنے والے شخص کو ہتھکڑی لگانے لگا۔ ساتھ موجود پولیس اہلکاروں نے منع کیا کہ ہتھکڑی نہ لگائیں لیکن پولیس افسر نے کہا کہ ہتھکڑی ضرور لگے گی اور پھر اسے ہتھکڑی لگادی گئی۔ یہ سارا منظر وہاں پر موجود ایک خاتون بڑی دلچپسی اور توجہ سے دیکھ رہی تھی وہ آگے بڑھی اور اس نے پولیس آفیسر سے پوچھا کہ یہ ملزم جسے ہتھکڑی لگائی گئی ہے کون ہے؟اس کا یہ سوال موجودہ صورت حال کے عین مطابق تھا کیونکہ ہتھکڑی لگانے والے پولیس آفیسر اور بظاہر ملزم دکھائی دینے والے شخص میں انتہائی حدتک مشابہت تھی اور خاتون جو کچھ محسوس کررہی تھی اس لحاظ سے اس کا یہ سوال برمحل تھا۔ پولیس انسپکٹر نے جواب دیا کہ یہ میرا سگا بھائی ہے۔اور فوج میں ملازم تھا اب فوج کی زندگی کی اکتا کر اسے چھوڑنے پر آمادہ ہے۔ فوجی قوانین کے مطابق اس کا کورٹ مارشل ہوا ہے اور اب سے کچھ عرصہ جیل کی سزا کاٹنا ہے لہذا اسے گرفتار کرکے جیل بھیجنا ضروری ہے خاتون نے دوسرا سوال داغ دیا تو کیا ہتھکڑی لگانا ضروری ہے؟ پولیس آفیسر نے جواب دیا کہ ہاں! یہ پولیس قوانین کی پاسداری ہے اور میرا فرض ہے کہ قانون کے مطابق

کارروائی کیجائے جبکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرا یہ بھائی اگر ہتھکڑی نہ بھی لگائی جائے تو فرار نہیں ہوگا۔ لہٰذا رشتہ تعلق برادری اپنی جگہ اور فرض کی ادائیگی اپنی جگہ۔ ۔ خاتون اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہوئی وہاں سے روانہ ہو گئی

جی ہاں ! ایسے پولیس والے بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں اور اس معاشرے کے لئے قابل تقلید ہیں اور جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ دنیا نیک لوگوں کی وجہ سے ہی قائم و دائم ہے تو میں کہوں گا کہ ادارے اور تھانے بھی ایسے ہی آفیسرز کی وجہ سے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پہلے چند بھیڑیں کالی ہوتی تھیں اور بقیہ سفید۔ لیکن اب معاملہ الٹ ہو چکا ہے کہ اب کسی بھی ادارے میں چند ہی سفید بھیڑیں ہیں باقی سب تو کالی ہو چکی ہیں اور اسقدر کالی ہو چکی ہیں ان کی پہچان بھی مشکل ہے۔ آپ بھی سوچ رہے ہونگے کہ آج مغل بھائی کس طرح سے پولیس کے حق میں کالم لکھ رہے ہیں کیونکہ میں نے ہمیشہ پولیس کی مخالفت میں ہی قلم آزمائی کی ہے۔ لیکن اچھائی کی تعریف نہ کرنا اسے نہ سراہنا بھی تو انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

تو ! وہ موصوف جن کا اوپر ذکر کیا گیا آج کل خوش قسمتی سے ہمارے علاقے کی تھانہ سٹی میں بطور ایس ایچ او (انسپکٹر) تعینات ہو کر آئے ہیں۔ ان کے بارے میں اکثر اخبارات بھی پڑھا تھا اور لوگوں سے سنا تھا کہ بڑا اکڑک افسر ہے۔ جب ان کے دو تین ملاقاتیں ہوئیں تو وہ "جیسا سنا تھا ویسا پایا" کہ مترادف تھا۔ پہلی ملاقات ڈی ایس پی سرکل

کہروڑ پکا فاروق کمیانہ کے آفس میں ہوئی۔ کمیانہ بھی نہایت اچھے اخلاق اور اوصاف کے مالک ہیں بہر حال دوبارہ ایک دوست کے سلسلے میں تھانے جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے تھانے میں حیران کن حدتک تبدیلی محسوس کی۔ہر شخص اپنی جگہ اپنی ڈیوٹی پر پوری طرح چاک وچوبند تھا اور فل ڈریس میں۔ اس سے پہلے جب کبھی تھانے جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ایک بے ترتیبی ہر شے سے عیاں ہوتی تھی لوگوں کے مسائل بھی حل ہوتے تھے اور شنوائی بھی ہوتی تھی۔ لیکن روایتی سستی اور کاہلی اور بد نظمی سے۔ اور ظاہر ہے کہ جب سستی کاہلی اور بد نظمی سے کسی کام کو کیاجائے تو اس میں ٹائم بلکہ خوامخواہ کا ٹائم درکار ہوتا ہے۔

اب جب سے موصوف نے چارج سنبھالا ہے ہر کام سلیقہ مندی سے اور چابک دستی سے میرٹ پر ہورہا ہے۔اہل شہر مطمئن اور خوش ہیں کہ عرصہ دراز کے بعد ایک مخلص پولیس افسر تھانہ سٹی میں تعینات ہوا ہے جو علاقے کی بھلائی کیلئے کام کرنا چاہتا ہے۔ کام کرنا جانتا ہے اور بالخصوص کام کروانا جانتا ہے۔ علاقے سے جرائم کا خاتمہ چاہتا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ "اللہ رکھے کی بجائے اللہ بخش کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہئے" چھوٹے چھوٹے مینڈکوں کو پکڑنے کی بجائے مگرمچھ کا سر کچلنا چاہئے۔ شراب پینے والے سے زیادہ شراب بیچنے والے کی بیخ کنی ہونی چاہئے۔ جوا کھیلنے والے کے بجائے جوا کھلوانے والے کو نشان عبرت بنانا چاہئے۔ زناکاری اور فحاشی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ان کی سرپرستی اور چھت مہیا کرنے والے کی گردن دبوچنی چاہئے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو

سبق ملے کہ یہاں تو سربراہ اور کرتادھرتا ہی دھر لیاجاتا ہے تاکہ مرتکب افراد میں احتساب کا خوف ہو جس سے جرائم میں لازمی طور پر کمی ہو گی۔

سائل اور مظلوم کیلئے تھانہ دارالامان ہونا چاہئے تاکہ یہ لوگ اپنا تحفظ محسوس کریں اور ظالم مجرم گناہگار اور بالخصوص ٹاوٹ مافیا کیلئے دارالاحتساب ہونا چاہئے تاکہ انہیں معلوم ہوسکے کہ تھانہ بنیادی طور پر بنا ہی شرفا کی دادرسی اور بدمعاش اور طاقتور کی بیخ کنی کیلئے ہے۔اور ٹاؤٹ مافیا تو مجھے لگتا ہی گولی کی طرح ہے اور میرے ہوتے ہوئے کسی ٹاوٹ کو تھانے کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں دو باتوں کو ذہن میں رکھ کر کام کرتا ہوں ایک تو یہ کہ کسی بھی وقت وائرلیس پر میسج چل سکتا ہے انسپکٹر محمد گلزار تلہ کا تبادلہ کردیا گیا ہے یا موت کا فرشتہ بھی اٹل حقیقت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں

میرا خیال ہے کہ آج کے کالم میں پولیس کے قلابے کچھ زیادہ ہی مل گئے ہیں لیکن میں پھر اپنی بات دہراؤں گا کہ جب اس ڈیپارٹمنٹ میں اس قسم کے لوگوں کے بارے میں سنا جاتا ہے یا معلوم ہوتا ہے تو ایک انجانی سی فرحت و راحت محسوس ہوتی ہے کہ ایسے لوگ بھی تلہ جیسے لوگ بھی اس دنیا میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اپنی حلال روٹی روزی کا وسیلہ کررہے ہیں بہت سی باتیں مزید شیئر کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن قرطاس کی طوالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی خیر "یار زندہ صحبت باقی"پھر کسی کالم میں پولیس

اور انسپکٹر گلزار تلہ کے حوالے سے قلم آزمائی کرونگا

کالم میں یہ باور کرانا اور ذہن پر نقش کرنا بھی مقصد ہے کہ جب کسی علاقے میں حاکم عادل او انصاف پسند آجائے اور رشوت ستانی اقربا پروری دوست پروری ٹاؤ ٹ ازم فیورٹ ازم اور فیورازم کو پس پشت ڈال دے تو علاقے سے بدسکونی بے راہروی فحاشی ظلم راہزنی ڈکیتی زیادتی چوری چکاری کر ختم کرنے میں کوئی شے مانع نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر ملتان میں ڈی سی او ملتان نسیم صادق کہ جس نے بڑے۔بڑے بگڑے ہوؤ ں کو نتھ ڈال دی۔ ہمارے علاقے میں اسسٹنٹ کمشنر راؤ امتیاز احمد نے علاقے کی فلاح و بہبود کے حوالے سے نہایت سخت اقدامات اٹھائے اور شہر کی خوبصورتی میں اضافہ اور وسعت مل گئی۔ اور .... اور اگر ہمارے حکمران بھی اوپر بیان کردہ۔برائیوں سے کنارہ کش ہوجائیں تو کوئی وجہ نہیں ملک پاکستان میں خوشحالی سکون اطمینان کے ساتھ ساتھ تعمیر وترقی عوام کی دسترس سے باہر ہو لیکن اس کیلئے محمد گلزار تلہ، نسیم صادق اور راؤ امتیاز بننے کیلئے نفس کو مارنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر دانا گل و گلزار ہوتا ہے۔

خوبصورتی وبال بن گئی

وہ تینوں مرد میلے میں گھوم پھر کر میلے کو انجوائے کر رہے تھے ان کا تعلق عرب امارات سے تھا وہ تینوں نہایت ہی متناسب قد کاٹھ کے ساتھ ساتھ چہرے مہرے سے بھی خوبصورتی کا پیکر تھے خالق نے انہیں نہایت ہی تراش خراش کرکے بنایا تھا اور ایک نظر پڑنے کے بعد دوبارہ دیکھنا ضروری ہوجاتا تھا لیکن یہی خوبصورتی ان کیلئے اس وقت مصیبت بن گئی جب سعودی پولیس (شرطوں) نے انہیں میلے سے گرفتار کرلیا اور ہیڈ کوارٹر لے گئے اور کچھ پوچھ گچھ اور ضروری کارروائی کے بعد انہیں جہاز میں سوار کراکے ڈی پورٹ کردیا گیا یعنی انہیں واپس ان کے وطن بھیج دیا گیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے سوال کیا کہ آخر ہمیں کس جرم کی سزا دی جارہی ہے ہمارا جرم کیا ہے؟ تو انہیں بتایا گیا کہ چونکہ تم تینوں نہایت ہی خوبصورت ہو اور تمہاری وجہ سے سعودی خواتین کے بھٹکنے کا اندیشہ ہے اور فتنے کا خطرہ ہے اس لئے تم اس ملک میں نہیں رہ سکتے لہٰذا گورنمنٹ کے حکم پر اس ملک سے واپس تمہیں اپنے ملک بھیجا جارہا ہے۔ بظاہر تو یہ عمل ایک خبر لئے ہوئے تو ہے لیکن کوئی خاص بات دکھائی نہیں دیتی مگر میں چند باتیں کا موازنہ اور احاطہ حکومت پاکستان اور اس کی پاور فل مشینری سے کرنا چاہونگا۔

میلہ ایک ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں پر لوگ کسی خاص وجہ کے تحت اکٹھے ہوتے ہیں اور کسی بزرگ کے مزار پر منایا اور لگایا جاتا ہے جہاں پر ایک ہی وقت میں بہت سے ایونٹ ہو رہے ہوتے ہیں کہیں پر اونٹ ناچ رہے ہوتے ہیں تو کہیں گھوڑوں کا رقص اور ڈور ہو رہی ہوتی ہے کہیں پر کتوں سے کتوں تو کہیں ریچھ اور کتوں کی خونخوار لڑائی سے لوگ محظوظ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ موت کا کنواں اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کیا جاتا ہے یعنی کہ ایک عجیب سی attract کر رہا ہوتا ہے تو کہیں سرکس سے لوگوں کو بد نظمی اور بے ترتیبی ہوتی ہے اور اسی بے ترتیبی اور بے ڈھنگے پن کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور یہ خبریں عام ہوتی ہیں کہ فلاں کا بیٹا بیٹی بچہ یا بچی بھیڑ میں گم ہو گئی ہے اور اس افراتفری میں انہیں تلاش کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے حتی کہ ترقی یافتہ ملکوں کے میلوں میں بھی ایسا ہی بے ڈھنگا پن اور بے ہنگم سا ماحول ہوتا ہے لیکن میں داد دیتا ہوں سعودی عرب کی فورس اور حکومت کو جو کہ ہر معاملہ پر اپنی آنکھیں کھلی رکھے ہوئے ہیں انہیں اپنی رعایا کی یہاں تک فکر ہے کہ ایک میلے میں گھومنے والے لوگوں کو نہ صرف واچ کیا جاتا ہے بلکہ ہر شخص کا غیر معمولی مشاہدہ کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میلے میں گھومنے پھرنے والے تین لوگوں کو واچ کر لیا گیا اور نہ صرف واچ کیا گیا بلکہ یہ بات محسوس کی گئی کہ یہ لوگ extra ordinary خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔

پاکستان میں ہماری فورسز اور ایجنسیاں جن کو رکھا اور بنایا ہی ان مقاصد کیلئے ہے کہ وہ ملک میں افرا تفری لاقانونیت نقص عامہ اور بالخصوص دہشت گردی کے حوالے سے ملوث افراد کو ٹریس کریں اور عوام کو امن و تحفظ فراہم کریں مگر بے سود۔ ہزاروں دہشت گرد ملک کے کونے کونے میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ آج دس دہشت گرد سندھ میں داخل ہوگئے ہیں تو کل پانچ پنجاب میں داخل ہونے والے ہیں تیس افغان بارڈر کراس کرکے پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں کل لاہور میں بلاسٹ کا خطرہ ہے تو آج کوئٹہ میں پچاس سے زائد بم بلاسٹ میں مارے گئے۔ ہماری فعال ایجنسی خبر دیتی ہے کہ ایک دہشت گرد گروہ اسلام آباد کی سڑکوں پر پیدل مارچ کر رہا ہے۔ لیکن شاباش ہے ہماری ان فورسز کو کہ آج تک کوئی دہشت گرد انکی کاوشوں اور محنت سے پکڑا گیا ہے اور نہ ہی مارا جاسکا۔ ربوں (خدا کی طرف سے) کوئی پکڑا گیا یا مارا گیا تو الگ بات ہے ان کی محنت سے تو بالکل نہیں۔

ہاں اگر بات کی جائے ان کی پھرتیوں اور کارکردگی کی تو ہزاروں بے گناہ لوگوں کو پکڑ کر غائب کرنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے ں۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہیں غائب کردیا گیا ہے اور ان کے لواحقین روتے پیٹتے رہ گئے کورٹس حتی کہ سپریم کورٹس کے دروازے پر دستک دی گئی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا سپریم کورٹ بھی بار بار کہہ کہہ کر تھک چکی ہے۔

دوسرا یہ کہ فتنے اور شر سے بچانے کیلئے سعودی حکومت تو کیا ہر گورنمنٹ چاہتی ہے کہ ہمارے ملک میں عوام سکون و آرام سے معمولات زندگی گزاریں لیکن پاکستان میں معاملہ الٹ ہے یہاں پر حکمرانوں کی اولین کوشش ہوتی ہے کہ عوام کو آرام و سکون سے آشنا ہی نہ ہونے دیا جائے ایسا نہ ہو کہ یہ ان کی ڈیمانڈ کریں۔ انہیں معلوم ہے کہ اگر عوام سکون میں آ گئی تو پھر ہمارا آرام و سکون غارت ہو جایگا اور اپنی شامت بلانے سے ہر کوئی بچنا چاہتا ہے بالخصوص حکمران پاکستان اور اس کے کرتا دھرتا سوائے مشرف کے (فی الحال) ہماری حکمرانوں کی ترجیح ہے کہ ملک اور عوام میں سکون نام کی کوئی چیز اگر ہے تو اسے چھین لیا جائے۔ شر فتنہ انگیزی بلوے قتل و غارت دہشت گردی جیسے عفریت تحفے میں دے کر اپنے اپنے عشرت کدوں میں داد عیش دے رہے ہیں اور عوام جائے کھو کھاتے۔ کچھ حکمران تو اس قدر بے غیرتی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کر چکے ہیں ان کے ساتھ " کتے خوانی "ہونے کے باوجود وہ دن کو رات اور رات کو دن کہتے رہے اور All is OK کا نعرہ لگا کر بے حسی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر لگاتے رہے۔ آصف پھر علی رزداری رحمان ملک یوسف رضا گیلانی راجہ رینٹل شریف برادران چوہدری برادران اور ان کے بادشاہ و شہنشاہ سید پرویز مشرف۔ اور پرویز مشرف تو وہ ہیں کہ جس کے اقتدار میں ہوتے ہوئے عوام کو سکون مل سکا نہ کہ اقتدار کے بعد۔ مشرف کے شاہی دور میں بھی عوام سڑکوں پر تھی پولیس وکلا اور ججز میں

گھمسان کا رن تھا پھر ملک سے بھیج دیا گیا اور آج پھر واپس آ کر اقتدار میں نہ ہوتے ہوئے بھی عوام پولیس وکلا کو پھر آزمائش میں ڈالا ہوا ہے یعنی کے مر کے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے کے مترادف عوام کو پھر چکی میں پیسا جا رہا ہے اور حکومت کی کوئی پلاننگ کہیں پر قابل عمل ہوتی دکھائی نہیں دیتی بس اللہ ہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔

سوالاً جواباً

☆ مجھے ملک بدر کرنے والے اور جیل میں ڈالنے والے مشرف کے ساتھ بھی وہی کچھ ہورہا ہے۔ میاں نواز شریف

) اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرف کے ساتھ بھی وہی ہوگا اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد سیاست میں شامل ہوکر پاکستانی عوام پر راج کرنے کے قابل ہوجائینگے

☆زرداری نواز نورا کشتی کی پارٹنرشپ ہم توڑدیں گے عمران خان

) خان صاحب پارٹنرشپ توڑنے کیلئے گیند کا ہونا ضروری ہے جبکہ آپ کے پاس تو بلا ہے اس لئے بات بنتی دکھائی نہیں دے رہی

☆ وفاق 45 ارب روپے جاری کرنے پر رضامند ہوگیا نجم سیٹھی وزیر اعلی پنجاب

) پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ دینے ہیں 400 ارب فی الحال چار رکھ

☆ قومیت اور دولت کے بل پر الیکشن لڑنے پر یقین نہیں رکھتے مولانا فضل الرحمٰن

) یہ تو سب جانتے ہیں مولانا کہ آپ تو صرف مذہب کے نام پر الیکشن لڑتے ہیں قومیت اور دولت پر نہیں

☆ترقی کیلئے جذبہ اور تجربہ چاہئے ن لیگ کے پاس دونوں ہیں ۔ احسن اقبال
اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے جناب کہ جس طرح نواز برادران اور ان کے رفقا)
نے ترقی کی یہ سب جذبہ اور تجربہ ہی کی تو مرہون منت ہے

☆ کسی نے کراچی میں امن کا یقین نہیں دلایا۔ ایم کیو ایم کے مرکزی رہنما رضا ہارون
اسی لئے تو ہم نے کراچی کا امن وسکون برباد کردیا ہوا ہے یعنی گھروالہ گھر نہیں)
سانوں کسی کا ڈر نہیں

☆ پر تشدد واقعات نے انتخابی عمل متاثر ہو رہا ہے امیدواروں کو تحفظ دیا جائے
ایمنسٹی انٹرنیشنل
اپنے کئے کا بھگت رہے ہیں ویسے بھی یہاں تو تو کون ؟ میں خوامخواہ والا معاملہ ہے اور)
چور بھی کہہ رہا ہے چور چور

☆ تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی مل کر میرے خلاف اشتہاری مہم چلارہی ہیں شہباز
شریف
میاں صاحب آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ مفت میں پبلسٹی ہو رہی ہے ۔بدنام نہ)

ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔ آپ کو تو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ لاکھوں کروڑوں روپے آپ کی تشہیر پر خرچ کررہے ہیں اچھی یا بری ہو تو رہی ہے

☆ پہلے لوگ تیر کے نشان کیلیئے مرتے تھے اور اب ٹکٹیں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں صفدر عباسی

اور اب تیر کے نشان مرتے ہیں۔ جان ہے تو جہان ہے جب جان ہی نہ رہے گی تو ٹکٹ کو کیا چاٹیں گے)

☆ پی ایس ایف کے طلبا کا تقریب پر حملہ۔ جامعہ زکریا کے ڈائریکٹر اساتذہ اور طلبا زخمی

وطن کے سجیلے جوانو! یہ بدمعاشیاں تمہارے لئے ہیں۔ اور استادوں کے ساتھ ایسے واقعات معمول کی بات ہے پی پی پی کا تحفہ)

☆ اگلے ماہ بجلی بلوں میں 2.20 روپے فی یونٹ فیول ایڈجسمنٹ سرچارج شامل کرنے کا امکان

لگے رہو لگے رہو۔ یہ قوم تو ہمیشہ کی سوئی ہوئی ہے سوتی رہیگی)

☆ کھوکھلے نعروں سے مسائل حل نہیں ہونگے۔ سائرہ عباسی

محترمہ نعرے تو نعرے ہوتے ہیں کھوکھلے ہوں یا ٹھوس۔ اور ٹھوس نعروں سے بھی)
مسائل حل ہونے والے نہیں۔ چاہے نیوٹن چوتھا قانون ہی کیوں نہ بنادے۔ مسائل تو
کام کرنے سے حل ہوتے ہیں

☆ خود غرض کانجو گروپ سے نجات حاصل کر لی ن لیگ میں شمولیت۔ اقبال گنگاہ اور
ساتھی

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ وہ بھی کانجو تھے یہ بھی کانجو ہیں۔ اصل میں تو تبدیلی)
ہونی چاہئے جیسے بھی ہو

☆ ملکی بقا کیلئے نواز شریف کے ہاتھ مضبوط کریں۔ سلطان ہنجرا

کوئی فائدہ نہیں جناب۔ نواز شریف عمر کے اس حصے میں ہیں کہ جب اعضا کمزوری کی)
طرف مائل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس لئے اپنی کوشش کو سنبھال کے رکھو کسی اور
وقت کام آئیگی۔ فی الحال تو ٹائم کے ضیاع کے اور کچھ نہیں

مسلم کو مسلمان سے ڈر لگتا ہے

نعرہ تکبیر بلند ہوتا ہے اللہ اکبر اور گولی کی آواز آتی ہے اور دوسری طرف سے بھی ایک آہ کے ساتھ آواز بلند ہوتی ہے لاالہ الااللہ یعنی مارنے والا بھی مسلمان ہے اور مرنے والا بھی مسلمان۔ قاتل کا بھی وہی نعرہ ہے جو مقتول کا کلمہ ہے۔ دونوں ہی خدا کی وحدانیت اور الہیت کے ماننے والے ہیں دونوں ہی ایک خدا کو ماننے والے ہیں ایک ہی نبی و رسول کے امتی ہیں،ایک ہی دین کے پیروکار ہیں پھر بھی ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ ہم ماڈرن دور کی بات کرتے ہیں جدید دنیاکے باسی ہونے کے دعویدار ہیں جمہوریت کے علمبردار ہیں لیکن ہماری عادات واطوار ہمارے رہن سہن زمانہ جاہلیت سے بھی پہلے سے میل نہیں کھاتے۔

اس دور میں غیر مسلم ہی غیر مسلم کو مارتے تھے۔اور کوئی نہ کوئی وجہ عناد بھی ہوتی تھی۔ کبھی کوئی زمین کا جھگڑا ہوتا تھا تو کبھی زر کی لڑائی۔ کبھی عزت کی بات ہوتی تھی تو کبھی زن کا مسئلہ لیکن جب اسلام آیا سلامتی کا پرچار ہوادین اسلام کی کرنیں بکھرنے لگیں تو جہالت کے اندھیرے چھٹ گئے اور پھر جب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو پھر ہر طرف امن وآشتی کا دور

دورہ تھا۔ مسلمان رنگ و نسل سے مبرا۔ اعلیٰ و ادنیٰ کے امتیاز کو پس پشت ڈال کر ایک دوسرے کیلئے سلامتی و تحفظ کے ضامن بن گئے۔ وہ زمین و جائیداد کہ جس کا جھگڑا تھا ایکدوسرے پر نچھاور کر دی گئیں اور یہاں تک کہ جس کی دو بیویاں تھیں وہ بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کہ جس سے صرف اسلام کا رشتہ تھا کے عقد میں دے دیں۔ کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ایک مسلم دوسرے مسلم کو قتل کرے دوسرے مسلمان بھائی کا گلہ کاٹ دے چاہے وجہ عناد بھی موجود ہو۔ پھر کربلا کا میدان لگا جہاں سے پھر کلمہ گو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آئے۔ وجہ ہوس اقتدار تھی وجہ کرسی کا حصول تھا وجہ اپنی حاکمیت کا پرچار تھا اور یہ وبا پھیلتی ہوئی دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی اور پھر نہ فسلطین محفوظ رہا نہ چیچنیا، لیبیا محفوظ رہا نہ بوسینیا، عراق و کویت دست و گریباں ہوئے تو کبھی افغانستان میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ تمام جگہوں پر قاتل و مقتول غازی و شہید مسلمان ہونے کا دم بھرتے ہیں اور پاکستان میں بھی بغیر وجہ عناد کے بچے بوڑھے نوجوان مرد و عورت کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا ہے۔ ملک میں آج کے حالات کہ جس میں غیر یقینی اور عدم تحفظ ہر گلی و کوچے میں دکھائی و سنائی دیتا ہے کسی مسلمان کی دوسرے مسلم کے ہاتھوں جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت ایک خواب دکھائی دیتا ہے۔ سراب معلوم ہوتا ہے

مفلس شہر کو دھن وان سے ڈر لگتا ہے

پر نہ دھن وان کو رحمان سے ڈر لگتا ہے

اب کہاں وہ ایثار واخوت مدینے جیسی
اب تو مسلم کو مسلمان سے ڈر لگتا ہے

کراچی، کوئٹہ، اسلام آباد لاہور پختون خواہ میں جہاں مسلمان مسلم کش سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں وہاں پر ہمارے حکمران اپنے اپنے الو سیدھا کرنے کے چکر میں اس کو ہوا دے رہے ہیں۔ کہیں پر پنجابی اور پشتو کا جھگڑا پیدا کیا ہوا ہے کہیں پر سندھی اور بلوچی کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا گیا ہے کوئی کسی کی بات کو سمجھنے اور سننے کو تیار نہیں۔ بے شعور جانوروں کی طرح ایکدوسرے کو نوچنے کیلئے ناخن تیز کئے ہوئے ہیں کہیں پر پیار و محبت امن وآتشی دکھائی و سنائی نہیں دیتی۔

ایک نیا کٹا انتخابات کی شکل میں کھل چکا ہے جتنی زیادہ سختی اس مرتبہ الیکشن کمیشن کی جانب سے برتی جارہی ہے اس سے کہیں زیادہ ماحول میں کشیدگی ہے فضا میں خون کی بورچ بس چکی ہے۔ تمام ادارے فوسز اور ایجنسیاں ناکامی کا ثبوت ہیں۔ امیدوار جیتنے کی خواہش میں جائز و ناجائز حربے اور ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ بڑی پارٹیوں کی طرف سے اشتہاری مہم پر پیسہ پانی کی طرح بہایا جارہا ہے۔ اشتہارات ڈاکومنٹریز تقاریر اور ٹاک شوز کی مدد سے میڈیا وار شروع ہوچکی ہے۔ مالکان زیادہ سے زیادہ کمانے کے چکر میں جھوٹ و سچ کے

پلڑے میں کسی کو وزنی شو کر رہے ہیں تو کسی کی ٹانگ کھینچ کر زمین بوس کر رہے ہیں۔ سندھ اور بلوچستان کے حالات جس بات کے متقاضی ہیں ان سے صرف نظر کی جا رہی ہے۔آرمی کا کردار کہیں پر نظر نہیں آ رہا۔ سکون کی بانسری بج رہی ہے

ایم کیو ایم کی شدید مخالفت اور خواہش کے باوجود الیکشن کا بگل بج چکا ہے۔ غیر ملکی اخبارات چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ تمام سیکٹر پر اسلحے اور بارود کے ڈھیر جمع کئے جا چکے ہیں۔ ان کے مطابق بم بلاسٹ میں ایم کیو ایم کا کردار کسی بھی طرح خالی از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ الیکشن کمیشن کی بے بسی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔اور یہاںتک کہا جا رہا ہے کہ یہ سب ایک ڈرامہ ہے ایک لمحہ میں سب کچھ تبدیل ہو جائیگا اور پتہ لگے گا کہ الیکشن ملتوی ہو چکے ہیں۔اور وہ لمحہ آج آیا کہ کل آیا کے انتظار میں الیکشن میں حقیقی گہما گہمی دکھائی نہیں دے رہی ۔ بے یقینی کی کیفیت میں ڈرے ڈرے انداز میں الیکشن کمپین چلائی جا رہی ہے۔ ووٹرز بھی کشمکش کا شکار ہیں گومگو کی کیفیت میں ماحول کا جائزہ لے رہے ہیں۔ تبدیلی کی خواہش رکھتے ہیں لیکن تبدیلی کہیں سے ظاہر ہوتی نظر نہیں آتی ۔ عجیب سی بے بسی اور لاچارگی ہے۔ نگران حکومت اس بے یقینی اور مبہم حالات کے خاتمے کیلئے واضح لائحہ وضع کرے بالخصوص کراچی خیبر پختون خواہ کے لوگوں کو تحفظ فراہم کرے۔ تاکہ الیکشن کا انعقاد محفوظ و مامون طور پر پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔

پٹواری ! دہقان کو پستی میں دھکیل رہا ہے

پٹواری بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ محکوم رعایا پٹواری (بادشاہ) کے انتظار میں بے چین تھی۔ اتنے میں بادشاہ کی آمد ہوئی رعایا ایں ہل چل مچی۔ کچھ لمحوں کے بعد بادشاہ سلامت اپنی نشست خاص پر جلوہ افروز ہوگئے۔ ایک اچٹتی سی نگاہ سب پر ڈالنے کے بعد بادشاہ (پٹواری) نے اپنے اپنے مقدمات پیش کرنے کا حکم دیا اور پھر جب مقدمات سامنے لائے گئے۔ تو بادشاہ کے تیور دیکھنے والے تھے انہوں نے اپنے چیلان خاص (منشیوں) سے ان کے بارے دریافت فرمایا اور حکم صادر فرمایا جسے سن کر رعایا میں سے کچھ لوگ پہلو بدلنے لگے اور آخرکار جب نہ رہا گیا تو وہ بول اٹھے۔ ظل الٰہی یہ کیسی تقسیم ہے یہ تو سراسر ناانصافی ہے ظلم ہے زمین میری ہے۔ کاشت میری ہے فصل تیار کھڑی ہے اور آپ نے باردانہ کسی اور کو الاٹ فرمادیا اور جسے الاٹ کیا گیا ہے وہ تو سرے سے کاشت کار ہے نہ ہی زمیندار۔ براہ کرم انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ہم پر رحم فرمایا جاوے۔ یہ سن کر بادشاہ (پٹواری) جلال میں آ گئے اور فرمایا۔ حد ادب نا معقول جانتے نہیں کس کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہے ہو۔ یہ شہنشاہ جناب (تحصیلدار) کا بندہ خاص ہے اور باردانہ میں ان کا حصہ ضروری ہے اور فکر نہ کرو تمہیں بھی سو پچاس بوری مل جائیگی۔ دو تین بعد پھر حاضری دینا۔

اس قسم کے سین اکثر و بیشتر وقت کے سب سے بااثر شخص پٹواری کے دفتر یں غلمائے جاتے ہیں جہاں پر کسی کی زمین پر قابض کوئی ہے تو مالک کوئی ہے۔ ملکیت اللہ بچایا کی ہے تو کاشتکار اللہ رکھے کی اور باردانہ مل رہا ہے اللہ بخش کو۔ اور جب شور حد سے بڑھ جاتا ہے اور مجبور و بے بس اور سر پھرا بولتا ہے تو اسے مختلف انداز میں ڈرا دھمکا کر چپ کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب کوئی آپے سے باہر ہوتا ہے یا پھر اکڑ جاتا ہے تو بادشاہ کا پاجامہ گیلا ہو جاتا ہے اور نوبت منت ترلے تک پہنچ جاتی ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

عام طور پر چند مخصوص لوگوں کو out of way نوازا جاتا ہے کوئی بڑا زمیندار ہے تو کوئی وڈیرہ۔ کوئی بااثر شخصیت ہے ت کوئی باردانہ مافیا ٹاؤٹ یا کوئی بااثر صحافی۔ کہ جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ گندم کا خوشہ کیا ہوتا ہے ؟ گندم کا بوٹا ہوتا ہے کہ درخت ؟ انہیں تو صرف اس سے غرض ہے کہ بارذانہ مل جائے تاکہ اسے بلیک میں بیچ کر اپنی اور بچوں کی روزی کو "حلال " کیا جاسکے۔ جبکہ وہ ہاری اور کسان جو دن رات فصل کی رکھوالی کرتا ہے کھیت میں بیج ڈالنے سے لیکر پودا بننے تک اور پھل خوشوں میں دودھ آنے لیکر فصل پکنے تک نہ جانے کتنی مشقت اور مصائب سے گزر کر وہ اس سٹیج پر پہنچتا ہے کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ اب جب کہ فصل تیار ہو چکی اب اسے کاٹ کر بوریوں میں بھر کر مارکیٹ میں بھی فروخت کرونگا اور سال بھر کا راشن بھی ذخیرہ کرلونگا۔

پر بہت سے منصوبے بنے behalf اس کی خوشی دیدنی ہوتی ہے اس نے اس فصل کے ہوتے ہیں اپنے مستقبل کے حوالے سے پلاننگ کی ہوتی ہے بچوں کی خوشی و غمی کو تول کر معاملات سیٹ کئے ہوتے ہیں.بڑے.بڑے خواب سجائے ہوتے ہیں لیکن اس کے خوابوں اور امیدوں کی عمارت اس وقت زمین بوس ہو جاتی ہے جب وہ پہلی مرتبہ باردانہ کے حصول کی لسٹ میں نام نہ آنے پر بادشاہ سلامت (پٹواری) کے روبرو پیش ہوتا ہے اس کی تمناؤں اور خواہشات کا خون جگہ جگہ ہوتا ہے پہلے تو کھاد سپرے اور پانی مد میں اسے قرض بیں جکڑ دیا جاتا ہے اس قرض کو چکانے کی خاطر وہ نہایت ہی ذلت ورسوائی سے جوجتا ہے پھر جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو حکومت وقت کی ناانصافی اس کی محنت کا گلہ گھونٹتی ہے ایسے دام مقرر کئے جاتے ہیں کہ سوائے نقصان کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پھر باردانہ کے حصول کیلئے پٹواری کے پیش ہوتا ہے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں کہ زمین تو اس کے نام ہی نہیں۔ یا کاشت تو لکھوائی ہی نہیں گئ اور اس چکر میں یعنی ملکیت ثابت کرنے اور کاشت منظور کرنے میں وہ اہم وقت گزر چکا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے مناسب قیمت مل سکے۔ اس کے درمیان میں بھی حکومتی کارندے اپنے اپنے چہیتوں (افسر، فوڈانسپکٹر، ٹاؤٹ مافیا صحافی بااثر خریدار) کو خوش کرنے کی خاطر مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے کسان و کاشتکار کو اس حد تک زچ کردیا جاتا ہے کہ وہ اپنی فصل کو اونے پونے داموں بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور خریدار ان چہیتوں میں سے ہی کوئی بے حس و ضمیر ہوتا ہے جو اس کی بے بسی کو کیش کراتا ہے

اسی طرح تمام دوسری اجناس کے معاملے میں بھی ایسی ہی صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے کہ جب کسان اپنی فصل سبزی یا پھل اس کی چنائی اٹھوائی (لوڈنگ) کیرتج اور آڑھت کے کمیشن کے مراحل سے گزر ر نبرد آزما ہونے کے بعد اسے فروخت کرتا ہے تو اکثر اوقات ایسے ہوتا ہے کہ وہ اپنی جنس کے ساتھ ساتھ اپنی کوئی قیمتی شے بھی فروخت یا گروی رکھ کر جارہا ہوتا ہے یعنی نقصان۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے

یہ سارا کھیل اس لئے کھیلا جاتا ہے کہ اس کھیل میں اوپر سے لیکر نیچے تک تمام لوگ انسانیت کے سبق سے دور اخلاقیات سے عاری بے ضمیری و بے حسی کی چادر اوڑھ کر صرف اور صرف اپنے پیٹ کو ترجیح دے رہے ہوتے ہیں۔ اس میں سارا قصور متعلقہ محکمہ جات اور گورنمنٹ کا ہوتا ہے وہ سپریم کورٹ کی طرح حکم تو صادر کردیتے ہیں لیکن ان پر نفاذ کرانے میں بہت سی چیزیں مانع آجاتی ہیں یہ سسٹم کی خرابی بڑی حد تک ہمارے ایگری کلچر سسٹم کو تباہی کے دہانے پر لے جاچکی ہے۔ دوسرے ممالک میں اوپر خود طے کرتا ہے اور ڈائریکٹ سسٹم کے تحت (buyer) بیان کردہ مراحل خریدار نہیں ہوتا ہے اور involve کاشتکار اور خریدار لین دین کرتے ہیں کوئی کمیشن مافیا کسان خوشحالی کا سفر تیزی سے طے کرتا ہے جبکہ ہمارا کسان اور کاشتکار روز بروز حکومتی ناقص پالیسیوں اوور اہلکاروں کی کرپشن کی بنا پر تنزلی اور بدحالی کا شکار ہے اور وہ آئندہ آنے والی فصل کو کاشت کرنے کے بارے میں سوچتا ہے کہ

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلادو

حکومت کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ اب چونکہ سسٹم کو کمپیوٹرائزڈ کیا گیا ہے اور اب بہت حدتک کرپشن اور مسائل کو حل کرلیاجائیگا اور کرپٹ مافیا کو لگام ڈال دی جائیگی۔ لیکن شواہد اور تاریخ بتاتی ہے کہ معاملہ مزید بگڑنے کا احتمال سو فیصد بڑھ گیا ہے۔ جانے والے سائل کو کمپیوٹر سے ڈرایا جائیگا کہ جو کام کمپیوٹر کرتا ہے جو بالکل صحیح ہوتا ہے اور اسمیں غلطی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر اس آنے والے سائل کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کمپیوٹر پٹواری کے ہاتھ میں آکر پٹواری بن گیا ہے اور جو پٹواری (آپریٹر) چاہے گا وہ کمپیوٹر کریگا۔ مزید یہ کہ ہمارے ہاں ماشاءاللہ لوڈشیڈنگ کی جو صورت حال ہے اس میں سائل کو پہلے سے زیادہ دھکے اور چکر لگانے ہونگے اور جتنا زیادہ تنگ کیا جائیگا اتنے ہی کرپشن کی بھرمار ہوگی لہٰذا اس کا بھی سدباب کیا جانا ضروری ہے۔

میں کہونگا کہ اس نوبت پر پہنچانے والے اس بادشاہ (پٹواری) کو ہی کیوں نہ نشان عبرت بنایا جائے جو کہ اس مسئلے کی جڑ ہے۔ گندم کے سیزن کا آغاز ہوچکا ہے نگران حکومت کم ازکم یہی کام اچھا کرجائے کہ غریب ہاری اور کسان خوشحال ہوجائے۔ اور پٹواری کو نکیل ڈال دی جائے۔ آپ کا یہ کارنامہ سنہری حروف میں لکھا جائیگا کیونکہ ہماری معیشت کا

دار و مدار زراعت پر ہے

انداز بیاں گرچہ مرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

یہاں مزدور کو مرنے کی جلدی کچھ یوں بھی ہے محسن

"ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات" یہ ایک مصرعہ ہے جو کہ عام استعمال میں ہے اور جسے دیکھو اس مصرعے کو لازمی پڑھتا بولتا یا لکھتا ہے کہ جب بھی مزدوروں غریبوں یا ناداروں کے حوالے سے بات کی جاتی ہے ارور اس میں دکھاوا زیادہ اور خلوص کم دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر اس مصرعے کی گہرائی اور تلخی کو محسوس کیا جائے تو نوے فیصد لوگ بالخصوص پاکستانی اس تلخ تجربے سے ہر ورز گزرتے ہیں جبکہ ہم صرف اور صرف ایک دن یکم مئی لیبر ڈے (مزدوروں کا عالمی دن) کے طور پر منا کر اپنا فرض ادا کرکے بری الذمہ ہوجاتے ہیں اس دن ٹی وی چیلنز پر اینکرز حضرات چند بڑے بڑے لیڈرز سیاستدانوں یا مراعات یافتہ طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ٹاک شوز کا انعقاد کرتے ہیں اور گرما گرم بحث و مباحثہ ہوتا ہے مزدوروں کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور ٹھیکیدار ہونے کے دعوے کئے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان میں سے کوئی ایک بھی غربت کی چکی میں پسا ہوتا ہے اور نہ ہی فاقے کی رات یا دن گزارا ہوتا ہے اس لئے انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ غربت و افلاس کس عفریت کے نام ہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کی زندگی کا گزر بسر کیسے ہوتا ہے؟ کیسے ایک ماں اپنے بچوں کو بہلانے کیلئے پانی کی دیگچی چولہے پر چڑھا کر دلاسا دیتی ہے؟ کہ تم سو جاؤ جیسے ہی کھانا تیار ہوگا تمہیں جگادوں گی۔

جب کہ وہ جانتی ہے کہ اس کا شوہر جو کہ رزق حلال کمانے کی خاطر منہ اندھیرے گھر سے نکل گیا تھا اسے مزدوری کا کام یا دیہاڑی ملی بھی ہے کہ نہیں اس آس و امید کی کشمکش میں تمام دن گزر جاتا ہے اور اگر شوہر خالی ہاتھ آ جائے تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور دل کرتا ہے کہ زندگی یہیں ٹھہر جائے بقول شاعر

یہاں مزدور کو مرنے کی جلدی کچھ یوں بھی ہے محسن
کہیں اس زندگی کی کش مکش میں کفن مہنگا نہ ہو جائے

ویسے پاکستان میں تو اب لوگوں کو اتنا used to ہو ہی جانا چاہئے کیونکہ ہم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ایک ہی تھالی کے بینگن ہیں۔ لکھنے بولنے سے لیکر دعوے کرنے تک ایک ہی کردار کے حامل لوگ ہیں آرٹیکل لکھنا ڈاکومنٹری بنانا رپورٹ بنانا ریلی نکالنا تقاریر کرنا ہم سب کیلئے بے حد آسان اور انجوائے منٹ کا حصہ ہے لیکن ان ننھی جانوں اور معصوم ہاتھوں کی طرف دیکھئے اور سوچئے کہ ہم میں سے کتنے کس حد تک اپنا فرض ادا کر رہے ہیں ان لوگوں کا تصور کیجئے کہ جن کے گھروں میں دو دو دن تک چولہا نہیں جلتا اور وہ ماسٹرز کی ڈگریاں ہاتھ میں لئے کسی فیکٹری مل کارخانہ میڈ ملازمت کی بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں اور چھ سات ہزار روپے ماہانہ پر احسان عظیم کرتے ہوئے نوکری دی جاتی ہے اور پھر اور پھر اس کی رگوں سے سارا خون نچوڑ لیا

جاتا ہے۔

اس ٹھوس حقیقت سے بھی انکار اور مفر ممکن نہیں کہ دنیا میں بالخصوص پاکستان یں سب سے زیادہ جسمانی مشقت صرف مزدور ہی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود معاوضہ سب سے کم ملتا ہے اوور اس بنا پر کسم پر سی کی زندگی گزارنا ان کا مقدر بن جاتا ہے

بقول شاعر

تیشے کی کوئی گردش تقدیر تو دیکھے

سیراب ہے پرویز جگر تشنہ ہے فرہاد

ہماری حکومت نے 2010 میں لیبر پالیسی کے تحت غیر تربیت یافتہ ورکرز کا ماہانہ معاوضہ سات ہزار روپے مقرر کیا اس کے باوجود یہ کہ یہ ایک نہایت ہی کم اور غیر مناسب معاوضہ ہے لیکن پھر بھی اس پر حکومت کے رولز کے مطابق بھی عمل نہیں ہو رہا ہے ہر کوئی اپنی من مانی کر رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سات ہزار روپے میں کوئی محنت کش کیسے اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے اور رف پیٹ پالنا ہی ان کی زندگی کا محور و مقصد نہیں ہے اس کے علاوہ دوا دارو خوشی غمی کے معاملات بلائے ناگہانی کی طرح آدھمکتے ہیں اور بندہ مزدور کے تلخی کے اوقات مزید تلخ ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں یومیہ اجرت پر کام کرے والے پیشہ ور مزدور کی یومیہ اجرت تو اونٹ کے منہ میں زیرہ کے

مترادف ہے اور جس دن دیہاڑی نہیں لگتی ان کا گھر کانے کو دل نہیں کرتا بہت سی منتظر نگاہیں اس کی جیب اور ہاتھ میں موجود کھانے پکانے کے لوازمات کے شمار پر مرکوز ہوتی ہیں۔ یہ دل خراش منظر اسے دہلائے دے رہا ہوتا ہے اور وہ دعا کر رہا ہوتا ہے کہ الہی کاش زمین کا سینہ چاک ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں کیونکہ میں ان بے بس منتظر نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتا۔

رہی سہی کسر بجلی اور توانائی کے بحران نے پوری کردی ہے کہ بجلی اور گیس کی بندش اور کمی نے ملوں کے پہیے جام کر دیئے ہیں کارخانوں میں مزدوروں کو روزگار نہیں ملتا۔ مالکان نقصان کے اندیشے کے تحت اپنے یونٹس بند کر دیتے ہیں لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ لیبر ڈے (یکم مئی) کو صرف جلسے جلوسوں ریلیوں تقاریر اور ٹاک شوز تک ہی نہ محدود رہا جائے بلکہ مزدوروں کے مفادات کیلئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ ان کے قوانین عالمی سطح پر 1886 اور بعد ازاں بننے والے معاش اور روزگار کے قوانین کے تحت بنا کر مزدوروں کو ہر طرح سے سہولیات سے مستفید کیا جائے۔ شکاگو میں مرنے والے مزدوروں کی روح کو سکون و آرام اس قت نصیب ہوگا کہ جب آج کا مزدور خوشحال ہوگا اور اس سلسلے میں مزدور پیشہ افراد کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے والی تنظیمیں (سرکاری و غیر سرکاری) اخلاص کے ساتھ اپنا اپنا کام کریں۔ اور معاشرہ کی ترقی و خوشحالی کیلئے بھی ضروری ہے کہ ہمارا آج کا مزدور طبقہ خوشحال ہو کیونکہ یہ ایک مرا ہوا او ویبا

طبقہ ہے بقول شاعر

پیتل کی بالیوں میں بیٹی بیاہ دی
اور باپ کام کرتا تھا سونے کی کان میں

تینوں چیفس یک زباں ہیں

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاک افواج اپنی تمام تر بساط اور صلاحیت کے مطابق اور آئینی حدود میں رہتے ہوئے انتخابات کے صاف و شفاف اور پرامن انعقاد میں بھرپور معاونت کریگی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاک فوج کی یہ معاونت جمہوری نظام کی مضبوطی اور اسے دیرپا بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے ہوگی۔ ہر پاکستانی کی طرح ہم نے بھی پانچ سال جمہوری نظام کو مضبوط کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس امید کے ساتھ کہ آئندہ انتخابات ہمیں بہتری کی طرف لے جائیں۔ اب جبکہ یہ منزل قریب ہے ہم سب کو اپنے انتخابی ذمہ داریوں سے کوتاہی نہیں برتنی چاہیئے ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ کسی بھی نظام کی کامیابی تبھی ممکن ہے جب یہ عوام کی امنگوں پر پورا اترسکے، جمہوریت کی کامیابی عوام کی خوشحالی سے منسلک ہے جمہوریت کی اصل اساس عوام کا تحفظ اور ان کی فلاح و بہبود ہے

یہ بیان پاک افواج کے چیف جنرل پرویز کیانی نے یوم شہدا30 اپریل کو یادگار شہدا کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے دیا جو اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ملک میں افواج پاکستان کے بارے میں جو چہ مہ گوئیاں ہو رہی ہے فوج کو مشکوک

انداز میں دیکھا جارہا ہے اور اس کا کردار پراسرار گردانا جارہا ہے یہ سب ختم ہوجائے۔ ماحول اور سوچ میں کلیریٹی آجائے۔ شکوک شبہات کی جو فضا پنپ رہی ہے وہ ختم ہوجائے اور جمہوریت جس طرح سے پہلے اپنے پانچ سال مکمل کرچکی ہے آئندہ بھی مکمل کریگی اور ملک میں پھر سے جمہوریت کا چکر مکمل کرنے کی خواہش ہی تھی کہ جنرل کیانی نے اپنی تقریر میں یہ بات واضح کرتے ہوئے کہہ دی کہ ملک میں انتخابات کا انعقاد انشاءاللہ 11 مئی کو ہوگا ہمیں اسمیں کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک سنہری موقع ہے جس سے جمہوریت کی اعلی روایات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوسکتا ہے میری نظر میں جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی کا اعصاب شکن کھیل صرف سزااور جزا کے نظام ہی سے نہیں بلکہ عوام کی آگہی اور بھرپور شمولیت ہی سے ختم ہوسکتا ہے۔ اگر ہم اپنے لسانی سماجی اور فرقہ وارانہ تعصبات سے بلند ہوکر صرف اہلیت ایمانداری اور نیک نیتی کی بنیادوں پر ووٹ کا استعمال کرکے تو پھر نہ توآمریت کا بلاوجہ خوف ہوگا اور نہ جمہوری نظام کی خامیوں کا شکوہ۔ حکومت کا صحیح معنوں میں عوام کے صحیح نمائندوں کی امانت بن جانا ہی وہ واحد راستہ ہے جس میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے لیکن یہ تبھی ممکن ہوگا جب عوامی نمائندگی کا نظام پاکستان اور اس کے عوام کے وسیع تر مفاد کو ذاتی مفاد پر فوقیت دے گا ورنہ آمریت ہو یا جمہوریت حکمرانی صرف شخصی مفادات کے تحفظ اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ ہی بنتی ہے

جنرل پرویز کیانی کے اس بیان کو کہ " جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی کا اعصاب شکن کھیل صرف سزا اور جزا کے نظام ہی سے نہیں بلکہ عوام کی آگہی اور بھرپور شمولیت ہی سے ختم ہو سکتا ہے "ایک غیر ملکی جریدے ٹیلی گراف میں اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ کیانی کے یہ الفاظ مشرف کی ڈھکے چھپے انداز میں حمایت پر دلیل کرتے ہیں۔اس سے وہ موجودہ اور سابقہ آرمی چیف کا اظہار یک جہتی گردان رہے ہیں اور اس میں فوج کی انوالومنٹ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اخبار کے مطابق جنرل پرویز کیانی نے پرویز مشرف کے خلاف ہونے والے سلوک کو ناپسندیدہ سمجھا ہے لیکن جنرل صاحب کے درج بالا بیانات بڑے واضح ہیں کہ وہ اس آنکھ مچولی کے کھیل کو ختم دیکھنا چاہتے ہیں اور عوام کی شمولیت اور آگہی کی بنا پر دیکھنا چاہتے ہیں جس کا صاف مطلب جمہوریت کو نیک نیتی اور ایماندارانہ انداز میں پروان چڑھانا ہے۔اور نظام کی ایڈجسٹ منٹ اور ترقی ہی ملکی مفادات کے بہترین حق میں ہو گی ۔اور آج جس طرح حکمران اور عوام ایکدوسرے کو بددیانت نااہل اور بے ایمان کہہ رہے ہیں اور ملک کو لوٹنے کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں اس سے بھی ملک و قوم کو نجات مل سکتی ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ انتخابات ہو جانے سے ہی مسائل حل ہو جائیں گے تو یہ ہماری خام خیالی ہے ہاں مسائل کے حل کی طرف ایک مثبت اور لازمی پیش رفت ہے اور اسی بات کو جنرل پرویز کیانی نے کوڈ کیا ہے۔

انھوں نے کہا کہ انتخابات کا انعقاد بذات خود مسائل کا حل نہیں لیکن مسائل کے حل کی طرف ایک اہم قدم ضرور ہے۔ مسائل کے یرپا حل کیلیئے قومی سوچ اور امنگوں کا ادراک بھی انتہائی ضروری ہے ۔ انتخابات اس مقصد کیلیئے ہمیں کئی سوالات کے جوابات ڈھونڈنا ہونگے ان میں اہم سوال دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے ۔

دہشت گردی کا عفریت ہمیں روز.بروز کھاتا جارہا ہے اور ملکی حالات بالخصوص کراچی کوئٹہ پختون خواہ اور قبائلی علاقوں میں دہشت گردی کی فضا انتخابات کے انعقاد میں ایک بہت.بڑی رکاوٹ سمجھی جارہی ہے ۔اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی الیکشن کے انقعاد پر تینوں چیفس یک زبان ہیں کہ الیکشن وقت مقررہ پر 11 مئی کو ہی ہونے چاہئیں اور شفاف انداز میں ہونے چاہئیں اور پھر آرمی کی جانب سے حساس علاقوں اور پولنگ سٹیشنز پر کوئیک ریسپانس فورس کا قیام بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ افواج پاکستان اور جنرل پرویز کیانی سمیت ہر پاکستانی شہری الیکشن کا شفاف انعقاد اور جمہوریت کو پروان چڑھتا دیکھنا چاہتا ہے اور اسی میں ہی سب کی بہتری ہے ۔

ایلیٹ .....بے حسی کی نیند سو رہی ہے

پانی بلکہ صاف پانی زندگی کی بنیادی اکائی ہے اور اگر پانی عوام کی پہنچ سے دور ہو جائے تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور اگر پانی میں مضر صحت مادے شامل ہوں یا سنکھیا کی وافر مقدار موجود ہو تو پھر زندگی کا بچ رہنا غیر ممکن ہو جاتا ہے اور پاکستان میں پینے کے صاف پانی کی دستیابی ایک لاینحل مسئلہ ہے اور حکومت اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر ماصوبے عوام کو نہ دے سکی اور اگر کہیں پر حکومت کے مطابق عوام کو پینے کا صاف پانی مہیا کر دیا گیا ہے تو یہ بات اس وقت مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے کہ رپورٹ آتی ہے کہ یہاں پر موجود پانی پینے کے قابل نہیں ہے حتیٰ کہ واٹر فلٹریشن پلانٹ بھی اس قسم کی شکایات کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں حالانکہ فلٹریشن پلانٹ لگانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو قریب کے علاقے میں پینے کیلئے صاف پانی میسر آ سکے۔ شومئی قسمت پلاننگ میں نقائص اور وژن میں کمی کے باعث کروڑوں روپے کی لاگت سے لگائے گئے واٹر فلٹریشن پلانٹ انتظامیہ کی نا اہلی کی منہ چڑا رہے ہیں۔ کسی بھی شہر میں لگائے جانیوالے ہر دس میں سے ایک ہی پلانٹ ورکنگ میں ہوتے ہیں۔ جبکہ بقیہ نو موٹرز کی چوری یا خرابی ٹونٹیوں کا غائب ہو جانا عملے کا ڈیوٹی نہ دینا اور بالخصوص صفائی کے ناقص انتظام کی وجہ بند پڑے ہوئے ہیں اور جو عوام کی خوش قسمتی ہے کام

کر رہے ہیں ان میں پانی پینے قابل نہیں ہے کیونکہ ان کی کارٹریج جو کہ وقتا فوقتا ایک خاص مدت کے تبدیل کرنا ہوتی ہے اسے تبدیل ہی نہیں کیا جاتا اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں سے گزرنے والا پانی بجائے صاف ہونے کے جراثیم اور گندگی سے آلودہ ہوجاتا ہے

چونکہ گرمی کا زور روز بروز بڑھتا جارہا ہے اسلئے پانی کا استعمال بھی بڑھتا جارہا ہے لیکن صاف پانی ندارد۔ اب لوگ پھر منرل واٹر کی جانب متوجہ ہوتے ہیں کہ چلو پیسہ کے عوض ہی پینے کا پانی میسر آسکے۔ لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا دکھائی دیتا ہے سینکڑوں کی تعداد میں منرل واٹر کی بوتلیں بھرنے والی رجسٹرڈ و نان رجسٹرڈ کمپنیاں مارکیٹ میں آچکی ہے جو کہ دھڑلے سے مضر صحت پانی کو فروخت کر رہی ہیں اور لوگس کو مختلف قسم کے امراض یا جسمانی معذوری میں مبتلا کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ اور لوگ گلے پیٹ انتڑیوں کی سوزش مثانے گردوں میں انفیکشن پھیپھڑوں کی سوزش پیچش ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہورہے ہیں۔

جنوبی پنجاب کہ ہی لے لیجیے ابھی حال ہی میں منرل واٹر فروخت کرنے والی کمپنیوں کا ایک سروے کیا گیا اور جو رپورٹ مرتب کی گئی ہے وہ دہلادینے والی اور چشم کشا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ سروے کی گئی کمپنیوں میں سے 96

فیصد کمپنیوں کا فروخت ہونے والا پانی انسانی صحت کیلئے انتہائی مضر ہے جس میں سنکھیا کیفین اور دوسرے اس قسم کے کئی اجزا وافر مقدار میں پائے گئے جبکہ تنکے کوڑا کرکٹ اور گندگی کے علاوہ ڈسٹ کے ذرات بھی اس پانی کا حصہ تھے اور وہ فیکٹریاں جہاں پر یہ تمام بوتلیں بھری جاتی ہیں وہاں پر گندگی کے ڈھیر حشرات کی بہتات اور میل کچیل کی فراوانی دیکھنے میں آئی ان مالکان سے جب اس ماحول رجسٹریشن اور لائسنس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان میں سے اکثر کمپنیز کا نام رجسٹرڈ تھا اور نہ ہی انہیں اس بارے میں معلوم کہ انکی رجسٹریشن بھی کرانی پڑتی ہے اور ان کا یہ کہنا بھی تھا کہ ہم سے آج تک کسی نے اس بابت دریافت ہی نہیں "فرمایا" یہ وہ لوگ ہیں جو کہ پانی کی شکل میں قاتل زہر بیچ رہے ہیں چونکہ پیور فوڈ ڈیپارٹمنٹ لیبر ڈیپارٹمنٹ و دیگر کی زیر نگرانی اور ان کی آشیر باد سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر کون ہے جو سوال کرے کہ یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟

اب گرمی کی آمد کے ساتھ ہی جعلی مشروبات کی لاتعداد فیکٹریاں اپنی اپنی غیر معیاری اور مضر صحت پروڈکٹس کو اوپر بیان کردہ ڈیپارٹمنٹ کی چھتری تلے اسی طرح دھڑلے سے بیچ رہی ہوتی ہیں جس طرح اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ میں کرپشن زور و شور سے چل رہی ہوتی ہے۔لکھنے اور پڑھنے میں تو شاید یہ معاملہ اتنا گھمبیر محسوس نہ ہوتا ہو لیکن اس کی شدت اور ہلاکت انتہائی حد تک انسان کش

ہے موجودہ حکومت کوئی شک نہیں کہ انتخابات میں مکڑی کے جالے کی جکڑی ہوئی نظر آتی ہے اور انہیں اپنا بھی کوئی ہوش نہیں ہے لیکن کم از کم وہ متعلقہ ڈیپارٹمنٹ تو اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرلیں اور اس کے حوالے سے کوئی بہتر لائحہ عمل مرتب کرکے دشمنان صحت کو کیفر کردار تک پہنچائیں

ایک اور بات جس کا تذکرہ کرنا نہایت ہی ضروری ہے وہ یہ کہ ابھی تک ایلیٹ (اشرافیہ) کلاس کی جانب سے اس کا کوئی رد عمل کوئی احتجاج سامنے نہیں آیا کیونکہ منرل واٹر کا بے دریغ استعمال تو اشرافیہ ہی کرتی ہے دوسرے تمام مسائل چونکہ غریب غربا سے متعلق ہوتے ہیں اسی لئے وہ شور شرابہ کرتے ہیں لیکن یہ تو ڈائریکٹ اشرافیہ کہ نقصان پہنچایا جارہا ہے اور پھر بھی خاموشی۔ ایک نہایت ہی معنی خیز اور سوالیہ امر ہے۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ فیکٹریاں انہی نام نہاد اشرافیہ کی ہے یا پھر ہمارے ایلیٹ بھی بے حسی کی نیند ہو رہی ہے ہمیشہ کی طرح سب کی طرح اور عوام کی طرح

الیکشن 2013 .... ضلع لودھراں میں تاریخ ساز ریکارڈ

آخر کار 11 مئی کا دن آیا اور گزر گیا اور فخرالدین جی ابراہیم کا ایک خواب اور وعدہ پورا ہوا۔پاکستانی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ایسا باب رقم ہوا کہ جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔۔بڑے۔بڑے۔برج الٹ گئے۔۔بڑے۔بڑے دعوے ٹھس ہو کر رہ گئے بلند وبانگ خیالات و سوچوں کی عمارات زمین بوس ہو گئیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی مملکت خداداد پر پانچ سال حکمرانی کرنیوالی جماعت کا نام ونشان تک مٹنے کی نوبت آ گئی فرعونیت کا دور اختتام پذیر ہوا عوامی نفرت دلوں سے امڈ آئی اور ووٹ کے ذریعے سے اس کا اظہار کیا گیااور اب ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسا بھٹو کی پھانسی کے بعد پاکستان میں پیپلز پارٹی منظر عام سے غائب رہی اور عرصہ دراز کے بعد بے نظیر بھٹو کی شکل میں ایک بہترین لیڈر میسر آئی اور انہوں پیپلزپارٹی کو بام عروج پر پہنچایا لیکن اب پیپلز پارٹی کے پاس دوسری بے نظیر نہیں لہذا پی پی اب سوالیہ نشان بن چکی ہے اور قصہ پارینہ ہونے جارہی ہے۔

پاکستان تحریک انصاف کی پاپولیریٹی ثابت ہو گئی تبدیلی کا نعرہ لگانے والوں کو مایوسی نہیں عوام نے یہ بھی ثابت کردیا کہ وہ واقعی تبدلی کی خواہاں ہے

ملک میں مثبت تبدیلی آنی چاہئے اور اس تبدیلی کے روح رواں عمران خان اور ان کی پارٹی پاکستان تحریک انصاف کو پذیرائی ملی وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ عمران خان کو ان کی توقعات سے بڑھ کر نتائج ملے ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا نہ کریں کیونکہ ذرائع تجزیہ نگاروں اور مبصرین کی رائے بھی یہی تھی کہ 20 سے 30 کے درمیان سیٹ پاکستان تحریک انصاف کے گلے کی زینت بنیں گیں لیکن نتائج توقعات سے ہٹ کر حوصلہ افزاء ثابت ہوئے۔ پاکستان مسلم لیگ کو ان کا کھویا ہوا وقار اور مرتبہ حاصل ہوا نواز شریف تیسری مرتبہ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہونے جا رہے ہیں اور شہباز شریف خادم اعلی کے منصب کو دوبارہ سے پالش کرا کے طمطراق کے ساتھ جلوہ افروز ہونے کو تیار بیٹھے ہیں اب قوم بھی ان سے امیدیں باندھنا چاہتی ہے ملک کی ترقی و خوشحالی کی امنگ دل میں لئے ہوئے بہتری کی امید میں سرگرداں ہیں اور حکمرانوں کا بھی فرض بنتا ہے کہ اب تو قوم کو "کچھ سکون "تو دے دیں تاکہ یہ ہمیشہ کی ستائی اور دکھیاری قوم آزاد وطن کی آزاد فضاؤ ں میں پر سکون لمحات گزار سکیں

قارئین کرام ! آج کا کالم لکھنے کے مقصد خاص کی طرف آتے ہیں جس طرح سے پورے پاکستان میں اپ سیٹ ہوا یقینی صورت حال غیر یقینی کیفیات کا شکار ہوئی اسی طرح جنوبی پنجاب ڈسٹرکٹ لودھراں میں پاکستان کی الیکشن کی تاریخ رقم ہوئی ہے کہ ایک آزاد گروپ کی حیثیت سے شہید کانجو گروپ نے عبدالرحمٰن خان کانجو

کی قیادت اور سرپرستی میں پورے ضلع میں قومی اسمبلی کی دو155-154 اور صوبائی اسمبلی کی پانچ207-208-209-210-211 کی نشستوں پر کلین سویپ کیااور پورا پینل کامیاب ہوا جو کہ الیکشن کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ہا کہ پورے کا پورا پینل ضلع میں آزاد حیثیت میں لڑنے والے گروپ نے پانے مقابل مسلم لیگ ن پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان تحریک انصاف کے امیدواروں کو واضح اکثریت سے شکست دی ہو۔ ان کے مقابل کوئی عام کینڈیٹس نہیں تھے پاکستان مسلم لیگ ن سے سابق ایم این اے اختر خان کانجو جو کہ دو مرتبہ ایم این اے رہ چکے، نواب امان اللہ خان سابق پارلیمانی سیکرٹری ایم این اے و ایم پی اے، مرزا محمد ناصر بیگ لودہراں ڈسٹرکٹ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے آل ان آل سیکرٹری معدنیات اور سب سے بڑھ کر جہانگیر خان ترین پاکستان تحریک انصاف کے مرکزی رہنماج کا شمار عمران خان کے بعد چند گنے چنے رہنماؤ ں ہیں ہوتاہے کو شکست سے دوچار کردیا گیا۔

مئی تک 154 حلقہ قومی اسمبلی میں شہری و دیہی حلقوں میں یہ خبر عام تھی کہ 11 جہانگیر ترین کو ہرانا کسی کے بس کی بات نہیں وہ بآسانی اپنے مخالف امید وار صدیق خان بلوچ کو پس دیوار دھکیل دیں گے بلکہ یہاں تک کہا جارہا تھاکہ صدیق خان بلوچ تو پہلے ہی سے ہار مان چکے ہیں لیکن جو نتائج سامنے آئے وہ دل و دماغ انہیں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے کہ نا صرف جہانگیر خان ترین

کو جس پر تمام میڈیا کی نظریں تھی انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا بلکہ شہید کانجو گروپ نے پورے ضلع کی تمام نشتوں کو جیت کر یہ ثابت کر دیا کہ "یہ ضلع نگر ہے کانجو کا" عبدالرحمٰن خان کانجو نے اپنے بابا مرحوم صدیق خان کانجو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ سیاست کے رموز و اسرار اور باریکیاں نہیں وراثت میں ملی ہیں اور عبدالرحمٰن خان کانجو انہیں استعمال کرنے کا گر جانتے ہیں اور یہی وہ خصوصیات ہیں کہ جن کی بنا پر آج ضلع لودہراں کی عوام کے دل ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں ان کی پاپولیریٹی عوام میں رچی بسی ہوئی ہے عوام اپنے لیڈر کو اتنی عزت دے چکی ہے جو کہ شاید خود عبدالرحمٰن کانجو کے گمان میں بھی نہیں تھی۔ عوام نے ان کو ان کی محبتوں اور پبلک ڈیلنگ کا صلہ دیا۔ عوامی لیڈر ہونے کا ثبوت دیا۔ عوام نے اپنے ساتھ گھلنے ملنے زمین پر ساتھ بیٹھنے والے لیڈر کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا کوئی شک نہیں عوام عبدالرحمٰن کانجو اور ان کے پینل کی توقعات پر پورا اتری۔

لیکن اب ! عبدالرحمٰن خان کانجو سے بھی ضلعی عوام نے بہت سے توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور اب یہ ان کا بھی فرض بنتا ہے کہ جس طرح عوام نے ان کو مایوس نہیں کیا وہ بھی عوام کو مایوسی و ناامیدی کے اندھیروں سے نکال کر اجالوں

کے سپرد کریں گے۔ علاقے کی ترقی و خوشحالی کیلئے ان کی پوری ٹیم کو اخلاص کے ساتھ اسمبلی میں اپنے علاقے کے حقوق کی جنگ لڑنا ہوگی۔ علاقے میں بنیادی سہولیات کے فقدان کو ترجیحی بنیادوں پر پورا کرنا ہوگا۔ اپنے مشیروں کی ٹیم میں مخلص لوگوں کی مشاورت اور رائے کو صائب جانا ہوگا اور ایک تاثر جو عوام میں عام ہے کہ جیت کر پانچ سال کیلئے غائب ہوجائیں گے اسے ختم کرنے کی ضرورت ہے یعنی کام کرنا ہوگا اس موقع کو بھرپور انداز میں استعمال کرنا ہوگا اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ نعرہ لگتا رہے کہ "یہ ضلع نگرہے کانجو کا" اور یہ تاریخ ساز ریکارڈ بھی برقرار رہے۔

قیمتی مجسمہ .... عوام پاکستان

عرصہ دراز پہلے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ کو قیمتی نوادرات جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اور جب کبھی کوئی شخص اسے کسی قسم کے قیمتی نوادرات پیش کرتا تو وہ اسے بھی بہت سا انعام واکرام دیتا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کو کسی نے تین مجسمے دیئے۔ تینوں بالکل ایک جیسے تھے۔ تینوں بہت خوبصورت بھی تھے۔ بادشاہ بہت پریشان ہوا کیونکہ ان میں کوئی بھی فرق نہ تھا بادشاہ ان کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے ملک کے ذہین لوگوں کو بلوایا اور ان تینوں مجسموں کے فرق کے بارے میں پوچھا۔ بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کوشش کی لیکن کوئی بھی بادشاہ کو مطمئن نہ کرسکا کیونکہ کوئی بھی فرق بتانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ بالآخر ایک بوڑھا شخص بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور تینوں مجسموں میں فرق بتانے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر اس نے پانی منگوایا اور پہلے مجسمے کے کان میں ڈالا۔ تو بادشاہ سمیت سب درباری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مجسمے کے دوسرے کان سے پانی باہر نکل آیا۔ جب اس نے دوسرے مجسمے کے کان میں پانی ڈالا تو اس کے منہ سے پانی باہر نکلنے لگا اور جب تیسرے مجسمے کے کان میں پانی ڈالا تو پانی بالکل بھی باہر نہ آیا۔ اب بوڑھے آدمی نے بادشاہ کو تینوں کی حقیقت بتائی۔ کہ جس مجسمے کے کان سے پانی

باہر نکلا تو وہ ایسے لوگوں اور کمیونٹی کی نمائندگی کرتا ہے جو ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ دوسرا مجسمہ ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو بات کو سنتے ہیں اور پھر منہ سے نکال دیتے ہیں۔ یعنی پیٹ کے ہلکے یا بھانڈ قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور تیسرا مجسمہ ان لوگوں کی مثال ہے جو بات کو سن کر اسے سمجھتے ہیں اور پھر اس میں سے اپنے لئے نصیحت اور فائدے کی بات کو سوچ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ نہایت ہی قیمتی مجسمہ ہے۔

یہ تینوں مجسمے دراصل پاکستانی عوام و حکمرانوں کی عکاسی کرتے ہیں پہلے نمبر کا مجسمہ جو کہ نہایت ہی فضول فارمیٹ و اہمیت کا حامل ہے وہ ہمارے ارباب اقتدار اور حکمران پارٹی کی تصویر کشی کرتا ہے کہ ان پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوتا ان کے سامنے رونا گڑگڑانا آہ و بکا کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے کیونکہ ان کے بقول اللہ تعالی نے دو کان دیئے ہی اس لئے ہیں کہ عوام کی بات (اگر کبھی وہ بولتی ہے تو) کو ایک کان سے سنو اور دوسری سے نکال دو یعنی سنتے ضرور ہیں لیکن اسے فضول اور بے فائدہ سمجھ کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں

دوسرے مجسمے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہر پارٹی نے سننے اور بولنے کیلئے

مخصوص بندے رکھے ہوئے ہیں جو دن کو رات اور رات کو دن بنانا اچھی طرح جانتے ہیں اور ایسے ڈھٹائی اور بے شرمی سے جھوٹ کو پیش کرتے ہیں کہ نہ جاننے والے کو سچ ماننے بنا چارہ نہیں رہتا۔ فیصل رضا عابدی۔ بابر اعوان۔ رحمان ملک۔ نوید قمر۔ پرویز اشرف۔ رانا ثناء اللہ احسن اقبال۔ قمر الزمان کائرہ شرمیلا فاروقی وغیرہ وغیرہ۔ یہ دونوں قسم کے لوگ در حقیقت مجسموں کی طرح بے حس بے جان و بے اثر ہوتے ہیں ان پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی بے جان اجسام کی مانند کسی بات کو ہضم کر سکتے ہیں بس بڑ بڑ ہانکتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو پیسے بھی صرف اسی بات کے ملتے ہیں اور جو سب سے زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کی ریٹنگ بھی زیادہ ہوتی ہے

جبکہ تیسری قسم جو کہ نہایت ہی قیمتی و اعلی النسل ہے کہ بات کو سن کر اسے اپنے اندر سمو لیتے ہیں جذب کر لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس کا رد عمل کسی اچھائی کا شاخسانہ ہو یا کم از کم کسی کی دل آزاری تو نہ ہو۔ کسی غلط بات کو صحیح اور صحیح بات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں اپنا سب کچھ دین ایمان داؤ پر تو نہیں لگاتے۔ یہ تو بیچارے باتیں سن کر سوچ و بچار کرتے ہیں اور اپنے فائدے کی کوئی بات اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی ایسی قسمت کہاں! یہ واقعی قیمتی لوگ (مجسمے) ہیں حکمرانوں کیلئے ارباب اقتدار کیلئے کہ سن کر ان سنی بھی نہیں کرتے اور سن کر ڈھنڈورا بھی نہیں پیٹتے

بلکہ کوئی نتیجہ کوئی مفاد اخذ کرنے تک پھر کوئی دوسری بات سن لیتے ہیں اور اس کی ٹوہ میں لگ جاتے ہیں لیکن ڈھاک کے تین پات کے مترادف کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جی ہاں! یہ قیمتی مجسمے پاکستانی عوام ہیں بے چاری عوام سب کو سنتی ہے سمجھتی ہے اور سہتی ہے لیکن منہ سے کچھ نہیں پھوٹتی۔ اور الیکشن کے نتائج نے بھی یہ بات واضح کر دی ہے کہ نصیحت سنتے سنتے نصیحت کر بھی دیتے ہیں اور وہ بھی ایسی کہ متاثرہ زمین چاٹنے پر مجبور ہو جائیں۔

تو جناب قارئین ہوئی نہ قیمتی۔ جیو پاکستانی عوام۔ حکمرانوں کا بھی یہی نعرہ ہے۔ پاکستانی عوام دنیا کی بہترین عوام ہے۔

دو انار ملک کیلئے خطرناک ہیں

اب نواز شریف اورانکی پارٹی نے ایک بڑا معرکہ سر کرلیا ہے وفاق اور پنجاب میں ان کی حکومت بننے کو تیار ہے سامنے کی بات ہے کہ آزاد ایم این ایز اور ایم پی ایز بھی حزب اقتدار کا حصہ بننا چاہیں گے حزب اقتدار کے مزلے لوٹنا چاہیں اوریقینا نواز شریف کی گورنمنٹ بننے کے بعد اس میں حصہ دار بھی ہونگے اور یہ کہ کچھ پارٹیاں بھی اپنی روایات کو دہراتی ہوئی اہل اقتدار کی گود میں اپنا سر رکھنا پسند کریں گیں اس طرح پرائم منسٹر شپ اور چیف منسٹری میاں برادران کا مقدر بنے گی۔ مزید یہ کہ آرمی کی جانب سے بھی نواز گورنمنٹ کیلئے نرم گوشہ موجود ہے بلکہ آرمی نے تو سابقہ پانچ سالوں کی بدترین صورت حال میں بھی جمہوریت کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا اور اپنے قول و فعل سے انہوں نے ثابت بھی کیا جمہوری عمل کے تسلسل میں فوج نے اپنا کردارادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اب بھی یقینا وہ اپنا کردار اسی طرح سے جاری و ساری رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں نواز شریف نے اپنی تازہ گفتگو میں یہی کہا کہ ہم پاک فوج کے ادارے کے ساتھ مل کر ملک کو درپیش مسائل اوور چیلنجوں پر قابو پالیں گے۔ دہشت گردی کے خاتمے کیلئے قومی پالیسی تشکیل دی جائے گی یقینا نواز شریف کی پختہ کار سوچ

اور غور فکر کا انداز اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ جمہوریت کی بقا اور حکمرانی اسی صورت ممکن ہے کہ جب قومی و ملکی سلامتی کی ضامن اور سرحدوں کی محافظ پاک فوج سے معاونت اور اعانت کا دور چلتا رہے کیونکہ پاک فوج کا مقصد اور کام ہی تحفظ فراہم کرنا اور مدد کرنا ہے اور ویسے بھی میاں صاحب کی سابقہ ہسٹری میں فوج سے اچھے تعلقات کا ایک طویل دور موجود ہے۔

اب نواز شریف نے جو سب سے زیادہ پسندیدہ سراہے جانے والا اور بالغ نظری سے بھرپور عمل عمران خان کی عیادت کرکے اور ان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا کر کیا ہے وہ ان کی مقبولیت میں مزید چاند لگانے کے مترادف ہے اور اس طرح سے اپوزیشن بلکہ مضبوط اپوزیشن لیڈر سے خوشگوار تعلقات استوار کرنے میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگا لیکن ایک بات کہ نواز شریف اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ عمران خان کو رام کرکے ایک فرینڈلی اپوزیشن کو ایوان میں کرسیوں پر بٹھا کر اپنی من مانی کی جائیگی تو یہ ان کی خام خیالی ہے اور وہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر یہ قوم اور تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کریگی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی طرح عوام انہیں دھتکار دے گی اور پھر کوئی جائے سچوئشن اور معاملہ عمران خان کیلئے ہوگا کہ اگر same پناہ بھی میسر نہیں آئے گی۔ انہوں نے فرینڈلی اپوزیشن کردار نبھایا تو ملک و قوم کے ساتھ غداری اور دھوکہ دہی کے مرتکب ٹھہریں گے جس کا مطلب حزب اقتدار کو کھل کھیلنے کا

۔موقع فراہم کرنا گردانا جائے گا

اب عمران خان واقعی اپوزیشن لیڈر کا کردار نبھاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت ملک و قوم کی فلاح و بہبود کو پیش نظر نہ رکھے اور ویسے بھی کہا جارہا ہے کہ نواز شریف کیلئے بھی آخری موقع ہے اور ٹرائف ٹائم ہے ہ جن حالات ییں انہیں حکومت کی باگ دوڑ سنبھالنے کا موقع مل رہا ہے ان کے چاروں طرف محاذ منہ کھولے نگلنے کو تیار بیٹھے ہیں اور انہیں چار پانچ محاذوں پر بہ یک وقت اپنی توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ دہشت گردی کا عفریت، تباہ حال معیشت، توانائی کا بحران، مہنگائی کا طوفان اور طرز حکمرانی کا فقدان یہ وہ عوامل ہیں جو کہ میاں نواز شریف اپنی سیاسی بصیرت حوصلہ کی پختگی اور قومی ترقی و خوشحالی کے جذبے کے تحت ہی حل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ملک میں دہشت گردی کی فضا نے معاشی صورت حال کا بیڑہ غرق کرکے رکھ دیا ہے۔ معیشت کی تباہی سے توانائی کا بحران روز بروز سر اٹھا کر سب کچھ نگلنے کو تیار بیٹھا ہے جس کی وجہ سے مہنگائی کا طوفان بد تمیزی امڈ آیا ہے کہ دو وقت کی روٹی ملنا محال ہوگیا ہے لوگ اپنے لخت جگر بیچنے پر مجبور ہوگئے ہیں اور ان تمام محاذوں کو بہترین طرز حکمرانی کی مدد سے ہی بند کیا جاسکتا ہے اس مرتبہ نیت کو صاف کرکے اپنے پیٹ بھرنے کی بجائے ملک و قوم کے پیٹ کی بھوک کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ دو انار کی بجائے ایک ہی انار سے گلاس بھرا جائے جس

سے ملک میں خوشحالی بھی ہوگی اور جو جس کی ملکیت ہے وہ اس کا مالک بھی رہے اور لذت ومزہ سے بھرپور حکومت کو بھی انجوائے کیا جائے اس بات کو سمجھانے کیلئے ایک مثال حاضر خدمت ہے۔

کسی ملک کا حکمران شکار کی غرض سے نکلا اور شکار کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ اسے پیاس نے شدت سے تنگ کیا تو وہ پانی کی تلاش میں ایک باغ میں جا نکلا۔ وہاں پر موجود شخص سے تعارف کرائے بغیر اس سے پانی مانگا۔ وہ شخص باغ میں گیا ایک انار اور ایک خالی گلاس لے آیا۔ انار کو بادشاہ کے سامنے گلاس میں نچوڑا تو انار کے رس سے پورا گلاس بھر گیا۔ بادشاہ نے وہ پانی پیا تو اسے نہایت ہی لذیذ میٹھا اور خوش ذائقہ محسوس ہوا۔ اس نے ایک اور گلاس کی فرمائش کر دی۔ وہ شخص پھر اندر چلا گیا اس دوران بادشاہ نے سوچا کہ یہ باغ تو نہایت ہی قیمتی ہے اور خوش ذائقہ پھلوں سے لدا ہوا۔ سلطنت پر پہنچ کر اس پر قبضہ کرونگا اور اسکے پھلوں سے لطف اندوز ہونگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ شخص واپس آیا اس نے پہلے انار کے سائز کا ایک انار اٹھایا ہوا تھا اب اس نے وہ انار گلاس میں نچوڑا تو گلاس آدھا بھرا وہ ایک اور انار لے آیا اسے بھی گلاس میں نچوڑ دیا جس سے گلاس بھر گیا۔ بادشاہ نے اسے پیا تو ذائقہ بھی مختلف محسوس ہوا۔

بادشاہ نے اس شخص سے سوال کیا کہ سائز تو سب کے برابر تھے۔ پہلے ایک انار سے گلاس بھر گیا اور بعد میں دو سے بھرا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس شخص نے برجستہ جواب دیا کہ یقینا بادشاہ کی نیت خراب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے پھلوں کا آدھا رس ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے اسی وقت دل ہی دل میں توبہ کی اور باغ پر قبضے کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور اسے پھر سے مزید ایک گلاس پلانے کی فرمائش کی۔ اب گلاس پھر سے ایک انار سے بھر گیا اور بادشاہ سمجھ گیا کہ اس کی بات واقعی درست ہے۔ پس نواز شریف اور انکی حکومت کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا ہوگا تاکہ معاملات اپنی نہج پر بہتر انداز میں چل سکیں۔

وقت کی دشمنی تباہی کا پیش خیمہ ہے

وقت بڑا بے رحم اور سفاک ہے اور اس کی دشمنی تو بالکل ہی وارے کا سودا نہیں ہے اس کی دشمنی کیا ہے کہ حالات وواقعات کے دھارے سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کرنااور اپنے آپ کو موجوں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی بجائے ان کی مخالف سمت میں چلنے کی سعی لا حاصل کرنااور اگر ایسا کیا جائے تو سانس اکھڑ جاتی ہے اور اس کا بحال ہونا بہت مشکل اور بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ exact صورت حال پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ہوئی کہ اس کے کرتا دھرتاؤں نے ہوا کے برہم مزاج کو جانے بغیر یا صرف نظر کرکے اپنا کارواں چلانے کی کوشش کی نتیجہ کہ وقت کی گرد اور دھول میں اس قدر اٹ گئے کہ انکی شناخت اور پہچان دھندلا گئی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے چند نام نہاد مخلص لوگوں نے پارٹی اور حکومت کو اس انداز میں استعمال کیا اور زرداری مزاری گیلانی راجے چوہدری ملک اعوان کائرے ونائیک اس کے اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔ عوام کو اپنی من مانیوں اور خرافات کی بھینٹ چڑھانا ان کا وطیرہ بن چکا تھا وہ یہ بھول چکے تھے کہ عوامی طاقت وہ سمندر ہے کہ جب بپھرتا ہے تو پہاڑوں تک میں دراڑیں ڈال دیتا ہے انہیں خس و خاشاک کی مانند بہالے جاتا ہے وہ طاقت کے

نشے میں اتنے اندھے ہوگئے کہ ایک سپریم پاور (اللہ رب العزت) کو بھی بھلا بیٹھے۔
ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہمارے سیاہ کرتوتوں کی دراز رسی کی ڈھیل اب
قریب الاختتام ہے وہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ہم عمر بھر کا پٹہ لکھوا کر آئے ہیں۔ لیکن جب
اس کی بے آواز لاٹھی گھومتی ہے تو بہت سوں کے دماغوں میں چھید ہو جاتے ہیں الٹے
دماغ اس کی ضرب سے راہ راست پر آ جاتے ہیں۔اس تبدیلی سے دماغ کا فتور نکل جاتا
ہے لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

اب یہی دیکھ لیجئے کہ پی پی پی کے برسر اقتدار آنے کے بعد پارٹی کی مانگ اور ڈیمانڈ میں
اس قدر اضافہ ہوا کہ لوگ ٹکٹ لینے کیلئے مارے مارے پھرتے تھے اور لائن میں لگے
کروڑوں روپے کی آفر لئے ہوتے تھے اور" ٹکٹ کٹاؤ لین بناؤ کٹے کٹے جانا بلو دے
گھر"کے مصداق ٹکٹ بکتی تھیں کبھی فریال تالپور مڈل مین کا کردار ادا کر رہی ہوتی تھیں
تو کبھی یوسف رضا گیلانی کے توسط سے ہائر اتھارٹیز کو کروڑوں روپے کے ساتھ اپروچ
کیا جاتا تھا۔ الیکشن 2013 کیلئے صورت حال یکسر مختلف تھی۔امیدوار نہ ملنے کی وجہ سے
ایسے ایسے کینڈیڈیٹس کو ٹکٹ دی گئیں جن کو کوئی جانتا تک نہیں اور وہ کونسلر کا الیکشن
لڑنے کے قابل بھی نہ تھے اور کروڑوں روپے میں دی جانیوالی سیٹس کو لاکھ دو لاکھ
میں دے دیا گیا اور کہیں کہیں مفت بھی نوازا گیا۔اور اب آئندہ آنیوالے الیکشن میں

پاکستان پیپلز پارٹی کو ٹکٹ لینے والے امیدوار تک نہیں ملنے۔لگتا ہے کہ اب ٹکٹ کے ساتھ ساتھ پارٹی کو امیدوار کے الیکشن اخراجات کا ذمہ بھی لینے کا وعدہ کرنا ہوگا کیونکہ نتائج آتے ہی کرتا دھرتاؤں کے دھڑا دھڑا استعفی آنا شروع ہوگئے۔

پارٹی چیرمین ملک سے باہر داد عیش دے رہے ہیں والد محترم اور ان کے حواری اب بے گھر پنچھی کی طرح اڑان بھرنے کو پر تول رہے ہیں اور دیار غیر میں اپنا بسیرا کرنے شروع ہوچکے ہیں۔ رحمان rainy days پر اتارو ہیں کیونکہ پاکستان میں ان کیلئے ملک ملک چھوڑ چکے ہیں ان کے خلاف ای سی ایل کے حوالے سے کرپشن کے معاملات منظر عام پر آیا ہی چاہتے ہیں۔ موبائل کمپنیوں کی جانب سے بھی "لین دین" کے معاملات پر کمر کس لی ہے کہ دہشت گردی کے نام پر کس کس انداز میں ان کو تنگ کیا گیاان کی سروسز کو بند کیا گیا اور پھر بحال کرنے کی مد ان سے بھاری رقوم وصول کی گئی۔راجہ رینٹل پاور کی انکار کرنے کی پاور فی الحال جوان ہے کیونکہ رینٹ پر چل رہی ہے اور جیسے ہی رینٹ ختم ہوا "راجہ کا باجہ" بے لاگ بجے گا اور بہت معززین بے نقاب ہونگے۔ ایفی ڈرین کیس بھی معطل پوزیشن میں ہے اب شاید اس کا کوئی فیصلہ ہوسکے۔ لیکن ابھی تک جتنے بھی کیسز اوپن ہوئے ٹرائل ہوئے یا الزامات لگائے گئے ہیں الزام علیہان ایک ہی بات کی گردان کرتے ہیں کہ ہمارے خلاف اگر ثبوت ہیں تو پیش کئے جائیں۔ ہم

ٹرائل کیلئے اور سزا بھگتنے کیلئے تیار ہیں مگر ثبوت دینے اور لینے والی دونوں جہنم واصل نہ ہو جائیں کے خطرے کے پیش نظر ثبوت منظر عام پر آنے میں ٹائم لگ جاتا ہے یا پھر ہماری عدالتی نظام کی سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ معاملہ مٹی پاؤ کی نہج پر پہنچ جاتا جاتا ہے اور دیار غیر میں بیٹھ کر ہماری بیوقوفی (fly) ہے اور موصوف الزام علیہ اٹر عوام کی بے بسی اور حکومتی بے حسی پر قہقہے لگاتا ہے

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس وقت موجودہ ملکی صورت حال کے پیش نظر مسلم لیگ ن کی حکومت بھاری مینڈیٹ کے ساتھ بننے جارہی ہے اور میاں برادران پر پوری عوام کے ساتھ ساتھ غیر ملکی حکمرانوں کی نظریں بھی گڑی ہوئی ہیں اور ان کی شدید خواہش ہے کہ سابقہ تمام روایات کو ختم کرکے ملکی ترقی و خوشحالی کیلئے تمام تر توانائیاں بروئے کار لاکر توانائی کے بحران کو ختم کریں اور معیشت کو مستحکم کرلیں۔ مزید یہ کہ عوام کو میاں صاحبان سے یہ بھی امید ہے کہ وہ قومی دولت لوٹنے والے ہر اس فرد کو احتساب کے کٹھمرے میں لائیں انہیں اس پروسس سے گزاریں تاکہ انہیں اور آئندہ اس قسم کی" خرافات کے دلدادہ و متوالے مگرمچھوں "سے ملک و عوام کو بچایا جاسکے۔ گزشتہ برسوں میں جن لوگوں نے عوام کے پیسے کو حرام کیا ذاتی سٹیٹس اور نمود و نمائش کیلئے قومی وسائل کو بے دریغ استعمال کیا قوم کے پیسے کو باپ کا ذاتی مال سمجھ کر شاہی انداز

میں نظر عیاشی کیا گیا ان کو عوامی عدالت میں لا کر نشان عبرت بنایا جائے تو یقین کیجئے
کہ پاکستان بلکہ نیا پاکستان جو کہ عرصہ دراز سے عوام کے دلوں میں دھڑک رہا ہے
خود بخود معرض وجود میں آجائے گا اور پرانا پاکستان نئے پاکستان کی شکل میں ہمارے
لئے خوشحالی اور ترقی کا ضامن ہوگا۔

ادھار لے کر قرض نہ اتاریں

میاں محمد نواز شریف بلاشبہ ایک بڑے اور زیرک سیاستدان ہیں اور سیاست کی باریکیوں اور قلابازیوں سے بھی نہایت حدتک باخبر اور عمل کرنے کی حدتک بھی کمال حاصل ہے۔ ان کا حالیہ بیان اس کا تازہ ترین ثبوت ہے کہ بجلی کے بحران کو ختم کرنے کا کوئی ٹائم فریم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن ہم کوشش کریں گے کہ تیس دن کے اندر اندر عوام تبدیلی کو محسوس کریں گے اور تبدیلی بھی مثبت ہوگی۔ مزید یہ فرمایا کہ قرض بہت زیادہ ہے اور اب قرض اتاریں یا بجلی کے بحران کو حل کریں۔ تو میاں صاحب کسی بھی ملک کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ انکی ترقی و خوشحالی کا ماخذ و منبع توانائی کے ذرائع پیدا کرنا اور وافر مقدار میں مہیا کرنا ہے۔ جب توانائی کا بحران نہ ہوگا تو آپ کی معیشت بھی ترقی کریگی عوام میں خوشحالی آئیگی۔ زراعت پھلے پھولے گی انڈسٹری پیداوار دے گی ٹیکس کی ادائیگی ہوگی ریونیو بڑھے گا تو پھر قرض بھی اتر جائیگا اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ "قرض اتارو ملک سنوارو" والا معاملہ پھر سے ملک و قوم پر مسلط کردیا جائے تو یہ لاحاصل ہوگا کیونکہ ایک مزدور سے لیکر صنعت کار تک اور سرکاری ملازم سے لیکر جاگیردار تک تمام کے تمام بجلی کی چیرہ دستیوں کے شکار نظر آتے ہیں اور اب قرض دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ان کی ہڈی بھار (بوجھ) اٹھانے کے قابل نہیں ہے

میاں صاحب ! قرض اتارنے کے دو طریقے تو میں بتائے دیتا ہوں اول یہ کہ ان تمام کرپٹ اور ملکی خزانے لوٹنے والے لوگوں سے بلاامتیاز پائی پائی وصول کی جائے ۔یقینا اس میں بہت سی مشکلات بھی آیں گی اور باتیں بھی سننے کو ملیں گیں بالخصوص ان ہارے ہوئے لوگوں کی جانب سے ہمیں عتاب کا نشانہ بنایا جارہاہے مخالف پارٹی ہونے کی سزادی جارہی ہے لیکن یہ تمام باتیں بھی آپ کو" سیاستدان "بن کر فیس کرنا ہونگی اور عمل اپنی مرضی اور ملک و عوام کی بھلائی کو پیش نظر رکھ کر کرنا ہوگا کسی نہ کسی کو بھی نشان عبرت بنانا ہوگا۔آپ ادھار لیکر قرض اتارنے والا عمل کرنے سے گریز کریں۔پی آئی اے "اڑانے "والے، ریلوے کا پہیہ دھنسانے والے، پاور کو ڈکارنے والے، 84 ارب ہڑپ کرنے والے، ای سی ایل بھرنے والے ایفی ڈرین" پینے پلانے والے سب کے سب کی دم پر پاؤں وزنی یعنی بھاری پاؤں رکھنا ہوگا تاکہ بوجھ سے وہ" ملکی خزانے کو منہ سے اگل دیں۔

مجھے اپنے سکول کا زمانے کا ایک واقعہ یاد آرہاہے کہ ہم نویں جماعت میں پڑھنا شروع ہوئے۔بیالوجی اور کیمسٹری مرحوم رشید صاحب پڑھاتے تھے اور بہت ہی عمدہ پڑھاتے تھے خدا انہیں غریق رحمت کرے۔بمشکل ڈیڑھ ماہ گزرا کہ ایک دن ایک کلاس فیلو بار بار منع کرنے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہا

تھا رشید صاحب نے اسے بار بار سمجھایا کہ بیٹا پڑھائی پر دھیان دو لیکن وہ اپنی روش سے نہ ہٹا۔ آخر کار رشید صاحب کرسی سے اٹھے اور اس گردن سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ڈیسکوں سے باہر نکالا اور پھر اس کے سر کو اپنی دونوں ٹانگوں میں دبالیا اس کے جسم پر گھونسوں مکوں اور تھپڑوں کی بارش کر دی بعد ازاں اسے زمین پر پٹخنیاں دیں۔ کلاس یں طالب علم کی چیخیں ہی چیخیں تھیں لیکن رشید صاحب تھے کہ چھوڑنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے اور جب تک تھک نہ گئے نہ چھوڑا۔ ساری کلاس کو سانپ سونگھ گیا۔ مگر اس کے بعد پورا سال نہایت سکون سے اور کام کرتے پڑھتے گزرا۔ یہی same صورت حال دسویں جماعت میں ایک دوسرے طالب علم کے ساتھ ہوا اس طرح دونوں سال دل جمی کے ساتھ پڑھنے میں گزر گئے اور رزلٹ بھی اچھا آیا۔ تقریبا آٹھ دس سال کے بعد رشید صاحب سے اس بابت دریافت کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے مارنا بالکل بھی پسند نہیں لیکن کسی بھی کام کی بہتری اور تکمیل کیلئے ڈنڈا (بالخصوص پاکستانی عوام) بہت ضروری ہے اور اس مقصد کیلئے کسی نہ کسی کو نشان عبرت بنانا پڑتا ہے اور یہی کچھ دو سالوں میں ان طلبا کے ساتھ ہوا اور پھر آپ نے دیکھا کہ بقیہ عرصہ بہترین انداز میں گزرا

میاں صاحب ! اوپر بیان کردہ واقعہ اس بات کا غماز ہے کہ ملکی دولت لوٹنے والوں کو نشان عبرت بنا کر بھی بجلی کے بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے اور

کسی قرض کی ضرورت نہ پڑے گی صرف ثابت قدم رہنے اور اخلاص برتنے کی ضرورت ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر تاجر کمیونٹی بالخصوص انڈسٹریلسٹ (صنعت کار) سرمایہ دار جاگیردار جو کہ آپ کے دوست اور زیر اثر ہیں ان سے بھی request کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اثاثہ جات میں سے ملک و قوم کیلئے donate کریں اور chiarty begins at home کے مصداق آپ کو اپنی جیب خاص سے نہ کہ حکومتی خزانے سے، سب سے بڑھ کر donate کرنا ہوگا یہ قرض اتارو ملک سنوارو کی طرح بالکل نہیں ہونا چاہئے کہ ایک درجہ چہارم کا مالی چپڑاسی بھی donate کرے۔ صرف اور صرف اوپر بیان کردہ لوگوں کو جذبہ حب الوطنی دکھانے کی ضرورت ہے اور اگر آپ خود مخلص ہو کر انہیں کہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تعاون نہ کریں بشرطیکہ آپ کو پہلا قطرہ بننا ہوگا کیونکہ شہباز شریف کے بقول کہ ترقی اور بجلی کے بحران کے خاتمے کیلئے جانیں لڑادینگے۔ تو محترم جانیں لڑانے کی چنداں ضرورت نہیں صرف پیسہ لگادیں آپ کی جان بھی بچ جائیگی اور گڈ گورننس اور عوام سے محبت کا بھرم بھی رہ جائیگا

رہا مسئلہ لائن لاسسز پر قابو پانے کا تو اگر واپڈا ملازمین کو نتھ اور لگام ڈال لی جائے تو تمام لاسسز پورے کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اسی فیصد ملازمین نے اپنے گھروں میں منی گرڈ سٹیشن بنائے ہوئے ہیں انہیں کوئی پوچھنے والا روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ قرب و جوار کے ہمسایوں کو 1000 سے 3000 روپے ماہانہ

منتقلی) پر اپنے گھر کے میٹر سے کنکشن الاٹ کئے ہوئے ہیں جن میں دن رات)
سردیوں میں ہیٹر گیزر اور بجلی والے چولہے استعمال ہوتے ہیں جبکہ گرمیوں میں اے سی
کولر پنکھے چوبیس گھنٹے (بجلی ہونے کی صورت میں) چلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے واپڈا
کو اربوں روپے کا نقصان ہورہا ہے اگر ان ملازمین کے خلاف حقیقی کاروائی عمل میں لائی
جائے تو 30 فیصد بحران تو خود بخود ختم ہوجائیگا۔ صرف اور صرف عمل کرنے اور
مرتکب افراد کو نشان عبرت بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ جس دن واپڈا ملازم سدھر
جائیگا ایماندار ہوجائیگا تو وہ دن دور نہیں کہ ہم بجلی کے بحران کو بہت پیچھے دھکیل دیں گے
اور غریب عوام کسان طالب علم دکاندار تاجر صنعت کار مزدور سب کو بجلی ملے گی لہذا
دل چھوٹا نہ کریں بلکہ دل بڑا اور کڑا کرکے اس کام کیلئے کمر کس لیں اسی میں سب کی
بقا اور فلاح ہے۔

کابینہ میں وزرا سوچ سمجھ کر منتخب کریں

نئی بننے والی حکومت سے حلیف ہے کہ حریف ہر شہری نے مزدور و کسان سے لیکر صنعت کار تک اچھائی اور بہتری کی امید لگائی ہوئی ہے۔ یہ امید اور توقعات وابستہ کرنے کی وجوہات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہیں کیونکہ سابقہ حکومت کی ناقص اور عوام کش پالیسیوں کی وجہ سے عوام نے انہیں بری طرح مسترد کردیا ہے اور اب شاید ہی پیپلزپارٹی دوبارہ سے اپنے قدموں پر کھڑی ہوسکے۔ اسی تناظر میں پاکستان مسلم لیگ ن کو بھی یہ باور کرادیا گیا کہ اب پاکستان میں حکومت کرنے والوں کو عوامی امنگوں اور خواہشات کو ملحوظ خاطر رکھ کر فیصلے کرنے ہونگے۔ ملکی مفاد کو اولین ترجیح دینا ہوگی اور وطن عزیز اور اس کی محروم عوام کی محرومیوں کا ازالہ کرنا ہوگا بالخصوص نواز شریف گورنمنٹ کو تو ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا کہ اس دور میں پاور فل investigative میڈیا، باشعور عوام اور مستحکم پاکستان کے حامی لوگ بھی موجود ہیں۔ عقابی نگاہیں اندر تک سے حالات معلوم کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں اور واقعات و بیانات کو سٹور کرنے کیلئے طاقتور کمپیوٹر کی صورت میں دماغ موجود ہیں جو کہ گزرے تمام حالات واقعات و بیانات کو سیکنڈز میں ریوائنڈ کرکے ماضی کو سامنے لے آتے ہیں اس لئے ہر بات سوچ کر اور ہر قدم پھونک کر اٹھانے کی ضرورت ہے

پہلا قدم ہی اگر درست اور صحیح سمت اٹھ جائے تو پھر منزل کی قربت اور پہنچ آسان ہوجاتی ہے حلف اٹھانے کے بعد سب سے پہلا اقدام کابینہ کی تشکیل و تکمیل ہے۔

یہاں پر اگر میاں برادران تمام تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر کابینہ میں قابل اور متعلقہ وزرا فٹ کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں ان کی حکومت کو ریلیف دینے میں نہ صرف کامیاب ہوگی بلکہ ترقی و خوشحالی وطن عزیز اور عوام کا مقدر بنے گی اور مسلم لیگ ن اپنی کامیابیوں کے عروج کی مزید منازل طے کریگی۔ لیکن اگر وزارتیں صرف ایم این ایز اور ایم پی ایز کو خوش کرنے کیلئے بانٹیں گئیں تو پھر سب کیلئے مشکلات کھڑی ہوجائیں گیں۔مثلا کوئی ایک وزارت کسی ایسے پسندیدہ شخص کو دے دی جائے کہ جسکی ابجد تک سے وہ واقفیت نہ رکھتا ہو تو پھر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گذشتہ دور حکومت میں ہوا۔ تعلیم کا وزیر ایک میٹرک فیل کو صرف اس لئے بنادیا جائے کہ وہ کٹر مسلم لیگی ہے اور ہمیشہ جیتا ہے تو آئندہ ایسا نہ ہوسکے گا اب تعلیم کیلئے کم از کم ماسٹر ڈگری ہولڈر یا اس شعبے کی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہی چلے گا۔ لہٰذا وزیر صحت اسے یہ بنایا جائے جو کم از کم ڈاکٹر ہو اور صحت کے معاملات اور ان سے متعلق ضروریات بارے آگاہی رکھتا ہو یعنی کے اصلی کا ایم بی بی ایس نہ کہ رحمان ملک کی طرح کا ڈاکٹر۔ وزیر پانی و بجلی ہو کہ وزیر مالیات ۔انتظامی امور سے متعلق ہو کہ مقننہ سے تعلیم ہو کہ صحت ذاتی مفادات و ترجیحات سے

بالاتر ہو کر فیصلے کرنا ہونگے۔

اگر بادشاہ کے وزیر سیانے نمانے اور سمجھ دار ہونگے تو بادشاہ کی بھی واہ واہ ہو گی اور وزیروں مشیروں کی بھی طوطی بولی گی لیکن اگر مالشیئے پالشیئے اور خوشامدی وزیر وں کا ٹولہ بنالیاگیا جو سب اوکے آل ازاوکے کی رپورٹ کرتے رہے تو پھر معاملات بجائے سدھرنے کے بگڑ جائیں گے اور اس قسم کے وزرایقینا مسلم لیگ ن اور عوام پاکستان کیلیئے آستین کے سانپ سے کم نہ ہونگے اور پھر بادشاہ اپنی خفت اور کم عقلی چھپانے کیلیئے ۔ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوگااور درج ذیل واقعہ ان کی صحت پر پورا اترے گا

ایک ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھااور اپنی موٹی عقل کے حوالے سے بہت مشہور تھا اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمسایہ ملک کے دو نوسر بازاور عیار شخص درزیوں کے روپ میں دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کی خوشامد کرنے کے بعد بادشاہ کو بتایا کہ ایسا لباس تیار کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جو کہ صرف عقلمندوں کو دکھائی دے گا جبکہ بے وقوف اس کو نہ دیکھ سکیں گے اس نئے آئیڈے پر بادشاہ نے انہیں وہ لباس تیار کرنے کا حکم دے دیا ان کے لئے ایک کمرہ مختص کردیا گیا اور درباریوں کو حکم دیا گیا کہ انکی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے۔اب درزیوں سے سب سے پہلے سونے کی تاروں سے بنے گولے منگوائے تاکہ لباس

کی تیاری شروع کی جا سکے۔ انہیں گولے پیش کر دیئے گئے۔ جو کہ انہوں نے قریب کے جنگل میں جا کر چھپا دیئے۔ اور پھر اپنے کمرے میں بیٹھ کر خالی مشین چلانا شروع کر دی۔ ہر گزرنے والا یہ محسوس کرتا کہ لباس کی سلائی کا کام جاری و ساری ہے۔ یہی پریکٹس جاری رہی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے ایک وزیر کو بھیجا کہ دیکھ کر آؤ کہ کتنا کام ہوا اور کام ہو بھی رہا ہے کہ نہیں وزیر درزیوں کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دونوں کو مشین چلاتے دیکھا لیکن لباس نظر نہ آیا وہ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اسے فوراً وہ بات یاد آئی کہ لباس تو صرف عقل مندوں کو دکھائی دیتا ہے اگر میں کہوں گا کہ لباس کہاں ہے تو مجھے بیوقوف سمجھا جائے گا پس اس نے دونوں کے کام کی تعریف کی اور ضرورت دریافت کی انہوں نے پھر سونے کے تاروں والے گولے مانگ لئے جو کہ انہیں دے دیئے گئے اور بادشاہ کو بھی بتایا گیا کہ لباس بڑا عمدہ تیار ہو رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک دوسرے وزیر کو بھیجا گیا اور اس نے بھی بیوقوفی کے لیبل سے بچنے کیلئے وہی بات دہرائی جو کہ اس سے پہلے جانے والے وزیر نے دہرائی تھی۔ بہرحال وہ دن بھی آن پہنچا جس دن لباس تیار ہونا تھا دربار لگ گیا بادشاہ سلامت نشست خاص پر جلوہ افروز ہوئے درزیوں کو بلایا گیا وہ ایک تھیلا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے آئے اور اس طرح پوز کیا جیسے کہ تھیلے سے لباس نکال رہے ہیں اور پھر اسی انداز میں بادشاہ کو پہنا دیا گیا۔ اور پھر بادشاہ نے سارا شہر کا دورہ کیا اور خوب داد حاصل کی۔ کیونکہ وہاں پر سب عقلمند تھے اور کوئی بیوقوف

بننے پر تیار نہ تھا۔

لہذا نواز شریف ایسے وزرا منتخب کریں جو کہ صحیح کو صحیح اور درست کو درست سمجھیں

اور بتائیں تاکہ نقصان سے بچا جا سکے۔

سیکرٹری تعلیم کی سادگی

ملک بھر بالخصوص پنجاب بھر میں نظام تعلیم بہتر بنانے کیلئے حکومت پنجاب نے غیر رجسٹرڈ سکولوں کے خلاف آپریشن کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا ہے۔ سیکرٹری تعلیم اس آپریشن کی خود نگرانی اور سرپرستی کریں گے اور جو غیر رجسٹرڈ سکول بچوں کو تعلیم سے آراستہ کررہے ہیں ان کو سیل کردیا جائیگااور رپورٹ حکومت پنجاب کو دے کر اپنی ڈیوٹی پوری کرکے روزی حلال کی جائیگی۔ مزید یہ کہ جو غیر رجسٹرڈ سکول بچوں اور والدین کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں ان کے خلاف بھی ضابطہ کی کارروائی عمل میں لائی جائیگی۔ یہ ایک اخباری بیان تھا جو کہ محکمہ تعلیم کی جانب سے جاری کیا گیا جسے پڑھ کر بے اختیار سر پیٹنے کو جی چاہااور محکمہ تعلیم اور سیکرٹری تعلیم موصوف کی سادگی اور بے چارگی پر بھی ترس آیا۔ چند گزارشات گوش گزار کرنا چاہوں گا۔

اول تو یہ آپریشن اخباری بیان کی حد تک ہی محدود رہیگا اور یہ کہ جب تک محکمہ تعلیم آپریشن شروع کریگا ان کی روایتی اور ازلی سستی کی بناپر اس وقت تک تمام سکول گرمیوں کی چھٹیاں کرکے اپنے سکول خود ہی بند کرچکے ہونگے۔ لہذا ان کو سیل کرنے کیلئے پنجاب سیکرٹری تعلیم ، ای ڈی اوز اور ڈی ای اوز

تکلف نہ کریں تو زیادہ مناسب ہوگا اور ویسے بھی آجکل گرمی کا زور ہے۔ طبیعت کی ناسازی کا اندیشہ ہے۔

دوسرا یہ کہ ملک بالخصوص پنجاب میں جتنے بھی پرائیویٹ سکول و کالجز کام کر رہے ہیں چند ایک کو چھوڑ کر مجموعی طور پر وہ حقیقتاً کام کر رہے ہیں ان کے نتائج اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ نا مساعد حالات ، سہولیات کے فقدان اور پانچ سے سات ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کے باوجود نونہالان وطن کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں انہیں وطن عزیز کی ترقی، خدمت کرنے اور نام روشن کرنے کے قابل بنا رہے ہیں جو کہ قابل تقلید اور لائق تحسین ہیں۔ ان کی تعلیم سے محبت خوش آئند اور تسلی بخش ہے کہ باوجود اس کے ان کے پاس حکومت کی جانب سے ودیعت کردہ بلڈنگز، سٹاف بمعہ بھاری تنخواہ، لائبریری، لیبارٹریز، پلے گراؤنڈ فرنیچر و دیگر سامان نہیں ہے پھر بھی وہ طالب علموں کی علمی تشنگی کو بجھانے کی دلی طور پر سعی کر رہے ہیں

تیسری اور اصل بات جس کے لئے کالم لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ یہ کہ محکمہ تعلیم اور سیکرٹری تعلیم کو غیر رجسٹرڈ سکول تو نظر آ گئے جو کہ " معیار تعلیم کو غیر معیاری بنا رہے ہیں " لیکن کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ تعلیم کا معیار کہاں سے مل رہا ہے؟ وہ معیاری تعلیم کون دے رہا ہے؟ کیا آپ یہ سمجھ

provide رہے ہیں یا باور کرانا چاہ رہے ہیں کہ سرکاری ادارے معیاری تعلیم کررہے ہیں تویقیناً یہ آپ کی خام خیالی اور سادگی ہے اور اس سادگی پہ مرجانے کو جی چاہتا ہے یا پھر شاید ان کے ذہنوں میں یہ فقرہ رچ بس گیا ہے جو کہ اکثر سرکاری اداروں کے گیٹ یا دیواروں کی زینت بنا نظر آتا ہے کہ "آیئے اور دیکھئے ہم فروغ تعلیم کیلئے کس قدر کوشاں ہیں"

نتائج ہیں poor جناب والہ ! آپ اپنے سرکاری سکولوں کے نتائج اٹھا کر دیکھئے اس قدر کہ شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کی لاگت سے بننے والی بلڈنگز میں کوالیفائیڈ سٹاف موجود ہوتا ہے لیبارٹریز کو لاکھوں روپے کی کاسٹ سے مزین کیا جاتا ہے لائبریری میں ہمہ قسم کی مہنگی ترین اور ناقابل استعمال کتب کو الماریوں کی زینت بنایا جاتا ہے ٹیچنگ سٹاف و دیگر عملہ کو ماہانہ کروڑوں روپوں کی تنخواہ اور الاؤنسز دیئے جاتے ہیں لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ کیوں؟ کیونکہ وہ جو کوالیفائیڈ سٹاف ہوتا ہے نا وہ بچوں کو پڑھانا اپنی توہین سمجھتا ہے بالخصوص خواتین ٹیچرز جنہیں اپنے گھریلو معاملات ڈسکس کرے کپڑوں کے پرنٹ اور جوتوں کے ڈیزائن اور قیمت تر باتوں سے فرصت نہیں ملتی۔ میک اپ کی کوالٹی اور اقسام پر تو سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن جب پڑھانے کی بات آتی ہے تو پیٹ میں مروڑ شروع ہوجاتا ہے حالت غیر ہونے لگتی ہے آنکھیں سرخ ہوجاتیں ہیں ایسی صورت میں سارا نزلہ

طالبات پر گرتا ہے اور پھر "مار نہیں پیار" والے سلوگن کی دھجیاں اڑاتے ہوئے تھپڑ مارنا) تک کی جاتی ہے۔ (اس slapping) طالبات کو ڈانٹ ڈپٹ گالیاں حتی کہ حوالے سے مزید تفصیل آئندہ کالم میں نذر قارئین کرونگا)۔ مرد اساتذہ کو صرف اور صرف ٹیوشن کی فکر ہوتی ہے اور پوری کی پوری کلاس جب تک سکول ٹائم کے بعد اور بعض اوقات سکول ٹائم میں ہی ٹیوشن نہ پڑھے تو اسے اپنی توہین گردانا جاتا ہے اور نہ پڑھنے والی کی خیر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود نتیجہ صفر۔ اکثر طلبا فیل ہوجاتے ہیں کیونکہ جب کلاس میں بھی نہیں پڑھایا اور ٹیوشن بھی نہیں ہوئی اور فیسیں اینٹھ لیں تو پاس ہونے کا سوال خارج از امکان ہے

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی دیہات میں موجود سکولوں کے اساتذہ سکول ٹائمنگ میں حاضری لگانے کے بعد دھوتی اور تہبند باندھے کاشتکاری میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ طلبا کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا جاتا ہے جو کہ زمینوں کو جڑی بوٹیاں سے صاف کرتے ہیں بھوسے اور توڑی کو اپنے اساتذہ کے گھر پہنچاتے ہیں کپاس سے نکلنے والی لاٹھیاں اپنے کندھوں پر رکھ کر ان کے چولہے گرم کرنے کا وسیلہ بناتے ہیں حتی کہ بیج کی بوائی سے لیکر پانی لگوانے تک کے مراحل میں طلبا اپنے اساتذہ کے "شانہ بشانہ" کام کرتے دکھائی دیتے ہیں اور پھر جب نتائج آتے ہیں تو مارک شیٹ تو خالی ہی ہونی ہے

جسے استاذ محترم اپنے کوتاہی اور مجرمانہ غفلت سمجھے بغیر اگلے سال کیلئے تیاری کرنے کو کہہ کر" سمجھا "دیتا ہے جسے سادہ لوح دیہاتی ماسٹر جی کی بات کامان رکھ کر پھر سے اپنے سپوت کو ان بے حسوں کے حوالے کر دیتا ہے اور اگلے سال بھی وہی ہوتا ہے اور طالب علم ڈاکٹر انجینئر پروفیسر ٹیچر بننے کے بجائے ایک کاشتکار بن جاتا ہے۔

لیبارٹریز میں موجود سامان کو استعمال کرنا اور سٹوڈنٹس کو دکھانا گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد نئے سامان کی پروپوزل بنا کر بھیج دی جاتی ہے جسے کاغذات کی حدتک خرید لیا جاتا ہے اور کمپنیوں سے اپنی مرضی کے بل بنوا کر فائلوں کی زینت بنادیا جاتا ہے۔سامان کی ٹوٹ پھوٹ شو کرادی جاتی ہے اللہ اللہ خیر صلی۔ جبکہ کیمکل کی consumption دکھا کر پیسے بٹورلئے جاتے ہیں اور کیمکل پڑے expire ہوجاتے ہیں۔ طلبا و طالبات پریکٹیکل کے بارے صرف سنتے ہیں اور صبر کا گھونٹ بھر لیتے ہیں ور دوران پریکٹیکل امتحانات نمبرز لگوانے کی وہ دوڑ شروع ہوتی ہے کہ الاماں۔

اسی طرح لائبریریوں میں پڑی کتابوں کے بارے میں نہ تو لائبریرین صحیح جانتا ہے اور نہ ہی طلبا و طالبات کو اس بابت ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ لائبریری

میں موجود کتب سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں بس لاکھوں ان کتابوں کو خرید کرنے کی مد میں جھونک دیئے جاتے ہیں جبکہ طلبا و طالبات کو ان بکس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی۔

اس قسم کے اور بھی معاملات ہیں جو کہ سرکاری سکول کا وطیرہ اور پہچان بن چکے ہیں کہ کام نہیں کرنا صرف اور صرف تنخواہ پکی کرنی ہے اور بقیہ تمام کام سکول ٹائم سرانجام دینے ہیں اور پڑھانا نہیں ہے جب اس قسم کی صورت حال ہوگی تو نتائج بھی وہی ہونگے جو آج کل کے ہوتے ہیں کہ تمام پوزیشنز پرائیویٹ اور غیر رجسٹرڈ ادارے لے جاتے ہیں اور سرکاری ادارے تمام سہولیات سے لیس ہونے کے باوجود ہمیشہ ہی پیچھے رہتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ پانچ سے سات ہزار کی تنخواہ سے اپنا گزر بسر کرنے والا پرائیویٹ سکول ٹیچر ایک چالیس سے ساٹھ ہزار روپے اینٹھنے والی ماسٹر جی کے مقابلے میں دل و جان سے پڑھا کر اپنا اور بچوں کا پیٹ رزق حلال سے بھرتا ہے اور سکون کی نیند سوتا ہے اور اس سے بندھے طلبا و طالبات بورڈز میں پوزیشنز لے کر ملک و قوم کی ترقی میں حصہ شامل کرتے ہیں۔ تو جناب والہ ! اصل نقطہ یہی ہے جس پر سوچنا ہے عمل کرنا اور کرانا ہے اور بجائے پرائیویٹ سکولوں کے سرکاری سکول اور اداروں کی حالت زار کو بہتر بنانا ہے تو یقین کیجئے معیار تعلیم کمال کی حد تک بہتر بلکہ بہترین ہوگا۔ بس اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے

مسلم امہ اور اللہ کی رسی

یہ ایک چڑیا گھر ہے یہ دنیا کا سب سے بڑا انسانی چڑیا گھر ہے جس میں ہم سب مسلمانوں کو جانوروں کی طرح رکھا گیا ہے انسانوں کو ایک پنجرے میں مقید کردیا گیا ہے ہمیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہم سب الحمداللہ مسلمان ہیں اور شاید انسان بھی ہیں ۔ لوگ باہر سے آ کر ہمیں دیکھتے ہیں حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اکثر لطف اندوز بھی ہوتے ہیں ۔ آزادی کے وقت سے لیکر آج تک 3 کلومیٹر کی حدود میں ہمیں رکھا گیا ہے دونوں جانب انکلیو ہے جہاں پر ہم تقریبا 65 سالوں سے پانی بجلی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات سے محروم زندگی گزارنے پر مجبور ہیں ہماری شناخت ختم ہو چکی ہے۔ یہ علاقہ ریاست مغربی بنگال کے کچھ گاؤ ں پر مشتمل ہے جن کو ابھی تک نہ تو شہریت مل سکی ہے اور نہ کسی نے ان سے الحاق کرنے کی کوشش کی۔ 1947 میں تقسیم ہند کے وقت بنگال کی تقسیم ہی کچھ اس طرح ہوئی کہ سو سے زیادہ گاؤ ں کسی بھی ملک کا حصہ نہ بن سکے۔ یہ گاؤ ں اسی نسبت سے سیت محل یا انکلیو کہلاتے ہیں۔ یہ ہندوستان اور بنگلہ دیش کی سرحد پر واقع ہیں اوور اسے صرف انکلیو کہا جاتا ہے یہ باتیں ایجنسیز کو دھوبال گڑھی کے جمشید علی نے بتائیں اسی طرح ابوالحسن مشعل ڈنگا گاؤ ں کا رہائشی ہے نے بتایا کہ یہاں نہ روڈ ہے

نہ راستہ۔ بنیادی مرکز صحت تعلیم تو دور کی بات ہے یہاں پر پینے کو صاف پانی تک میسر نہیں ہے اور اگر کسی مصیبت یا ایمرجنسی سے واسطہ پڑ جائے تو کسی مدد کی کوئی امید نہیں ہوتی انسانی حقوق کی علمبردار دیپتی مان سین گپتا جو کہ سال ہا سال سے ان بے شناخت اور احساس محرومی کا شکار مسلم باشندوں کیلیے کام کر رہی ہےں کہتی ہیں کہ ان تمام مسلمانوں کی زندگی انتہائی غربت میں گزرتی ہے اور بعض اوقات تو صورت حال غیر انسانی و غیر اخلاقی ہوجاتی ہے کہ بیان سے باہر ہے لیکن ان کی طرف توجہ کرنے اور مسائل حل کرنے کی کبھی کسی نے کوشش نہیں کی۔

یہی صورت حال انڈیا کی جیلوں میں بے گناہ قید مسلمانوں کی ہے کہ جنھیں مقدمات چلائے بغیر ان پر جرم ثابت کئے بغیر مختلف جیلوں میں قید کیا گیا ہے 10 ہزار کے قریب ان لوگوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے جن کو جرم بتائے بغیر چارج لگائے بغیر عرصہ دراز سے گجرات ممبئ دہلی آندھرا پردیش جے پور کوچی بنگلور گوہاٹی و دیگر جیلوں میں قید کر دیا گیا ہے کوئی ان کا پرسان حال نہیں ان قیدیوں کی اکثریت اعلی تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل ہے جن میں ڈاکٹرز انجینئرز چارٹرڈ اکاؤنٹنس کمپیوٹر پروگرامر اور دیگر پیشہ ورانہ تعلیم کے فارغ التحصیل شامل ہیں۔ مختلف فورمز پر متعدد بار اس مسئلے کو پوائنٹ آوٹ کیا گیا لیکن ہر بار تعصب کی تلوار اس کو کاٹی ہوئی

نکل گئی۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کے خلاف کوئی بھی ثبوت نہ مل سکے اس کے باوجود قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس بھی ہوا جس میں بے قصور حراست میں رکھے گئے مسلمانوں کی رہائی سے متعلق بحث کی گئی اور کہا گیا کہ بے قصور محروسین کو یا تو رہا کر دیا جائے یا پھر ان پر جرم ثابت کرنے کیلئے مقدمات چلائے جائیں۔ مگر پروگریس زیرو ہے چونکہ معاملہ مسلمانوں کا ہے۔

امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو جس طرح سے پابند سلاسل کیا گیا۔ اس کو مختلف انداز میں ٹارچر کیا گیا اوور گذشتہ دنوں پھر سے حملہ کرکے زخمی کرنے کی جو مکروہ اور گھناؤنی حرکت کی گئی اور پھر دو دن بعد اسے بامر مجبوری وکیل کی مداخلت پر ٹریٹمنٹ دی گئی یہ سب معاملات امریکہ بہادر کی انسانی حقوق سے محبت اور لگاؤ کا پول کھولنے اور مسلمانوں سے نفرت کے اظہار کا منہ بولتا اور واضح ثبوت ہے۔ لیکن ہمارے بے حس ایوانوں سے کوئی آواز نہیں اٹھی کہ ایوانوں میں گونگے اور بہروں کا راج ہے۔

برما میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے گاؤں کے گاؤں نذر آتش کرکے مسلمانوں زندہ جلایا جا رہا ہے لیکن کہیں پر کوئی انسانی حقوق کے علمبردار اپنی آواز اونچی کرنے اور اپنا علم بلند کرتے دکھائی نہیں پڑتے۔ فلسطین

بوسینیا شام عراق و دیگر میں مسلمانوں کو اسلام کے پیروکار ہونے کی سزا دی جارہی ہے حل طلب بات یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ ممالک اور علاقوں میں صرف اور صرف مسلمانوں کو ہی اذیت ظلم و بربریت تشدد و انتہا پسندی کا نشانہ کیوں بنایا جارا ہے تو بات سیدھی سی ہے کہ آج کا مسلمان اتحاد و یگانگت ،اخلاص واخلاق، محبت و بھائی چارہ، جذبات واحساسات سے عاری ہو چکا ہے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کی مثال پر عمل کرنا خواب معلوم ہوتا ہے غیروں کی ریشہ دوانیوں کو مہربانیاں جان کر ان کے دام پھنس چکا ہے اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر غیر کی رسی کو تھام رہا ہے تو ذلت و رسوائی نے تو اس کا مقدر بننا ہی ہے۔

دوسری طرف غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر برسرپیکار ہے۔ کہیں پر کسی ایک یہودی عیسائی ہندو بدھ یا کسی بھی غیر مسلم کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو غیر ملکی تنظیموں میڈیا اور حکمران تک چیخ پڑتے ہیں،اور اس کے مدوا اور ازالے کیلئے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور ہم مسلمان بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں اس کے برعکس اگر مسلمانوں کو سینکڑوں کی تعداد میں زندہ جلادیا جائے ان کی شناخت کو مٹادیا جائے بے گناہ قید میں ڈال دیئے جائیں ڈرون کی مدد سے ماردیا جائے تو ہمارے حکمرانوں کی زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں ان کی آواز تک نہیں نکلتی کہ انہیں اللہ کا نہیں کسی اور

کاڈر مارے جاتا ہے۔ لہٰذا ایسا طرز عمل چھوڑ کر تمام مسلم امہ بالخصوص پاکستان اور اس کے حامی ممالک اسلامی تنظیموں کو اپنا کردار فعال ہو کر مثبت انداز میں ادا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم مسلمان امن پسند قوم ہیں تو اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ ہ کمزور ہیں ہم تو وہ ہیں کہ جب اپنی پر آتے ہیں تو اپنے سے دس گنا کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پس اب آنکھیں دکھانے کی ضرورت ہے نہ کہ آنکھیں چرانے کی۔ ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے اور سوائے لکیر پیٹنے کے کچھ حاصل نہ ہو۔

عوامی رویے

ایثار و قربانی ،خلوص و محبت، عدل و مساوات ، فراخدلی و خندہ پیشانی کی جو مثال ہجرت مدینہ کے وقت دیکھنے میں آئی آج تک اور رہتی دنیاتک اس کی مثال صفحہ ہستی پر نہیں ملتی جب مکہ سے مسلمان بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تولگتا ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ صدیوں سے بچھڑے ایک دوسرے کے تعلق دار و رشتہ دار ہیں اور اس وقت ان سب کا شوق بھی دیدنی تھا ان میں سے ہر ایک کی خواہش اور کوشش تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح مکہ سے ہجرت کرکے آنے والوں مسلمانوں کے کام آسکوں ان کی خدمت کرکے اپنی خوش قسمتی پر رشک کرسکوں۔ ان میں جو جذبہ تھا اسے الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جاسکتا کہ جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا کہ جس کی موجیں بار بار چھلکی جارہی تھیں آنے والوں کیلیۓ انہوں نے اپنے نگاہیں بچھائی ہوئیں تھی اور ان کی مدد کو اپنا اولین شعار سمجھا جارہا تھا۔انصار مدینہ نے مکی مسلمانوں کو اس طرح accomodate کیا کہ اپنی جائیداد مال و دولت کاروبار میں اپنا شراکت دار بنالیا تو کسی نے اپنا آدھا کاروبار آدھی جائیداد آدھا مال ودولت بے لوث و بے غرض اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔اور

ایسی مثال بھی سامنے آئی کہ اگر کسی انصاری کی دو یا زائد بیویاں تھیں تو انہیں بھی طلاق دے کر دوسرے بھائی کے نکاح میں دے دی ایسی مثال چشم فلک نے اس سے پہلے نہ کبھی دیکھی تو اور نہ کبھی دیکھ سکے گا اور مہاجرین نے بھی حق ادا کرتے ہوتے صرف وہی لیا جس کی اشد ضرورت تھی اور محنت مزدوری کو اپنا شعار بنایا تاکہ انصاری بھائی پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ اس کے بعد بھی فلک نے دیکھا کہ جب مکہ فتح ہوا اور حضور اکرم ﷺ جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ نے جو فرمایا وہ رہتی دنیا تک ہمیشہ سے سنہری حروف میں لکھا جائیگا کہ آج کے دن تمام دشمنوں کو عام معافی ہے کسی سے کوئی بازپرس نہیں کی جائیگی عفو و درگزر صلہ رحمی اور ایثار کی ایسی مثال کبھی نہ دیکھی جائیگی اور نہ سنی جائیگی۔

پاکستان کے بنتے وقت بھی اس سے ملتے جلتے ایثار وقربانی اور خلوص و محبت کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں کہ جب ہندوستان سے مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اس وقت وہ نفسا نفسی کا عالم تھا کہ ماں بیٹی سے بیٹا باپ سے بھائی بھائی سے بہن بھائی سے جدا ہوگئے کسی کو مار ڈالا گیا تو کسی کو کاٹ دیا گیا۔ عصمتیں لوٹیں گئیں عزتیں پامال کی گئیں، خون کی ندیاں بہادی گئیں ایسے میں بھی مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی جس طرح بن پڑا مدد کی انکو ایڈجسٹ کرنے کیلئے مال و جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا گیا ایسے

واقعات بھی سامنے آئے کہ جب کسی کی مدد کرنے کی پاداش میں اپنی جان کو بھی داؤ پر لگا دیا گیا یہ بھی تاریخ کے اوراق کا ایک سنہری باب تھا۔ لاہور میں ایک عیسائی کو بچانے کیلئے ایک مسلمان طالب علم گٹر میں اتر جاتا ہے اور پھر ان دونوں کو بچانے کیلئے ایک اور مسلمان ایثار و قربانی کے جذبے کے تحت کود پڑتا ہے اور پھر تینوں ہی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ گجرات میں جب وین میں آگ لگنے کا الم ناک حادثہ رونما ہوتا ہے سولہ معصوم طالب علم آگ کے شعلوں میں لپٹے مدد کیلئے پکار رہے ہوتے ہیں تو ایسے میں ان کی ٹیچر جو کہ اپنی جان بچا کر باہر نکل چکی ہوتی ہے جذبہ ایثار وقربانی کی مثال قائم کرتی ہوئی بے خطر آگ میں کود پڑتی ہے اور معصوم ننھے طلبا و طالبات کو بچانے کی خواہش و کوشش میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دیتی ہے اور تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن بے حس قوم و حکمرانوں کیلئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ جاتی ہے

دوسری طرف بے حسی درندگی حرص و ہوس کی مثالیں بھی ہمارے معاشرے کو جھنجھوڑتی رہتی ہیں کہ جب ایک آٹھ سالہ معصوم بچہ برف لینے کیلئے گھر سے دکان پر جاتا ہے اور برف خریدتے وقت معاشرے کی ہوس پرستی اور بے حسی سے بے نیاز برف کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا ہے جس سے وہ ظالم انسان برف کے ٹکڑے کے نقصان پر ہذیان اور غصے میں مبتلا ہو کر اس معصوم پر برف توڑنے

والے سوئے سے وار کرتا ہے جو کہ بچے کو شدید زخمی کر دیتا ہے اور بچہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی اور طمع کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور اپنے خالق حقیقی جا ملتا ہے جہاں پر وہ یقینا اس بے حس معاشرے کا گلہ کر رہا ہوگا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ جس میں پانچ معصوم بچوں کو باغ سے ایک ایک آم توڑنے کی پاداش میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے پھر انہیں رسیوں کی مدد سے باندھ کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایک ایک آم کھانے کا معاوضہ ہزاروں روپے طلب کیا جاتا ہے اور ادائیگی نہ کرنے پر محبوس کر دیا جاتا ہے جسے پولیس کی مداخلت سے بازیاب کرایا جاتا ہے اور باغ کے بے حس مالک شیخ کو گرفتار کر لیا جاتا ہے جسے یقینا چند سو روپوں کی خاطر چھوڑ بھی دیا جائیگا یا کالم کے آنے تک چھوڑا بھی جا چکا ہوگا۔

ہر دو رویوں میں اتنا تضاد کیوں ہے؟ کیوں یہ بے حسی اور عدم برداشت کے رویے ہمارے معاشرے کا مزاج بنتے جا رہے ہیں وہ بھی انسان تھے جو کہ بے لوث جذبوں سے مزین اور طمع و حرص و ہوس سے عاری تھے۔ جذبہ ایثار و وفا ان کا خاصہ تھا۔ برداشت اور درگزر ان کی عادات میں شامل تھے۔ دھن دولت مال و متاع کی حیثیت ان کے ہاں ثانوی تھی۔ انسانیت کے دلدادہ تھے اور اس کی فلاح و بہبود ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ اور آج کے انسان نے مسلمان نے پاکستان کی عوام نے ان قربانیوں اور جذبوں کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ برف کے ایک ٹکڑے کی خاطر یا

چند آموں کے عوض انسانی جانوں کو کھیلا جائے۔زمانہ جاہلیت کو آواز دی جائے کہ کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا"کے تصور کو کھر چا جائے۔ان عوامی رویوں ایک کلیدی" کردار حکومتی ناقص پالیسیوں اور نااہلی کا بھی ہے کہ جس نے مہنگائی کے جن کو کھلا چھوڑ رکھا ہے۔انرجی بحران سے پہلے برف کی یہی پٹی 30 روپے میں فروخت ہوتی تھی جو کہ آجکل100 سے150 روپے میں فروخت ہو رہی ہے۔ تیس روپے والی برف موٹی تازی جبکہ آجکل کی برف سوکھے پاپڑ کی طرح ہوتی ہے وجہ بجلی کی لوڈشیڈنگ۔اب جنریٹر پر برف جمتی ہے پہلے بجلی سے جمتی تھی۔پھر ملتی بھی نہیں اسے خریدنے کیلیئے بھی لمبی لمبی لائنیں نظر آتی ہیں لوگ سوغات کی طرح سے خرید کر لے جاتے ہیں۔ اور سوغات کی طرح ہی استعمال کرتے ہیں حتی کہ دھونے میں بھی کنجوسی اختیار کی جاتی ہے کہ زیادہ پانی ڈالنے کی وجہ سے برف غائب ہی نہ ہوجائے۔ یعنی اتنی قیمتی بنادی گئی ہے کہ اس کیلیئے معصوم جانوں سے کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔
گورنمنٹ کو چاہئے کہ اس قسم کے اندوہناک اور دلخراش واقعات سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ان کے سدباب کا سبب بھی پیدا کرے اور انرجی بحران پر قابو پائے تاکہ معاشرے میں مثبت رویے پنپ سکیں اور عوام کی قیمتی جانوں کو برف کے عوض بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔

کیوبا کا بجٹ ! چھوٹوں بڑوں کی بہتری

پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کو ناپسندیدگی سے دیکھا جارہا ہے اور دن بدن اپنی برتری کھوتا جارہا ہے۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہونے والی ہے کہ سوشلزم اس کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوگا۔ اس نظام کی وجہ سے پوری دنیا چند مخصوص ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے جس نے تمام دوسرے سسٹمز کی نفی کردی ہے اور یہ دوسرے سسٹمز اپنی موت آپ مرنے کی سی صورت حال سے دوچار ہیں بالخصوص سوشلزم کہ جس کی حمایت کا نعرہ سرمایہ دار بڑی شدومد کے ساتھ لگاتا نظر آتا ہے جبکہ درحقیقت وہ اس نظام کی بے بسی اور لاچاری کا مذاق اڑا رہا ہوتا ہے اس کا مقصد یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ ہم سپیریئر لوگ اس نظام کے بچانے اور چلانے کا وسیلہ ہیں اگر ہم نے ہاتھ کھینچ لیا تو یہ سماج اور سماجی رویے سب ختم ہوجائیں گے۔ یہی انداز ان کی اس نظام سے نفرت کا پردہ چاک کرتا ہے ہر ملک میں کیپٹل ازم (سرمایہ دارانہ نظام) نے غریب مزدور اور درمیانی طبقہ کا جینا محال کردیا ہے۔ ہر جگہ اپنے اثر و رسوخ اور سرمایہ کی بدولت جائز و ناجائز کی تفریق کئے بغیر غریب اور متوسط طبقے کا استحصال جاری ہے اس کی سب سے بڑی مثال ہمارا سالانہ بجٹ ہوتا ہے جو کہ لفظوں کے ہیر پھیر اور لہجوں کے اتار چڑھاؤ کی مدد سے غریب پرور ثابت کیا جاتا ہے حالانکہ سراسر یہ سرمایہ دار کی تجوریوں

کو بھرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے

بجٹ 2013-14 میں کیپٹل ازم اور سرمایہ دار کو پروموٹ کیا گیا ہے جبکہ سوشلزم کو دیوار سے لگانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ صرف پاکستان میں ہی نہیں ہوتا امریکہ یورپ انڈیا فرانس ہر جگہ اسی طرز عمل پر عوام کش بجٹ تیار کرکے عوام کو سسکتی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا جاتا ہے مگر اب ٹرینڈ بدلنے جا رہا ہے امریکہ و یورپ مندی کا شکار ہو چکے ہیں معیشت تباہی کے دہانے کو چھو رہی ہے۔ ایسے میں بات کرتے ہیں کیوبا کی تقریبا گیارہ ملین کی آبادی پر مشتمل ہے جس نے حقیقی معنوں میں عوامی بجٹ پیش کرکے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس تحریک میں پہل کرنے والے کیوبا نے بہت سے شعبوں میں حیرت انگیز تیزی اور طاقت کے ساتھ ترقی کی بالخصوص امریکہ کے حملوں سے نمٹنے میں جس جوانمردی سے مقابلہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اور آج دنیا کے نقشے پر بہت سے سرمایہ دار ممالک سے بہتر ہے امریکہ نے ہمیشہ کی طرح کیوبا اورر دوسرے ممالک کے درمیان ہونے والے سودوں اور معاہدوں میں رکاوٹ امپورٹ کرنے کا diagonastic instrument ڈالنے کی کوشش کی۔ جاپان سے معاملہ ہو کہ فرانس سے ایکسرے مشین لینے کا سودا یا پھر اٹلی سے کیمیکل خریدنے کی بات ۔ اس کے علاوہ بھی جرمنی.برازیل فرانس کنیڈا وغیرہ سے امریکہ کو بائی پاس کرکے مختلف کارپوریشنز سے معاہدہ جات کئے ۔.برطانیہ سے کل پراجیکٹ آوٹ لے بیرونی

اشتراک سے پانچ ارب ڈالرز سے بھی زائد ہوگیا ہے اور اب بھی مسلسل اضافہ کی طرف گامزن ہے۔ تقریبا240 پراجیکٹس میں سے 40 سے زائد شعبوں میں 60 مختلف ممالک سے ساتھ اشتراک سے کام جاری ہے۔ یہ سب کیوبا نے خود کیا سوشلزم کے اصولوں پر عمل کرکے کیا اور 9.6 کی شرح سے سالانہ اقتصادی ترقی اس بات کا روشن ثبوت اور دلیل ہے

کیوبا میں ہر شہری کیلئے نرسری سے لیکر ڈاکٹریٹ کی ڈگری تک تعلیم بالکل مفت ہے اور گارنٹی کے ساتھ ہے کیوبا کی شرح تعلیم 99 فیصد ہے جو کہ پڑوسی ممالک کینیڈا امریکہ سے بھی زیادہ ہے۔ ہر شہری کو مفت طبّی سہولیات میسر ہیں اور حقیقتاً میسر ہیں۔ وہاں ایشیا بالخصوص پاکستان کی طرح طبّی مراکز و ہسپتالوں میں گندگی کے ڈھیر اور صفائی کے ناقص انتظامات نہیں ہوتے۔ وہاں پر ڈاکٹر اپنے فرائض میں غفلت نہیں برتتے۔ ڈیوٹی دینے کی بجائے ہڑتال نہیں کرتے۔ وہاں پر ختنے کے بجائے مریض کے گردوں کے آپریشن نہیں کیا جاتا۔ وہاں پر ڈاکٹر دوران آپریشن پیٹ میں تولیا نہیں بھولتا۔ صحت کے معاملے پر کوئی کرپشن ناقابل معافی جرم ہوتا ہے۔ وہ لوگ اپنے پیشے گورنمنٹ اور عوام سے مخلص ہیں اور گورنمنٹ بھی انہیں اسی ترازو سے تول کر پرٹوکول دیتی ہے۔ کیوبا اپنے بجٹ کا 45 فیصد صرف صحت اور تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ یہاں پر بچوں میں بیماریوں کی وجہ سے شرح اموات 4.7 فی ہزار ہے جو بہت سے سرمایہ دارانہ

مشرقی و مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔

کیوبا اس بات کی نفی کرتا ہے کہ کم لوگوں کیلئے زیادہ وسائل استعمال کرکے دوسروں کے حقوق کی تلفی کی جائے۔ بلکہ ان کے مطابق زیادہ وسائل زیادہ لوگوں کے لئے ہونے چاہئیں۔ چھوٹے طبقے پر بڑے طبقے کو قربان کرنا کہیں کی دانش مندی نہیں۔ وہ صرف اور صرف اجتماعی فائدے کی بات کرتے ہیں اور یہی وجہ سے ہے کیوبا میں بہت سے ممالک کی نسبت بھوک و افلاس اور بے روزگاری بہت کم ہے۔ کیوبا نے سوشلزم کو اپناتے ہوئے ترقی کا راستہ طے کیا ہے وہ دنیا میں واحد مثال ہے کیوبا میں ترقیاتی کاموں کیلئے مزدوروں اور لوکل باڈیز سے مشاورت کرنا نہایت کی ضروری خیال کیا جاتا ہے اور ان کی رائے کو مقدم جانا جاتا ہے پاکستان میں مزدوروں اور لوکل باڈیز کو کسی زمرے میں ہی خیال نہیں کیا جاتا۔ ان کیلئے بنائے گئے قوانین الگ ہیں ان کی مراعات الگ اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کیوبا کی طرح کوئی بھی ملک اپنے مزدوروں سے مشاورت نہیں کرتا۔ کیوبا میں مزدوروں اور غریب طبقہ کے مفادات کو تمام دوسرے مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ وہ غیر انسانی جوڑ توڑ پر یقین نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی معیشت کا اسی فیصد زرمبادلہ انہیں کے دم سے ہے اگر مزدور توانا غریب صحت مند اور خوشحال ہوگا تو اس ملک کی ترقی و خوشحالی دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ

انسانی معاملات اور تقاضوں کو منافع اور ٹرن اوٹ سے نہیں ماپا جاتا بلکہ سوشلزم کی قدریں ہی اصل میں ان کا حقیقی سرمایہ اہو خوشی ہیں۔ سویت یونین بھی اسی ڈگر پر چلنے کی کوشش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔

لہذا پاکستانی وزیر خزانہ اور حکومت کو بھی اپنے بجٹ کو پیش کرنے سے پہلے اس بات کا احاطہ کرنا ضرور چاہیۓ تھا کہ اگر ملکی ترقی و خوشحالی کو اپنانا چاہتے ہو تو کیپٹل ازم سے نکل کر سوشلزم کو ،ایک مخصوص طبقہ کو مراعات دینے اور نوازنے کی بجائے.بڑے طبقے کو مراعات دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیۓ تھا تاکہ عوام دشمنی سے نکل کر عوام دوستی کا ثبوت دیا جاسکے۔ پس بجٹ پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔اسی میں ہی سب چھوٹوں.بڑوں کی بھلائی اور بہتری ہے۔ ملازمین کی 10 فیصد تنخواہیں.بڑھانے کا عمل یقینا قابل ستائش اور احسن ہے۔

اگر وزارتیں بانٹنے کا سلسلہ بند ہونا چاہیئے......!

ہر ادارے علاقے محلے گھر میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جسے دوسرے سب لوگ اپنے اپنے کاموں اور مقاصد کیلیئے استعمال کر رہے ہوتے ہیں یعنی رانجھا سب کا سانجھا۔ وہ میرا کام بھی کر رہا ہوتا ہے تو آپ کے کاموں میں بھی مصروف دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے کام تو بہر صورت پورا کرتا ہی ہے لیکن میرے اور آپ کے اضافی کام اور ذمہ داریاں بھی احسن طریقے سے نبھاتا ہے اور کچھ ایسی ڈیوٹیاں بھی بخوبی سرانجام دے دیتا ہے جو کہ اس سے متعلقہ بھی نہیں ہوتیں۔ چونکہ اس کی عادت ثانیہ بن چکی ہوتی ہے کہ کسی کام کو انکار نہیں کرنا۔ اس پر وہ مثال صادق آتی ہے کہ

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے

اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اور اگر کسی شدید مجبوری کی وجہ سے وہ کسی کا کام نہ کر سکے تو اس کے تمام کیئے کرائے پر پانی پھیر دیا جاتا ہے اس سے ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ شکوے اور شکایات کیئے جاتے ہیں حتی کہ برا بھلا بھی کہا جاتا ہے یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مترادف اپنے عیب ڈھونڈنے کی بجائے اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے کی بجائے وہ سارا ملبہ اس کے سر تھوپنے کی کوشش کرتا ہے

حالانکہ وہ اس کام کے کرنے کا پابند بھی نہیں ہوتا۔ مقصد یہ کہ اپنا کام خود تو کرنا نہیں صرف دوسروں پر تکیہ ہوتا ہے دوسروں پر ذمہ داری ڈال کر اپنے آپ کو بری الذمہ کرلیا جاتا ہے یہاںتک کہ اس کی پوچھ پڑتال بھی گوارا نہیں کی جاتی اوپر سے لیکر نیچے تک تمام لوگ اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں۔

سابقہ گورنمنٹ میں ویسے تو مسائل کے انبار لگے ہوئے تھے۔ عوام پریشانی کے دلدل میں گردنوں تک دھنسے ہوتے تھے ایسے میں پنجاب کے لوگوں کو شہباز شریف کی شکل میں وہ وزیراعلی میسر آئے کہ جنھوں نے اپنے خادم اعلی کے ہونے کے اعلان کا کافی حد تک پاس رکھا اور ملک و قوم کیلیئے اپنے آپ کو وقف کیا۔ڈینگی کی وبا پھیلی تو ملک میں الارمنگ صورت حال تھی ہر دوسرا شخص خوفزدہ تھا اور ہر پہلا بیمار ہونے والا مریض اپنے آپ کو ڈینگی زدہ سمجھتا تھا ملک میں شدید افراتفری اور بے چینی کی لہر تھی۔ وزیر اعلی پنجاب نے اس وبا سے نبرد آزما ہونے کا عہد کیا اور وہ کر دکھایا کہ دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ تمام ممالک بھی حیرت زدہ تھے کہ جنھوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے عوام کو ڈینگی کا لقمہ بنتے دیکھا اور ایک لمبے عرصے بعد اس وبا پر قابو پانے میں کامیاب ہوئے لیکن شہباز شریف اور انکی ٹیم نے ایک سے ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں عوام کو اس موذی وبا سے 95 فیصد تک نجات دلانے میں

کامیابی حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسرے معاملات کو بھی ڈیل کرتے رہے۔ دوسرے ادارے بھی احسن طریقے سے ان کے زیر سرپرستی کام کرتے رہے۔ان تمام کاوشوں کے دوران ان پر طرح طرح کے آوازے کسے گئے مذاق اڑایا گیا۔ حتی کہ تضحیک آمیز بیانات اور رویوں سے نوازا گیا

گورنمنٹ ختم ہوئی نگران سیٹ اپ چارج سنبھالا بجلی کا بحران شدید ترین ہو گیا۔ 22,22 گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ نے زندگی اجیرن کردی۔ اسی دوران خسرہ کی وبا نے سر اٹھایا اور نگران حکومت اس کے سدباب کیلئے کچھ نہ کر سکی۔ متاثرہ مریض زندگی کی بازی ہارتے گئے اور ابھی تک بھی یہ سلسلہ متعدد لوگوں کی جان لے چکا ہے جن میں معصوم بچوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اب پھر دکھیاری عوام کو مسیحا کی یاد آئی ۔ شہباز شریف کی ڈینگی کے حوالے سے فائٹ کا تذکرہ ہونے لگا۔ان کی حکمرانی کا دور نگاہوں میں دوڑنے لگا۔ اب شہباز شریف کی گورنمنٹ آچکی۔ حلف اٹھالیا گیا۔ بجٹ بھی پیش ہو گیا۔ خسرہ میں مبتلا عوام اور ان کے اقربا پھر سے ڈینگی کے خلاف سرکردہ اور متحرک وزیراعلی کو پھر سے اسی طرح متحرک و سرگرم دیکھنا چاہتے ہیں ۔ کہ خسرہ سے نمٹنے کا لائحہ عمل تیار کرائیں اور بے بس اور دکھیاری عوام کو اس موذی solid بھی کوئی مرض سے نجات دلائیں۔ لیکن ! لیکن ! ایک سوال بڑی شدومد کے ساتھ کچوکے لگاتا ہے کہ یہ تمام اعمال و افعال اور سرگرمیاں کیا صرف ایک ہی شخص کے ذمہ ہیں کیا یہ تما م

وزیر مشیر سیکرٹری بیوروکریٹس صحت سے متعلقہ افیسرز اتھارٹیز یا کوئی بھی دوسرا محکمہ ہو ان کے ملازم سب کے سب نااہل ہیں؟ کیا انہیں اس لئے منتخب یا مقرر کیا گیا ہے تمام مراعات سے مستفید ہوں مفت کی روٹیاں توڑیں اپنے ذاتی معاملات سیدھے کریں اور بس؟ لوگ بھوک سے مرتے ہیں مر جائیں۔ بیماری کا شکار ہوتے ہیں تو انہیں کوئی پرواہ نہیں۔ کاروبار بند ہیں چولہے ٹھنڈے ہیں تعلیم کا بیڑہ غرق ہے نو ٹینشن۔ بجلی کا بحران ہے بجلی چوری کا سیلاب ہے جو کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا جس کی وجہ سے پوری قوم ذہنی مریض بن چکی ہے۔ کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں سب ہاتھ جھاڑ کے بیٹھے ہیں۔ اگر وزیراعلی ایکشن لیں تو لیں ہم نے اپنی طرف سے اپنی سوچ سے اپنی خوشی سے اپنی ڈیوٹی نبھانے کی غرض سے ایسا کوئی کام نہیں کرنا جس سے عوام کا بھلا ہو۔

ایسی صورت حال میں وزیراعلی شہباز شریف صاحب !جب سارے کام ہی آپ نے ''رانجھے کی طرح'' کرنے ہیں یا آپ کے کہنے سے ہونے ہیں تو پھر یہ وزارتیں بانٹنے کا سلسلہ بھی بند ہونا چاہئے۔ سابقہ حکومت کی طرح اب کی بار بھی بجائے نااہل لوگوں کو وزارتیں دینے کے اپنے پاس ہی رکھ چھوڑیں۔ یہ بھی قوم پر آپکا احسان ہوگا اس سے پروٹوکول کا خرچہ بچے گا۔ یہی کروڑوں روپے اللے تللوں پر خرچ ہونے کی بجائے عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونگے۔ تعلیم و صحت کے

پراجیکٹس کی تکمیل پر صرف ہونگے تو ملک بھی ترقی کریگا۔اور بہت سے مسائل خودبخود حل ہوجائیں گے۔اور قوم کا ذہنی تناؤ اور جسمانی ریمانڈ کچھ حدتک کم ہوجائے گا۔ ویسے بھی چند ایک کو چھوڑ کر تمام وزراڈنگ ٹپاؤ کی پالیسی پر عمل کرنے والے ہیں۔

امریکہ افغان طالبان مذاکرات ! بھارت کے پیٹ میں مروڑ کیوں؟

قطر کے دارالحکومت دوحہ میں امریکہ اور طالبان کے درمیان جمعرات کو ہونے والی امن مذاکرات کی میٹنگ حامد کرزئی کے اعتراض کے بعد نہ ہو سکی۔اور بغیر کسی پیش رفت کے ختم ہو گئی۔ فی الوقت طالبان نے دفتر سے "اسلامی امارات افغانستان" کی تختی بھی ہٹالی ہے۔ ملاقات میں اہم موضوع افغانستان میں امن وامان کی صورت حال اور قیدیوں کے تبادلے، پر تشدد کاروائیوں سے اجتناب ،افغان آئین کا احترام اور بچوں و عورتوں کے حقوق کا احترام کو زیر بحث لایا جانا تھا۔لیکن مذاکرات مشروط وجوہات کی بنا پر آگے نہیں بڑھ سکے تاہم اگلے چند روز میں دوبارہ سے ہونے کا عندیہ دیا گیا ہے۔ ویسے بھی امریکہ طالبان سے مذاکرات کے مرحلے میں آسان نہیں سمجھ رہا ہے اس میں اسے چاروں اطراف سے مزاحمتوں اور شدید تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ خود افغانی صدر حامد کرزئی اور ان کی حکومت بھی اسے پسندیدگی سے نہیں دیکھ رہے ہیں وہ پہلے بھی قطر میں طالبان کے دفتر کے کھلنے پر خدشات ظاہر کر چکے ہیں لیکن ان کے روپے میں لچک بھی ہے اور اسکی وجہ غیر ملکی افواج کے انخلا کا عمل ہے جو کہ بالکل قریب ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بھی بادل نخواستہ اس کی حمایت بھی کی ہے۔ اور اس امید کا اظہار بھی کیا ہے کہ دفتر کے

کھلنے سے امن مذاکرت کو آگے بڑھانے میں مثبت انداز میں پیش رفت ہوگی۔ اگر ماضی کو دیکھا جائے تو طالبان اور افغان حکومت کے درمیان ہمیشہ اعتماد و یقین کی کمی رہی ہے اور افغان حکومت سے طالبان کبھی بھی مذاکرات کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور ہمیشہ انکو امریکی حکومت کی کٹھ پتلی گردانتے رہے لیکن اب افغان حکومت اسے بھی امریکی بدنیتی پر مبنی قرار دے رہی ہے۔

دوسری طرف صدر اوبامہ نے کہا کہ مذاکرات کا عمل سست روی سے اپنا سفر جاری رکھے گا اور ہماری کوشش ہوگی کہ اسے آسان اور تیز بنایا جائے اس میں بہت سی دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا اور پاکستان کی مدد بھی درکار ہوگی ساتھ ہی انہوں نے حامد کرزئی کو بھی مبارکباد پیش کی کہ مذاکرات کیلئے انہوں نے اپنا وفد قطر بھجوایا۔ امریکی اتحادیوں نے بھی اس فیصلے کو سراہا ہے امریکی حکام کے مطابق مذاکرات حوصلہ افزا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ویسے بھی مذاکرات سے ہمارا براہ راست کوئی تعلق نہیں لیکن ہم مسئلے کا سیاسی حل چاہتے ہیں۔

اوپر تحریر کردہ بیانات میں امریکہ یا اتحادیوں کا کوئی تعلق ہے یا نہیں مفادات وابستہ ہیں یا نہیں کس کو کتنا فائدہ ہو رہا ہے یا ہوگا یہ ایک الگ ایشو ہے۔ لیکن بھارت کے پیٹ میں مروڑ شرع ہو چکا ہے کہ کیوں افغانستان میں امن وامان قائم ہو رہا ہے۔ کیوں امریکہ افغان اور طالبان کے درمیان تنازعات

کو ٹیبل پر حل کرانا چاہ رہا ہے؟ کیوں مسلمان آپس میں شیر و شکر ہونے جارہے ہیں؟ بھارت اسے خطے کیلئے پریشانی سے تعبیر کررہا ہے اور عالمی برادری کو خبر دار کررہا ہے کہ بات چیت محتاط انداز میں ہونی چاہئے۔ بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید نے کہا کہ امریکہ اور طالبان کے درمیان دوحہ میں ہونے والی بات چیت میں عالمی برادری کو محتاط طریقے سے تعاون دینا چاہئے یہ امریکہ کا مسئلہ نہیں ہے یہ مسئلہ حکومت اور وہاں کی عوام کے درمیان کا ہے ایسا نہ ہو کہ اس سے طالبان کے فلسفے کو تقویت ملے۔ ہندوستان کا ہمیشہ موقف رہا ہے کہ افغان عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ لینے کا حق دینا چاہئے۔ افغان طالبان اور حقانی نیٹ ورک نے ہندوستان کے سفارت خانے کو کابل میں نشانہ بنایا تھا جس میں 58 لوگوں کی موت ہوئی امریکہ کے وزیر خارجہ کے اگلے ہفتے ہندوستان کے دورے پر یہ معاملات سرفہرست زیر غور لائے جائیں گے۔

بھارت کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ جب کبھی کہیں پر مذاکرات کی بات ہوئی ہے امن بھائی چارے کے فروغ کو تقویت دی جارہی ہوتی ہے تو اس نے ہمیشہ اپنی ٹانگ اڑانے کی کوشش کی ہے۔ کشمیر کا مسئلہ ہو کہ پانیوں کی بات، بابری مسجد کے معاملات ہوں کہ مسلم اقلیتوں کے مفادات۔ بھارت نے ہمیشہ بنیئے کے منفی کردار کو فروغ دیا ہے اور مسئلہ کو کبھی بھی حل کی طرف لے جانے کیلئے کوئی مثبت اقدام نہیں کیا اور اب بھی اپنی منفی روایات اور ہتھکنڈوں سے

مجبور بھارت ناخوش ہے کہ افغان طالبان اور امریکہ کی مدد سے مذاکرات کی میز پر بیٹھنے جارہے ہیں۔ امریکہ اور ملا عمر مذاکرات کامیاب ہونے سے پاکستان میں دہشت گردی کی لہر میں یقینی حدتک کمی آنے کے امکان کو بھارت ہضم نہیں کرپارہا۔ پاکستان نے افغان فوج میں شامل نوجوانوں کو تربیت دینے کا عندیہ دے کر بھارت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور پھر جب دہشت گرد گروپوں کے خلاف کارروائی ہوگی تو اس میں بھی بھارتی حکومت کے بے نقاب ہونے کا سو فیصد تک روشن امکانات ہیں۔مزید یہ کہ بھارت کا ہمیشہ سے موقف رہاہے کہ انتہاپسندوں کے ساتھ مذاکرات کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ حالانکہ وہ خود انتہادرجے کا متعصب اور انتہاپسند ثابت ہوا ہے ۔ لہٰذا بھارت کو اپنی روایتی ہٹ دھرمی کو چھوڑ دینا چاہئے اور دنیا میں امن و آشتی کیلئے اپنا حصہ ڈالنا چاہئے یا کم از کم اپنی چونچ بند کرکے اور اپنی ٹانگ کو قابو کرکے مذاکرات میں دخل اندازی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جب باپ اپنے بچوں کو مار ڈالتا ہے

اس نے عجیب سی شرط رکھ دی تھی کہ اگر اپنی ماں کا کلیجہ نکال کر پلیٹ میں رکھ کر پیش کروگے تو میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں ورنہ نہیں۔ وہ بڑا پریشان تھا وہ اس عورت کو ٹوٹ کر چاہتا تھا اور کسی بھی طور حاصل کرنا چاہتا تھا جب کہ اپنی ماں کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا۔اس کی پریشانی ماں نے بھانپ لی اور اس بابت پوچھا تو وہ ٹال گیا۔دوسرے تیسرے دن پھر ماں نے مامتا سے مجبور ہو کر پھر پوچھ لیا تو اس نے چار و ناچار بتایا کہ وہ جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے دنیا کی حسین ترین عورت ہے لیکن اس نے آپ کے کلیجے کے عوض سے مشروط کیا ہے۔میں آپ دونوں کو کھونا نہیں چاہتا۔ماں بھی یہ سن کر خاموش ہو گئی۔ کچھ عرصہ بڑا اضطراب اور بے سکونی میں گزرا اور آخر کار محبوبہ کی محبت جیت گئی اور اسی غلبے کے تحت ایک رات اس نے اپنی سوئی ہوئی ماں کو خنجر سے مار کر اس کا کلیجہ نکال لیا اور پلیٹ میں رکھ کر محبوبہ کے دولت کدے کی جانب چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اسے ٹھوکر لگی اور وہ طشتری سمیت زمین پر گر گیا۔ اس نے زمین سے اٹھ کر کلیجے کو طشتری میں رکھا تو اسے ماں کے کلیجے سے آواز آئی "بیٹا چوٹ تو نہیں لگی" اللہ اکبر۔یہ ہے ماں کی ممتا اپنی اولاد کیلئے اور ایسی بہت سی مثالوں سے دنیا

کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ ماں کوکھ میں رکھنے سے جنم دینے تک اور پھر اس کی پرورش سے لیکر جوانی تک اولاد کیلئے ہزاروں صعوبتیں برداشت کرتی ہے اور کوئی بھی شخص دنیا وآخرت میں ماں کی ایک دن کی پرورش اور تکلیف کا قرض ادا نہیں کرسکتا۔ وہ ہستی ہے جو اولاد کی ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی حتی کہ ایک کانٹے کی نوک اور سلی پھانس) کے چھبنے پر بھی تڑپ اٹھتی ہے۔ گرمی و سردی کی پرواہ کئے بغیر اپنا حسن و شباب جوانی اپنی اولاد پر نثار کردیتی ہے۔

اسی طرح باپ کی اولاد سے محبت کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک باپ اپنی اولاد کی خاطر شب و روز کمانے میں گزار دیتا ہے۔ اپنی خوشیاں، راحتیں، اپنی جوانی کو اولاد کیلئے اچھا مستقبل دینے کی تگ و دو میں جھونک دیتا ہے۔ بسا اوقات اپنی اولاد کی خاطر نفع و نقصان کی پرواہ کئے بغیر دنیا سے ٹکرا جاتا ہے اس کی ذرا سی تکلیف پر باپ اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوجاتا ہے اگر کوئی اولاد کو انگلی بھی ٹچ کردے تو اسکی جان لینے پر اتارو ہوجاتا ہے اور اسکی اکثر مثالیں کتاب دنیا کی صفحات کی زینت بن چکی ہیں کہ بچوں کی آپس کی لڑائی میں خاندان کے خاندان صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں،اولاد کی محبت میں جائز و ناجائز کو پرکھے بنا والدین نجانے کیا کچھ کرنے پر تیار ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے حقیقی جذبہ ہے بناوٹ و تصنع سے پاک احساسات صرف والدین

ہی سے منسوب ہوتے ہیں

اوپر نذر خدمت کی گئی مثالیں یقینا شاہکار مثل ہیں مگر ان کو بیان کرنے کا مقصد انہی والدین کا دوسرا رخ دکھانا اور ڈسکس کرنا ہے جب یہی خلوص و وفا کے پیکر، ممتا اور پدرانہ محبت و شفقت کے مجسم کیوں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لخت جگر کو کاٹ ڈالتے ہیں؟ کیا مجبوری آڑے آتی ہے کہ فاختہ دل رکھنے والہ باپ ایک جنگلی بھیڑیے کے روپ میں اپنی ہی اولاد کو چیڑ پھاڑ کر رکھ دیتا ہے؟ کیوں ایک تعلیم یافتہ شخص ایک سکول ٹیچر اپنے چار جگر گوشوں کو ان کی ماں سمیت کاٹ ڈالتا ہے اور پھر خود بھی خود کشی کرلیتا ہے؟ کیوں ایک ملازمت پیشہ شخص اپنے تین بچوں کو موت کی نیند سلادیتا ہے؟ کیوں ایک ماں کسی ایک شخص کی جھوٹی محبت کی بھینٹ چڑھ کر اپنے معصوم بچوں کو زہر دے کر مار ڈالتی ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ دولت کی چمک اور دنیاوی ہوس اس ممتا کی پاسدار ماں کو اندھا کردیتی ہے اور اپنے بچوں کو ایسے سفر پر روانہ کردیتی ہے کہ جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی ہے۔

دراصل یہ ہمارے سماجی اور معاشرتی رویے ہیں۔ غیر منصفانہ تقسیم کا عمل ہے کہ کہیں پر کتے مکھن اور مربے کھارہے ہوتے ہیں اور کہیں پر انسان کتوں کے ساتھ کھانے پر مجبور ہوجاتا ہے وہ اتنا بے بس و بے کس ہوجاتا ہے کہ اس کی

عقل ماوف ہو جاتی ہے صحیح و غلط کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ہو جاتا ہے کہ آسمان دنگ رہ جاتا ہے زمین بے کل ہو جاتی ہے کہ جب ایک باپ اپنی بے بسی کو، دنیا کی بے ثباتی کو، حکمرانوں کی بے حسی کو خراج اور بھینٹ دینے کی غرض سے اپنی بے گناہ اولاد کو اور خود کو موت کے سپرد کر دیتا ہے کیونکہ اس کا ہاتھ ان گریبانوں تک نہیں پہنچ پاتا پس اپنی گردن میں پھندا ڈال کر لٹکالیتا ہے۔اس کا شعور لاشعوری کے تحت بے شعوری کی منازل طے کر جاتا ہے اور وہی والد یا والدہ ایک ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں کہ جس سے معاشرہ براہ راست شدید متاثر ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور حکمرانوں کو ایسے واقعات کے سدباب کیلئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل بنانا چاہئے کہ کم از کم کئی والد یا والدہ اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہ کریں۔یہ سب مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں بس توجہ اور اخلاص کی ضرورت ہے۔

نیا پولیس آرڈیننس اور ڈی پی اوز

جیسے ہی ہم ڈی پی او آفس لودہراں میں داخل ہوئے آفس کے سامنے شامیانہ لگا ہوا دیکھا جو کہ ایک نئی بات اور تبدیلی تھی کیونکہ اس سے قبل وہاں شامیانہ نہیں ہوتا تھا۔ وہاں کرسیاں رکھی ہوئیں تھیں اور کچھ خواتین و مرد حضرات بھی موجود تھے۔ اور ایک پولیس والہ ان کو پانی پلا رہا تھا۔ پہلی نظر میں یہ محسوس ہوا کہ شاید کوئی پروگرام ارینج کیا گیا ہے۔ وہاں پر موجود ایک اہلکار سے اس بابت معلوم کیا تو جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ ڈی پی او ڈاکٹر انعام وحید نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ ہر آنے والے سائل کو اگر انتظار کرنا پڑے تو اس کے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ موجود ہو اور یہاں جتنے بھی سائل آئیں انہیں لازمی طور پر ٹھنڈا پانی پیش کیا جائے۔ اس مثبت تاثر کے ساتھ ڈی پی او کے دفتر میں ملاقات کیلئے داخل ہوئے تو وہاں کا ماحول دیکھ کر بھی ایک خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا کہ ڈی پی او ٹیبل کے گرد موجود مخصوص کرسیوں پر چند سائل موصوف کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ یہ کرسیاں سابقہ روایات کے مطابق صرف اور صرف معززین، پولیس افسران اور صحافی حضرات کیلئے مخصوص تھیں۔ سائل یا تو کھڑے کھڑے اپنے مسائل سنا کر چلے جاتے تھے یا پھر انہیں دیوار کے ساتھ لگی چند کرسیوں پر بٹھا دیا جاتا تھا۔ آج ان مخصوص کرسیوں پر عام سائلان کو دیکھ کر

عجیب سے تحفظ کا احساس ہوا۔ سائلوں کے جانے کے بعد ڈی پی او ڈاکٹر انعام وحید سے رسمی بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے بھی روایتی انداز میں بات کرتے ہوئے اپنے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تھانہ کلچر کا خاتمہ کردیا جائیگا۔ سائل کو انصاف ملے گا میرٹ پر فیصلے ہونگے۔ مظلوم کی داد رسی کی جائے گی۔ پولیس کا قبلہ درست کرونگا۔ کالی بھیڑوں اور ٹاوٹ مافیا کا خاتمہ کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

یونین آف جرنلسٹ کہروڑپکا کے وفد سے گفتگو کے دوران ڈاکٹر انعام وحید نے جو قابل ذکر باتیں کیں اور جسے روایات سے ہٹ کر محسوس کیا ان میں نئے لاگو ہونے والے پنجاب پولیس آرڈیننس 2013 کے مسودے کی جھلک نمایاں حد تک نظر آئی اور اگر واقعی یہ آرڈیننس منظور ہو کر لاگو کر دیا جاتا ہے تو واقعی انقلاب ہوگا اور عوام دوستی کا سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ہوگا۔ انہوں نے لودھراں پولیس کے حوالے سے اس بات کا احاطہ کرتے ہوئے یقین دلایا کہ پولیس بنیادی فرائض ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کی پابندی کریگی۔ شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ساتھ زیر حراست افراد کو ان کے حقوق اور سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔ پولیس کو اس بات کا سختی سے پابند کردیا ہے کہ بغیر ثبوت کے کسی شخص کو گرفتار نہ کیا جائے حتی کہ ایف آئی آر چاک ہونے کے باوجود ثبوت اکٹھا کرنے پر ہی مطلوبہ شخص کو گرفتار کیا جائے۔ یعنی فارن

پولیس کے طرز پر پولیسنگ کو اپلائی کرنے پر توانائی صرف کرنے کا ارادہ ہے اور اس میں یقینا عوام کو بہت زیادہ ریلیف اور فائدہ ہوگا۔ٹرانسفر، معطلی اور تقرری کے معاملات کو از سر نو دیکھا جائے گا۔تبادلوں کا عمل کانسٹیبل اور ہیڈ کانسٹیبل سے شروع کیا جائے گا کیونکہ اکثر اہلکار عرصہ دراز سے ایک ہی جگہ تعینات رہنے کی وجہ سے بہت سے معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں جس سے شفافیت داغدار ہوتی ہے۔کانسٹیبل سے لیکر ایس ایچ او تک کی لسٹیں تیار ہو چکی ہیں اور کوشش کی جارہی ہے کہ تین مرتبہ سے زائد کوئی ایس ایچ او کسی شہر تحصیل یا تھانے میں تعینات نہ ہونے پائے۔اکثر ایس ایچ اوز اپنی من مرضی کے تھانے میں تعینات ہونے کیلئے سر گرم ہیں لیکن میری تعیناتی پالیسی ذرا ہٹ کر ہوگی۔

میڈیا پروٹوکول کے حوالے سے ایک نئی اور دلچسپ بات دیکھنے کو ملی وہ یہ کہ اخبارات کی کٹنگز کے ساتھ ہی ان پر ریمارکس اور انسٹرکشن دی گئی تھیں اور immediate ایکشن کی ہدایات تھیں ایک مثال اسی وقت روبہ عمل ہوئی کہ ایک کانسٹیبل کے خلاف ایک درخواست آئی ۔خبر کی کٹنگ بھی موجود تھی۔ڈی پی او نے اسے فوری طور پر معطل کر دیا اور ضابطہ کی کارروائی عمل میں لائی گئی۔اس کے ساتھ کوئی محکمانہ رورعایت نہ برتی گئی۔پی آر او ڈیپارٹمنٹ کو موثر بنانے کیلئے ہدایات تھیں کہ جن feedback اخبارات میں خبر شائع ہوئی انہیں بھی

مطلع کیا گیا کہ آپ کی لگائی ہوئی خبر حقیقت پر مبنی تھی اور متعلقہ ملزم اہلکار کے خلاف
تندہی کے ساتھ فیڈ بیک دینے میں کسی غفلت PRO کارروائی عمل میں لائی جاچکی ہے۔
کا مظاہرہ نہیں کرتا اور چند دوستوں سے اس کی تصدیق بھی ہوئی۔ یہ بھی ایک مثبت
اقدام ہے جس کی وجہ سے عوام اور پولیس کے مابین اعتماد و یقین کی فضا قائم ہوگی۔
صحافیوں اور پولیس کے درمیان کوآرڈینیشن مضبوط ہوگی اور عوام کو انصاف سستا
تیزاور میرٹ پر ملے گا۔ان کی یہ خواہش بھی قابل تقلید ہے کہ وہ میڈیا کو اپنے دست،
و بازو اور آنکھیں بنا کر محکمے میں موجود کالی بھیڑوں کی منظر عام پر لانے کا عزم مصمم
رکھتے ہیں اس سے بھی یقیناً محکمے میں سدھار آئیگا روایتی تھانہ کلچر کہ جہاں شریف آدمی
جاتے ہوئے ڈرتا ہے اور ہر بدقماش اور مجرم کو کرسی پیش کی جاتی ہے ،کا بھی قلع قمع
ہوجائیگا۔

ہے کہ نئے پنجاب پولیس smell جیسا کہ اوپر عرض بھی کیا جاچکا ہے کہ یہ اس بات کی
آرڈیننس 2013 پر پنجاب حکومت بالخصوص وزیر اعلی پنجاب سختی سے عمل کرانے کے
خواہاں ہیں جس کی جھلک لودہراں ڈی پی او آفس اور خود موصوف کی باتوں اور کاموں
سے محسوس ہوئی۔ نئے مسودے میں پولیس آفیسرز کو ہائر اینڈ فائر کے اختیارات دیئے
جانے کا حوالہ قابل ستائش ہے جس کی بنا پر اہلکاروں کو اپنے دائرے اور حدود میں
ملے گا۔ پولیس ایکٹ میں edge رکھنے کا بہت بڑا

شق رکھی گئی ہے solid ملازمین کو مزید ڈیوٹی فل اور کارآمد بنانے کیلئے ایک نہایت ہی کہ پولیس اہلکار کسی بدعنوانی یا کسی اور الزام کی بناپر برخاست کردیا گیا تو اس کو واپس محکمے میں کسی صورت نہ لیا جائیگا خواہ وہ اس سلسلہ میں ہونے والی فوجداری کارروائی میں عدالت سے بری ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح پولیس اور عوام کے مابین تعلقات خوشگوار اور بہتر بنانے کیلئے ڈسٹرکٹ کریمنل جسٹس کمیٹی، ڈسٹرکٹ پولیس کونسل، کمیونٹی پولیسنگ اور سٹیزن پولیس لائزان کمیٹی کو قائم کرنے کی دفعات بھی اس نئے شہریوں کے تعاون سے CPLC بنائے جانیوالے مسودہ میں شامل کی جارہی ہیں۔ petty شہریوں پر مشتمل شہریوں کی فلاح کیلئے بنائی جانیوالی کمیٹی کو بھی فعال کرنے سے معاملات، جن کی وجہ سے پولیس عموماً الجھی رہتی ہے، کو حل کرنے میں بڑی حد تک مدد مل سکے گی۔ اس کمیٹی کو آپریشنل کرنے سے بھی پولیس اور عوام میں موجود خلیج کو کم کرکے کوآرڈینیشن کی فضا کو بہتر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اور دفعات بھی ہیں جو کہ محکمانہ معاملات کے حوالے سے ترامیم کرکے نافذالعمل کی جانے سے پولیس کے رویوں میں سدھار لایا جاسکتا ہے۔ بس ڈاکٹر انعام وحید کی طرح اور نئے آرڈیننس کو موثر و مفید بنانے کیلئے تمام ڈی پی اوز اپنے روایتی انداز واطوار چھوڑ کر اور کلچر کی تبدیلی کو سامنے رکھتے ہوئے کام کریں تو ایسا کوئی امر مانع نہیں devotion کہ پولیسنگ عوام دوست نہ بن سکے۔

قدرتی آفات سے سبق لیا جائے

چین میں 1950 میں ''ہوائی''ندی پر پینکیاؤ ڈیم بنایا گیا 1970 میں زبردست سیلاب آیا اور ڈیم ٹوٹ گیا۔پانی کے ریلے نے جہاں بے بہا املاک کو نقصان پہنچایا وہاں تقریباایک لاکھ ستر ہزار انسانی جانوں کی بھینٹ بھی لی۔لیکن چین نے قدرت کے اس اشارے کو نہ سمجھا اس پر سوچ و بچار نہ کیا ڈیم کو دوبارہ تعمیر کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ اور بھی بند بنائے گئے تاکہ ڈیم کو مضبوطی دی جاسکے لیکن سیلاب کو کسی طور نہ روکا جاسکا اس بات کو نہ سمجھ کر چین تقریبا 40 سال تک ان مسائل کا شکار رہا اور آج بھی وہ سیلاب کا سب سے زیادہ متاثرہ ہے۔چائنا کے دگرگوں حالات کو دیکھتے ہوئے ایشین ڈویلپمنٹ بنک نے مشورہ دیا کہ اب لوگوں کو اس قدرتی آفت سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ سیلاب کے ساتھ سیلاب کے ماحول میں زندہ رنے کے طریق کار وضع کئے جائیں اس نے مشورہ دیا کہ عوام الناس اور حکومت کو چاہئے چونکہ سیلابوں پر پوری طرح سے قابو پانا ناممکن ہے کو اور عوام کو بھی سیلاب کے ممکنہ خدشات و نقصانات کو سمجھنا چاہئے مزید یہ کہ سیلاب کے نقصانات کے ساتھ ساتھ فوائد بھی سامنے آتے ہیں جیسے کہ زمین کی زرخیزی میں بہتری،پیداوار میں اضافہ،پانی کی سطح کا اوپر آجانا،ندی اور نہروں کے کناروں میں سدھار اور ان سے ملنے والی غذاؤں اور دیگر اشیا بھی

شامل ہیں۔

ماضی میں کیا ہوتا تھا کہ سیلاب کے اتر جانے کے بعد بیج چھڑک دیئے جاتے تھے اور بغیر کوئی خاص محنت و مشقت کے فصلیں تیار ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ سیلاب کی وجہ سے پانی کی سطح متوازن ہو کر سینچائی کی حامل زرعی اراضی کو وسیع سے وسیع تر بنا دیتی تھی۔

چنانچہ ایشین بنک نے ہدایت کی کہ ان فوائد پر توجہ مرکوز کی جائے بجائے اس کے کہ ڈیم اور بیراج تعمیر کرکے قدرت سے ''پنگا'' لیا جائے بلکہ حسن فطرت کے ساتھ جینے کی کوشش کیجائے۔ قدرتی تباہی سے عبرت لے کر ہم اپنی مرضی سے قانون فطرت کے مطابق طرز زندگی اپنا سکتے ہیں یا پھر قدرت کی مار کھا کر دکھ اٹھاتے رہیں تاوقتیکہ عین فطرت کے ماحول میں جینا سیکھ لیں جو کہ ایک نہایت مشکل کھٹن اور صبر آزما کام ہے۔ اس کی مثال پاکستان میں بھی موجود ہے جو کہ ہمارے پہاڑی علاقوں ڈویلپمنٹ کے نام پر تبدیلی کی جارہی ہے جس کے فطرت کے کام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش بھی کہا جاسکتا ہے لیکن میں یہاں کیدارناتھ (انڈیا) کی مثال دینا چاہوں گا کہ کیدارناتھ میں ہونے والی تباہی میں انسان کا کسقدر عمل دخل اور ہاتھ ہے اس کو سمجھنے کیلئے یہ دیکھنا ہوگا کہ کس طرح انسان نے فطرت کو غیر فطری انداز میں استعمال کرنے کی کوشش اور خواہش کی ماحولیات کے بنیادی اصولوں کو چھیڑنے کی کوشش کی۔ سیاحوں نے ہیلی کاپٹرز کا بے دریغ استعمال کیا۔ فائیو

سٹار ہوٹلنگ کی طرز پر ہوٹلنگ شروع کردی گی ۔ وہاں سڑکیں بنانے کیلئے، ہائیڈرو الیکٹرک پاور ہاؤس کے منصوبے اور ڈویلپمنٹ کے کام میں بھاری مقدار میں ڈائنامائیٹ کا استعمال کیا گیا۔ درختوں کو نقصان پہنچایا گیا اور وہی ہوا کہ بادل پھٹ گئے اور ان کے پھٹتے ہی بارشوں کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع ہوا کہ درخت سجدہ ریز ہوگئے۔ مٹی بہنے لگی بہاؤ تیز ہوا اور پھر راستے میں آنے والے تمام مکانات دکانات سڑکیں اور پل ملیامیٹ ہوگئے۔

ماہر معاشیات کے مطابق تکنیکس اور صنعتی پیداوار کی وجہ سے قدیم وسائل کا قتل ہو جاتا ہے جیسے کہ موٹر کار کی وجہ سے گھوڑا گاڑی بنانے والے لوہاروں کا کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ موبائل فون اور ایس ایم ایس کی وجہ سے ٹیلی فون اور خط وکتابت کے محکمے تنزلی کا شکار ہوگئے ہیں لیکن ان کے مطابق بھی تخلیقی تباہی نئی سمتوں میں ترقی کے نئے راستے کھولتی ہے ہمیں نئی جہت پر اپنی توجہ مرکوز کرنا ہوگی ہمیں پہاڑی علاقوں میں ان عصری سہولیات پر پابندی لگانا ہوگی ان علاقوں میں ہیلی کاپٹرز کا استعمال، فائیو سٹار ہوٹلنگ سے ماحولیاتی دباؤ بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے وارمنگ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پھر گلیشیئرز کے پگھلنے کی رفتار تیزی پکڑتی ہے اس لئے اس پر کسی حد تک پابندی لگانا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں ڈویلپمنٹ ماڈل ہائیڈروالیکٹرک پاور اور مینو فیکچرنگ کو اس طرح سے فطرتی اور قدرتی انداز استعمال کرنا ہوگا کہ ندی کی بندش سے بجلی پیدا کی جاسکے اور اسے صنعتوں میں استعمال کیا جاسکے۔'' نا نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی ''کے مصداق بڑے بڑے ڈیم بنانے کی بجائے ندی نالوں پر اس طرح سے کی جائے کہ بغیر کوئی اضافی خرچ اور طویل مدتی منصوبے کے جتنی ممکن ہوسکے بجلی مقامی طور پر جنریٹ کی جائے اور اسے استعمال میں لا کر ملک و قوم کو ترقی و خوشحالی اور لوڈشیڈنگ کے عذاب سے بچایا جاسکے۔ کیونکہ قدرتی آفات اور سیلاب و زلزلے آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے پس جو معاشرہ ان قدرتی آفات اور افتادوں سے سبق لے کر اپنا راستہ تبدیل کریگا یا کرلیتا ہے وہ اگلے مرحلے میں اس عمل کے ذریعے عروج وترقی کی منازل طے کرتا جاتا ہے اور جو معاشرہ پاکستانی قوم اور گورنمنٹ کی طرح طرز کہن پر اڑا رہتا ہے وہ نیست و نابود اور تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے ابھی تک اسے کچھ نہیں سیکھا کالا باغ اور پیلا باغ کے چکر میں پڑ کر قوم کو اندھیروں میں دھکیل رہے ہیں اور سیلابوں میں ڈبو رہے ہیں اور چین کی بانسری بجا رہے ہیں کہ ہم نظام بدلنے نکلنے ہیں۔

مون سون کا ہونے والہ سلسلہ پھر سے پاکستانی قوم بالخصوص نشیبی علاقے کے لوگوں کو ڈبونے کیلئے آنیوالا ہے توجناب براہ مہربانی لہٰذا اس طرف توجہ دیں

اور مستقبل کو بہتر اور محفوظ بنانے کا کارآمد راستہ تلاش کریں اسی میں سب کی بھلائی

ہے۔

جب بلی کو دودھ کی رکھوالی دی جائے

اگر کوئی شخص بجلی کی ترسیل و تقسیم میں مداخلت یا چھیڑ چھاڑ کرے گا تو اسے تین سال قید یا ایک کروڑ جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ بجلی کی ترسیل و تقسیم کے نظام میں چھیڑ چھاڑ اور مداخلت کرنے پر دو سال قید یا تیس لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔ گھریلو میٹر کی ٹمپرنگ پر ایک سال قید یا دس لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ صنعتی و کمرشل میٹر کی ٹمپرنگ پر تین سال قید یا ساٹھ لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں اور زرعی میٹر کی ٹمپرنگ پر دوسال قید یا پچیس لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں روبہ عمل میں لائی جائیں گی۔ یہ مسودہ مشترکہ مفادات کی کونسل نے پیش کیااور جسے منظوری کے بعد نافذ العمل کیا جائے گا۔ اسی طرح میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان نے کہا ہے کہ سب سے پہلی ترجیح بجلی چوری کو روکنا ہے اور اس کا مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے یہاں پر تمام بڑے۔بڑے عہدوں پر کرپٹ موجود ہیں جنھوں نے اس نظام کو فیل کرنے کی ٹھان لی ہے ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔ بجلی و توانائی کے بحران کی وجہ سے مسائل اتنے گھمبیر ہو چکے ہیں کہ انہیں سمجھتے سمجھتے ہی دن آ گئے ہیں۔ پہلے تمام ایشوز کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ قوم سے خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن کہنے کو کچھ نہیں۔ کہنے کو کچھ تو ہونا چاہیے۔ مزید یہ

کہ بجلی کی طرح گیس چوری بھی منہ پھاڑے معیشت وانڈسٹری کو نگلنے کیلئے تیار کھڑی ہے۔ کاروبار زندگی مفلوج ہوگیا ہے۔ اقتصادیات اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے۔ ملک میں افراتفری اور بے یقینی کی کیفیت ہے

لوجی ! ملک پاکستان کے لوگو! اپنی گردنیں تیار کرلو۔ شکنجے کسے جارہے ہیں کیونکہ جیبیں تو پہلے ہی خالی ہوچکی ہیں۔ دینے دلانے کو کچھ بچا ہی نہیں۔ لے دے کے گردن ہی بچی ہے وہ بھی ''حکم حاکم'' پر پیش کرنے کو تیار کرلو کیونکہ جب وزیراعظم پاکستان نواز شریف خود فرمارہے ہیں کہ واپڈا میں تمام بڑے بڑے عہدوں پر کرپٹ افسران اور بیوروکریسی چھائی ہوئی ہے تو معلوم ہونے کے باوجود اور جانتے بوجھتے ہوئے ان کے خلاف ایکشن نہیں لیاجارہاہے صرف نشاندہی پر ہی اکتفا کیا جارہاہے۔ اور چونکہ فرمان قائد ہے اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے تو پھر یقینا شامت اعمال تو غریبوں کی ہی آنی ہے۔ بے رحم تلوار گردن غریب پر ہی چلنی ہے۔ اس لئے نظر جلاد میں بھی حلقوم غربا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ بجلی و گیس چوروں کے ساتھ ملے ہوئے عملے (اندر کے لوگ) اپنی روزی کا سلسلہ تو بند کرنے سے رہے اس لئے بجلی چور تو مستثنیٰ ہوگئے اور یہ بجلی و گیس چور وہ ہیں جو یقینا ہزاروں سے لیکر کروڑوں روپے کی بجلی و گیس چوری کررہے ہیں۔ محکمہ کا عملہ ان کا اس قدر فرمانبردار اور زیر بار ہے کہ وہ میٹرز اور کنکشنز تو ان کو دکھائی ہی نہیں پڑتے جہاں سے ہذا من فضل ربی

کانزول ہوتا ہے۔ لہٰذا رہ گئی غریب عوام کہ جن کے بل ہی سو ڈیڑھ سو روپے کے آتے ہیں اب ان پر لاکھوں اور کروڑوں کے جرمانے لگیں گے کیونکہ آخر تنخواہ بھی تو حلال ''کرنی ہے اس لئے ماضی کی طرح سارا ملبہ ایک بلب والے صارف کسی مسجد'' کسی جھونپڑی پر گرے گا اور بڑی مضحکہ خیز صورت حال سامنے آئیگی۔

میاں صاحب ! بجلی و گیس چوری جس طرح سے آپ کم کرنا روکنا یا پکڑنا چاہتے ہیں تو اس طرح بالکل بھی نہیں ہوتی۔ میٹنگز ہوتی رہی گی کمیٹیاں بنتی رہیں گی اور معاملہ جوں کا توں یعنی لاینحل رہے گا بلکہ گھمبیر ہوتا جائیگا۔ میاں صاحب ابھی تک آپ '' سمجھ ہی نہیں سکے'' کہ حالات کیا ہیں کہاں پر گڑبڑ ہے اسے کیسے دور کیا جاسکتا ہے تو خاک ہو جائیں گے ان کو خبر ہونے تک کے مصداق ہی معاملہ رہے گا اور یہ معاملہ کاغذات کی حد تک یااخبارات وچینلز کی زینت بنانا مقصود ہے تو ''لگے رہو منا بھائی''۔ اور اگر واقعی اس حل کرنا ہے تو سب سے پہلے کرپٹ عملے کو سدھارنا بلکہ سدھانا ہوگا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی ایک کالم نذر قارئین کرچکا ہوں کہ اگر صرف اور صرف عملے کے لوگوں کے میٹرز کوچیک کرلیاجائے تو تیس فیصد بجلی بچائی جاسکتی ہے اور یقیناً بڑھائی بھی جاسکتی ہے یہ بھی صرف چھوٹے ملازمین کی بات ہورہی ہے کہ جن کے میٹرز اول تو بند ہوتے ہیں اور اگر بالفرض محال چل رہے ہوں تو ان کی ریڈنگ ہی نہیں ہوتی فرضی یونٹس ڈال کر سو سے دو سو روپے کا بل بھیج دیا جاتا ہے حالانکہ

انہوں نے اپنے میٹرز سے پورے محلے کو ''مستفید'' کیا ہوتا ہے۔ فی گھر 1000 سے 2000 روپے وصول کر لیا جاتا ہے اور پھر ہیٹر چولہا، استری، اے سی، فریج اور سردیوں میں کمروں کو گرم کرنے کیلئے بجلی کے ہیٹرز کا بلا دریغ استعمال ملک و قوم کو تکلیف دینے کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔ بعینہٖ صورت گیس چوروں اور محکمہ کے لوگوں کی ہے کہ محکمہ سے ''وفاداری کا ثبوت'' دیتے ہوئے انہوں نے بہت سے ایسے کنکشنز چالو خرید کر گڑھا (kit) کر رکھے ہیں کہ جن کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ بازار سے کٹ لگا کر سروس (کنکشن) چالو کر دیا جاتا ہے اور پندرہ سے بیس ہزار روپے اینٹھ لئے جاتے ہیں۔ اب میٹر لگنے کا بھی انتظار نہیں کیا جاتا اور ''محکمے کی اجازت'' سے ڈائریکٹ لگا کر مزے لوٹے جا رہے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کیونکہ پوچھنے والا تو خود '' منہ کھائے اور آنکھ شرمائے'' کے فارمولے کے تحت چین کی بانسری بجا رہا ہے۔

میاں صاحب جب بلی کو دودھ کی رکھوالی پر مامور کر دیا جائے اور پھر یہ توقع رکھی جائے کو دودھ پورا ملے گا تو سوائے بیوقوفی کے اور کچھ نہیں۔ اس صورت میں کف افسوس ملنا از خود افسوس ناک ہے۔ اسی لئے جناب وزیر اعظم !سب سے پہلے کرپٹ افسران، کرپٹ اہلکاران، کرپٹ مافیا اور ٹاؤٹ مافیا کو لگام نہیں ڈالی جائے گی۔ یہ شتر بے مہار جب تک نکیل میں نہیں آئیں گے اس وقت تک آپ صرف ''سمجھتے سمجھتے'' ہی گورنمنٹ اور عوام کو بھینٹ چڑھا دینگے۔ اور معیشت، صنعت، تجارت،

کاروبار و دیگر شعبے اسی طرح تنزلی کا شکار رہ کر اپنی موت آپ مرجائیں گے
خدانخواستہ) لہٰذا زیادہ سوچئے بھی مت اور تدبر و فہم سے کام لیکر اس چھید رسیدہ)
ڈوبتی کشتی کو ساحل پر لانے کی کوشش کیجئے۔

جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ہم 21 ویں صدی میں پہنچ گئے ہیں ہمارا رہن سہن تبدیل ہوگیا لباس بدل گیا۔ طور اطوار بدل گئے مگر سوچ آج بھی وہی ہے۔ ذہنیت آج بھی زمانہ جاہلیت کو شرماتی ہے۔ چاہے دھوتی کرتے اور پاجامے کی جگہ پینٹ کوٹ اور جینز نے لے لی ہو۔ کچے مکانوں اور جھونپڑوں کی جگہ پر شکوہ اور بلند وبالا جدید عمارات بن چکی ہوں۔ بھلے انسان پاتال کے نیچے اور چاند و مریخ پر پہنچ گیا ہو۔ مگر آج بھی گھر سے باہر نکلنے والی عورت اکثر کم ظرف مردوں کو شکار ہی نظر آتی ہے۔ وہ اسے بھوکے بھیڑیے کی مانند للچائی ہوئی خباثت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ شہر شہر گلی کوچے چوراہے پر دن

دہاڑے اور رات کی تاریکی میں ریپ کی وارداتیں اور واقعات اس بات کی گاہی دیتے ہیں کہ اب بھی ماضی کی جو اقدار باقی تھیں ہ بھی جدیدیت کی آندھی می کہیں گم ہو چکی ہیں۔ معاشرے میں تبدیلی سے اخلاقی دباؤ ختم ہوگیا ہے۔ پس ترقی کی اڑان بھرنے والے ہم لوگوں نے عورت کو اس کے مقدس مقام سے محروم کردیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج بھی مرد حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور یہی وہ سوچ ہے کہ عورت کو ایک آئیٹم (شے) بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اشتہارات میں عورت کو پیش کرکے دلچسپی (attraction) کو فروغ دیا جارہا ہے۔ سگریٹ کی ایڈ ہو کہ موٹر سائیکل کی صابن کا اشتہار ہو کہ شیو کا سامان، کمپیوٹر کو متعارف کرانا ہو کہ گھڑی،

کی نمائش، فرنیچر کی بات ہو کہ گارمنٹس کا میلہ عورت کی نمائش کو لازمی جزو سمجھ لیا گیا ہے۔ رہی سہی کسر مغربیت کی تقلید اور فیشن کی بہتات نے پوری کردی ہے اور ان چند عورتوں کی وجہ سے معاشرے کی دوسری خواتین کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے کہ ماں بہن کا درجہ پانے والی عورت جو کہ رابعہ بصری، فاطمہ جناح مدر ٹریسا بن سکتی تھیں فیشن اور دولت کی ہوس نے اسے وینا ملک، سنی لیون ودیا بالن اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔

گذشتہ چند برسوں میں میڈیا کے ذریعے سے فحاشی کا جو طوفان بد تمیزی امڈ کر آیا ہے اس نے سماج اور روایات کی ساری قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے اور اس کی ساری ذمہ داری میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سے ہمارا ٹی وی اور فلم انڈسٹری نے جدیدیت کی آڑ لی ہے وہ اس قدر بے باک اور ننگا ہو گیا ہے کہ اکثر اوقات مردوں کو بھی اپنی نگاہیں شرم سے جھکانی اور چرانی پڑ جاتی ہیں۔ ٹی وی اور فلم نے ہمارے معاشرے کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ ہماری آج کی نسل بلا سوچے سمجھے مغرب اور انڈیا کی اندھی تقلید میں پاگل ہو رہی ہے۔ آج کا بچہ جسے کلمہ، آیات یا کوئی بھی اسلامی مواد یاد و ازبر ہونا چاہئے تھا وہ صبح اٹھ کر بے خیالی میں بھجن گا رہا ہوتا ہے یا پھر رام کو رام کرنے کی سعی کر رہا ہوتا ہے۔ اور والدین بجائے منع کرنے اور سمجھانے کے خوشی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں کہ ان کے سپوت نے کس قدر جلد اس

گھٹیا کلچر کو اپنالیا ہے۔ٹی وی جو کبھی معاشرے میں سدھار اور تربیت کے درس کے طور پر جانا جاتا تھا آج وہی ٹی وی فحاشی و بے باکی کو عام کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اور منبع ہے۔ ٹی وی چینلز پر چلنے والے بے شمار پروگرام اپنے اندر ننگا پن اور فحاشی سموئے ہوئے ہمارے معاشرے کو کھو کھلا کر رہے ہیں۔ کئی ملکی و غیر ملکی چینلز پر ریئلٹی شوز کے نام پر جس طرح عورت کی تذلیل کی جارہی ہے یا اسے جس انداز میں پیش کیا جارہا ہے اس سے نسل نو بالخصوص کچی عمر کے نوجوان (لڑکے اور لڑکیاں) بے راہ روی کا شکار ہورہی ہیں اور معاشرے کو ڈسٹرب کرنے کا اپنا رول پلے کررہی ہیں۔ اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو وہ کسر موبائل اور انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے اور یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ نئی نسل کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرنے میں سب سے زیادہ رول موبائل اور انٹرنیٹ کا ہے کہ جس میں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ بلاشبہ موبائل اور انٹرنیٹ نے انسان کو کمال عروج بھی بخشا۔ اسے عظمت کی بلندیوں پر بھی پہنچایا۔ مگر اس کے misuse نے انسانی اخلاقیات کا بھی بیڑہ غرق کردیا ہے۔ قصور ان کے صحیح اور پراپر استعمال کے بارے معلوم نہ ہونے کا ہے۔علاوہ ازیں سوشل سائٹس نے جہاں لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرایا وہیں اس نے بے راہ روی کو بھی فروغ بخشا۔ جس کی بنا پر لڑکیاں دوستی کی آڑ میں اپنی سب سے قیمتی شے بھی گنوا بیٹھتی ہے اور پھر اپنے ساتھ ساتھ ایک پوری کیمیونٹی کو متاثر کرنے کا موجب بنتی ہیں جو

کہ نہایت ہی خطرناک ہے

کلچر اس قدر رچ بس گیا ہے (Mall)آج کی ایلیٹ کلاس کی تو بات ہی نرالی ہے کہ مال کہ الامان۔ہر لڑکی مال کی دیوانی ہے وہ اچھے لباس خریدنا اور پہننا چاہتی ہے جدید اور مغربی لائف سٹائل اپنانا چاہتی ہے اس کیلئے کوئی بھی حد کراس کرنا چہ معنی دارد۔ اب ان کی دیکھا دیکھی مڈل کلاس کے دل میں بھی یہ سب کرنے کا خیال انگڑائی لیتا ہے مگر پیسے کی کمی آڑے آتی ہے پھر شارٹ کٹس تلاش کئے جاتے ہیں حتی کہ تحصیل علم کیلئے ہوسٹلز میں رہنے والی طالبات بھی اس کا شکار ہوتی دکھائی دیتی ہیں اس قسم کی اکثر لڑکیاں کم وقت میں زیادہ کمانے کی خاطر بدترین اور گھناؤنے راہ کی مسافر بن جاتی ہیں اور پھر ان کا واپس لوٹنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نسل اسی راہ پر چل پڑی ہے یہی ڈگرا پنا رہی ہے۔ مگر افسوس انہیں نہیں معلوم کہ یہ سب بڑے طبقے اپر کلاس)کے مشاغل ہیں ان کیلئے سب جائز ہے کیونکہ ہمارے معاشرے کی فارمیشن (بناوٹ) اس قسم کی ہے کہ جہاں امیر کا ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے جہاں امیر کا ہر قابل (مذمت فعل بھی قابل تحسین ہوتا ہے اور اسے فیشن یا ماڈرن ازم کا نام دیا جاتا ہے جبکہ غریب اور عام عوام میں بے گناہ بھی گناہگار کے زمرے میں آتا ہے ان کی نیکی بھی ان کیلئے سزا بن جاتی ہے۔ ارباب اختیار و ارباب اقتدار، ٹی وی مالکان ہوں یا کہ اینکرز انہیں بھی چاہئے کہ بطور مسلمان اور

پاکستانی کے اپنی حدود و قیود میں رہیں۔ اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ریٹنگ بڑھانے کے چکر میں جائز و ناجائز صحیح و غلط کو ملحوظ خاطر رکھیں اور ایسے نہ بنیں کہ بقول اقبال ؂ جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔

خستہ حال عمارات.....زبوں حال مکین

کوئی بھی ذی ہوش ذی روح اپنے منہ سے موت نہیں مانگتا اور نہ ہی خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا پسند کرتا ہے کوئی مسئلہ کوئی مصیبت یا پھر کوئی ایسی مجبوری آڑے آتی ہے کہ وہ اس پر فریب زندگی اور دنیا کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے یا اپنے آپ کو حالات کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ بارشوں کی وجہ سے آئے روز کسی نہ کسی مکان کی چھت یا دیوار گرنے سے انسانی جانوں کے ضیاع کی خبریں اخبارات اور چینلز پر چھپی اور لکھی دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں پر دو کہیں چار اور کہیں سات افراد جن میں بچے اور خواتین بھی شامل ہوتی ہیں لقمہ اجل بن جاتے ہیں اور پھر حکومت کی طرف سے کوئی تعزیتی بیان داغ کر اپنے فرائض کو ادا کر لیا جاتا ہے اور اب ملتان میں موجود585 انتہائی خستہ حال ،خطرناک اور بوسیدہ عمارات میں سے کو گرانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ڈی سی او ملتان نے ٹاؤن انتظامیہ کو آرڈر کیا 116 ہے کہ ان 116 تباہ حال عمارتوں کے مالکان کو 15 اگست تک اپنی اپنی عمارتیں گرانے کے نوٹسز جاری کر دیے جائیں کہ وہ اپنی عمارتوں کو اپنی مدد آپ کے تحت رضاکارانہ طور پر مسمار کر دیں۔ ڈیڈ لائن گزر جانے کے بعد ضلعی حکومت خود ان عمارات کو مسمار کر دے گی اور ٹھیکیداروں کے ذریعے انکو گرانے پر جو خرچہ آئے گا وہ ملبہ کو فروخت کر کے پورا کیا جائے گا اور اگر ملبہ سے

خرچہ پورا نہ ہوا تو اس قطعہ اراضی پر قبضہ کرلیا جائے گا۔ یہ فیصلہ عوام اور مکینوں کے مفاد میں کیا گیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا عمدہ پلاننگ کی ہے جناب ڈی سی او گلزار حسین شاہ اور ان کے آفیسران نے کہ ''جوتا بھی عوام کا اور سر بھی عوام کا''۔ڈی سی او صاحب آپ نے فیصلہ یقینا بڑی سمجھداری اور سوچ و بچار کے بعد کیا ہوگا۔جس سے انسانی جانوں کو بچانا مقصود ہوگا تو دوسری طرف'' ایک تیر سے دو شکار'' کے مترادف اپنے دامن کو بھی داغدار ہونے سے بچانے کا محفوظ انداز بھی دکھائی دیتا ہے۔ کہ کل کلاں کو اگر کوئی عمارت منہدم ہوجاتی ہے اور انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں تو ذمہ داری تو ڈی سی او پر آئیگی نا۔اس لئے'' سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی سلامت رہے'' والا معاملہ اپنا کر نہایت ہی عقلمندی کی ہے۔ڈی سی او صاحب آپ نے ان عمارتوں کا سروے تو لازمی کرایا ہوگا عمارتوں کی تباہ حالی خستہ سالی دیکھ کر فیصلہ کیا ہوگا۔ لیکن کیا بھی جاننے کی کوشش کی کہ کیوں؟آخر کیوں یہ لوگ ان موت کے دہانوں پر اپنے خاندانوں سمیت بیٹھے ہیں۔کیا عمارتوں کی طرح ان کی خستہ حالی اور زبوں حالی دکھائی نہیں دیتی؟ کیا آپ نے یہ سروے بھی کروایا کہ کیوں یہ لوگ ان عمارتوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ کوئی تو ایسی مجبوریاں اور مسائل ہونگے کہ اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی داؤ پر لگا رکھی ہے۔ نہیں نا! چونکہ ہمارے ہاتھ سانپ گزرنے کے بعد

لکیر پیٹنے کی روایت شد ومد کے ساتھ موجود ہے اور اس پر'' سختی سے عمل پیرا'' بھی ہیں۔ اس لئے جب خدانخواستہ ان خاندانوں میں سے کوئی ایک خاندان یا اس کا کوئی فرد یا افراد ان خوفناک اور خستہ حال عمارتوں کی بھینٹ چڑھے گا تو ہماری حکومت اور ارباب اختیار واقتدار فوٹو سیشن کروانے اور چینلز کی زینت بننے کیلئے مرنے والے کیلئے لاکھ دولاکھ پانچ لاکھ روپے کی مالی امداد کا اعلان کردیں گے۔ مرنے والا تو مر گیا اب لواحقین اور وارثان کوچیک دینے کے اعلانات کے بعد بھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ چیک کیش ہی نہیں ہوتا باؤنس ہوجاتا ہے یا پھر ہدایات کے مطابق کل آنے کا کہہ کر لواحقین کے جوتے گھسا دیئے جاتے ہیں وہ کل کے چکر میں اپنے روزمرہ کے کاموں اور معمولات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ عجب مذاق ہے۔

او میرے بھائی !اگر آپ واقعی مخلص ہیں اور ان کی جانوں کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر سروے کرنے کے بعد یہ دیکھیں کہ ان میں سے کتنے کرایہ دار ہیں اور کتنے مالکان؟ اب کرایہ داروں سے بلڈنگ خالی کرانے کا کوئی مسئلہ نہیں کہ وہ کسی اور جگہ پر عمارت کرایہ پر لے کر اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ لیکن اگر مالکان خود رہائش پذیر ہیں اور وہ نہیں کرواسکتا تو وہ لاکھوں روپے جو بلڈنگ (maintinance) بلڈنگ کی دیکھ ریکھ تلے دب کر مرنے کے بعد ان کے لواحقین کو دیئے جانے ہیں اب ان کی امداد کرکے ان کی زندگیوں کو بچایا جاسکتا ہے اور

ان کی چھت بھی سروں پر قائم رکھی جا سکتی ہے ۔ عوام کو تحفظ اور امداد کا ایک باقاعدہ نظام بنا کر خود کو ٹینشن فری کیا جاسکتا ہے اور ان غریب زبوں حالوں کی خستہ سال عمارتوں کو مرمت کرانے یا پھر گروانے کا موقع بھی بہتر انداز میں مہیا کیا جاسکتا ہے۔ یہ یقینا ایک نیا انداز نیا کام ہوگا جو کہ لائق تحسین ہوگااور یہ بے بس و نادار لوگ آپ کو دعادیں گے اور کسی مجبور و بے کس کی دعا قبولیت کے شرف کو بہت جلد پہنچتی ہے۔ اس میں آپکا کچھ نہیں جانا۔ تمام سروے ہوچکا صرف تھوڑا سا انداز بدلئے کہ کون کون کرایہ دار ہیں اور کون کون مالکان۔ کون کس حیثیت میں ہے۔ آیا کہ وہ اتنی سکت رکھتا ہے کہ سروں پر سایہ کرنے والی سرد گرم موسم میں پناہ دینے والی چھت کو گروا کر بنواسکے۔ اس کے خطرناک اور غیر محفوظ حصوں کو مرمت کرواسکے یا پھراوپر کی منزلوں کو اتروا کر وزن ہلکا کراسکے۔ یہ ساری معلومات آپ باآسانی حاصل کرکے اس نیک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اپنی عاقبت اور ان کی محفوظ دنیا کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔

اور اگر واقعی گرانے پر مصر ہیں تو پھر یقینا ان کے گرانے اور ملبہ اٹھوانے پر اتنی لاگت آئے گی کہ آپ کو انکی زمین پر قبضہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ اکثریت اس قابل بھی نہیں کہ مرمت کرواسکے کجا کہ وہ اسے مسمار کرنے پر اخراجات کریں۔اور پھر ،ہر روز ایک نئی کہانی نیا ڈرامہ، رونا پیٹنا

احتجاج، بددعائیں یہ سب آپ کو بھگتنا پڑیگا اور یہ بھی بہرحال آسان نہیں ہوگا بہت سی کرنا پڑے گا۔ لہٰذا برادرانہ مشورہ ہے کہ ان face قباحتیں حائل رکاوٹیں کو بھی بلڈنگز کو گرانے سے پہلے ان کے مالکان سے مل بیٹھ کر اس کا کوئی قابل عمل حل نکال کر حکومت کے تعاون اور مدد سے پایہ تکمیل کو پہنچایا جائے تاکہ اس پر فتن دور میں یہ تباہ حال اور خستہ سال لوگ اپنی زندگی کو کم از کم سکون سے گزار سکیں۔

دہشت گردی..... ہتھیلی پر سرسوں جمانا ہوگا

پولیس والوں کے بارے میں بہت سے لطائف اور تنقید زبان زد عام ہے۔ ایک مشہور لطفیہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت کسی گاڑی میں سفر کر رہی تھی کہ ایک مقام پر رش کی وجہ سے گاڑی رک گئی۔ کچھ دیر بعد بوڑھی عورت نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا کہ گاڑی کیوں نہیں چلاتے؟ اور یہ کیا رش لگا ہوا ہے؟ کچھ دیر بعد کسی نے بتایا کہ اماں ایک ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور ایک پولیس والا گاڑی کے نیچے آکر مرگیا ہے۔ تو اماں بی نے ایک لمبی سانس لی اور کہا، اچھا۔ ٹھیک ہے، میں سمجھی کوئی بندہ مرگیا ہے۔ پولیس پر اس قسم کے لطائف اور تنقید ہر دوسرے شخص نے اپنا مقصد اور معمول زندگی بنالیا ہے۔ ان کی فرائض کی ادائیگی پر اعتراض، ان کے رویوں پر اعتراض، ان کے رہن سہن پر اعتراض، ان کے اچھے کاموں اور کارناموں پر اعتراض، ان کے لین دین پر اعتراض ہمارا اولین شعار بن گیا ہے لیکن کبھی کسی نے ان کے کارناموں ان کی قربانیوں کو نہیں سراہا۔ بحثیت انسان اگر ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہمیں بھی اپنے آپ سے کراہت محسوس ہوگی اور ہونی بھی چاہئے کہ ہم بھی تو اپنے فرائض ادا کرنے میں کس قدر لاپرواہ اور بد دیانت ہیں۔ اپنے جائز و ناجائز کام کیلئے ہم تمام اخلاقی حدیں پھلانگ جاتے ہیں۔ اثر و رسوخ اور روپے پیسے کا استعمال کرکے مستحق کو غیر مستحق کا درجہ دے دیتے ہیں اور ایک نااہل اور غیر مستحق کو اپنے سر پر بٹھا لیتے ہیں اور پھر پوری زندگی حسب معمول

روتے پیٹتے گزار دیتے ہیں۔آج کا کالم ان تمام شہدائے پولیس کے نام ہے کہ جنہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی اور قوم و ملک کی حفاظت اور فلاح کیلئے کام کرتے ہوئے اپنے جان جان آفرین کے سپرد کردی بالخصوص کوئٹہ کے سانحے کے وہ 38 پولیس آفیسرز و اہلکار جن میں ڈی آئی جی فیاض، ایس پی، ڈی ایس پیز سمیت دسویں جوانوں نے اپنی زندگیاں ملک کے نام کردیں وہ سلام اور تحسین کے لائق ہیں۔

لیکن ! من حیث القوم ہم بے حس ہوچکے ہیں۔ ہم نے یہاں پر بھی ڈنڈی ماری کہ ایک طرف اتنا بڑا سانحہ رونما ہوا ہے۔ دوسری طرف ہم لوگ عید کی خوشیوں کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ ہلہ گلہ، شور شرابہ، بے ہنگم معمولات سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اسی ملک میں اسی قوم کے لوگوں کے ساتھ ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوگیا ہے۔ٹی وی پروگرامز، اینکرز کی خرمستیاں، ایکٹرز کی ادائیں، گویوں کی طنابیں،چوڑیوں کی کھنکاریں تھیں کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے لیکن۔اے میری قوم کے لوگو! اس کے ساتھ ساتھ ایک بات ذہن نشین کرلیجئے گا کہ جس طرح کے حالات پیدا ہوچکے ہیں تو یہ سانحات اور حادثات رونما ہوتے رہیں گے۔آج ان کی باری تھی تو کل ہماری باری ہوگی اور پھر ہمارے لئے کوئی بھی رونے والا نہ ہوگا۔ حکومت کی بے حسی اور بے بسی تو روشن صبح کی طرح عیاں ہے۔ فی الوقت حکومت سو فیصد تک ناکامی کا شکار ہے اور نہ جانے کب تک اس جال میں پھنسی رہے گی۔ دور دور تک بہتری کے کوئی آثار دکھائی اور سجھائی نہیں دیتے۔اس لئے اپنے معاملات کو بہتر بنانے کیلئے ہم سب کو یک جہت اور متحد ہونا

ہوگا۔آج کوئٹہ ان کی زد میں ہے۔ کراچی خون میں رنگا ہوا ہے۔ سوات کی وادی لہو سے رنگین ہے تو کل پنجاب کی باری بھی آنی ہے ۔یعنی یہ لوگ حکومت کی رٹ کو روندتے ہوئے نجانے کب کہاں پہنچ جائیں کوئی پتہ نہیں۔ تو اس وقت پولیس اور لا اینڈ انفورس منٹ ایجنسیاں ہی ہمیں تحفظ دینے کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون کی فضا پیدا کرنا۔ باہمی اعتماد کو پروان چڑھانا، ان کی معاونت کرنا، ان کی ہمت بڑھانااور حوصلہ دیناکہ ہم دامے درمے سخنے آپ کے ساتھ ہیں ہماری بقااور سلامتی کی گارنٹی ہے۔ اگران لوگوں نے بھی ہمارے حکمرانوں کے رویوں اور حالات سے دل برداشتہ ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تو ڈی آئی خان سینٹرل جیل والہ واقعہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔اسلام آباد میں ایک شخص چھ گھنٹے تک دندناتا پھرتا ہے اور ہائی الرٹ رہنے والی پولیس اپنی جان بچانے کی خاطر دبک جاتی ہے۔ سوالیہ نشان ہے۔ابھی تو ہم شاید یہ سمجھ کر خاموش اور خوش بیٹھے ہیں کہ یہ دوسرے صوبوں کی جنگ ہے ہم تو محفوظ و مامون ہیں۔ نہیں ۔نہیں یہ جو آگ پھیل رہی ہے اور جس تیزی سے پھیل رہی ہے اگر اخلاص اور قربانی کے جذبے سے نہ روکا گیا تو ہم اس میں اس بری طرح، unityاسے جھلس جائیں گے ہماری شناخت بھی (خدانخواستہ) ختم ہو جائیگی۔وہ لوگ تو کسی نہ کسی انداز میں ان کا مقابلہ بھی کر رہے ہیں اور ان سے اپنے تئیں نبرد آزما بھی ہیں لیکن ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ کم از کم اپنا ہی دفاع کر سکیں۔ یہ آواز ہم نے اور آپ نے اٹھانی ہے۔ عوام کو جگانا ہے۔ عوام کو سمجھانا ہے۔ حکومت کو بھی باور کرانا ہے کہ خدارا خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔کبوتر والی آنکھیں کھول لو کہ بلی موجود ہے اور اور جامع solid جھپٹنے کو تیار بیٹھی ہے کوئی

حکمت عملی ترجیحی اور ہنگامی بنیادوں پر اپنانا ہوگی۔روایتی ہتھکنڈے،پالیسیاں اور رویے چھوڑ کر ایک دو تین کرنا ہوگا۔اس معاملے میں ہتھیلی پر سرسوں جمانا ہوگا۔ان دہشت گردوں ،بے غیرتوں اور بزدلوں کونشان عبرت بنانا ہوگا۔ان ناہنجاروں کو یہ باور کرانے میں ہی ہماری گلوخلاصی ہو سکتی ہے کہ ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت سے مالامال ہیں۔علاوہ ازیں مکار دوست اور عیار دشمن (امن کی آشا)اپنی ریشہ دوانیوں کو بھی ہوا دے رہا ہے۔اندرونی حالات کی وجہ سے بیرونی حالات دگرگوں ہوتے جارہے ہیں۔حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے ہیں۔بدامنی کاعفریت ہمیں نگلتا جارہا ہے۔وحشت و بربریت نے عوام کو نڈھال و لاغر کردیا ہے۔ کمیٹیاں اور اجلاس کے اوقات گزر چکے ہیں اب تو صرف عمل پر عمل کرنا ہوگا۔اسے عوام کی now or never اور do or die کی ضرورت ہے جنگ کی بجائے اپنی ذاتی جنگ سمجھنا ہوگا۔ملک کو بچانا ہوگا۔ قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا۔پولیس کو اعتماد و حوصلہ دینا ہوگا۔بس ہمت جٹانا ہوگی۔سخت فیصلے لینا ہونگے ۔تمام پارٹیاں کو بھی اپنی انا اپنے عناد پس پشت ڈال کر ہاتھوں میں ہاتھ لئے ملک وقوم کیلئے نکلنا ہوگا۔میاں صاحب بس تھوڑی سی ہمت اور حوصلہ شامل حال کرلیں۔دنیا تو پہلے بھی خوش نہیں تھی اور اب بھی ناخوش ہے اور ایک اچھے عمل سے، عوامی فلاح و بہبود کے منصوبے سے اگر مزید ناخوش ہوجائیگی تو کوئی مضائقہ نہیں۔قوم کا بھی تو حق ہے نا؟اسے مقدم رکھیئے۔

خاموش قاتل اور وزیر اعلی بلوچستان

اڑھائی لاکھ ملازمین کے ہیپاٹائٹس ٹیسٹ اور ان کی ویکسی نیشن حکومتی خرچے پر کی جائیگی۔ جو کہ اس انتہائی مہلک اور خطرناک خاموش قاتل کے خلاف جہاد کے برابر ہے۔ ہیپاٹائٹس کا مرض بلوچستان میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور لاکھوں افراد اس موذی مرض سے متاثر ہیں یہ ایک انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے اس لئے ترجیحی بنیادوں پر اس کا آغاز نصیر آباد، جعفر آباد، کچھی اور کوہلو وغیرہ سے کیا جائے گا جن میں سب سے پہلے سرکاری ملازمین اور ان کے بچوں کو اس پروسس سے گزارا جائیگا۔ ٹیسٹ میں رزلٹ پازیٹو آنے کی صورت میں ویکسی نیشن اور treatment کی جائیگی اور علاج بھی کروایا جائیگا۔ نیگٹیو آنے کی صورت میں توثیقی سرٹیفکیٹ دیا جائیگا۔ ٹیسٹ یا علاج نہ کروانے والے ملازمین کی تنخواہ روک لی جائیگی۔ یہ عمل بتدریج سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبا و طالبات کیلیئے ایڈوپٹ کیا جائیگا۔ ان خیالات کا اظہار وزیر اعلی بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک نے اعلی سطحی اجلاس میں کیا اور محکمہ صحت کو ہدایات جاری کیں کہ فی الفور ترجیحی بنیادوں پر اس کام کو شروع کیا جائے اور پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ وزیر اعلی بلوچستان کا یہ اقدام نہایت ہی مستحسن اور عین عوامی مفاد میں ہے کیونکہ کالا یرقان جسے عرف عام میں خاموش قاتل بھی کہا جاتا ہے کا علاج بہت مہنگا

ہے اور عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔ایک عام آدمی اس بارے صرف سوچ سکتا ہے اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔کیونکہ اس کا صرف ایک ٹیسٹ جسے PCR کہا جاتا ہے انتہائی مہنگا ہے اور علاج اس سے بھی زیادہ مہنگا۔اس علاج میں استعمال ہونے والے انٹرفرون نامی انجکشن نہایت ہی قیمتی ہے اور عام آدمی تو دور اچھے کھاتے پیتے لوگ بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔اور پھر یہ خاموش قاتل اپنے مریض کو دنوں دنوں میں ہی موت کی وادی میں دھکیل دیتا ہے۔لہٰذا اس آفر سے تمام چھوٹے بڑے کو بلا جھجھک فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ یہاں تو روٹین میں چند روپوں کی دوائی ہسپتالوں سے میسر آنا مشکل ہے اور یہاں بلوچستان کے لوگوں کو تو وزیر اعلی اس مہنگے ترین علاج کی سہولیات فری مہیا کر رہے ہیں۔ جلدی کیجئے ایسا نہ ہو کہ یہ سکیم ختم ہو جائے

راقم نے خود اپنے علاقے میں اپنے تین جاننے والوں کو اس تکلیف دہ مرض میں مبتلا دیکھا۔اپنے برادر نسبتی کے ساتھ راقم نے ہسپتال اور گھر میں بھی وقت گزارا۔

ڈاکٹرز سے کنسلٹ بھی کیا اور انہوں نے اس کا واحد حل جگر کی ٹرانس پلانٹیشن تجویز کیا جو کہ چائنا یا انڈیا میں ہی ہو سکتا تھا۔پاکستان میں اس کی سہولت صرف اسلام آباد میں میسر تھی لیکن ان کا بھی مشورہ یہی تھا کہ انڈیا یا چائنا سے آپریٹ کرایا جائے تو اخراجات تقریبا60 سے 70 لاکھ روپے ہونگے۔ذہن بنا لیا گیا اور اپنی جائیداد کو فروخت کرنے کی پلاننگ ہو گئی لیکن

بہت دیر ہو چکی تھی تقریبا42 سالہ نوجوان تین چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اس دنیا سے عدم کو سدھار گیا۔ اسی طرح دوسرے دو میں سے ایک نے انڈیا سے ٹرانس پلانٹ کرایا اور تقریبا ستر لاکھ روپے کی ایک کثیر رقم اس کے آپریشن پر صرف ہوئی۔ بعد از آپریشن کے اخراجات چل رہے ہیں۔ ایک نے اسلام آباد سے اپنے جگر کی تبدیلی کرائی اور تقریبا50 لاکھ روپے سے زائد کے اخراجات ہوئے جبکہ دونوں کے ڈونرز ان کے اپنے تھے بہر حال اب دونوں بفضل خدا صحت مند زندگی گزار رہے ہیں بعد از تحقیق بتایا گیا ہے کہ یہ خطرناک بیماری یا اس کے پھیلاؤ کے اسباب میں عام طور پر ناقص اور غیر معیاری ملاوٹ شدہ اشیائے خورد و نوش کا استعمال ہے خاص طور پر پانی کا صاف نہ ہونا اس کا سب سے بڑا موجب ہے جس کی وجہ سے سارا معاشرہ اس کی لپیٹ میں لپیٹ دیا گیا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں پاکستانی مرد و خواتین اس موذی وبا کا شکار ہو چکے ہیں اس کے علاوہ محکمہ صحت سے متعلقہ افراد بھی اس کے پھیلاؤ کا ایک بڑا ذریعہ ہیں جس میں غیر معیاری ادویات کا استعمال اور حفظان صحت کے اصولوں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے used سرنج کا استعمال اور دوران آپریشن آلات کا صحیح طور پر سٹریلائز نہ کرنا بھی اس کا سبب ہیں۔ ان کے استعمال سے مریض کو صحت مند کرنے کی بجائے مریض کی موت کا اسباب و سامان پیدا کر دیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ ہمیں جو کچھ کھلایا پلایا

جارہا ہے انتہائی ناقص غیر معیاری حتیٰ کہ مردار تک ہماری خوراک کا حصہ بنایا جارہا ہے۔ کہیں پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کے فضلے اور wastage کو کنگ آئل یا گھی تیار کیا جارہا ہے اس میں انتڑیاں چربی کیمیکلز جانوروں کی کھال ان کے سینگ آلائشیں یہاں تک کہ مرے ہوئے کتے تک اس میں جھونک دیئے جاتے ہیں پھر یہ آئل اور گھی تمام محکمہ جات کی full hiegenic تصدیق کے ساتھ مارکیٹ میں کھلے عام بک رہا ہوتا ہے ہمارے لئے فرائی کی جانے والی تمام پروڈکٹس میں اس کا بے دریغ استعمال ہو رہا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

جناب میاں نواز شریف صاحب وزیراعظم پاکستان! پنجاب و پورے ملک میں آئے روز کسی نہ کسی ایسے کارخانے، مل، فیکٹری پر میڈیا کی اطلاع پر چھاپہ مارا جاتا ہے اوپر بیان کردہ تمام لوازمات جائے وقوعہ سے برآمد ہوتے ہیں لیکن بنانے والے اول تو پکڑے نہیں جاتے اور شومئی قسمت کوئی دھر لیا جائے تو دو چار روز بعد نہ صرف کارخانہ مل فیکٹری اسی زور و شور سے چل رہی ہوتی ہے بلکہ مالک موصوف بھی مارکیٹ میں مزید سرگرمی اور دھڑلے سے دندناتا پھر رہا ہوتا ہے لیکن یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہو کہ کس نے کیا بگاڑ لیا۔آپ نے اپنی تقریر میں ملک و قوم کو دہشت گردی سے نجات دلانے کے دعوے اور وعدے کئے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس سے بڑی بھی دہشت گردی ہو سکتی ہے کہ ملک و قوم کے نونہالوں سے لیکر جوانوں تک کو ناکارہ بنایا جارہا ہے ماں سے بیٹا، باپ سے

بیٹی، خاوند سے بیوی، بھائی سے بہن چھینی جارہی ہے اور یہ سب کرنے والے پھر بھی معززین میں شمار ہوتے ہیں ان کو معاشرے میں باوقار مقام دیاجاتا ہے۔جناب وزیراعظم ! کیاان مہادہشت گردوں کے بارے میں بھی کوئی لائحہ عمل مرتب دیاگیا کوئی قانون بنایاگیا کوئی لائن آف ایکشن تیار نہیں کی گئی۔اور مستقبل قریب میں بھی اس کا کوئی وجود یا شائبہ دکھائی نہیں دے رہا۔ ٹھیک ہے دہشت گردی بڑاایشو ہے لیکن یہ ایشواس سے زیادہ بڑا ہولناک اور تباہ کن ہے۔ لہٰذاان ناسوروں کی بیخ کنی بھی لازمی ہے۔

بالآخر باطل نے مٹ جانا ہے

برطانوی پارلیمنٹ نے جو فیصلہ سنایا اسے قدامت پسند وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کی حکومت کی حیران کن اور بڑی ناکامی قرار دیا جارہا ہے ۔شام کے حوالے سے فوجی انداز میں کارروائی کرنے سے متعلق پارلیمانی قرارداد13 ووٹوں کے فرق سے مسترد کردی گئی۔اگرچہ حکومت اس فیصلے کی پابند نہیں پھر بھی وزیر دفاع فلپ ہیمنڈ نے ووٹنگ کے بعد کہاکہ برطانیہ اب شام کے خلاف کسی بھی ممکنہ فوجی کارروائی میں شامل نہیں ہوگا۔برطانیہ میں 1782 کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ کسی وزیر اعظم کی طرف سے جنگ کی منظوری کیلئے پیش کی گئی قرارداد کو پارلیمان نے رد کردیا ہو۔اس ووٹنگ سے قبل برطانیہ کی کیمرون حکومت کی خواہش تھی کہ وہ شام کے خلاف حملے میں امریکہ اور حامیوں کا ساتھ دے اور پارلیمان اس فیصلے کی حمایت کرے کہ برطانیہ کو شام میں اسد حکومت کی فورسز کے خلاف اتحادی ملکوں کے فضائی حملے میں شامل ہو۔ لیکن پارلیمنٹ کے ارکان نے 272 کے مقابلے میں 285 ووٹوں سے اس فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کی تمام ناپاک خواہشات پر پانی پھیر دیا ہے ان کے ارادوں کو ناکامی کا مزہ چکھادیا ہے بلکہ پارلیمان کے اس عمل سے 2015 میں دوبارہ انتخابات کی امیدوں کو بھی منفی اثرات سے بھر دیا ہے۔ علاوہ ازیں پارلیمانی فیصلے کو امریکہ اور برطانیہ کے روایتی مضبوط

تعلقات کو بھی ایک شدید دھچکا قرار دیا جاسکتا ہے۔
کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس کی طرف سے کہا گیا ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ کے انکار کے بعد شام کے حلاف ممکنہ فوجی کارروائی میں برطانیہ کی عدم شمولیت کے باوجود امریکہ اپنے فیصلوں میں برطانوی حکومت سے مشاورت جاری رکھے گا۔ ایک ترجمان کے مطابق امریکی صدر جو بھی فیصلہ کریں گے وہ امریکہ کے بہتری مفاد میں ہوگا ترجمان کا یہ بھی کہنا تھا اقوام متحدہ کی کسی منظوری کی عدم موجودگی اور برطانوی حکومت کی عدم شرکت کے باوجود صدر باراک اوباما یہ فیصلے کرنے کے مجاز ہیں کہ امریکا اکیلے ہی شام پر فضائی حملے شروع کردے۔امریکہ ہٹ دھرمی کو ایک جھٹکا اس وقت بھی لگا جب چینی وزیر خارجہ نے بیجنگ سے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل پر شام سے متعلق کسی بھی کارروائی کیلئے کسی فیصلے کے سلسلے میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا وزیر خارجہ وانگ ژی نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کے ساتھ ٹیلی فون پر گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا احاطہ کیا کہ چین شام کے بارے میں کیمیائی ہتھیاروں کے عالمی معائنہ کاروں کے موجودہ تحقیقاتی مشن کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تکمیل کی حمایت بھی کرتا ہے اور اپنے اس موقف پر بھی قائم ہے اس چھان بین کے نتائج کا قبل از وقت اندازہ نہیں لگانا چاہئے اور نہ ہی سلامتی کونسل سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے

۔کہ وہ ان تحقیقات کو مکمل کرنے سے قبل شام کے بارے میں اپنا کوئی فیصلہ سنائے
پوری مغربی دنیا بالخصوص یہود و نصاری اس بات سے خائف ہیں کہ اگر شام یا مصر میں
کوئی ایسی جماعت برسر اقتدار آ گئی جو اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ملک میں اسلام اور
اس کے سنہری اصولوں کا دور دورہ ہونا چاہئے خلافت اللہ تعالی کی عطا کردہ ہے اور ملک
میں قرآن و حدیث کا نفاذ ہو تو وہ ان مغربی ممالک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
بات بھی کریگی اور ان کے جائز و ناجائز احکامات پر عمل بھی نہ کرے گی۔اس طرح سے
ان کی ہوا اکھڑ جائیگی۔یہی وجہ ہے کہ یہ کفر و باطل شد ومد کے ساتھ اس بات پر ڈٹے
ہوئے ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے اسلام اور اسکے ماننے والوں کو صفحہ ہستی سے
مٹادیں۔فی الوقت روس اور چائنا نے فضائی حملے کی مخالفت کردی ہے لیکن وہ بھی نہیں
چاہتے کہ دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو اور سب سے بڑی بات جو ان کو خوفزدہ کئے ہوئے
ہے وہ سرور دو عالم ﷺ کی وہ حدیث ہے کہ جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ کفر
ایک ملت ہے یعنی سب مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں۔آپؐ کی ایک اور حدیث کے
مطابق جس میں آپؐ نے فرمایا" جزیرۃ العرب اس وقت تک خراب نہ ہوگا جب تک
مصر خراب نہ ہوگا اور جنگ عظیم اس وقت نہ ہوگی جب تک کوفہ خراب نہ ہوگا"
پھر فرمایا کہ "قیامت قائم نہ ہوگی یہاںتک کہ عراق کے اچھے لوگ شام کی جانب

منتقل نہ ہوجائیں اور اہل شام میں سے شریر لوگ عراق کی طرف منتقل نہ ہوجائیں"
للبہیقی کی احادیث میں واضح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد اور تنبیہ ہے کہ تم شام کو لازمی پکڑنا۔ فتنوں کے دور میں ایمان شام میں ہوگا۔ مسند احمد بن حنبل کے مطابق" جب شام میں فساد ہوا تو تمہاری خیر نہیں"

یہ وہ تمام شہادتیں ہیں جو اہل کفر کو پریشان کئے دے رہی ہیں اور ان کی سانس اٹکی ہوئی ہے کہ کسی طرح سے شام میں کوئی ایسی سیکولر حکومت آجائے جو مسلمانوں کا ناطقہ بند کردے کیونکہ ابو جہل وابو لہب کی طرح اہل کفر یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ میرے نبی کا فرمایا کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔اور اس کو جھٹلانے اور غلط ثابت کرنے (نعوذ باللہ) پر وہ اپنی تمام تر قوتیں صرف کئے ہوئے ہیں لیکن کچھ بھی ہو ایک دن کفر نے مٹ جانا ہے باطل کو شکست ہونا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ فی الوقت اسلامی تحریکوں کو دبایا جارہا ہے ان کے لئے مسائل پیدا کئے جارہے ہیں بوسنیا الجزائر مراکش لیبیا مصر عراق.برما فلسطین کفر کی خواہشات کے مطابق عرصہ دراز سے خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہیں انسانی حقوق اور جمہوریت کے نام نہاد کھوکھلے نعروں سے ایک مخصوص طبقے کو اپنی گرفت میں لے وہ اپنی سامراج کو نافذ کرنے کا جو خواب دیکھ رہے ہیں وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔یہ آمرتیں جو کبھی کمیونسٹ تو کبھی سیکولر نظام کی

حامی ہونے کی صورت میں اپنی موت آپ مر جائیں گیں اور عرب بہاراس دنیا پر راج کریگی۔

اتفاقیہ لیڈر درکار ہے

اتفاقات ،حادثات ،سانحات و واقعات انسانی زندگی کو نہایت حد تک متاثر کرتے ہیں اور معاشرتی اقدار اور حالات کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی قدر و منزلت کو بڑھانے اور کم کرنے میں سنگ میل ثابت ہوتے ہیں۔کچھ اتفاقات ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے قوموں کی ہیئت ہی تبدیل ہو جاتی ہے اور ان کو زمین سے اٹھا کر بام عروج تک پہنچادیتے ہیں اور کچھ اتفاقات و سانحات ایسے ہوتے ہیں کہ انسانوں کی بے حسی اور مادی پرستی کی بدولت قوموں کو ذلت و پستی کی عمیق گہرائی دھکیل دیتی ہے۔آج ہم دنیا اور پاکستان میں ہونے والے اتفاقات کے حوالے سے بات کریں گے۔

16 سال کی عمر میں ہی والد کی وفات کے بعد حالات کی تنگی کے پیش نظر تعلیم کو خیر باد کہہ کر ایک جہاز بنانے والی کمپنی میں ملازمت کر لی ۔ لیکن اس دوران کھیل اور تیراکی جو کہ اس کا شوق تھا، کو نہ چھوڑا۔ ان کے گھر کے سامنے ایک تالاب تھا۔ وہاں پر اکثر دو بہن بھائی تیراکی کی غرض سے آتے تھے ہر روز مقابلے میں بھائی سبقت لے جاتا۔ ایک روز بہن آگے نکل گئی اور وننگ پوائنٹ پر پہنچ کر خوشی کے مارے جب اس پیچھے مڑ کر دیکھا تو پریشان ہو گئی کہ اس کا

بھائی پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور تیر نہیں پا رہا تھا۔ لڑکی نے فورا شور مچانا شروع کر دیا ۔ اتفاق سے وہ وہاں موجود تھا اس نے فورا تالاب میں چھلانگ لگائی اور ڈوبتے ہوئے لڑکے کو باہر نکال لایا۔ لڑکا بے ہوش ہو چکا تھا اس نے لڑکے کو زمین پر سیدھا کیا اور آہستہ آہستہ اس کے سینے پر مالش کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد لڑکے کے منہ سے پانی باہر نکلا اور اسے ہوش آگیا۔ اسی اثنا میں لڑکے کے والد بھی وہاں پہنچ چکے تھے ۔ وہ اس کی کارکردگی پر بہت خوش تھے۔ والد کے اس سے اس کی خواہش پوچھی تو اس نے کہا کہ ''میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں'' لڑکے کے والد نے اس کی مدد کی حامی بھر لی اور اس کی پڑھائی میں مدد کی۔ بلاآخر 1906 میں وہ ڈاکٹر بن گیا۔ یہ ڈاکٹر بننے والا لڑکا الیگزینڈر فلیمنگ تھا اور ڈوبنے والا لڑکا سر ونسٹن چرچل تھا جو کہ بڑا ہو کر انگلینڈ کا وزیر اعظم بنا۔ ایک اتفاق ایک حادثے نے ایک غریب لڑکے (الیگزینڈر فلیمنگ) کی زندگی بدل ڈالی۔ انہوں نے اس پر اکتفاہی نہیں کیا۔ پیسے کو مطمع نظر نہیں بنایا اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھا اور جراثیم پر کئی دریافتیں کر لی ڈالیں۔ درحقیقت اس کے پیش نظر قوم اور انسانیت کی فلاح و بہبود تھی۔ فلیمنگ نے انسانی خون کو طاقتور بنانے کا منصوبہ بنایا تاکہ جراثیم کے خلاف قوت مدافعت پیدا کی جاسکے۔ اتفاق دیکھئے کہ دریافت کے مکمل ہونے کے بعد ان کو زکام ہوگیا انہوں نے ناک سے بہنے والے پانی (رطوبت) پر جراثیم پالے۔ ایک خیال کے تحت ہی زکام کے پانی کا ایک قطرہ ان

جراثیموں پر ڈالا جہاں قطرہ گرایا وہاں پر موجود تمام جراثیم ہلاک ہوگئے اس تجربے کو انہوں نے بار بار دہرایا ہر بار یہی نتیجہ سامنے آیا۔ یہی جراثیم کش خصوصیات انسانی آنسو، تھوک اور جانوروں کے دودھ میں بھی موجود پائی۔ ایک اور اتفاق دیکھئے کہ 1928 میں پھوڑے پھنسیاں پیدا کرنے والے جراثیم پر تجربات کر رہے تھے کہ وہ برتن جس میں جراثیم موجود تے اس کو ڈھکنا بھول گئے ہوا میں موجود ایک پھپھوندی (پھپھوندی) ان پر گری اور وہ سارے جراثیم مرگئے۔ ثبوت کرنے کیلئے انہوں نے پھپھوندی کو پانی پر اگایا اور ہر مرتبہ تجربہ کامیاب ہوا اور مزے کی بات یہ کہ پھپھوندی میں کوئی زہریلا پن بھی نہ تھا اور اسی بنا پر Penicilline بنائی گئی۔

انگریزوں کا ہندوستان میں آنا بھی اتفاق تھا۔ شاہجہاں اپنی بیٹی جہاں آرا سے بڑی محبت کرتا تھا ایک روز باپ سے ملنے کے بعد اپنے کمرے میں جارہی تھی کہ اسکا ریشمی لباس اچانک شمع کے ساتھ جا لگا اور اس نے فوراً آگ پکڑ لی اور اس بری طرح پکڑی کہ کوشش کے باوجود شہزادی بری طرح سے جھلس گئی۔ علاج صدقات خیرات دعائیں سب بے اثر تھیں اور زخم ٹھیک ہونے کا نام نہ لے رہے تھے۔ ایک روز کسی درباری نے ایک فرنگی ڈاکٹر کی بہت تعریف کی۔ اسے بلایا گیا۔ اس نے علاج شروع کیا اور شہزادی صحت یاب ہو گئی۔ جشن منایا گیا اور بادشاہ نے ڈاکٹر بارٹن سے اس کی خواہش معلوم کی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ بادشاہ سلامت " اگر مجھے

کچھ دینا چاہتے ہیں تو میری قوم کو یہاں تجارت کی وہ سہولیات دی جائیں جو پرتگیزیوں کو دی ہوئی تھیں" بادشاہ نے اس کے قومی جذبے کی قدر کی۔ اس طرح انگریزوں کو ہر طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہوگیا اور ہماری سیاست عبادت تعلیمی رسومات بلکہ رگ و پے میں رچی بسی مغربیت واضح دکھائی دیتی ہے۔ شاید یہ بھی اتفاق ہے

اب اور اتفاقات بھی دیکھتے جایئے۔ بھٹو کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بنگلہ دیش ہم سے اتفاقیہ الگ ہوگیا۔ ضیاء الحق کو مارشل لا لگانے کا "اتفاق" ہوا۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد اتفاقات و حادثات نے شریف برادران کو اس ملک کا all in all بنادیا۔ ہیوی مینڈیٹ کے زعم میں پرویز مشرف سے پنگا لیا اسے قید کرنے کی کوشش کی مگر اتفاقا پرویز مشرف ملک کے آرمی چیف تھے۔ آرمی کا ڈنڈا چلا اور اس اتفاق کی بنا پر شریف برادران کو دھر لیا گیا۔ اور عرصہ دراز تک جلاوطنی کی زندگی گزارنا پڑی۔ پرویز مشرف ملک کے کرتا دھرتا بن گئے۔ پھر اتفاقات نے زور پکڑا ایک ٹی وی چینل پر حملہ کرایا گیا اس وقت سے وہ ٹی وی چینل پاپولر ہوگیا۔ چیف جسٹس آف پاکستان کو نظر بند کرنے کا اتفاق ہوا اور اتفاق دیکھئے کہ ملک کا بچہ بچہ چیف جسٹس کو جانتا ہے اور اسی وجہ سے عدلیہ "آزاد" ہوگئی۔ اب اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ طاہر القادری نے جلسہ کیا لوگوں کا جم غفیر تھا بارش ہونے کا اتفاق ہوا اور قادری صاحب کی پاپولیریٹی دو چند

ہو گئی۔ بے نظیر کی موت کا حادثہ ہوا اور صدر زرداری کو ملک کا صدر بننے کا اتفاق ہوا۔ لال مسجد والہ سانحہ ہوا اور ان سب اتفاقات حادثات اور سانحات نے مل کر پرویز مشرف کیلئے پھندہ تیار کیا اور پھر پرویز مشرف کی وردی جو کہ ان کی کھال تھی، کو کا اتفاق ہوا اور شریف برادران کو NRO اتار دیا گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ سے مملکت خداداد کی ہوا نصیب ہوئی۔ سوئس بنک کو خط والہ واقعہ ہوا۔ وزیر اعظم کو حادثاتی طور پر مستعفی ہونا پڑا۔ پرویز اشرف نے رینٹل پاور کا ڈرامہ رچایا۔ ایفی ڈرین کیس بنا یہ اور دوسرے بہت سے حوادث نے مل کر پاکستان پیپلز پارٹی کا گراف گرادیا اور پھر وہ خود لوگوں اور عوام کی نظروں میں گر گئے۔ یہ بھی ایک حادثہ گردانا جارہا ہے کیونکہ ان کے بقول تمام معاملات ''ٹھیک ٹھاک'' تھے بس بجلی کا بحران، گیس کی قلت، مہنگائی کا طوفان، دہشت گردی کا عفریت، ریلوے کی تباہی وغیرہ وغیرہ کچھ ''چھوٹے موٹے'' ایشوز تھے جو کہ قوم کو پریشان کئے دے رہے تھے۔ حالانکہ قوم کو تو اب تک ان چیزوں کا عادی ہو جانا چاہئے کیونکہ اب جو حالات و واقعات درپیش ہیں مزید ابتری کی جانب گامزن ہیں کہیں کوئی بہتری کی امید نظر نہیں آتی۔ ہر طرف سراب ہی سراب ہے۔ دھوکہ ہے فریب ہے۔ حکومت کی رٹ دکھائی نہیں دیتی۔ سب کا اتفاقیہ چل رہے ہیں۔ مسائل کے حل کا کوئی بھی عمل سجھائی نہیں دے رہا۔ بس باری تعالی سے دعا ہے کہ کوئی ایسا اتفاق کردے کہ الیگزینڈر فلیمنگ یا ڈاکٹر بارٹن جیسا قوم سے مخلص لیڈر پاکستانی قوم کو دستیاب ہوجائے اور

ملک و قوم کی حالت میں سدھار آ جائے۔ ورنہ تو ....!

ویل ڈن ! عبدالقادر.........ویل ڈن

مغربی تہذیب در حقیقت وہ خنجر تھا جس سے اسلامی ریاست پر حملہ کیا گیا اور اس طرح مجروح کیا گیا کہ ریاست نے دم ہی توڑ دیا۔ پھر اسی خون آلودہ خنجر کو اس ریاست کے بیٹوں کو بڑے فخر سے دکھایا گیا کہ ہم ن اسی سے تمہاری ماں کو ختم کیا کیونکہ وہ بیمار تھی اور ایک ماں ہونے کا حق نباہ نہیں پارہی تھی اور اب تمہارے لئے ایک ایسی زندگی ہوگی جسمیں تم خوشیوں اور خوشحالی کے مزے لوٹوگے پھر ان بیٹوں نے اسی قاتل سے ہاتھ ملالیا جس کے ہاتھ کے خنجر پر اب بھی وہ خون تھا جو کبھی ان کی ماں کے جسم میں گردش کرتا تھا۔یہی وہ خنجر تھا کہ جس کا زہر ہماری ایک مخصوص کلاس میں سرایت کر گیا اور اتنے حدتک سرایت پذیر ہوگیا کہ اس کے غلیظ اثرات نے ہماری سوسائٹی بالخصوص نسل نو کو مدر پدر آزاد کردیا اور یہی وجہ ہے کہ ایلیٹ کلاس کہلوانے والے لوگوں کی اولاد اسلامی قدروں کو پامال کرتے ہوئے اس قدر مغرب زدہ اور ہندوپرست ہو گئی ہے کہ ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر نگاہیں شرم سے جھک جاتیں ہیں مگر حیف ہے ان والدین پر جن کی نگاہوں میں شرمندگی کی بجائے اولاد کیلئے تفاخر اور شرمندہ ہونے والوں کیلئے تمسخر موجود ہے اور کیوں نہ ہو کہ جب یہ اولاد پیدا ہوتی ہے ان کے کان میں اذان کی آواز کی بجائے گانے کی آواز سنائی جاتی ہے ان کے منہ میں پہلا قطرہ بھی

امپورٹڈ لیکوڈ کا دیا جاتا ہے۔ اور پھر والدین بالخصوص عورتوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے بچے انگریز کی اولاد دکھائی دیں اور اکثر بیشتر جب والدہ بچے کو تیار کرکے دادی کے پاس لاتی ہے اور کہتی ہے کہ دیکھو اماں یہ ایسے لگتا ہے جیسے کہ انگریز کا بچہ ہو تو دادی کہتی ہے خدا کی قسم یہ تو ہمارا ہے ہی نہیں کسی انگریز کا تخم لگتا ہے اور انگریز ہونے پر فخر کا اظہار کیا جاتا ہے

جب معاشرے میں اس قسم کی سوچ پروان چڑھ رہی ہو تو پھر اس قسم کے واقعات کا منظر فیسٹیول mud عام پر آنا ایک عام بات سمجھی جاتی ہے کہ منچلے لڑکیاں اور لڑکے غلاظت کے میلے)ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے اپنے جسموں اور منہ پر غلاظت ملنے پر (خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ مشہور کہاوت ہے کہ مکھی ہمیشہ گندگی پر بیٹھنا پسند کرتی ہے ۔قانون قدرت دیکھئے کہ بے حیا لڑکے لڑکیوں نے اپنی خوشی سے غلاظت میں نہانا پسند کیا اور دنیا میں دکھایا کہ میرے اور میرے نبیؐ کی نافرمانی اور ان کے احکامات کا مذاق اڑانے والوں کو کس طرح ذلیل ورسوا کرتا ہوں۔ جی ہاں جب معاشرے میں بے راوی عام ہو جاتی ہے والدین فری ہینڈ دے دیتے ہیں اور اولاد کی نفسانی اور مجرمانہ خواہشات کو بخوشی قبول کیا جاتا ہے اور سپورٹ کیا جاتا ہے تو پھر شاہ رخ اور شاہزیب جیسے واقعات کا وقوع پذیر ہونا ایک ضروری امر ہے۔ مزید ہٹ دھرمی کہ مظلوم کو پریشرائز

کرکے پیسے کی چمک دکھا کر معافی حاصل کرنا اور پھر وکٹری کا نشان بنانا، قلم بیان کرنے کی سکت کے قابل نہ ہے۔ایک کالج میں ثقافت کے نام پر ایک کلچرل شو منعقد کیا جانا اور status symbol ثقافت کے نام پر اسلامی اور پاکستانی ثقافت کی دھجیاں اڑانے کو کے طور پر لیا جاتا ہے ۔اس پروگرام میں ان تمام خرافات کو بڑی دیدہ دلیری اور بے غیرتی و بے حیائی کے ساتھ مغربی اور ہندو کلچر کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے ۔کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نجانے یہ مغرب زدہ کن کی اولاد ہیں۔یہاں پر بچے اور والدین ایک ہی رنگ میں رنگے دکھائی دیتے ہیں

دوسری طرف اولاد وہی ہے نا ہنجار! مشہور و معروف کرکٹر عبدالقادر کا بیٹا عبدالرحمٰن قادر ایک جوئے کی محفل میں جوا کھیلتے ہوئے پکڑا جاتا ہے۔پولیس سٹیشن لایا جاتا ہے۔پولیس کی جانب سے عبدالقادر کو فون جاتا ہے لیکن وہ کوئی بھی سفارش کرنے سے انکار کردیتا ہے بلکہ اپنے بیٹے کو عاق کردیتا ہے۔جب میڈیا اس حوالے سے عبدالقادر کے ویوز لیتا ہے اور عبدالقادر جو جواب دیتا ہے وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں ''میں نے ساری زندگی دولت نہیں کمائی میں نے زندگی میں اگر کچھ کمایا ہے تو عزت کمائی ۔یہ واقعہ میرے لئے دردناک، افسوسناک اور شرمناک ہے۔ میں عدالت سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ عبدالرحمٰن قادر کو سخت سے سخت سزا دے''

الزامات کے بارے میں

بھی ان کے الفاظ ملتے جلتے تھے کہ یہ الزامات نہیں ہیں بلکہ سچ ہے وہ اپنے بیٹے کے کئے پر پردہ نہیں ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے ۔آج ہم مسلمان اپنے قریبی عزیزوں دوستوں کی حمایت اور طرفداری کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی نفی کرتے ہیں جس سے ہمارے پورے معاشرے میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔انہوں نے اولاد کو تنبیہ کی کہ انہیں اپنے والدین کی عزت اور نیک نامی کا باعث بننا چاہئے نہ کہ ان کی بدنامی کا۔ میں اس معاشرے سے مایوس ہوچکا ہوں کہ جب بھی آزمائش کا وقت آتا ہے تو ہم اکثر مسلمان اپنی اولاد ، رشتہ دار ، دوستوں ، خاندان اور قبیلے والوں کی غلطیوں، ان کے گناہ اور جرم پر پردہ ڈالتے ہیں۔اثر و رسوخ استعمال کرتے ہیں یہ سب تعلیمات اسلامی کے منافی ہے

قارئین کرام ! اوپر بیان کردہ واقعات میں بھی والدین ہیں جو کہ اپنے بچوں اور اولاد کیلئے تمام جائز و ناجائز حربے استعمال کرکے انہیں اس حالت تک پہنچاتے ہیں ان کی ہلا شیری سے وہ ہر غلط ،خلاف شریعت اور ناجائز کام کو صحیح جان کر کرنا اولین فرض سمجھتے ہیں اور معاشرے کیلئے ناسور بن جاتے ہیں۔دوسری طرف عبدالقادر جیسے والدین (خال خال) ہیں جو کہ اولاد کو سدھارنے کیلئے ان کی غلطیوں پر پردہ نہیں ڈالتے بلکہ ببانگ دہل ان کی سرزنش کرتے ہیں اور انہیں سزاوار جانتے ہیں۔اوریقینا ایسے لوگ لائق تحسین ۔قابل تقلید اور سیلیوٹ کے حق دار ہیں،

فاسٹ ٹریک کورٹس

سکول کے گیٹ پر والدین موجود تھے اور سکول پرنسپل سے اس بات کا مطالبہ شد و مد سے کر رہے تھے کہ سکول کے گیٹ پر سیکیورٹی کے انتظام کو بہتر اور موثر بنایا جائے اور بالخصوص بچیوں کو صرف اور صرف والدین یا بہن بھائی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ جانے کی ہر گز اجازت نہ دی جائے۔مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ اگر کوئی شخص لینے کیلئے آئے تو آفس میں دیئے گئے گھر کے نمبر سے تصدیق کی جائے۔ یہ وہ تحفظات تھے جو کہ والدین کو پریشان کئے دے رہے تھے کیونکہ پنجاب بھر بچیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے ایک ہفتے کے اندر اندر تین چار لرزہ خیز واقعات اور درندگی کے مظاہروں نے والدین کو خوفزدہ اور concious کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اور بچیوں کو غیر محفوظ تصور کر رہے تھے۔بہت سے سوالات جنم لے رہے تھے کہ حوا کی بیٹی کب تک یوں نوچی جاتی رہے گی؟کب اور کیسے ان درندوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا؟مہنگائی کے مارے اور غربت کی چکی میں پسے لوگ کیسے اپنی عزتوں کو محفوظ کر سکیں گے؟ حکومتی اقدامات کب تک خالی نعروں اور کھوکھلے دعووَں تک محدود رہیں گے؟عدالتیں کب اپنا قبلہ درست کریں گی؟کب نظام عدل کا نفاذ ہوگا؟ مظلوم کی داد رسی کون کریگا؟اس قسم کے بہت سے لاجواب سوالات شعور و لاشعور میں

گردش کرتے ہیں۔

وزیر اعلی پنجاب نے لاہور کی سنبل، لودہراں کی سمیرا، تاندلیانوالہ کی ثمینہ، مسافر خانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ وغیرہ کے بارے میں (اس طرح کے بہت سے ایسے واقعات جو منظر عام، پر نہیں آتے) نوٹس لے کر مجرموں کو جلد از جلد گرفتار کرکے قانون کے کٹھمرے میں لانے کی بات کی ہے اور چیف جسٹس نے بھی نوٹس لیا ہوا ہے۔کچھ ملزمان و مجرمان گرفتار ہوچکے ہیں اور وزیر اعلی کے سخت نوٹس اور ریمارکس کے بعد بقیہ درندے بھی جلد سلاخوں کے پیچھے ہونگے۔ لیکن یہاں پر بھی ایک سوال ابھرتا ہے آیا کہ ان سفاک بھیڑیوں کو جہنم واصل کیا جائے گا کیا ان کو تختہ دار پر لٹکایا جائے گا؟ کیا انہیں نشان عبرت بنایا جائیگا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ہم میں سے کسی کے پاس نہیں۔پہلے تو ملزموں کو مجرم ثابت کرنے کیلئے پاپڑ بیلنے ہونگے۔ پولیس کا ''ملزم سے محبت'' کا کردار ہمیشہ کی طرح مجرموں کے حق میں جائیگا پھر نہ ختم ہونیوالہ عدالتی سلسلہ شروع ہوجائیگا جو آئے روز پیشی در پیشی کی گردان کی نذر ہوجائیگا بہت سے مدعی جو کہ عزت تو پہلے ہی گنوا بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ست عدالتی نظام کو دیکھتے ہوئے ملزموں سے دست بستہ معافی مانگنے اور گلوخلاصی کی فریاد کرتے دکھائی دیتے ہیں اور آخر کار ظالم فاتح ہوکر وکٹری کا نشان بناتے اور مظلوم مفتوح ہوکر دنیا سے منہ چھپاتا پھرتا ہے۔

عدالتوں میں ججز

سے زیادہ ان کے ریڈر، کلرک اور منشی حضرات ''فرائض منصبی'' ادا کرتے ہوئے دو سو چار سو کے عوض پیشی دینا اپنا اولین شعار سمجھتے ہیں۔ان کو کوئی پوچھنے والے نہیں۔چیف جسٹس آف پاکستان سے معذرت کے ساتھ گذارش ہے کہ وہ لاکھوں کیسز جو کہ عدالتی نظام کی روایتی سست روی کی وجہ سے تاخیر کا شکار ہیں بغیر فیصل ہوئے زمانہ کی گرد میں اٹے ہوئے ہیں ان کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا سربراہ عدالت ہوتے ہوئے ان کی جوابدہی بھی آپ کے ذمہ نہ ہے؟ جناب والہ ! فاسٹ ٹریک عدالتوں کا قیام عمل میں لائیں اور کم از کم ان ناسوروں کو جو معاشرے کو گلا رہے ہیں،کاٹ کر پھینکنے کا کوئی مناسب انتظام فرمادیں۔

عزت ماب وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف صاحب اور وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف صاحب عصمت دری اور آبرو ریزی کے اندوہناک واقعات میں ملوث لوگوں کونشان عبرت بنانے کیلئے قانون پاس کریں۔ہمارے ہاں ابھی تک اس کی کوئی واضح تشریح موجود نہ ہے سب چوں چوں کا مربہ ہے۔امیر کا قانون اور ہے اور غریب کا قانون اور۔ہمسایہ ملک انڈیا کو ہی لے لیجئے۔وہاں پر جنسی زیادتی اور تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات کو کم کرنے کیلئے اور درندوں کو لگام ڈالنے کیلئے فاسٹ ٹریک کورٹس کا قیام عمل میں لاکر طالبہ سے زیادتی کے چار ملزموں کو سزائے موت دے دی گئی۔ جنسی درندہ اور مندر کا پجاری آسارام کو ہزار ہارکاوٹوں اور مصلحتوں کے باوجود گرفتار کرکے تختہ دار پر لٹکانے کی تیاری

کیا جارہا ہے۔ تو پھر پاکستان face کی جارہی ہے۔ شدید دباؤ اور رد عمل کے باوجود اسے میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان صاحب وزیر اعظم و وزیر اعلی پنجاب صاحب سوموٹو ایکشن لینے، نوٹس لینے اور مجرموں کو کٹھرے میں لانے کے علاوہ بھی بہت سے ایسے کام اور اعمال ہیں جن پر توجہ اور عمل کی اشد ضرورت ہے کیونکہ جب تک مجرموں کو نشان عبرت نہ بنایا جائیگا یہ معاملات حل ہونے والے نہیں کیونکہ ہماری قوم اور ہم ڈنڈے کے یار ہیں۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ اس قسم کے دلخراش واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں ایک تحقیق کے مطابق جنسی درندگی میں ملوث افراد سے پوچھ گچھ کے بعد جو نتائج سامنے آئے ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا ہے ان پر ہوس ناکی کا بھوت سوار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس قبیح عمل سے پہلے کوئی جنسی ویڈیو، فلم یا میگزین سے تصاویر دیکھی تھیں جس سے ہیجان پیدا ہوا اور پھر لانزی اپروچ میں ہتھے چڑھ جانی والی بچی لڑکی یا عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بناڈالا۔ کچھ کا کہنا تھا کہ نیم عریاں جسم اور اعضا کو ابھارنے والا لباس پہننے والی خواتین بھی اس قسم کے واقعات کا محرک ہوتی ہیں۔ جو خود بھی شکار بن جاتی ہیں اور دوسروں کیلیئے بھی اذیت کا باعث بنتی ہیں اور سب سے بڑا کردار ہمارے الیکٹرانک میڈیا کا ہے کہ اس میں ڈرامار، فلمز میں ریپ کے مناظر اس طرح سے فلمائے جاتے ہیں کہ حقیقت کا گمان ہوتا ہے اس قسم کے سین دیکھ کر ہوس کے

بچاری اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں اور پھر کوئی حوا کی بیٹی اپنی عصمت کو تار تار کرا بیٹھتی ہے کسی کی بہن بیٹی کی عزت کی دھجیاں اڑادی جاتی ہیں لیکن کہیں کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی سوائے اس لڑکی اور اس کے والدین کے۔ لہٰذا وزیر اعظم پاکستان وزیر اعلیٰ حضرات اور مقتدر لوگوں سے گذارش ہے کہ خدارا اس سلسلے میں کوئی واضح، ٹھوس اور سخت قانون بنا کر جلد از جلد نافذ کرائیں۔ چیف جسٹس سے بھی دست بستہ التماس ہے کہ فاسٹ ٹریک کورٹس کا قیام عمل میں لا کر انسانیت اور بالخصوص نسواں کی عزت عصمت و آبرو کو محفوظ بنانے کے اقدامات کریں ورنہ معاشرہ تباہی کے دہانے پر تیار، بیٹھا ہے۔

سیاسی مداخلت ملازم کو معلم بنانے میں بڑی رکاوٹ ہے

8 ستمبر یوم عالمی خواندگی ہے پوری دنیا میں اسے زور و شور سے منایا جاتا ہے اور تعلیم کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے کیلئے پروگرام، سیمینارز، تقاریر اور تقاریب منعقد کی جاتیں ہیں اور قلم کار حضرات اپنے قلم کی نوک سے صفحہ ابیض پر اپنے علم کے موتی پروتے دکھائی دیتے ہیں۔ وطن عزیز میں بھی کہیں کہیں اس قسم کی تقریبات ترتیب دے لی جاتی ہیں جن کا مقصد حقیقتاً فوٹو سیشن ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی لفظ اقرا سے اپنی تعلیم کا آغاز کرنے والی قوم خواندگی کے میدان میں اڑتی گرد میں کہیں بہت پیچھے نشان منزل کھو چکی ہے۔ دنیا میں پانچ ممالک ایسے ہیں جہاں پر شرح خواندگی سو فیصد ہے اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان ممالک نے اپنا اوڑھنا بچھونا تعلیم (پڑھنا، لکھنا، سیکھنا، سکھانا) کو بنا لیا ہے اور آج دنیا میں ان کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ کہیں ننانوے فیصد تو کہیں پچانوے فیصد کہیں بیانوے تو کہیں نوے فیصد۔ پاکستان میں شرح خواندگی 26 فیصد سے 43 فیصد تک کلیم کی جاتی ہے جو کہ انتہائی حد تک مایوس کن ہے۔ وزیر اعلی پنجاب نے تعلیمی امر جنسی نافذ کی ہوئی ہے جس کا مقصد سکول نہ جانے والے بچوں کو انرول (Enroll) کرنا ہے لیکن اس میں ابھی تک کوئی خاطر خواہ

نتائج برآمد نہیں ہوئے اور اس وقت تک ممکن بھی نہیں جب تک تمام لوگ بالخصوص اساتذہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام نہ دے لیں۔ وہ ذمیہ ڈیوٹی کو بطور ملازم بن کر بادل نخواستہ سرانجام دیتے ہیں بطور معلم بن کر اپنے فرائض منصبی سے سبک دوش ہونے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ یہی بگاڑ کی جڑ ہے اور اس بگاڑ کو سدھار میں اس وقت تک تبدیل نہیں کیا جاسکتا جب تک مروجہ لائحہ عمل کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل نہ کیا جائے گا۔

راقم ایک تقریب میں مدعو تھا جو کہ ایک این جی او کی جانب سے کنڈکٹ کی گئی۔ جس میں ''تعلیمی مسائل اور موجودہ وسائل ''کے حوالے سے ایک مکالمہ تھا۔ جس میں بتایا گیا کہ صرف ضلع لودھراں 50 ہزار سے زائد بچے جن کی عمر 4-16 سال ہے، سکول نہیں جاتے ان میں اور ان کے والدین میں تحریک پیدا کرنے کے حوالے سے تجاویز بلکہ قابل عمل تجاویز پیش کی گئیں۔ اور میرا ماننا ہے کہ وہ تجاویز ایسی تھیں کہ جن کو بآسانی نافذالعمل کیا جاسکتا ہے اور خواندگی کی شرح کو نہایت حد تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ خواندگی کی شرح میں اضافہ صرف اور صرف استادیا پھر گورنمنٹ کی ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ٹرائی اینگل ہے کہ جس میں والدین سٹوڈنٹ اور اساتذہ کا کردار مسلمہ ہے اور اگر ایک اینگل بھی مس ہوتا ہے کمی یا ضعف کا شکار ہوتا ہے تو بہت مشکل ہے کہ وہ تکون اپنا وجود مضبوطی سے برقرار رکھے۔ اس تکون کو مضبوطی اور سہارا دینے میں زیادہ

اہم کردار اساتذہ اور والدین کا ہے۔ ہمارے ہاں ایک چیز جو بڑی تیزی سے ہم میں سرایت کرتی جارہی ہے وہ ہے اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی برتنا۔ اپنے فرائض دوسرے کے سر تھوپنے کی کوشش کرنا۔ ہم خواہش اور کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں خود سے کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ کوئی دوسرا تیسرا ہمارے اس کام کو ہمارے لئے سرانجام دے دے۔ جو کہ نہایت ہی نامعقول سوچ اور رویہ ہے۔یہی سوچ اور رویہ ہمیں کام کی عظمت کے درس کو بھلائے دے رہی ہے اور اب ہماری جوتے کھانے والی ہوچکی ہے۔سب سے پہلے تو اس فیکٹر (سبب) کو ختم کرنا ہوگا جس کے ذمے جو کام ہے جب اسے نیک نیتی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے گا تو کوئی امر مانع نہیں کہ ہم دنیا میں کسی سے پیچھے رہ جائیں

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نظام تعلیم سدھر جائے۔ شرح خواندگی میں اضافہ ہوجائے اور ہر شخص اپنی ذمہ داری بخوبی احسن طریقے سے سرانجام دے تو پھر اس بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ ''سیاسی مداخلت'' کو اس نظام سے ختم کرنا ہوگا میں دعوی سے شرط لگا کر کہتا ہوں کہ 90 فیصد بگاڑ ختم ہوجائے گا۔90 فیصد سدھار آجانے سے شرح خواندگی دنوں میں ترقی و بڑھوتری کی جانب گامزن ہوجائے گی۔ کیونکہ سیاستدانوں اور ان کے چیلوں کی بنا پر محکمہ تعلیم ایک طوائف بن کر رہ گیا ہے۔جب جس کا جی چاہتا ہے۔استاد کی تذلیل کردیتا ہے۔تبادلہ، معطلی و برطرفی کی دھمکی دے کر اپنے جائز و ناجائز کام کروالئے جاتے ہیں۔ بھگتنا پھر استاد

کو پڑتا ہے (یہ وہ چند فیصد استاد ہیں جو کہ پڑھانا چاہتے ہیں)۔ چہیتے استاد سوائے ایک کام کے ہر کام سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔ سکول آتے ہیں پڑھاتے ہیں اور نہ ہی انہیں پڑھانے سے سروکار ہوتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر سے لیکر ای ڈی او ایجوکیشن تک حتی کہ ڈی سی او بھی ان سے بازپرس نہیں کر سکتا۔ بالفرض اگر کوئی اس قسم کی ''حرکت'' کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ اساتذہ کی ایک بڑی تعداد سیاسی رنگ میں بری طرح لتھڑی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سکول جہاں پر نونہالان اور معماران قوم نے تعلیم حاصل کرنا ہوتی ہے وہاں پر ایم این ایز، ایم پی ایز، وڈیرے جاگیر دار یا کسی رسہ گیر کے جانور بندھے ہوتے ہیں۔ سکول کی عمارت دیکھ کر اندر جانیوالے اس وقت حیران و پریشان ہو جاتے ہیں جب وہ سکول میں طلبا و طالبات کی بجائے بھینس گدھا گھوڑا بھیڑ بکری یا اونٹ وغیرہ بندھے دیکھتے ہیں۔ یہ گمان ہوتا ہے جیسے کہ یہاں پر جانوروں کو زیور تعلیم (چارہ و بھوسہ) سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کی کثیر مالیت سے بنائے گئے اکثر پرائمری و مڈل سکول جانوروں کی کھولیاں اور جرائم پیشہ افراد کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ کچھ سکولز ایسے بھی ہیں جہاں پر دونوں کام متوازی چل رہے ہیں گرمیوں سردیوں میں ڈھوڑ ڈنگر اندر کمروں میں جبکہ ہیڈ ماسٹر اور سکول ٹیچر طلبا سمیت کھلے آسمان تلے ''درس و تدریس میں ملوث'' ہوتے ہیں لیکن زبان سے شکایت نہیں کرتے۔ وزیر اعلی صاحب نئے سکول بنانے، بلڈنگز تعمیر کرنے کی بجائے پہلے سے موجود سکولز کی حالت

زار کو ہی بہتر بنالیا جائے ان سیاسی گرگوں کو لگام ڈال لی جائے۔ سکولز کی عمارات کو صرف طلبا و طالبات اور درس و تدریس کیلئے استعمال کیا جائے تو یقین جانئے کہ اقرا سے آغاز کرنے والی قوم تکمیل کے تمام مراحل کو بآسانی احسن طریقے سے پایہ تکمیل کو پہنچا سکتی ہے۔ کیونکہ اس بھولی بھالی قوم میں پوٹینشل بہت ہے صرف اسے درست نہج پر استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

حرم کی پاسبانی متحد ہونے میں مضمر ہے

بھارتی جنتا پارٹی (بی جے پی) کی جانب سے وزیر اعظم کے عہدہ کیلئے نامزدہ کئے جانیوالے نریندر مودی بولنے کے حوالے سے بہت زیادہ شہرت رکھتے ہیں اور بولتے وقت انداز جارحانہ اور بیباک ہونے کے ساتھ ساتھ الفاظ کا چناؤ بھی نپے تلے انداز میں کرنے کے ماہر ہیں۔ ان کی یہ خاصیت لوگوں کو دیوانہ بنانے کیلئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مودی کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔اور مخالفین کی سب سے بڑی پریشانی کا سبب بھی یہی ہے کہ ان کے پاس مودی کی باتوں کا توڑ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑا ماہر بھی کبھی نہ کبھی منہ سے ایسی بات نکال دیتا ہے جو اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور جگ ہنسائی ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ گذشتہ دنوں مودی کے سلسلے میں ہوا جب وہ مسلم ووٹ حاصل کرنے کیلئے کچھ زیادہ ہی بے تاب نظر آئے۔جب اپنے ایک بیان میں انہوں نے پس ماندہ مسلم معاشرہ کو اپنی بھارتی جنتا پارٹی سے جوڑنے کی وکالت کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھارت میں کل مسلمانوں میں پس ماندہ سماج کی کل آبادی تقریبا 85 فیصد ہے اور مسلم معاشرہ تقریبا 44 ذاتوں میں تقسیم ہے جن میں چار اونچی ذاتوں (مغل، شیخ، سید اور پٹھان) کو چھوڑ کر چالیس کا شمار پس ماندہ لوگوں میں کیا جاتا ہے یہ لوگ کافی خستہ حال ہیں اور خود کو محروم طبقہ تصور کرتے ہیں اور اب خود کو ترقی

کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی اس خواہش میں محدود وسائل اور ناخواندگی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہی پسماندگی اور ناخواندگی سیاسی جماعتوں کیلئے بڑا چارم رکھتی ہے اور وہ اسے کسی نعمت سے کم تصور نہیں کرتے کیونکہ ان کی یہ محرومیاں اور بے بسی ان سیاسی گرگوں کو الیکشن کے دنوں اپنی دکان چمکانے میں بڑی معاون و مدد ثابت ہوتی ہیں اور سبھی پارٹیاں ان کو صرف ووٹ بنک کی حد تک استعمال کرتی ہیں لیکن ان کے مسائل کو کبھی سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔سب سے بڑے دکھ اور تکلیف کی بات یہ ہے کہ یہ اونچی ذات کے چاروں مسلمان طبقے بھی باقی ماندہ مسلمانوں کے مسائل کے حل کیلئے بالکل بھی کوشاں نہیں ہیں۔جیسے ہی الیکشن قریب آتا ہے یہ چھوٹی بڑی پارٹیاں جن میں سماجوادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی، کانگریس، آر ایل ڈی وغیرہ سبھی ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انہیں استعمال کرتی ہیں۔اور اسی ووٹ بنک کو بی جے پی 2014 کے لوک سبھا الیکشن میں استعمال کرنے کا بھرپور ارادہ رکھتی ہے۔اسی لئے نریندر مودی کہتے ہیں کہ گجرات میں 20-25 فیصد مسلم بی جے پی کیلئے ووٹنگ کر سکتے ہیں تو پورے ملک میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ایک کٹر ہندو پرست نریندر مودی کی زبان سے ایسے الفاظ سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش ہے۔اور مسلمانوں کے پس ماندہ حصہ کو بھی اس بات کا شدت سے احساس ہو چلا ہے کہ مودی کو ان کی طاقت کا اندازہ ہے۔جب کہ مسلم رہنما انیس منصوری کے مطابق مودی کا بیان گمراہ کن ہے ان کا کہنا ہے کہ

ہوسکتا ہے کہ ایک دو فیصد مسلم ووٹ ان کے کھاتے میں چلاجائے لیکن یہ بھی پسماندہ مسلمز کے نہیں ہونگے۔ یہ ان امیر و دولت مند مسلمانوں کے تو ہو سکتے ہیں کہ جن لوگوں کا کوئی نہ کوئی مفاد ان سے وابستہ ہو۔ انیس منصوری کہتے ہیں کہ کئی برسوں کا مسلم پسماندہ لوگوں کے مسائل و مطالبات پورے نہیں ہوئے ہر مرتبہ ان میٹھی گولی دے دی جاتی ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ پسماندہ مسلمانوں کو آئین کی دفعہ 341 کے مطابق مذہبی پابندی ختم کرکے ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، اوبدھ مذاہب سے متعلقہ تمام درج فہرست ذاتوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ ان کو ذات و قبائل قانون سے باہر رکھاجائے تاکہ ان کو مظالم سے بچایا جاسکے ان کو آبادی کے تناسب کے مطابق 9 فیصد الگ سے ریزرویشن دیا جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ پسماندہ مسلم سماج کو پسماندہ رکھنے میں ایک بڑا ہاتھ ان مسلم لیڈرز کا بھی ہے جو کہ صرف اپنی کرسی بچانے اور رشتہ داروں کو نوازنے کا کام کررہے ہیں۔ برسراقتدار پارٹیوں اور مسلم لیڈر کی نااہلی کی وجہ سے ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے اور مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے نظر انداز کرنے کی بناپر گوجر، گدی، گھوسی، قریشی، چھیپا، جوگی، ہاشمی، تمولی، تیلی، سامانی، عراقی منصوری، رحمانی، فقیر، ہاری، انصاری، حلال خور، نائک، عباسی، دھوبی۔ نان بائی، ، حلوائی، میواتی، موچی، ماہی گیر، سنگ تراش، نٹ، لال بیگی، مشعلچی وغیرہ کے خاندانی و پشتینی کاروبار ختم ہوچکے ہیں۔ روزی روٹی کا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے بچوں کی تعلیم وتربیت ممکن نہیں رہی ۔کاشت کاری کے

بعد سب سے زیادہ ریویونیو دینے والی صنعت (گھریلو صنعت) اپنی موت آپ مر رہی ہے۔ لیکن مرکزی حکومت صم بکم عم کے مصداق کچھ کرنے سننے کو تیار نہیں۔

سچر کمیٹی اور رنگ ناتھ مشرا کمیشن نے اپنی رپورٹوں میں اس کا ذکر شد و مد سے کیا۔ لیکن دیکھنے اور سننے کی حد سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔یہی بات اس تعصب کی کھلم کھلا دلیل ہے کہ یہ چونکہ مسلمان لوگ ہیں ہندو نہیں۔ اسلام کے داعی ہیں ہندومت کے نہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں ہنومان گاؤ ماتا کالی دیوی وغیرہ کو نہیں پوجتے۔اس لئے ہندوستان میں ان کیلئے انکی اولاد کیلئے تعلیم ، روزگار، تربیت،ٹرانسپورٹ ، صحت کی بنیادی سہولیات ان ہندو پسماندہ لوگوں سے بھی بہت کم ہیں۔تعصب کو چھوڑ کر مسلمانوں کو بھی ہندو پسماندہ سماج کے برابر آبادی کے تناسب سے حصہ ملنا چاہیے تاکہ وہ مین اسٹریم سے جڑ کر اس میں شامل ہو کر اپنے لئے وسائل پیدا کر سکیں۔ریاستی حکومتوں کے ذریعے تشکیل شدہ تمام کمیشنز اور بورڈز یں ایک رکن نامزد کیا جائے۔ سلیکشن کمیٹیز میں پس ماندہ مسلمز کا ایک رکن مقرر کیا جائے۔ خاندانی پیشوں کے فروغ اور ترقی کیلئے مالی امداد فراہم کی جائے۔ صنعت و تجارت کیلئے بلاسود قرضے دیئے جائیں۔پرائیویٹ تعلیمی اور مسلم اداروں میں 50 فیصد حصہ ریزرو کیا جائے۔پس ماندہ مسلم سماج کو صرف اور صرف ووٹ بنک نہ سمجھا جائے بلکہ انہیں ہندوستانی شہری مانتے ہوئے ان کیلئے تمام سہولیات مہیا کی جائیں۔نریندر

مودی کو بھی یہ جان لینا چاہیئے کہ ہم صرف اور صرف ووٹ نہیں بلکہ ان کے سماج کے جیتے جاگتے انسان ہیں۔

مسلم دنیا پر اگر ایک غیر جانبدارانہ نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے حکمران اور سیاستدان اقتدار اور دولت کے لالچ میں اور غیر مسلم آقاؤں کے آلہ کار بن کر اپنے عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور اپنے مخالفوں کے وجود کو دنیا سے خالی کر رہے ہیں نجانے ایسا کونسا خوف دبدبہ و رعب ہے کہ امریکا اسرائیل اور مغربی ممالک سے مسلم حکمران ہر وقت کانپتے ہیں یا پھر ایسا کون سا خوف ہے کہ مسلمانوں سے ان کی طاقت و ہیبت سے امریکا اسرائیل اور مغربی ممالک خوفزدہ ہے اور مسلمانوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیتے۔آج 57 آزاد اور خود مختار مسلم ممالک کے حکمران اور سیاستدان عیسائیوں یہودیوں، کمیونسٹوں اور ہندوؤں کے آگے مکمل طور عاجز، بے بس اور بے توقیر ہو چکے، ہیں۔ مسلمانوں کی شناخت کو ختم اور مسخ کرنے کیلئے ہمارے اپنے نام نہاد، بے ضمیر اور منافق حکمرانوں اور سیاستدانوں کو مغربی اور طاغوتی طاقتیں آلہ کار کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ہمارے حکمرانوں بالخصوص مسلم امہ کو تفرقہ میں پڑنے کی بجائے تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ڈوری میں بندھ جانا چاہیئے۔پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا پر بھی یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی شناخت و ثقافت کو اجاگر کرنے کیلئے تاریخی

مقامات، واقعات، اکابرین پر دستاویزی فلمیں بنا کر معاشرہ میں جوت جگائیں تاکہ نریندر
مودی جیسے ناپاک لوگ مسلمانوں کو استعمال کرنے سے باز رہیں۔ نیز بااختیار مسلم
لیڈرز کو بھی اپنے مردہ اور سوئے ہوئے ضمیر کو جگا کر مسلم کمیونٹی کیلئے کچھ بہتر کرنا
چاہئے۔ کیونکہ اگر کہیں کوئی آگ لگے گی کوئی فساد ہوگا مسلمانوں کو زیر بار کیا جائے گا تو
اس کی تپش آپ سب تک جائیگی اور بسا اوقات یہ تپش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ آپ کو
جھلسا دیتی ہے لہذا خود بھی بچیں اور مسلم معاشرہ کو بھی بچائیں

! میاں صاحب ! لگے رہو .....ڈٹے رہو

امریکی ڈرون حملے تمام عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہیں اور امریکہ یہ حملے فوری بند کرے تاکہ مزید شہریوں کی ہلاکت نہ ہو۔ڈرون حملے ملکی سالمیت اور خودمختاری پر حملے کے مترادف ہیں۔ ہم خود گذشتہ کئی برس سے دہشت گردی کا بری طرح شکار ہیں۔ ہم نے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں بچوں اوور خواتین سمیت 40 ہزار جانوں کی قربانی دی ہے اور ہمارے 8 ہزار فوجی شہید ہوئے ہیں۔اب یہ سلسلہ ختم ہونا چاہئے۔دہشت گرد اسلام کی غلط تشریح کرتے ہوئے مسلمانوں کا غلط تشخص پیش کررہے ہیں۔دہشت گردی کے خلاف جنگ بین الاقوامی قوانین کے تحت لڑی جانی چاہئے۔ ڈرون حملے سود مند سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کو مختلف عالمی مسائل کے حل کیلئے پہلے سے زیادہ متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔اقوام متحدہ کے موثر کردار کیلئے اصلاحات از حد ضروری ہے۔ پاکستان ایک ذمہ دار ایٹمی ملک ہے اور اقوام متحدہ کے قوانین کی مکمل پابندی کریگا۔ فلسطین کو پچھلے سال اقوام متحدہ کی اعزازی رکنیت دی گئی اور ہم امید کرتے ہیں کہ فلسطین کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے رکن کا جلد اعزاز دیا جائیگا۔ پاکستان بیت المقدس کو فلسطین کے دارالحکومت قرار دیئے جانے کی مکمل حمایت کرتا ہے

امریکہ کو براہ راست قبلہ درست کرنے کی بات کرنا وہ بھی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بڑے دل گردے کی بات ہے۔بات بھی اس انداز میں کرنا کہ جس میں درخواست کا لہجہ ہو اور نہ ہی عاجزی عنصر کا۔ بلکہ ایسے محسوس ہوتا ہو کہ برابری کی سطح پر بات ہو رہی ہے۔پھر انہیں یہ باور کرانا کہ اب بہت ہو چکا2014 سے پہلے ہی امریکہ یہ ڈرون بند کرے۔اقوام متحدہ کو بات بھی باور کرانا کہ یہ تنظیم یہ ادارہ کسی ایک کیلئے نہیں بنایا گیا بلکہ اس میں پوری دنیا کی نمائندگی شامل ہے تو اسے اسی نہج پر آرگنائز کیا جائے کہ اس میں تمام ممالک کو برابری کے حقوق ملیں اور اس کیلئے dynamic اصلاحات بلکہ موثر اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔اور اس کے بعد اس کا کیلئے کام کرنا اقوام متحدہ کی solution رہنا اور دنیا کے مسائل کے آگاہی اور ان کے اولین ترجیح ہونا چاہیئے۔ اقوام متحدہ کو ہماری قربانیاں جو کہ دہشت گردی کو ختم کرنے کیلئے پاکستانی عوام اور پاکستانی فوج نے دی ہیں ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیئے ناکہ پاکستان کو تنقید کا نشانہ بنانے کا وطیرہ اپنایا جائے۔

ویل ڈن میاں نواز شریف ویل ڈن۔آج واقعی آپ نے ایک مسلمان، مسلم ملک کے نڈر لیڈر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں مذکورہ بالا جو بیانات دیئے اور جن خیالات کا اظہار کیا وہ یقیناً قابل صد ستائش ہیں۔اقوام متحدہ کی تاریخ میں ایسے مواقع شاذو نادر ہیں جب کسی ملک

یا ممبر نے امریکہ اور خود اقوام متحدہ کے حوالے سے تنقید کی ہو۔ راہ راست انکی پالیسیوں میں اصلاح کرنے کی تجویز دی ہو۔ ان کی مسلم ممالک کے حوالے سے پالیسیوں پر نظر ثانی کا کہا ہو۔ کھلم کھلا امریکہ کو یہ باور کرایا ہو کہ You are at fault بہرحال once again weldone ۔آپ کی یہ تقریر سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے اور آج ہی سے اس بارے میں ہمارے بہت سے سینئر کالم نگار دوست صفحہ قرطاس پر اپنے قلم کی زبان سے بہت کچھ positive and negative بیان کریں گے ۔ اس کے نشیب و فراز دکھا کر ڈرایا جائیگا۔ کہیں پر ''حقہ پانی'' بند کرنے کی بات کی جائے گی۔ اور کہیں امداد بند ہونے کا خدشہ دکھایا جائیگا۔ لیکن امید واثق ہے کہ آپ اپنے ان خیالات سے انصاف کرتے ہوئے ڈٹ جائیں گے اور .....اگر ایسا ہوا تو پھر ہماری عزت کا جو جنازہ نکل چکا ہے وہ بحالی کی راہ پر گامزن ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے دنیا میں جب جب کسی بھی ملک نے امریکہ کو آنکھیں دکھائیں اس کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے لائے تو وہ اکثر ''دکھایا جو آئینہ تو برا مان گئے'' کے مصداق برا مان گیا۔

پھر اسے اقتصادی، معاشی، سماجی اور سرحدی طور پر کمزور کرنے کے ترلے کئے۔ جو ملک ڈٹا رہا اس سے روابط اور دوستانہ کرلیا۔ جس نے لچک دکھائی اس کو فولڈ کرکے اس پر سوار ہوگیا۔ امریکہ کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو کسی کو دبانے اور ڈرانے کیلئے اپنا ایک ہاتھ اسکے گلے پر اور دوسرا اس کے پاؤں پر رکھتا ہے۔ پہلے گلا دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کامیابی نہ ہو تو پر دونوں ہاتھوں سے پاؤں

پکڑلیتا ہے۔اور ہمیں یقین کامل ہے کہ آپ ڈٹے رہے تو اس مرتبہ بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اس معاملے میں عوام بھی تن من دھن کے ساتھ آپ کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ایران ،شام، لیبیا چائنا کوریا وغیرہ کی مثالیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جب انھوں نے امریکہ کے ناجائز مطالبات کے سامنے سر خم نہیں کیا تو صرف خالی خولی دھمکیوں تک ہی محدود رہ گیا۔ کہ کل حملہ کیا جائیگا۔ پھر اعلان ہوا ہفتہ بعد کیا جائیگا۔ جب کوئی لچک نظر نہ آئی تو پھر اتحادیوں کے ذریعے سے دھونس دکھائی گئی آخری چارہ طور پر اقوام متحدہ کو استعمال کیا گیا۔ میاں صاحب اگر آپ کے خیالات اور تجاویز کو اقوام متحدہ سنجیدگی سے لے تو پھر ایک یا دو ملکوں کی ناجائز مناپلی ختم ہوجائیگی اور پاکستان کے ساتھ ساتھ بہت سوں کا بھلا ہوجائیگا۔ کیونکہ اب اتحادی بھی اس بات کو بخوبی جان گئے ہیں کہ انہیں صرف مہرے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے ۔ان کے تن اور دھن کو استعمال کرکے صرف اور صرف اپنے مقاصد کو پورا کیا جاتا ہے۔یہی وہ وقت ہے جب کسی کی تنزلی کا تعین ہوتا ہے اور وہ وقت قریب نہیں جب روس کی طرح امریکہ بھی اپنی طاقت کے زعم اور نشے میں غرق ہوجائیگا۔ بس تھوڑا سا حوصلہ درکار ہے۔

......آر پی او ملتان ! توجہ درکار ہے

مرد و خواتین کا رش لگا ہوا تھا شور و واویلا تھا کہ تین نامعلوم مسلح ڈاکو کھیتوں میں کام کرنی والی عورت کے کان سے سونے کی بالیاں نوچ کر کماد کی کھڑی فصل میں چھپ گئے ہیں۔ موقع پر موجود پولیس کے تین شیر جوان بھی موجود تھے۔ عوام کا مطالبہ تھا کہ وہ فصل میں موجود ڈاکوؤں کو گرفتار کریں۔ مگر شیر جوان تھے کہ بغلیں جھانکتے رہے تھے اور ٹس سے مس نہ ہو رہے تھے۔ ان کی بزدلانہ بے حسی کو دیکھتے ہوئے آخر کار عوام نے ان ڈاکوؤں کو پکڑنے کی ٹھانی اور ڈنڈوں سوٹوں سے لیس ہو کر فصل کو گھیر لیا۔ ڈاکوؤں کی تلاش شروع ہوئی لیکن چونکہ پولیس کے ”تجاہل عارفانہ“ کی بنا پر دیر ہو چکی تھی اس لئے ڈاکو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور شیر جوان باہر کھڑے اس ساری کارروائی کی ”نگرانی“ کرتے رہے۔ اس واقعہ سے ایک روز قبل ٹھیک اسی جگہ پر شیخ غلام فرید کے ہاں پانچ مسلح ڈاکو مہمانوں کے روپ میں داخل ہوئے ملازم کے شور پر اہل محلّہ اکٹھا ہو گئے شومئی قسمت اس وقت بھی یہی شیر جوان پولیس وین (ڈالے) سمیت ڈیرھ سے دو سو میٹر کے فاصلے پر موجود سیب نوش فرما رہے تھے۔ لوگوں کے شور کا ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ڈاکوؤں نے اپنی کارروائی مکمل کی۔ مزاحمت پر غلام فرید کو بٹ مار کر زخمی کیا۔

بھاگنے پر ملازم پر فائرنگ کی۔ اس کے باوجود شیر جوان مال مفت کے مزے لوٹتے رہے۔ جاتے ہوئے ڈاکوؤں نے جب مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کیلئے ان پر فائرنگ کی تو جوانوں کو ہوش آیا اور اپنے سامنے سے گزر کر جانے والے کے پیچھے گاڑی لگانے کی کوشش کی۔ جس پر ڈاکوؤں نے پھر فائرنگ کی اور گاڑی کی ونڈ سکرین ”زخمی“ کرانے کے بعد اہلکار سینہ تانے پولیس اسٹیشن لوٹ آئے۔ کوئی رپورٹ درج نہ ہوئی۔ شہر کے وسط میں واقع تین یوٹیلٹی سٹورز پر پندرہ دنوں میں ڈکیتی کی اور انہیں لوٹ لیا۔ تیسرے سٹور پر ڈکیتی کے دوران اہل علاقہ کے اکٹھا ہونے پر دو ڈاکوؤں کو پکڑ لیا گیا۔ مزاحمت پر سٹور انچارج کو گولی کا مزا بھی چکھنا پڑا۔ ڈاکوؤں کو پولیس کو تحفہ میں دے دیا گیا اور ایس ایچ او موصوف نے فوراً ڈکیتی کا پرچہ دے دیا۔ حالیہ دنوں میں دو مختلف واقعات میں نیشنل بنک سے TMA ملازم اللہ بچایا اپنی سیلری نکلوا کر جا رہا تھا کہ نامعلوم افراد نے اسلحہ کے زور پر بائیس ہزار روپے چھین لیے دوسری واردات میں مڈل گرلز سکول کا ملازم دوست محمد جبلہ بنک سے پچاس ہزار لے کر جا رہا تھا اسے زبردستی کار ڈال کر دھنوٹ لے گئے جہاں اس سے رقم اور موبائل اسلحہ کی نوک پر چھین کر راستے میں پھینک گئے مسلم لیگی رہنما اور تاجر رہنما شیخ اخلاق احمد سے آتشیں اسلحہ دکھا کر تین نامعلوم افراد نے نرنجن موڑ پر تین لاکھ سے زائد رقم اور قیمتی موبائل لوٹ لئے۔ کڈز کیئر سکول کے سامنے سے کھڑے موٹر سائیکل کو چرالیا گیا کوئی سراغ نہ ملا۔ قائداعظم روڈ

پر واقع کریانہ سٹور سے نامعلوم چوروں نے لاکھوں روپے کا سامان چوری کر لیا محلّہ دیانت پورہ سے شیخ یامین کی ہزاروں روپے مالیتی بکری نامعلوم چور چوری کر گئے ۔راوین سکول سے کمپیوٹر اور دوسرا سامان چرالیا گیاان سب وارداتوں کاتاحال کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے۔ایس ایچ او سٹی و صدر مدعی سے کہتے ہیں ہمیں ڈاکو یا چور کا نام بتائیں تاکہ اس کے خلاف کارروائی کی جائے ۔مدعی اس '' عقلمندانہ سوال'' پر اپنا سر پیٹتے ہوئے اپنی بیوقوفی پر نادم ہوتے ہوئے کہ واقعی چور کا نام تو بتانا چاہئے تاکہ پولیس کو کارروائی میں آسانی ہوسکے،چور کا نام جاننے کیلئے گھر لوٹ جاتا ہے۔اب آپکو دوسرا رخ دکھاتا ہوں جس میں رائل پبلک ہائی سکول کہروڑپکا کے باہر پرنسپل ملک مصطفیٰ آرائیں کا ساٹھ ہزار مالیت کا موٹر سائیکل دوپہر کے وقت لبستی حاصل والا کا رہائشی عادی چور عمران شاہ چوری کر رہا تھا کہ شہریوں نے مشکوک سمجھ کر پکڑ لیا اور چھترول کے بعد پولیس تھانہ سٹی کہروڑپکا کے حوالے کر دیا گیا ہے ۔ موضع اسماعیل پور واردات کی نیت سے آنے والے ڈاکو کو گھر میں موجود عورت نے قابو کرکے پولیس کے حوالے کردیا۔ موضع ڈھنہ گھاڑو میں بدنام زمانہ چھوہن گینگ کے تین ڈاکوؤں کو عوام نے واردات کرتے ہوئے موقع پر پکڑ لیا اور چھترول کے بعد'' نہ چھوڑنے کی شرط'' پر پولیس کے حوالہ کیا۔ محلّہ پٹواریاں والہ میں نامعلوم تین مسلح ڈاکوؤں نے اسی محلّہ کے رہائشی اسد ارائیں سے ہنڈا 125 موٹر سائیکل چھین لیا۔ جسے اہل محلّہ نے تعاقب کرکے واپس حاصل کیا جبکہ پولیس سوئی

رہی۔ لیکن ان تمام پکڑے جانیوالے چور وڈکیت پر پرچہ دینے میں پولیس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اوراپنی "جان توڑ کوشش "کوثابت کرتے ہوئے "اوپر" سے ویل ڈن وصول کیا۔ یہ چند وارداتیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا جو کہ گذشتہ ایک ماہ کے دوران ہوئی ہیں۔ جب کہ ان گنت ایسی ہیں جو پولیس کے رویے کے باعث درج ہی نہیں کرائی گئیں

قارئین کرام ! آج کا یہ کالم ،کالم کم خبرنامہ زیادہ محسوس ہو رہا ہے لیکن حالات و واقعات،احساسات اور فضا کی کشیدگی ہی کچھ اس قسم کے ہیں کہ اس طرح سے یہ خبریں آپ کی نذر کرناپڑیں لیکن ان کا اصل مقصد آر پی او ملتان کو ان کی پولیس کی کارکردگی دکھانا ہے ۔ آر پی او صاحب ملتان ڈویژن میں ایک ضلع لودہراں بھی آپ کی jurisdiction میں آتا ہے اور اس کی تین تحصیلوں لودہراں دنیاپور اور بالخصوص کہروڑپکا میں پولیس کی کارکردگی بڑے بڑے سوالیہ نشان لئے ہوئے ہے۔ عوام کی جان مال عزت آبرو کا تحفظ پولیس کی نااہلی کی وجہ سے ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ مذکورہ بالا واقعات اس امر کا پختہ ثبوت ہیں ۔ سٹی میں ہونے والی وارداتوں کو روکنے میں پولیس بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔ سائل،مدعی اور متاثرہ شخص کی دادرسی کرنے،ان کے ساتھ تعاون کرنے، ان کی رہنمائی کرنے کی بجائے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تمام واقعات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ان واقعات کا کوئی وجود نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے ساتھ

ڈکیتی ہوئی ہے تو پہلے تو اسے یہ کہا جاتا ہے اسے مشیت ایزدی سمجھ کر قبول کرلو اور پولیس کو خوامخواہ مصیبت میں نہ ڈالو۔ اگر وہ مدعی نہیں مانتا تو پھر ڈکیتی کو چوری میں تبدیل کرنے پر زور ڈالا جاتا ہے اور مذکورہ بالا تمام کیسز میں اس قسم کی صورت سے واسطہ رہا ہے۔ چوری کی رپورٹ کیلئے آنے والے سائل کو یہ پوچھا جاتا ہے کہ چور کا نام بتایا جائے۔ تاکہ پولیس اسے گرفتار کرنے کی کارروائی کرسکے۔ ارے عقل کے دشمن اگر اسے ہی چور کے بارے معلوم ہوتو کیا اس کے سر میں خارش ہے کہ وہ پولیس اسٹیشن دھکے کھانے آئیگا۔ چور سے ہی مک مکا کرکے معاملہ حل کرلے گا۔ اگر سونا چرایا یا ڈکیتی ہوا ہوتا ہے تو اسے لوہا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور پہاڑ کی گمشدگی کو سوئی کے گم ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بادل نخواستہ رپٹ درج کی جاتی ہے

امین وینس آر پی او صاحب ! ڈی پی او لودہراں ڈاکٹر انعام وحید کو سب اچھا اور سب اوکے کی رپورٹ کی جاتی ہے یا پھر عوام کی جانب سے پکڑے گئے ملزمان کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا جاتا ہے اور ان پر فوری طور پر ڈکیتی کا پرچہ دے دیا جاتا ہے۔ ڈی پی او لودہراں جس جذبے کے تحت لودہراں میں آئے تھے اور پولیس میں جو ریفارم کرنا چاہتے تھے وہ جذبہ ماند پڑگیا ہے۔ ذرائع کے مطابق وہ بھی اس روایتی نظام سے دل برداشتہ ہیں ان کے مطابق ضلع میں کوئی قابل قدر پولیس افسر (ایس ایچ او) نظر نہیں آتا جو کہ ان کو کام کرکے دے سکے۔ چند ایک

جو کام کرنے والے تھے ان کا تبادلہ سیاسی بنیادوں اور پسند نا پسند کی بنا پر دوسرے اضلاع میں کر دیا گیا ہے۔اب کاغذی کارروائیوں سے تمام معاملات کا پیٹ بھرنے کے ماہر اور سیاسی آشیر باد کے حامل پولیس ملازمین محکمے کو.بری طرح سے بدنام کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف عمل ہیں۔ماضی میں تعینات افسران بھی کاغذی کاروائیوں سے اپنے افسران کا دل خوش کرنے کی بنا پر ان کی گڈبک میں رہے ہیں اور تعریفی سرٹیفیکیٹ سے اپنی کمروں کی زینت.بڑھاتے رہے ہیں اور اس وقت بھی صورت حال کچھ مختلف نہ تھی۔ جناب آر پی او ملتان آپ ہمارے علاقے کے ان مسائل کو ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے حل کرنے کی کوئی پالیسی مرتب کیجئے۔ ضلع کی عوام کی جان مال عزت کے تحفظ کو یقینی بنانے کی اشد ضرورت ہے۔کب تک عوام اپنی مدد آپ کے تحت چوروں ڈاکوؤں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کرتی رہیگی ؟کب تک پولیس ہاتھ پر ہاتھ دھرے عوام کی لٹتا ہوا دیکھتی رہیگی۔کب قاتل سلاخوں کے پیچھے آئیں گے ؟کب مجرمان قانون کے شکنجے میں کسے جائیں گے ؟ وہ کونسی گھڑی ہوگی جب علاقے کی عوام سکون کی نیند کے مزے لے سکے گی؟کب وزیر اعلی پنجاب کی خواہش '' پولیس کلچر کا خاتمہ '' ہوگا؟کب مظلوم کو انصاف ملے گا؟کون ظالم کوکیفر کردار تک پہنچائے گا؟کب تک سیاسی کارندے دن کو رات اور رات کو دن کہلواتے رہیں گے ؟یہ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کے جواب درکار ہیں۔ایک بات اور جس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے حالیہ دورہ لودہراں کے دوران ایک بات کا بڑے خفیہ انداز میں تذکرہ ہوتارہا

کہ فلاں فلاں صحافی کو بلیک لسٹ کر دیا گیا ہے ان میں سے بہت سے صحافی وہ ہیں جنھوں نے پولیس کی کارکردگی کا اصل چہرہ دکھانی کی کوشش کی ہے یا پولیس کے خلاف لکھا تو پولیس.برا مان گئی اور آپ کی.بریفنگ میں ان کو مدعو نہیں کیا گیا تاکہ وہ ان کی کارکردگی کا پول نہ کھول سکیں۔ یہ عمل بھی قابل مذمت ہے۔ اس کے بارے میں بھی سوچئے گا۔ بہر حال سیاسی بنیادوں پر تعینات ہونے والے ایس ایچ اوز کو اس بات کا احساس دلانا مقصود ہے کہ سیاسی تعلق اگر مجبوری ہے تو نبھایا جائے لیکن عوام کو بھی ریلیف،انصاف اور تحفظ ملنا ضروری ہے۔ صرف اپنی وردی کو نہ بچایا جائے

یہ کونسی قربانی ہے!

چھری مصیبت میں مبتلا تھی۔بڑی آزمائش تھی حکم خداوندی تھا کہ خبردار میرے اسماعیلؑ کا ایک بال بھی بیکا کیا۔تجھے جنہم کی آگ میں جلادوں گا۔ادھر ابراہیم خلیل اللہ تھے۔اللہ کے برگزیدہ پیغمبر،وجہ کائنات حضور اکرمؐ کے جد امجد۔وہ زور لگا رہے تھے کہ کسی طرح سے چھری اسماعیلؑ کی گردن پر چل جائے۔مگر چھری ہے کہ چلنے کا نام نہیں لے رہی۔حضرت ابراہیمؑ نے چھری کو حلقوم پر کھڑا کیا۔نبوت کا سارا وزن ڈال دیا۔کسی اور طرف راستہ نہ پاکر چھری دستے سے باہر نکل گئی مگر اسماعیلؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچایا۔آسمان والے انگشت بدنداں تھے زمین والے دم بخود کہ آج یہ کیا ہونے جارہا ہے۔اللہ تعالی کی کیا مصلحت ہے؟کیا اب باپ بیٹے کو ذبح کیا کریں گے؟ ادھر شیطان سے برداشت نہیں ہورہا تھا کہ ایک پیغمبر حکم رب ذوالجلال کی تابعداری و پاسداری میں اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے درپے ہیں۔وہ فوراً بوڑھے کی شکل میں حضرت حاجرہؓ کے پاس پہنچا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عورت کو جلد گمراہ کیا جاسکتا ہے پس ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ آج باپ بیٹا کہاں گئے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اپنے کسی عزیز ترین دوست سے ملنے کسی خاص کام سے گئے ہیں۔شیطان مکروہ ہنسی ہنسا اور کہا کہ حاجرہ ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کیلئے لے گئے

ہیں۔حضرت حاجرہ نے کہا ملعون کبھی کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے تو شیطان نے بتایا کہ اللہ کا حکم ہے کہ اسماعیل کی قربانی دو۔ حضرت حاجرہ نے اس وقت جو فرمایا وہ تاریخ میں رقم ہوگیا آپؑ نے فرمایا تو پھر فکر کی کون سی بات ہے اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہوگی کہ میرے پیارے بیٹے کو اللہ کے راستے میں قربان

کردیا جائے۔ حضرت حاجرہ کا جواب سن کر شیطان نامراد لوٹ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچا اور انہیں ورغلانے کی کوشش کی آپؑ نے فرمایا کہ یہ میرے رب کا حکم ہے جا دور ہو جا میرے پاس سے اور اسے سات کنکریاں ماریں اور وہ مردود زمین میں دھنس گیا۔اور اللہ تعالی کو یہ ادا اس قدر بھائی کہ قیامت تک مسلمانوں کیلئے دوران حج ایک اسوہ بنادیا

دوسری طرف ابراہیمؑ اسماعیلؑ کو بتا رہے ہیں کہ مجھے خواب میں حکم ہوا کہ اللہ کی راہ میں تمہیں قربان کردوں تمہارا کیا خیال ہے؟ اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ اے والد محترم آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ اس پر عمل کر ڈالئے ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ سبحان اللہ کیا آداب فرزندی ہیں یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی جب ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیلؑ کی آنکھوں پر پٹی باندھنا چاہی تو ذبیح اللہ نے فرمایا ابا جان آنکھوں پر پٹی مت باندھئے مزہ تو تب ہے کہ باپ بیٹے کی نظریں بھی ملیں چھری بھی چلے۔اللہ اکبر کیا فرمانبرداری واستقامت تھی چنانچہ لٹا دیا گیا چھری کو

قریب رکھے پتھر پر رگڑا۔ بسم اللہ پڑھی گلے پر چھری چلائی آسمانوں پر کہرام مچا ہوا تھا جبرائیل علیہ السلام نے پکارا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اسماعیل نے فرمایا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور ابراہیمؑ نے کبریائی و حمد بیان کی اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ ملائکہ و فرشتوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اللہ تعالی نے جنت سے ایک خوبصورت مینڈھا (دنبہ) بھیجا چھری چل گئی اور دنبہ ذبح ہوگیا۔ رب ذوالجلال کو یہ تمام ادائیں اس قدر پسند آئیں تو ہمیشہ کیلئے صاحب استطاعت مسلمانوں کو اس کا پابند بنادیا گیا۔

اب اگر تاریخ انسانی کا بغور مشاہدہ کیا جائے اور حالات و واقعات کو بنظر غایت جائزہ لیا جائے تو ہر دور میں قربانی کا تصور کسی نہ کسی انداز میں ملتا ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی اور بعد میں بھی انسان ہی انسانوں کی بھینٹ دیتا آرہا ہے، کہیں دریا نیل کو خوش کرنے کیلئے خوبصورت ناری کی قربانی دی جارہی ہے تو کہیں دیوی دیوتاؤں کو رام کرنے کیلئے انسانوں کی بلی چڑھائی جارہی ہے کہیں کالے افریقی اپنے دیوتاؤں کی رضا کی خاطر گوروں کو سولی پر لٹکا رہے ہیں تو کہیں خداؤں کی ناراضگی دور کرنے کیلئے جانوروں کو قربان کیا جاتا رہا ہے۔ ایسے ادوار بھی گزرے ہیں جب کسی بڑے شخص کے مرنے پر اس کے ساتھ کچھ ایسے خدمت گار لوگوں کو موت کے سفر پر روانہ کردیا جاتا کہ یہ لوگ یہاں کی طرح وہاں پر بھی ان کی خدمت کریں گے۔ کہیں طاقت کے حصول کیلئے

توانا بیل اور مینڈھوں کو بلی چڑھادیا جاتا تھا۔ پیر و مرشد کو خوش کرنے کی خاطر کالے بکرے و مرغے کو بھی بھینٹ چڑھا جارہا ہے۔ الغرض یہ کہ سب لوگ اپنے اپنے

عقائد، رسم ورواج اور تہواروں کے مطابق اپنے خداؤں، دیوی، دیوتاؤں حکمرانوں اور پیر وفقیروں کو خوش کرتے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ اسلام میں ان کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں۔ ان تمام باتوں سے قطع نظران کی قربانی بھینٹ یا بلی میں کم از کم کسی خدا دیوی دیوتا کو خوش کرنا مطلوب و مقصود تو ہوتا تھا۔ کسی کی ناراضگی کو دور کرنا اور کسی کی رضا کا حصول ان کا مطمع نظر ہوتا تھا مگر آج کا مہذب انسان! حقوق انسانی کا علمبردار اور حیات حیوانی کا محافظ، قدرت کے اسراروں سے پردہ اٹھانے والا انسان نجانے کیوں کس کو خوش کرنے کی خاطر بلا سبب اپنے جیسے گوشت پوشت کے انسانوں کو بری طرح سے ذبح کر رہا ہے۔ یہ قربانی اور خون بہانے کا کونسا انداز ہے۔ باپ سے بیٹا۔ بھائی سے بہن ماں سے بیٹی بیوی سے شوہر کو چھینا جارہا ہے۔ نجانے کون کس کے کہنے پر کیوں کسی بے گناہ کی بھینٹ دے اور لے رہا ہے۔ کہیں دہشت گردی کے ناسور کی شکل میں تو کہیں مسلم غیر مسلم تنازعات کے نام پر، کہیں انسانی حقوق کی ٹھیکیداری کی آڑ میں تو کہیں مذہب کے نام پر، کہیں زمین و زر کی تقسیم پر تو کہیں حیوانی جبلت کی تسکین کی خاطر بیگناہ انسانوں کے خون کی ندیاں بہائی جارہی ہیں۔ مسلم غیر مسلم یہود و نصاری مذہب کی آڑ میں ایکدوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے جارہے ہیں اور پیاس ہے کہ اس کی شدت بڑھتی جارہی ہے۔ درحقیقت ہم

قربانی و ایثار کی اہمیت و افادیت کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ کر فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے محبت رواداری انس کے جذبوں کو بھلا دیا ہے۔ حالانکہ نظام قدرت وفطرت کا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ ہمیں ایثار و قربانی کے جذبے یاد دلاتا رہتا ہے لیکن ہم ہوس زر اور دنیا کی چاہت میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ ہمیں شہد کی مکھی کا محنت میں مصروف عمل ہونا، بادل کا پانی برسا کر فنا ہو جانا، درختوں کا دھوپ میں جل کر ٹھنڈک دینا، ندی کا پہاڑوں سے بہہ کر زمین کو سیراب کرکے خود کو مٹا دینا، نماز فجر میں نیند، ظہر میں کام، عصر میں تفریح اور عشاء میں آرام کی قربانی دینا دکھائی نہیں دیتا۔ خدرا ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی قربانیوں کو نشان منزل بنا کر دکھاوے اور ریاکاری سے پاک ہو کر ان راستوں پر گامزن ہو چلیں اسی میں فلاح و بہتری ہے۔

گدھے اور ہاتھی کی لڑائی

امریکی تاریخ کے سایہ ادوار میں اب تک 17 مرتبہ ایسا ہو چکا ہے کہ ملازمین کو کچھ عرصہ کیلئے اپنی تنخواہوں اور ملازمتوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔یکم اکتوبر2013 بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب امریکہ شٹ ڈاؤن ہوگیا۔ وہ امریکہ جو سب کو شٹ ڈاؤن کرنے کی طاقت کا بیانگ دہل اظہار کرتا تھا سب کو شٹ اپ کہنے کا دعوی کرتا تھا آج امریکہ میں اقتصادی، مالی، سماجی اور سیاسی شٹ اپ ہو چکا ہے۔امریکی عوام بالخصوص ملازمین خوف اور بے یقینی کا شکار ہیں۔ ایک چوکیدار سے لے کر فوج میں موجود جنرل کے رینک کے عہدیداران اس صورت حال کو بڑی وحشت ناک قرار دے رہے ہیں۔ گدھے اور ہاتھی کی سیاسی لڑائی میں غریب ملازمین دولتیاں اور سونڈ کے ہتھوڑے کسی پل چین سے بیٹھنے نہیں دے رہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا حالات قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ لوگ گھروں کو چھوڑ کر سڑکوں کا رخ کر چکے تھے۔بہت سے امریکی شہری اوبامہ اور ان کے ہیلتھ کیئر کے بل کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے ان کے مطابق سرکاری ملازمین کو اس صورت حال نے مالیاتی یرغمال بنالیا ہے۔ ایک سرکاری خاتون کے مطابق ''انھوں نے حقائق سے مکمل طور پر روگردانی کر لی ہے وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کے فیصلے کا عام شہریوں پر کیا اثر پڑے گا۔ ہم

لوگوں پر۔ ہم جو نچلے طبقے کے لوگ ہیں'' دوسری خاتون کا کہنا تھا کہ ''ان کو تو تنخواہ کسی نہ کسی طرح مل رہی ہے لیکن ہمیں نہیں مل رہی جبکہ اس مسئلے کے ذمہ دار وہ خود ہیں ہم نہیں۔ میں سمجھتی ہوں یہ سب غیر منصفانہ ہے''ماہر اقتصادیات جیکب کرکیگارڈ کو اس بات کا قوی خدشہ تھا کہ صورت حال مزید ابتر ہوگی۔ ایک بین الاقوامی نیوز ایجنسی کے مطابق اگر مالی مسائل کی وجہ سے شٹ ڈاؤن جاری رہا تو جنگی معاملات اور آپریشنز کے علاوہ فوج کے مختلف شعبوں کے معاملات و معمولات متاثر ہونے کا شدید خدشہ ہے۔ سول ڈیپارٹمنٹ کی معاونت ختم ہونے سے فوجی شعبے شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ اس شٹ ڈاؤن سے جو اثرات فوج کو برداشت کرنا پڑیں گے اس کا ادراک فوری طور پر نہیں ہوگا البتہ بعد ازاں شٹ ڈاؤن کے نقصانات سامنے آئیں گے۔ چک ہیگل کا کہنا تھا کہ ''امریکہ کی ساکھ عالمی سطح پر شدید متاثر ہوگی اور امدادی واتحادی مزید مایوسی کا شکار ہونگے''۔

امریکہ کی مذکورہ بالا پیدا شدہ صورت کا نوے فیصد ذمہ دار اوبامہ حکومت (گدھے) اور دس فیصدری پبلکن (ہاتھی) کو ٹھہرایا جارہا ہے۔ عوام اور تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اوبامہ کو جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا چاہئے تھا۔ بالکل ٹھیک فرماتی ہیں امریکی عوام۔ کیونکہ جوش کی وجہ سے مت ماری جاتی ہے۔ جوش و دھونس تو دوسرے ممالک کے صدور اور وزرا اعظم پر چل سکتا ہے جیسے

کہ پاکستان، عراق، ایران، کوریا، برما، صومالیہ، وغیرہ۔ لیکن اپنے ملک کے لوگوں پر دھونس دھاندلی نہیں جمائی جا سکتی ہے۔اور لگتا بھی ایسا ہی ہے کہ واقعی اوبامہ کی ''مت وج گئی'' ہے۔ بھئی سیدھی اور سامنے کی بات ہے ہر کام پاکستانی حکمرانوں سے حکم اور دھونس جما کر لیا جاتا ہے۔ جائز و ناجائز، صحیح و غلط کی تمیز کئے بغیر اور سوچ سمجھے بغیر لیس سر''کا راگ الاپا جاتا ہے تو نجانے کیوں اس معاملے میں پیچھے رہ گئے۔ اجی اوبامہ'' صاحب۔ شٹ ڈاؤن کی وجہ سے آپ نے تو خوا مخواہ ہی ملازمین کو چھٹی پر بھیج دیا

حالانکہ اگر پاکستانی حکمرانوں سے مشورہ لیا جاتا تو اس قسم کی صورت حال کبھی پیدا ہی نہ ہوتی ۔کیونکہ پاکستان میں بہت سے محکمے ایسے ہیں جہاں پر ملازمین کو چار چار ماہ، چھ چھ ماہ کی تنخواہ نہ دینا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ملازمین بغیر تنخواہ کے تین سے چار ماہ تو ویسے ہی گزار دیتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی تنخواہ کے حوالے سے ڈر ڈر کر ڈیمانڈ کرتے ہیں۔

اور پھر ''پاکستانی پروسس''شروع ہوتا ہے۔افسران کو خوش کیا جاتا ہے۔ مشاورت ہوتی ہے کہ کیسے تنخواہ نکلوائی جائے۔ قومی رضاکار سب سے ''بی با'' محکمہ ہے سال سے دو سال گزر جانا معمول کی بات ہے۔ محکمہ بلدیات، تعلیم، صحت، ریوینیو

ڈیپارٹمنٹ، ریلوے وغیرہ ایسے محکمہ جات ہیں جہاں پر تین چار ماہ کی تنخواہ روک لینا تو معمولی بات ہے۔دوسرا یہ کہ ہماری حکمرانوں کو بھی ہی خیال نہیں آیا کہ انہیں ان مشکل حالات میں کوئی عمدہ مشورہ ہی دے دیں۔یہی تو گڈ بک میں آنے کا موقع تھا مگر نجانے کیوں

ہمارے حکمران لسی پی کر سو رہے۔ بہر حال سترہ دنوں کے بعد ڈیڈ لائن پر شٹ ڈاؤن ختم ہوگیا ہے ملازمین اپنے اپنے اداروں میں کام پر واپس جا چکے ہیں۔اب نجانے کب ایسے حالات پیدا ہوں کہ گدھے اور ہاتھی کی لڑائی ہو اور لومڑ بن کران کی لڑائی سے فائدہ اٹھایا جائے۔یار زندہ، صحبت باقی

تمام باتوں سے قطع نظر میڈیا کی تیز نظروں کی وجہ سے کسی بھی ملک کے خالات چھپائے نہیں چھپ سکتے۔اس لئے اب امریکا کا پھول کھلنے لگا ہے کہ امریکہ مالی مشکلات کا شدید شکار ہے ورنہ ری پبلکن کو اوبامہ کا جاری کردہ بل روکنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ایک فیصد کے مقابلے میں ننانوے فیصد کا جو احتجاج شروع ہوا زور و شور سے جاری رہااور امریکی ارباب اختیار کو شرمندہ کرتا رہا۔وہ بھی حد تک غربت کا امارت کے خلاف اعلان جنگ تھا۔اس دوران میں مظاہروں کو طاقت سے روکنا بھی امریکی بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ ان حالات کے پیش نظر،دوسروں کی ٹانگیں کھینچنے کی بجائے اپنے پاؤں مضبوط کرے اور عوام کو سہولیات باہم پہنچائے ورنہ وہ دن دور نہیں جب اس کے عوام ہی ان کو نوچ کھائیں گے۔

بھکاری بادشاہ

پوری دنیا میں مافیا کا لفظ خوف ، نفرت اور دہشت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لفظ مافیا بذات خود برا ہے کیونکہ استحصال کی سب سے بڑی اور نمایاں علامت ہے مثلاً کمیشن مافیا، بوٹی مافیا، انڈر ورلڈ مافیا، کرپشن مافیا ٹمبر مافیا اور بھکاری مافیا وغیرہ اور آجکل بھکاری مافیا جتنا سرگرم عمل ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بھکاری مافیا کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ علاقے اور جگہیں بٹی ہوتی ہیں کوئی کسی دوسرے کے علاقے میں جا کر بھیک نہیں مانگ سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے جرمانے کے ساتھ ساتھ سزا بھی دی جاتی ہے۔ بھکاری مافیا اپاہج اور معذور بچوں کو اپنے کیمپوں میں با قاعدہ ٹرینگ دے کر ان کا برین واش کر کے مختلف علاقوں اور پوائنٹس پر چھوڑ جاتے ہیں اور جو سرکش قسم بچے یا خریدے گئے بچے ہوتے ہیں ان کی با قاعدہ نگرانی کی جاتی ہے یہ وہ بچے ہوتے ہیں جنہیں اس قبیح عمل کیلئے اغوا کر کے ان کے پیاروں سے جدا کر کے تیار کیا جاتا ہے۔

یہ بھکاری وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کماتے ہیں اور اپنے مالکوں اور کرتا دھرتاؤں کی روزی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں اور یہ مالک اور کرتا

دھڑتا لوگ سختی کرنے کے علاوہ ان کو پروٹوکول بھی دیتے ہیں ان کو پک اینڈ ڈراپ کی بہترین سہولیات بھی دی جاتی ہیں۔ کہیں موٹر سائیکل پر تو کہیں کار پر اور کہیں بڑی گاڑیوں میں ان کو ان کے علاقوں اور ٹھکانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

یہ تمہید باندھنے اور لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے ملک میں ایک اور طبقہ بھی اسی کام پر لگا ہوا ہے چار سے پانچ فیصد یہ لوگ اشرافیہ کہلاتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ملک کا نظام اور باگ دوڑ انہیں کے ہاتھوں میں ہے اگر انہوں نے یہ فریضہ انجام نہ دیا تو ملک کا دیوالیہ نکل جائے گا حالانکہ دیوالیہ تو یہ لوگ نکال چکے ہیں۔انکل سام سے ملک کے عوام کا سودا کرکے امداد کی صورت میں بھیک مانگی جارہی ہے اور جس طرح یہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ لو اور دو کی پالیسی پر عمل پیرا لوگ دھڑلے سے یہ ٹوپی ڈرامہ کررہے ہیں کہ غریب عوام کیلئے امداد کی اشد ضرورت ہے۔یعنی عوام کو بھی بھکاری اور مقروض بنادیا ہے حالانکہ غریب عوام کو پتہ ہی نہیں کہ انہیں کہاں کہاں بیچا جارہا ہے۔ ڈرون کی نذر کیا جارہا ہے۔کہاں کہاں ان کی بولی لگا کر نہیں فروخت کیا جارہا ہے اور پھر فروختگی کے بعد وصول ہونے والی خطیر رقم (بھیک) کو کہاں پر، کیسے اور کب استعمال کیا جارہا ہے آیا کہ استعمال بھی کیا جارہا ہے یا اپنی ہوس ناک تجوریوں کو بھرا جارہا ہے بینک

بیلنس بڑھایا جارہا ہے اور یقینا یہی بات ہے کہ اپنے پیٹ کے جہنم کو ایندھن مہیا کر کے اسے دہکایا جارہا ہے کیونکہ اگر یہ امداد (بھیک) کہیں پر استعمال ہوتی تو نظر ضرور آتی اس کا آؤٹ پٹ دکھائی دیتا۔ لیکن معاملہ تو الٹ ہی نظر آتا ہے کہ خوشحالی کی بجائے بدحالی کے ڈیرے ہیں ارزانی کی بجائے گرانی منہ پھاڑے نگلنے کو تیار ہے۔ ترقی کی بجائے تنزلی کا شکار ہیں۔ لوڈشیڈنگ میں اضافہ ہماری پالیسیوں کا منہ چڑا رہا ہے گیس کی قلت ہمارے گیس کے ذرائع کا پول کھول رہی ہے۔ تعلیمی فقدان ہماری نسل نو کو کچوکے لگا رہا ہے۔ طبّی سہولیات کی کمی غیر صحتمندانہ معاشرے کی دلیل دے رہی ہے اور ہم ہیں کہ بھیک پہ بھیک مانگے جارہے ہیں اور مسائل کا لاینحل سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔ قرض بڑھتا جارہا ہے مسائل بڑھتے جارہے ہیں بجلی گیس پانی غائب ہورہے ہیں ان کے اخراجات دو سو فیصد بڑھ چکے ہیں ہمارے ''بھکاری بادشاہ'' اپنی گدڑیوں کو بھرتے جارہے ہیں اور عوام ہیں کہ ان کے بستر تک بک رہے ہیں اور اب وہ اپنے پیاروں اپنے لخت جگر تک بیچنے پر مجبور ہوگئے ہیں لیکن ہمارے حکمران ہیں کہ اس امداد کو پنے باپ کی جائیداد گردانتے ہوئے اس پر ہاتھ صاف کئے جارہے ہیں

ملک میں افراتفری ہے۔ بے سکونی و بے چینی ہے۔ بے روزگاری و افلاس نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ بھوک نوے فیصد عوام کو ہڑپنے کو تیار ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کی شاہی خرچیاں روزافزوں بڑھتی جارہی ہیں۔ 70، 70 کے وفد کی شکل

میں اپنے خاندانوں اور اپنے خوشامدیوں کو برطانیہ کی سیر کرائی جارہی ہے۔ حج و عمرہ کے پاکیزہ فریضہ جات میں بھی بدعنوانی جیسے عوامل واضح طور پر دکھائی دے رہے ہیں اقربا پروری کا بول بالا ہے۔ افریقہ میں ہنی مون منایا جارہا ہے۔ عوام ہے کہ کھانے کو تنکے تنکے کو ترستی ہے اور اشرافیہ مفلس عوام کو بیچ بیچ کرا للے تللوں پر ناجائز اور بے جا صرف کررہی ہے یعنی بھکاریوں سے بھی بڑھ گئے ہیں کہ جن کی خاطر اور جن کے ایما پر بھیک مانگتے ہیں ان کو کم از کم ان کا حصہ تو دے دیتے ہیں لیکن ذرائع کے مطابق یہ بھکاری بادشاہ اس کو ہوا تک لگنے نہیں دیتے اور باروں بار (باہر ہی باہر سے) ہی اپنے اکاؤنٹس میں ٹرانسفر ہو جاتی ہے یا پھر غائب کردی جاتی ہے اس کا سایہ تک عوام پر نہیں پڑنے دیا جاتا ہے۔

یہ بھکاری بادشاہ اپنے درباریوں کو نوازتے ہوئے بھی بار بار سوچتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ صرف خالی خولی ٹرخا دیا جائے ٹوم ٹلی سجالی جائے۔ لیکن یاد رہے کہ اس طرح سے کسی بھی صورت ملک میں مسائل کا سلسلہ کم نہ ہوگا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا اور پھر بھوکی پیاسی اور مفلس عوام سوائے رونے چیخنے چلانے اور واویلا کرنے کے کیا کرسکتی ہے اور جب معاملہ بہت زیادہ برداشت سے باہر ہو جائے تو پھر خودکشی اور خودسوزی کی شکل میں اپنے غصے اور بے بسی کا اظہار کرتی ہے۔ ڈرون کا عفریت ان کو نگلتا رہے گا لیکن اشرافیہ اور

بھکاری بادشاہوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا ان کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑیگا اور عوام اسی طرح اپنی قیمتی جانوں اور خون و پسینے کو ضائع کرتی اور بہاتی رہے گی اور حکمران اپنے معمولات کو اسی شد ومد کے ساتھ جاری رکھیں گے اور بھوکے اور بھکاری دونوں انقلاب کا انتظار کریں گے۔

تعلیمی قوال

پاکستان کی 66 سالہ تاریخ میں نظام تعلیم ہمیشہ سے تجربات کی آماجگاہ رہا ہے اس نظام کو پے در پے تجربات نے ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج ہم علمی ، ادبی، سائنسی، معاشی، معاشرتی اور میڈیکل کی ترقی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اتنا پیچھے کہ آثار بھی دور دور تک دکھائی اور سجھائی نہیں دیتے۔ہماری کوتاہیوں، خامیوں، خود غرضیوں اور نااہلی کی گرد اتنی دبیز ہوچکی ہے کہ ہم اپنا تعلیمی ماضی یکسر گنوا چکے ہیں۔ اور آج تک ''قوال'' بھی نہ بن سکے۔ کیونکہ جب کوئی بے سرا شاگرد اپنے استاد سے گائیکی کا گر سیکھنے آتا ہے تو اکثر اس کو سن کر بے اختیار بھگا دینے کو دل چاہتا ہے لیکن اگر یہی شاگرد دل جمعی سے اور تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے راگ الاپتا رہے تو ایک دن گویا اور قوال بن ہی جاتا ہے مگر اس میں شرط شوق اور لگن و جستجو کی ہے۔ ہم تقریبا عرصہ 66 سال سے پاکستان میں نظام تعلیم کو درست کرنے اور اس میں بہتری لانے کا بے سرا راگ الاپتے آرہے ہیں مگر آج تک تعلیمی قوال نہ بن سکے۔ ہمیں آج تک معلوم ہی نہ ہوسکا ہے کہ تعلیم کی بنیادی ضروریات کیا ہے۔

ہمارے لئے ملک و قوم کیلئے تعلیم کس قدر حیثیت و اہمیت کی حامل ہے۔ معاشرے میں، انسانی تخیلات میں، ترقی و خوشحالی میں، صحت و تندرستی میں تعلیم کا کیا مقام و درجہ ہے؟ بس ہر روز بے سود و بے تکان تجربات کئے جارہے ہیں۔ اب ایک نیا کٹا پنجاب حکومت کی طرف سے پھر کھولا جارہا ہے کہ ضلعی سطح پر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی کو اختیارات دے کر ''ہولی سولی'' بنایا جارہا ہے جس کا مقصد طالب علموں کی انرول منٹ، سو فیصد حاضری، سو فیصد شرح خواندگی، اساتذہ کی کھپت، ان کی ایڈجسٹ منٹ، تقرر و تبادلے جیسے امور کے اختیارات تفویض کرکے نظام کو بہتر بنانے کا عندیہ دیا جارہا ہے۔ اس سیٹ اپ میں ضلع کی سطح پر مندرجہ بالا تمام معاملات کو ایک پرائیویٹ ماہر تعلیم (اس کی تعلیمی قابلیت بھی سوالیہ نشان) اور بلدیاتی انتخابات سے منتخب ہونے والے سیاسی افراد بھی شامل ہونگے۔ اور ان تمام معاملات میں تن من سے دھن کی خاطر اپنے ''فرائض منصبی'' انجام دیں گے بھی اور دلوائیں گے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر اساتذہ کے درمیان ایک کھنچاؤ اور احتجاج کی سی کیفیت پیدا ہوچکی ہے۔ وہ اساتذہ جو کہ بڑی کوشش کے بعد واپس درس و تدریس میں مشغول ہوئے تو ایک بار پھر انہیں سڑکوں پر لانے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ سسٹم کو شفافیت اور درست کرنے کی آڑ میں اسے مزید گدلا، غیر شفاف اور غلط نہج پر لے جایا جارہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اگر تعلیمی معاملات کو بہتر بنانا ہے تو پھر اپنی (ہماری) پسند

کے بلدیاتی امیدوار کو کامیاب کرایا جائے۔یعنی ابھی سے سیاسی اثر و رسوخ کو شامل تعلیم کیا جارہا ہے کیونکہ استاد جیسا بھی ہو اس کا عمل دخل کسی نہ کسی حد تک طالب علموں اور ان کے توسط سے والدین تک لازمی پہنچتا ہے بالخصوص دیہی علاقوں میں تو یہ پریکٹس بہت زیادہ عام ہے۔

ابھی سے راہ ہموار کیجارہی ہے۔ اسے سراسر سیاسی مفادات کا منبع بنایا جارہا ہے۔جس کی بناپر تعلیمی اداروں میں درس وتدریس کی بجائے سیاسی دنگل ہوا کریں گے۔ یا یوں کہہ لیں کہ اساتذہ کسی بھی کام کے سلسلے میں سیاسی ڈیروں کو رونق کو دوبالا کریں گے۔

سکولوں میں اصطبل، بھانے اور گودام بننے لگے گیں اور دن کے اوقات میں بھی الو بولا کریں گے (خاکم بدہن)۔اصلاح کی بجائے فسادات کو فروغ ملے گا۔یکساں نصاب تعلیم اور یکساں نظام تعلیم کا خواب دھندلاجائیگا۔لابی ازم کو تقویت ملے گی۔ ٹینشن بڑھ جائے گی۔ ہیڈ ماسٹر ،اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان خلیج مزید وسیع ہو جائے گی۔مفادات کی جنگ اور تحفظ حقوق کی خاطر معلم درجہ بندیوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ تعلیم وتدریس اور طلبا کا مستقبل مزید تاریک ہوجائیگا۔تمام قابل احترام اساتذہ پر بے فیض تلوار ان پڑھ اور گنوار نمائندوں کی شکل میں لٹکتی رہے گی ان میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو شاید کبھی سکول کے قریب سے بھی نہ گزرے ہوں اور آج وہ تعلیم اور ان کے معاملات بارے میں لائحہ عمل مرتب کریں گے۔ سبحان اللہ

واقعی ذات باری تعالی کے عجیب فیصلے ہیں۔

وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف اور ان کی عقل و خرد سے مزین ٹیم سے دست بستہ عرض ہے کہ اس طرح کی لا حاصل کوششوں سے کچھ نہیں ہونے والا۔ وہ موجودہ نظام میں موجود خرابیوں کو دور کرنے کے اقدامات کریں۔ نظام میں بہتری اور اصلاح کیلئے مخلص، دیانتدار اور سینئر اساتذہ سے مشاورت کرکے لائحہ مرتب کیا جائے۔ قصہ مختصر گورنمنٹ کا یہ اقدام نہایت ہی غیر مستحسن ہے اس کی وجہ سے نئی الجھنیں پیدا ہونگی۔ تعلیمی سلسلے تعطل کا شکار ہو جائیں گے۔ نظام تنزلی کی جانب مزید جھک جائیگا۔ مزید یہ کہ حکومت اپنی سابقہ کارکردگی سے بھی سبق لے۔ کیونکہ تعلیمی قوال بننا ہوتا تو اب تک کے ایجوکیشن کے تحت EDO تجربات سے بن چکے ہوتے۔ لہٰذا موجودہ نظام تعلیم جو کہ implement چل رہا ہے اس کو بہتر انداز میں کیا جائے ورنہ تو پھر احتجاج، جلسے جلوس اور دھرنوں کا سلسلہ شروع ہو جائیگا جس سے مستقبل و مقدر مزید تاریک ہو جائیگا۔ میاں صاحب۔ براہ کرم! آپ لیڈر بننے کی کوشش کریں نہ کہ سیاستدان۔ کیونکہ پاکستان کو سیاستدان ابھی تک کو راس نہیں آئے۔ لہٰذا اہل دانش کو آگے آنے دیں اور اہل زر کو پیچھے ہی رکھیں۔

سپر مارکیٹ کا کچرا

غربت و افلاس کا عفریت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں ایک ایسا طبقہ ضرور موجود ہوتا ہے جن کا رہن سہن، کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا اور طور اطوار کسی بھی دیکھنے والے کو فورا باور کرادیتے ہیں کہ یہی غریب اور مفلس لوگ ہیں۔ جو غربت کی نقاہت کی بنا پر خط غربت سے بھی نیچے پھسل چکے ہوتے ہیں۔ یورپ کے امیر ترین ملک ہوں یا نام نہاد مہذب اقوام، ایشیا کے پسماندہ اور ترقی پذیر مماکل ہوں یا پھر خلیج کی ریاستیں ہر جگہ یہ مخصوص طبقہ حسرت و یاس کی تصویر بنا زبان حال سے اپنا پتہ دیتا دکھائی دیتا ہے۔ امیر ترین ممالک مثلا سعودی عرب اور اسرائیل میں بھی مفلوک الحال باسیوں کی ایک دنیا آباد ہے۔ سعودی عرب میں تو کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں پر تین تین دن تک لوگ صرف پانی پی کر گزارنا معمول ہے۔ جبکہ شہزادے اور حکمران عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یورپ میں بھی مفلسی اور مفلوک الحالی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ لیکن منظم انداز میں اسے ڈیل کرلیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہی منظر عام پر آتی ہے۔ پاکستان اور دوسرے ایشیائی ممالک کی طرح ان علاقوں میں بھی پیشہ ور لوگ چھونپڑ پٹیوں میں اپنی گزر اوقات کرتے ہیں۔ لیکن پیشہ ور بھکاریوں کی بہتات نہیں وہاں پر غریب لوگ

بھی کچھ نہ کچھ کرکے اپنے پیٹ کے جہنم کو بھرنے کا "ترلہ" کرتے نظر آتے ہیں کچھ ایسے افعال جیسے کہ کاغذ چننا، کباڑ اکٹھا کرنا، کوڑا کرکٹ کے ڈھیر سے کھانا تلاش کرنا ہر جگہ معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کی کوشش بھی کی جاتی ہے حالانکہ یہ لوگ ان سے تو کم از کم بہتر ہیں جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف بھیک کو بنالیا ہے۔ انہوں نے ٹھان رکھی ہے کہ ہاتھ پاؤں سلامت ہونے کے باوجود بس مانگ کر ہی گزارا کرنا ہے۔ مگر اس میں سارا قصور صرف اس غریب کا بھی نہیں ہے اس تناظر میں اس ملک کے حکمرانوں اور ایلیٹ کلاس کی مال و دولت کی غیر منصفانہ اور غیر مساوی تقسیم ہے۔

اب یہ معیوب اور بظاہر حقیر دکھائی دینے والے امور کو مغربی ممالک نے پسندیدہ اور قابل استعمال بنانے کا فیصلہ کیا اس کیلئے اپنی دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کارلانے میں جت گئے۔ ڈنمارک میں ہزاروں کی تعداد میں ریستوران موجود ہیں جہاں نامی ریستوران RubogStub روزانہ لاکھوں شہری اپنا پیٹ بھرتے ہیں لیکن آج کل کا بہت چرچا ہے جس کی وجہ شہرت کچرے سے اکٹھی کی گئیں اشیائے خوردونوش کو دوبارہ سے قابل استعمال بنانا ہے۔ ریسٹورنٹ کے ملازمین اس کچرے میں سے جو کہ سپرمارکیٹس پھینک دیتی ہیں کو چن لیتے ہیں جنہیں بعد ازاں مختلف اقسام کی ڈش بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ریسٹورنٹ ابھی حال ہی میں بنایا گیا ہے لیکن یہاں

گاہکوں کا بہت زیادہ رش ہے اور اس میں تمام کمیونٹی (غریب امیر) سب شامل ہیں اور انہیں یہاں مٹن روسٹ سے لے کر بطخ کے گوشت کی پروڈکٹ کے ساتھ ساتھ پھل اور ڈیری کی مصنوعات بھی پیش کی جاتی ہیں۔دنیا میں کچرے کی نذر کی جانیوالی اشیائے خوردونوش کی مقدار کا ایک تہائی غذائی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کی مقدار روز بروز بڑھ رہی ہے۔اشیائے خوردونوش کے ضیاع کو روکنے کیلئے عالمی سطح پر ایک تحریک موجود ہے جسے freeganism کہا جاتا ہے۔درحقیقت یہ کوئی تحریک نہیں بلکہ یہ کنزیومر ازم کے مخالف ایک طریقہ ہے جس کا مقصد کچرے کی نذر کی جانیوالی اشیائے خوردونوش میں سے قابل استعمال اشیاء کو الگ کرکے قابل استعمال بنانا ہے۔قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس عمل سے حاصل ہونے والی رقم کو کوئی اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاتا بلکہ حاصل ہونے والی آمدنی بھی فلاحی کاموں کی استعمال کرنے کی پیش بندی کی گئی ہے اور سب سے دلچسپ بات کہ اس ریسٹورنٹ کا پورا عملہ رضاکاروں پر مشتمل ہے اور اپنی خوشی سے بلامعاوضہ کام کرتے ہیں۔اب یہاں پر تھوڑی سی بات ہوجائے روایتی لوگوں کی یعنی کے ناقدین کی۔جن کا موقف ہے کہ یہ لوگ کچرے میں سے مفت میں حاصل کی گئی غذائی اشیا بیچ کر نفع کمارہے ہیں اور اب سپر مارکیٹس والے بھی کچرے اٹھانے جانیوالوں سے معاوضہ ڈیمانڈ کرنے لگے ہیں جبکہ ریسٹورنٹ مالک سوفی سیلز کہتی ہیں کہ یہ ریسٹورنٹ خالصتا لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے بنایا گیا ہے اور اس کی آمدنی کو بھی غریبوں اور ناداروں کی بہتری اور بہبود

کیلئے استعمال کیا جائیگا۔ مگر اب اس کار خیر میں لوگ رکاوٹیں ڈالنے لگے ہیں ہمیں بری نظروں سے دیکھا جارہا ہے۔ ہم پر شک کیا جارہا ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ نہ تو خود کوئی اچھا کام کرتے ہیں اور نہ ہی کسی اچھے کام کو ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ کام جاری و ساری رکھنے کاارادہ ہے۔ اچھی سوچ ہے اور اس ایشو پر ان کو ڈٹ جانا چاہیے۔ یقینا اس میں بہت سے لوگوں کی بھلائی کا واضح پہلو موجود ہے اور ایک بھی ملے گی ۔ ان میں appreciation خاص وقت کے بعد اس کام کے حوالے سے انکو اپنے لوگوں کیلئے کچھ کرنے کا بے لوث جذبہ موجود ہے ۔ وہ اپنے لوگوں کیلئے کچھ کرنا چاہتی ہیں اور وہاں کی کمیونٹی انہیں یہ سب کرنے بھی دے گی ۔ کیونکہ وہ پاکستان میں دونوں award اور reward نہیں رہتی۔ اور وہاں پر اچھے کام کرنے والے لوگوں کو ہی ملتے ہیں۔ جبکہ یہاں تو صرف زبانی جمع خرچ کرنے والوں کی واہ واہ ہے ۔ کچھ نا کرنے والوں کو ایوارڈ دے دیئے جاتے ہیں جبکہ ان کے کوئی بھی کارہائے نمایاں کسی بھی انداز میں دکھائی و سنائی نہیں دیتے بلکہ ملک دشمنی کے شاخسانے کہیں نہ کہیں انہیں جوڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال بقول شاعر

پھولوں کو بکھیرا تو چراغوں کو بجھایا
ڈھونڈتی پھرتی ہے ہوا اور کسی کو
اس کو بھی پنپتے ہوئے دیکھا نہیں انور
جس نے بھی پنپنے نہ دیا اور کسی کو

ہتھیار نہیں پیار

ہماری اس مہم کا مقصد بچوں میں یہ آگاہی پیدا کرنا ہے کہ جن کھلونا ہتھیاروں سے وہ کھیلتے ہیں یہ صرف کھلونے نہیں بلکہ نفسیاتی طور پر بچوں کا برین ڈویلیپ کررہے ہیں اصل ہتھیاروں سے ملتے جلتے اور مشابہہ کھلونے استعمال کرنے والے بچے ان لوگوں کو ہیرو سمجھنا شروع کردیتے ہیں جو اصل ہتھیار چلاتے ہیں۔کچے ذہن رکھنے والوں بچوں کو کھلونا پسٹل، گن، رائفل وغیرہ معاشرے میں ناہمواری اور انتشار کا سبب بنتے ہیں کیونکہ پاکستان کے دیگر شہروں کی طرح کراچی میں کھلونا ہتھیار کی فروخت اور مانگ میں بے پناہ اضافہ معاشرے کے منفی پہلو اور رویے کی جانب واضح اشارہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی جو آجکل بدامنی ،لاقانونیت، دہشت گردی، بھتہ خوری ،ٹارگٹ کلنگ کا گڑھ بن چکا ہے اس شہر بے امان میں بچوں کے کھلونا ہتھیاروں کے خلاف ایک این جی او'' پرسکون کراچی ''کی جانب سے ایک انوکھی مہم شروع کی گئی وائس آف امریکہ کی ایک رپورٹ کے مطابق جمعرات کے روز اس مہم کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس بھی منعقد کی گئی جس کا عنوان ''ہتھیار نہیں پیار'' تھا۔اس مہم میں منفرد انداز میں ہتھیار نما کھلونوں کو تلف کرنے کیلئے پلاسٹک اور دیگر میٹریل کی مدد سے بنائے گئے کھلونوں کو شرکاء نے اپنے ہاتھوں سے توڑا اور پھر ان پر روڈ رولر چلا کر اس

مہم کا آغاز کیا گیا۔ مہم کے شرکاء نے اس عمل کے بعد باآواز بلند قومی ترانہ بھی پڑھا اور پھر ''ہتھیار نہیں پیار'' کا پر شگاف نعرہ بھی فضاؤں میں بکھیرا۔اس منفرد مہم کیلئے ٹیم نے سرکاری وپرائیویٹ سکولوں کا وزٹ بھی کیا اوور بچوں سے کھلونا ہتھیار لے کر ان کو دوسری قسم کے کھلونے تحفے میں دیئے۔علاوہ ازیں کھلونا پستول ، چاقو، بندوق وغیرہ بیچنے والوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ آئندہ اس قسم کے کھلونے فروخت نہ کریں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اس تنظیم کے اس عمل کو ہر سطح پر سراہا گیا اور مثبت انداز میں پذیرائی ملی اور بعض شہریوں نے بھی رضاکارانہ طور پر اس مثبت عمل کو پھیلانے میں تعاون کا یقین دلایا۔ کراچی جیسے شہر میں تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کے تدارک اور معصوم بچوں میں.بڑھتے ہوئے تشدد کے رجحان کو کم کرنے یا ختم کرنے این جی او کردار ایک خوشگوار سنگ میل ثابت ہوگا اور امید واثق ہے کہ اس مثبت عمل سے کراچی شہر کے افراد کو امن سکون خوشی ملنے کا قوی امکان پیدا ہوگا۔

بچوں میں تشدد کے رجحان کے.بڑھنے کی رفتار نہایت حدتک.بڑھ چکی ہے اور رجحان بے حسی اور نامناسب رویے کی عکاسی کرتا ہے۔ کل تک بچوں کو ڈرایا جاتا تھا کہ چھری سے مت کھیلو۔ انگلی کٹ جائے گی۔ اس آگاہی اور تنبیہ پر بچے ڈر جاتے تھے لیکن آج کا بچہ چھری کیا پستول دیکھ رہا ہے گولی چلتی دیکھ رہا ہے خون

بہتا دیکھ رہا ہے اور ان مناظر میں اس کیلئے ڈر کہیں نہیں۔ چنانچہ وہ عادی ہوتا جا رہا ہے۔ ماحول میں رچتا بستا جا رہا ہے۔ روزمرہ کے معمولات میں خود کو ملوث کرتا جا رہا ہے۔اس سے بھی آگے وہ فلموں، ڈراموں شوز اور ویڈیو گیمز میں دکھائی جانیوالی قتل کی واردات کی منصوبہ بندی کی بغور دیکھ اور سمجھ رہے ہوتے ہیں اور اس کا اثر بھی براہ راست قبول کر رہے ہوتے ہیں۔دانستہ یا غیر دانستہ طور پر تشدد کے چھوٹے بڑے تمام مناظر ان کے ذہنوں پر نقش ہو رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے اپنے گھروں میں بچوں کی تعلیم کو تو بے پناہ حساسیت دی جاتی ہے کہ سکول سے چھٹی نہ ہو جائے کالج مس نہ ہو جائے۔ مارکس کم نہ رہ جائیں لیکن تربیت کا کوئی ذریعہ اور نظام نہیں دکھائی دیتا۔کہ ان کے اذہان کو پر تشدد کارروائیوں کے خلاف تیار کیا جائے ان سے نفرت کرنے کی ترغیب دی جائے۔اگر ہم اپنے بچپن کا بنظر غایت جائزہ لیں تو ہمیں ہمارے والدین اور بڑے ایسی کہانیاں اور واقعات سناتے اور بتاتے تھے کہ جو انسانی اقدار و اخلاقیات کے درس سے بھرپور ہوتی تھیں۔ انسانی عزت و احترام جان و مال کی قدر و قیمت سے آشنائی کا موثر ذریعہ ہوتی تھیں۔ایسا ماحول دردمندی، بھائی چارگی، دوستی ، محبت ، رحم اور اتفاق و اتحاد کے جذبات پیدا کرتا تھا لیکن اب ایسا ماحول ناپید ہو چکا ہے۔آج کا بچہ اپنے بڑوں اور والدین سے کم ، ٹی وی و انٹرنیٹ زدہ

ماحول سے زیادہ سیکھ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں تشدد کے جذبات اور رجحانات شدت کے ساتھ پنپ رہے ہیں۔ پھر جب آٹھویں کلاس کا طالب کسی کو قتل کرتا ہے۔ میٹرک کے طلباچیک پوسٹ پر پولیس اہلکار کے روکنے پر پسٹل سے فائر کرکے اسے ہلاک کردیتے ہیں۔ سکول میں چاقو اور خنجر کا بلادریغ استعمال ہوتا ہے تو تعجب نہیں ہوتا بلکہ تاسف اورافسوس سے اپنی اور معاشرے کی بے حسی اور بے ثباتی پر کڑھتے رہتے ہیں۔ مغرب زدہ معاشروں میں تو اس قسم کی پریکٹس ہوا کرتی تھی لیکن اب مشرقی روایات کے حامل معاشرے بھی بری طرح سے اس لپیٹ میں آچکے ہیں۔ لہذا ان تنظیموں کے ساتھ ساتھ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ماحول سے اپنے بچوں کو بچائیں۔ منفی ماحول اور رویوں کے مضر پہلوؤں کا احاطہ کریں کیونکہ جب تک والدین بچوں میں انسانی صفات پیدا کرنیوالی کا ماحول اور معاشرہ تخلیق نہیں کریں گے تو حالات مزید ابتر ہوتے جائیں گے اور پھر تباہی و بربادی سے ان کوئی نہیں بچاسکے گا۔

ظلمت شب کو جھٹلانے والی شخصیت..... نیلسن منڈیلا

ایک طویل زمانے سے غلامی کے مہیب سائے انسان کے ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں انسانی تہذیب عروج و زوال کی طرف گامزن ہے اور غلامی ہمیشہ اس کے متوازی رہی ہے۔ کیسی ہی تہذیب ہو اور کیسا ہی تمدن ، طوق انسانی گلے کا زیور، ہتھکڑیاں انسانی کلائیوں کی تقدیر اور بیڑیاں ابن آدم کے قدموں کا مقدر رہی ہیں یہ منظر آسمان ہمیشہ سے دیکھتا رہا ہے کہ انسان کے گلے میں بندھی رسی کا دوسرا سرا کسی انسان کے ہاتھ ہی میں ہے اور اس کی بولی لگانے والے بھی گوشت پوست کے انسان ہی ہیں اور انسانی آقاؤں کی نسلوں کے ساتھ ان کے غلام بھی غلام ابن غلام رہے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رومی تہذیب ننگ انسانیت ہے کہ جہاں غلاموں کو کئی کئی دنوں کے بھوکے بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا اور شراب وکباب کی محفل سجائی جاتی ۔ یا پھر غلاموں کے دو گروہوں کو چھریاں بھالے خنجر اور تلوار دے کر آپس میں لڑایا جاتا تھااوراس ''تفریح'' سے آسودگی حاصل کیجاتی تھی۔غلام کی جان و مال عزت و آبرو حتی کہ اس کا ایمان بھی آقا کی مرضی کے تحت و تابع ہوتا تھا جبکہ لونڈی کے ساتھ تو انسانیت کو شرمادینے والے کھیل کھیلے جاتے تھے۔غلاموں کے حصول کیلئے جنگیں کی جاتی تھیں کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ جتنے زیادہ غلام ہونگے

ان کی فصلیں اتنی ہی سرسبز و شاداب ہونگی۔ صنعت کا میدان ہو کہ عمارات کا ڈیزائن اس کا تعلق مشرق سے ہو کہ مغرب سے امریکہ سے ہو کہ افریقہ سے سب کی سب غلاموں کے ہاتھوں سے تعمیر شدہ ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں لیکن ان کی تذلیل میں کمی نہ آسکی۔

یہ اور اس سے ملتی جلتی صورت حال اپنی تب وتاب اور شدت سے جاری تھی کہ رحمت خداوندی جوش میں آگئی اور رحمت العالمینؐ کی شکل میں اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ظلمت کے اندھیرے چھٹ گئے۔ غلاموں کو آزاد کرنے اور کروانے کی قانون سازی کی گئی چنانچہ فرمایا کہ قسم توڑنے پر غلام آزاد کردو۔ نتیجہ کہ جب عثمان بن عفانؓ محسن انسانیت کو اپنے گھر بلاتے تو آپ کے قدم گنتے تھے اور ہر ہر قدم کے بدلے میں غلام آزاد کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں ایک طویل فہرست ان غلاموں کی موجود ہے جنھوں نے علم و ادب اور سیاست میں نام پیدا کیا یہ اسلامی نظام کے انسانی اثرات تھے کہ ہندوستان میں غلاموں کے ایک خاندان '' خاندان غلاماں'' اور مصر میں ''خاندان مملوک'' حکومت کی۔ اسلامی تاریخ میں مشرق سے مغرب تک حکومت کی اور غلامی کی زنجیروں کو کاٹ ڈالا۔ آقا اور غلام کے فرق کو مٹادیا۔ آقا اور غلام ایک ہی صف میں شانہ بشانہ کھڑے دکھائی دیئے۔ انہی اقدار کو کہیں مسلمانوں نے رواج دیا تو کہیں غیر مسلم نے بھی اسے اپنایا اور اپنی شناخت، پہچان اور آزادی کی خاطر کئی کئی عشرے قید

وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ گورے اور کالے کے فرق کو مٹانے کیلئے اپنی جوانی اور زندگی کے قیمتی سال جیل میں گزارنے والا جری بے باک نڈر اور انسانیت کو برابری پر تولنے والا نیلسن منڈیلا اس بے حس دنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ گیا لیکن ایک ایسی شمع روشن کرگیا کہ آج وہ گورے جو کبھی اس کو دہشت گرد، متعصب، غلام اور نجانے کیا کیا کہتے تھے انکی کوششوں کو ان کے کارناموں کو ان کے کردار کو خراج عقیدت اور خراج تحسین پیش کررہے ہیں۔ اس شخص کو 250 سے زائد مختلف پرائزز سے نوازا گیا۔ 1993 میں دنیا کا سب سے بڑا امن کا ایوارڈ ''نوبل انعام'' ان کے گلے کی زینت بنا۔ 27 سالہ جیل میں گزارنے والا یہ آہنی اعصاب کا مالک جب رہا ہو کر اپنے ملک اور اپنی قوم میں پہنچا تو اہل افریقہ نے اس کی راہ میں اپنی پلکیں بچھادیں اسے اپنے ملک جنوبی افریقہ کا صدر منتخب کرلیا۔

آج کی سپرپاور امریکہ جو کہ کبھی کالوں کو اقلیت تصور کرتی تھی آج اس ملک کا صدر باراک اوبامہ بھی کالی نسل کا نمائندہ ہے۔اس کے مطابق دنیا نے سب سے زیادہ متاثر کن، باہمت اور انتہائی اچھا انسان کھودیا۔ نیلسن منڈیلا کا سفر اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان اور ممالک بہتری کیلئے تبدیل ہو سکتے ہیں میں ذاتی طور پر نیلسن منڈیلا سے متاثر ہوں۔برطانیہ جو کبھی منڈیلا کو عصبیت کو ہوا دینے والا گردانتا تھا آج اس کے وزیر اعظم نے اپنے ملک کا پرچم اس کی

خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سرنگوں کرنے کا حکم دیا اور ان کی موت کو روشنی کے چلے جانے سے تشبیہ دی۔ بان کی مون کے مطابق نیلسن نے انسانیت کے وقار، برابری اور آزادی کیلئے اپنی جدوجہد سے دنیا بھر میں کئی لوگوں کو متاثر کیا۔افریقن نیشنل کانگرس نے اپنے جذبات کی ترجمانی اس طرح کی کہ جنوبی افریقہ اور دنیا نے انسانیت، مساوات، انصاف اور امن کا پیکر کھودیا ہے۔نائیجیرین صدر جوناتھن کہتے ہیں کہ ہمارے دور کی سب سے محترم شخصیت تھے۔وہ بابائے قوم تھے، ایک دانا انسان اور آزادی کیلئے لڑنے والا انسان جس نے تشدد کو مسترد کردیا۔کئی برس جیل میں گزار کر اپنے لوگوں کیلئے خود اپنی مثال قائم کی۔اسرائیلی وزیراعظم بنیامن نیتن یاہو کے تاثرات کچھ ایسے ہیں کہ دنیا بھر میں پسے ہوئے لوگوں کیلئے ایک قابل تقلید شخصیت تھے۔ وہ ایک پرعزم انسان تھے جس کا اظہار انہوں نے تاحیات کیا اور وہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کو متاثر کرتے رہیں گے۔ نیوزی لینڈ کے وزیراعظم جان کی کے مطابق منڈیلا ایک متاثر کن رہنما اور غیر معمولی انسان تھے۔کئی برسوں تک وہ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز سے پاک مستقبل کی امید کا نشان بن کر رہے۔وہ نہ صرف جنوبی افریقہ بلکہ تمام دنیا کیلئے تبدیلی کی قوت تھے۔سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ نیلسن انسانی وقار، آزادی، امن اور مفاہمت کے فاتح کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔ ہم انہیں ایک غیر معمولی وقار اور ہمدردی کے حامل انسان کے طور پر یاد رکھیں گے جس نے

بدسلوکی کو برداشت اور اپنے مخالفین کو تسلیم کیا یہ صرف ان کا سیاسی لائحہ عمل نہیں بلکہ ان کا طرز زندگی تھا۔ انڈیا میں پانچ روزہ سوگ کا اعلان کیا گیا۔ جبکہ پاکستان میں صرف ایک منٹ کی خاموشی سے ہی کام چلا لیا گیا۔ کیونکہ ہمیں ''ماڈیبا'' سے کوئی سروکار نہیں۔ آزادی و غلامی کا فرق ہمارے لئے کوئی معنویت نہیں رکھتا۔ ہم ذہنی غلام ہیں۔ ہمیں نیلسن منڈیلا یا اس جیسے رہنما کی موت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارے آقا کی خوشی میں ہماری خوشی ہے۔

قرضہ صرف امیروں کیلئے ہے

لمبی لمبی قطاریں نیشنل بنک کے سامنے بعد ازاں فوٹو سٹیٹ کی دکانوں پر دکھائی دے رہی ہیں۔ ہر کوئی بلا سوچ سمجھے وزیر اعظم یوتھ لون پروگرام سے مستفید ہونے کا متمنی دکھائی دیتا ہے۔ہر شخص خواہش مند ہے کہ اسے قرض مل جائے اور وہ مملکت خداداد میں با عزت روزگار کما سکے۔ فارم حاصل کرتے والوں میں نوجوان اور ادھیر عمر مرد و خواتین اور سرکاری ملازمین بھی پیش پیش ہیں۔فارم Free of cost نیشنل بنک سے ملتا تھا۔لیکن حاصل کرنے والے کی ایکٹ.بڑی تعداد کے پیش نظر فوٹو کاپی کو بھی قابل قبول قرار دیا گیا۔فوٹو کاپی والوں کی چاندی شروع ہو گئی اور فی فارم 20 روپے میں دیا جانے لگا یہ پہلا Step ہے جہاں سے کرپشن اور بدعنوانی شروع ہوئی اور وزیر اعظم کے شفاف پروگرام پر داغ لگ گیا۔ بہر حال راقم نے چھ سات لوگوں مختلف لوگوں سے دریافت کیا آپ یہاں کیوں خوار ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ قرضہ کی سکیم ہے اور اسے 20 لاکھ روپے تک قرضہ ملے گا۔ پوچھا کس بنیاد پر قرضہ لے رہے ہو؟ کوئی کاروبار، دوکان، زراعت وغیرہ سے وابستگی ہے۔ جواب ملا۔ نہیں۔ بس اپلائی کر رہے ہیں۔پوچھا کہ کوئی شرائط کے بارے میں بھی معلوم ہے۔اسکی Requirements کا پتہ ہے جواب ملا نہیں۔ میں نے کہا میرے بھائی پہلے شرائط تو

ملاحظہ کرلیں کہ آپ ان شرائط پر پورا اترتے ہیں۔اگر پورا اترتے ہیں تو ان کو پورا کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔اب میرے وہ بھائی کچھ پریشان دکھائی دینے لگے میں نے کہا کہ پریشان مت ہوں یہ پاکستانیوں کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جو شخص قرضہ کا خواہش مند ہے اس کا پہلے سے کوئی کاروبار۔ذریعہ معاش ہونا چاہیے۔پھر اسکی تمام تفصیلات کہ کتنا انویسٹ کیا ہوا ہے۔آمدن کتنی ہے ؟اخراجات کیا ہیں؟ نفع کی شرح کیا ہے؟ نقصان کا کتنا اندیشہ ہے؟آئندہ عرصہ میں کیا توقعات ہیں؟ متعلقہ شعبہ میں تجربہ کتنا ہے وغیرہ وغیرہ۔میں نے پوچھا کتنا قرضہ درکار ہے جواب ملا جتنا مل جائے۔انہیں بتایا کہ میرے بھائی آپ بھی حکومت کی طرح ڈھول میں لٹھ چلارہے ہیں۔جو لپیٹ میں آگیا فائدہ ہے۔پہلے اس کیلئے پلاننگ کریں کتنا قرضہ ہو؟ کس مقصد کیلئے ہو؟ مختصر یہ کہ انہیں صرف یہ معلوم تھا کہ قرض مل جائے بس۔ اب دوسری طرف آیئے۔انہیں بتایا کہ اگر پانچ لاکھ روپے قرض لینا ہے تو آپکا ایک ضمانتی (گارنٹر) بھی ہونا چاہیئے جس کے اکاؤنٹ میں چھ سے سات لاکھ روپے ہونا چاہیئے۔اور پھر وہ گارنٹر بطور ضمانت ایک چیک بھی گورنمنٹ (بنک) کو دے گا تو کیا آپ نے اس کا کوئی انتظام کیا؟ کہنے لگے ہمیں تو اس بابت معلوم ہی نہیں۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیں تو قرض مل ہی نہیں سکتا۔بھئی جس کے پاس اتنا سٹرانگ گارنٹر ہوگا تو وہ بجائے حکومت کے جال میں پھنسنے کے۔اس کی

منت ترلہ کرکے اس سے رقم بطور قرض نہ لے لے گا کہ جس پر 8 فیصد سود بھی نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ یہ قرضہ تو صرف امیروں کیلئے ہے۔ کیونکہ ان شرائط پر غریب تو پورا اتر ہی نہیں سکتا۔ امیر لوگ اپنے ملازم، مزارعے یا کسی کے بھی نام اکاؤنٹ کھلوا کر اس کی گارنٹی دلوا کر قرضہ حال کرلے گا اور پھر ''جٹ جانے fake سے تے بجو جانے'' کے مصداق جس سے ہوسکے گا قرض واپس لے لیگا یا پھر وہ بے چارہ غریب ملازم ،مزارعہ جس کے نام پر اکاؤنٹ ہے چکی میں پس جائے گا۔

اب ایک اور کام بھی شروع ہوگا کہ جو کہ کمیٹیاں ان کے کاروبار کی تفصیلات کیلئے وزٹ کریں گی ان کو بھی راضی کرنا ہوگا صاف ظاہر ہے کہ غریب ان کو بھی راضی نہ کرسکے گا تو وہ بلیک لسٹ ہو جائیگا جبکہ یہی کمیٹیاں جب امرا کے پاس جائیں گی تو ان کے منہ بھر دیئے جائیں گے اور امرا قرض کے مستحق قرار پائیں گے۔ کہیے کے یہ تو سراسر مذاق ہے۔ غریب کو سر عام ذلیل کیا جارہا ہے ہفتہ بھر سے لائنوں میں لگے بھکاریوں کی طرح فارم کی ڈیمانڈ کر رہے ہیں۔ یہ تو ہمارے ساتھ بھکاریوں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا ہے۔

کیا حکومت اور شریف برادران کو خوف خدا نہیں ہے۔ ان کے وہ وعدے کہاں گئے۔ جو غربت مکاؤ پروگرام کے تھے خوشحالی لانے کے تھے۔ میں نے کہا میرے بھائی

کروڑ عوام میں سے کم از کم دو کروڑ لوگ تو اس کیلئے اپلائی کریں گے۔ 18-19100 روپے فی کس کے حساب سے بنک میں جمع کرانا ہوگا یعنی 2 ارب روپے تو عوام سے ہی نکلوالئے گئے 100 ارب کا قرضہ دینا ہے۔ قرض بنک دے گا 8 فیصد بنک وصول کرے گا ۔ نفع ہو نقصان ہو آکے 8 فیصد سود دینے کے پابند ہیں۔ جبکہ 7 فیصد گورنمنٹ ادا کرے گی جو کہ عوام کے ٹیکسوں سے ادا کیا جائے گا یعنی ہماری جوتی ہمارا ہی سر۔ اگر یہی خطیر رقم کسی پسماندہ علاقے میں کوئی انڈسٹری لگانے پر صرف کردی جاتی تو اس سے بہت سے مثبت نتائج سامنے آتے ۔ بہت سے ان غرباکے بہت سے معاشی مسائل حل ہو جاتے اور باعزت روزگار مہیا ہو جاتا۔ ہاتھ پھیلانے کا سلسلہ بند ہو جاتا۔ لیکن چونکہ ہم قرض لینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ سود پر ملک کو چلارہے ہیں۔ سر سے پاؤں تک سود کی لعنت میں ڈوبے ہوئے ہیں ملک و عوام کی خودداری انانیت، جان و مال سب داؤ پر لگایا ہوا ہے۔ اس لئے مخصوص ہدایات کے تحت عوام کو بھی اس سلسلے سے منسلک کرکے بھکاری بنانے کا ''عزم صمیم'' کیا ہوا ہے۔ بہرحال قرضہ صرف امراء کیلئے ہے اور غربا کو کوئی حصہ نہیں

جب انہیں سلیکیٹ ہو جائے انہیں واہ

Allah Almighty says: And do not consume one anothers wealth unjustly or send it to the rulers in order that they might aid you to consume a portion of the wealth of the .people in sin, while you know it is unlawful

ترجمہ :اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھا لو جان بوجھ کر:

رشوت معاشرے کیلئے ایک ایسا ناسور ہے جو کینسر سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اس کا شکار لقمہ جہنم بن جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں جب رشوت عام ہو جاتی ہے تو عدل وانصاف کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے نتیجہ معاشرے کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے۔اختلاف، انتشار، خلفشار جیسے عوامل عام ہو جاتے ہیں افراد میں اخوت ومحبت، ہمدردی و بھائی چارہ، اتحاد و یگانگت ناپید ہو جاتے ہیں۔ بغض وعناد، نفرت، عداوت وشکاوت کا آتش فشاں ابل پڑتا ہے اور امن وآشتی ،اعتماد واعتقاد کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ جب رشوت کے بل بوتے ایک مستحق کو اس کے حق

سے محروم کردیا جاتا ہے تو معاشرے کا ہر فرد ایک دوسرے پر جبر و استبداد کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔اور معاشرہ بد نظمی اور بد عملی کی تصویر بن جاتا ہے۔ رشوت ایک sin grave major ہے۔جس سے اخلاقی اقدار کا ستیا ناس ہو جاتا ہے اچھے برے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو جاتا ہے حق و باطل ،حرام وحلال، جائز و ناجائز کا فرق مٹ جاتا ہے اور رشوت ستانی اس معاشرے کا خاصہ بن جاتی ہے۔ اس حوالے سے کوئی دورائے نہیں ہیں کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنم کا یندھن بننے والے ہیں۔

ہمارے ملک کا کوئی بھی شعبہ اور طبقہ ایسا نہیں جہاں یہ ناسور رائج العام نہ ہو۔ ججز سے لیکر منشی تک ، سیکرٹری سے لیکر کلرک تک، آئی جی سے لیکر کانسٹیبل تک ، تقرری سے لیکر ریٹائرمنٹ تک ، صنعتکار سے لیکر مزدور تک ہر ہر قدم پر رشوت کا بازار گرم دکھائی دیتا ہے۔ جہاں رشوت ستانی نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے وہیں پر انسانی جسم وجان کیلئے بھی ایک خطرہ ہے۔پل ، بلڈنگز، پلازہ، روڈز، ڈیمز کی تعمیرات میں رشوت استعمال کرکے غیر معیاری اور ناقص میٹریل کے استعمال کے مذکورہ بالا تعمیرات زمین بوس ہو جاتی ہیں جس سے سرکاری خزانے کو نقصان کے ساتھ ساتھ انسانی جانوں کے ضیاع کا بھی سو فیصد امکان و احتمال موجود ہوتا ہے۔اسی طرح صحت کے شعبے میں غیر معیاری ادویات کے استعمال سے مریض کی جان بچنے کی بجائے جان لے لی جاتی ہے۔ کوئی بھی

اتھارٹی یا بااختیار شخص مختلف کمپنیوں کو انسانوں کو مارنے یا ان کی صحت سے کھیلنے کا لائسنس جاری کر دیتا ہے۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ بااثر شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ وہ اس معاشرے میں دندناتے پھرتے رہتے ہیں۔ معاشرے میں رشوت ستانی کے جو نقصانات واثرات مرتب ہوتے ہیں اور جس سے معاشرہ بدنظمی وبدعملی کا شکار ہوجاتا ہے تو اسکی اصل ذمہ داری حکومت وقت اور صاحب اقتدار وارباب اختیار پر ہوتی ہے۔ اگر حکمران عادل ہوں گے انصاف پسند، ایمان دار، خداترس اور نیک ہوں گے تو اس معاشرے میں برائیوں کی مقدار بہت کم ہوگی۔ رشوت اور بدعنوانی جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال اپنی موت آپ مرجائیں گے اور اگر معاملہ الٹ ہوگا یعنی حکمران وافسران، راشی، کاہل، خودغرض اور نااہل ہوں گے تو معاشرے میں ظلم کا دورہ ہوگا۔ Black marketing, Favouratism, undue favour,Napotism, Corruption, Bribery جیسے عوامل معاشرے کا دیوالیہ نکال دیں گے۔ آجکل ایک نیا ٹرینڈ کہ رشوت کو بطور تحفہ دیا اور لیا جاتا ہے یہ حقیقت ہے کہ رشوت اور تحفہ میں مشابہت ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے رشوت میں جھوٹ اور سوچ میں کمینہ پن شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد صرف اور صرف ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح افسر یا بااختیار شخص کی توجہ، خوشنودی اور تعاون حاصل ہوجائے۔ جب کہ تحفہ خالصتا خلوص اور بے لوث جذبے کا نام ہے۔ علماء کرام کے نزدیک حاکم وقت، گورنر یا کسی بھی افسر کو تحفہ دینا جائز نہیں ہے یہ رشوت کی ایک قسم ہے۔

کسی دفتر کے افسر سے مجھے کچھ کام لینا تھا
کہا میں نے کہ فدوی ہوں ذرا نظر عنایت ہو
جواباً یہ کہا اس نے کہ رشوت سے توتائب ہوں
اگر چاہو تو تحفے میں ایک کمپیوٹر بھجوادو

اس لیے حکمران ،افسران اور ارباب اختیار کو میں سمجھتا ہوں کہ مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

مقدمات کے فیصلے بلا امتیاز و تفریق کیے جائیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا فیصلہ (1) کرنے کے سلسلے میں رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی۔

حاجت مندوں کو ناحق اپنے دفاتر اور دروازوں پر انتظار نہ کرایا جائے۔ (2)

حکمران وافسران قناعت پسندی کو اپنا شعار بنائیں۔ (3)

فنڈز کا استعمال جائز اور ضرورت کے تحت کریں۔ (4)

رشوت لینے اور دینے والوں کو بلا تمیز نشان عبرت بنایا جائے۔ (5)

اپنے فرائض منصبی ایمانداری سے سرانجام دیئے جائیں (6)

نہ کیا جائے۔ مستحق اور اہل کو ذمہ appoint نا اہل اور سفارشی لوگوں کو قطعی (7) داری دی جائے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بقول شاعر

سوئی میں دھاگہ ڈالنے والی نوکری پہ
انھا ایک سلیکٹ ہوا ہے انّے واہ

خود بھی اور اپنے اہل وعیال کو رزق حرام سے بچائیں۔(8)

ڈیوٹی کے اوقات میں آفسز میں اپنے آپ کو پابند کیا جائے اور اسے احسن طریقے (9) سے نبھایا اور پورا کیا جائے۔ کیونکہ رزق حلال عین عبادت ہے۔اس ڈیوٹی کے حوالے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

ایک سرکاری ملازم کے گھریلو حالات بہت دگرگوں تھے قرض بھی سر چڑھا ہوا تھا ایک .بزرگ کے پاس گیا اور اپنی تنگ دستی اور معاشی حالات بیان کیے اور اپنے سرکاری فرائض کی ادائیگی کے بارے میں بھی بتایا تو.بزرگ نے کہا کہ ان مسائل پر قابو پانے کا ایک ہی طریقہ ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے سرکاری ملازم نے کہا کہ آپ بتائیں میں یہ عمل کروں گا۔بزرگ نے کہا کہ اپنی تنخواہ میں سے 500روپے لینا کم کردو۔ سرکاری ملازم یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا کہ یہاں تو پیسوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں قرض چڑھا ہوا ہے تنگدستی نے ڈیرے ڈل رکھے ہیں۔ بجائے اضافہ کے کم رقم تنخواہ) لینے کی بات کررہے ہیں۔ لیکن وہ کچھ کہتے کہتے خاموش رہ گیا اور چلا گیا) ۔ تقریباً چار چھ ماہ بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور بتایا کہ میں نے آپ کی بات پر عمل کیا اور صورت حال یہ ہے کہ تنگدستی ختم ہو گئی۔ لیکن بچت اور قرض باقی ہے۔بزرگ نے فرمایا کہ مزید 500روپے اور کم کردو۔ یہ نصیحت لے کر وہ پھر چلا گیا کچھ عرصہ بعد دوبارہ آیا تو بہت خوش تھا کہ قرض بھی اتر گیاہے۔ تنگدستی بھی ختم ہو گئی ہے بچت

نہیں ہوتی۔بزرگ نے مزید 500روپے کم کرنے کا کہہ دیا۔اگلی مرتبہ جب حاضری دی تو سرکاری ملازم نے بتایا کہ محترم گھر میں خوشحالی ہے،قرض اتر چکا ہے اور اب کچھ پس انداز بھی ہوجاتا ہے لیکن یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کم تنخواہ لینے پر یہ سارے معاملات درست ہوگئے حالانکہ میری ضرورت زیادہ تھی ۔بزرگ نے فرمایا میرے دوست آپ اپنے آفس میں جتنی ڈیوٹی انجام دیتے ہو تو یہ 1500روپے اس سے زائد وصول کرتے تھے جس کی وجہ سے۔برکت اٹھ چکی تھی ۔جب اجرت سے زیادہ لینا بند کیا تو۔برکت ہوئی اور آپ کے تمام مسائل دور ہوگئے۔

تو محترم قارئین یہ بھی کرپشن کی ہی ایک قسم ہے کہ اپنی ڈیوٹی کے اوقات میں فرائض منصبی ادا نہ کرنا،یا پھر احسن طریقے سے ادا نہ کرنا۔ہمارے ہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ آفیسرز دیر سے دفتر آتے ہیں۔اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں چند دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں اور وقت سے پہلے ہی گھر کو سدھار جاتے ہیں اور جب کبھی کام کیا تو تحفہ (رشوت) بھی لیتے ہیں تو ان کے گھر میں پریشانی ،مسائل،بیماریاں مستقل ڈیرہ ڈال لیتی ہیں اور تنگدستی کارونا ان کا معمول ہوجاتا ہے۔وزیر اعلی پنجاب نے یہ اقدام اٹھا کر اس ناسور کو ختم کرنے کی ایک سعی کی ہے مگر یہ کاوش اس وقت بارآور ہوگی جب تقریبات کی بجائے اس کو عملی طور پر نافذ کیا جائیگا اور اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کوئی انہہ

انھیں وہ سلیکیٹ نہ ہو جائے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ جہنم کا ایندھن بننے کی بجائے جنت کا کوئی درخت، پودا بن کر زندگی گزارنا معمول بنالیں۔ خود بھی خوش رہیں اور خلق خدا کو بھی سکون فرحت بخشیں۔

تو! پھر انصاف کیسے ہوگا؟

اگر ہم درخواست منظور بھی کر لیتے ہیں تو کیا کوئی قابل عمل آرڈر پاس کر سکیں گے ؟کیا سپریم کورٹ تحقیقات کرا سکے گی؟ یہ چار حلقوں کا نہیں پورے ملک کا معاملہ ہے اگر چند حلقوں کی اجازت دیدی تو بات یہیں تک نہیں رکے گی بلکہ پورے ملک سے درخواستیں آنا شروع ہو جائیں گی اور لائن لگ جائیگی۔مزید یہ کہ معزز عدالت نے الیکشن کمیشن کو حکم دیا کہ این اے 125 لاہور اور این اے 154 لودھراں کے متعلق الیکشن ٹریبونل میں درخواستوں کی تفصیلات پیش کیجائیں۔ الیکشن کمیشن بتائے کہ اس نے اپیلیں خود کیوں نہیں سنیں۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کیلئے سیکرٹری الیکشن کمیشن 15 روز میں جواب داخل کریں۔ یاد رہے کہ ان حلقوں میں پی ٹی آئی کے امیدوار حامد خان اور جہانگیر خان ترین ناکام ہوئے جبکہ مسلم لیگ نون کے امیدوار جیت گئے تھے۔ عوام انگشت بدنداں ہیں کہ یہ الفاظ پاکستان کی سپریم کورٹ کے معزز و محترم چیف جسٹس صاحب کے ہیں جب کہ عوام پاکستان بالخصوص پسماندہ اور غریب طبقہ ان سے آس و امید لگائے ہوئے ہیں۔ عوام پاکستان کے اذہان میں مختلف قسم کے سوالات گردش کر رہے ہیں ۔اگر عدلیہ اور ججز انصاف فراہم کرنے یا مقدمات کے

فیصلے کرنے میں لیت و لعل سے کام لیں۔ یا اس بنا پر فیصلہ نہ کیا جائے کہ اسے نظیر بنا کر دوسرے متاثرین بھی انصاف کیلئے در عدالت پر دستک دیں گے تو پھر محترم چیف جسٹس! متاثرین عوام کدھر جائیں ۔ کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں ۔ کونسی زنجیر عدل ہلائیں۔ کیونکہ انہیں حکومت پاکستان ،وزیراعظم ،وزرائے اعلی اور نام نہاد عوامی نمائندوں سے کسی خیر کی توقع نہیں۔ کسی اچھائی و بھلائی کی امید نہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمیشہ عوام کا خون چوسا۔ ان کی ہڈیوں میں سے گودا نچوڑلیا۔پاکستان کو تباہی (خاکم بدہن) کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ دور دور تک روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ہر طرف گھپ اندھیروں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں ۔ عوام کو ایک بے ہنگم ہجوم بنا کر بیچ چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ان کی قوت فیصلہ سلب کر لی گئی ہے۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ ٹانگوں نے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا ہے۔ ہاتھ شل ہو چکے ہیں۔ عوام پاکستان ایک ایسی زندہ لاش کی مانند ہو گئی ہیں جو صرف سن سکتی ہے۔ہوش وحواس سے بیگانہ یہ مجبور و محکوم پھر واپس اپنی حالت میں آنا چاہتی ہے۔اپنے فیصلے خود کرنا چاہتی ہے۔اپنی زبان سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ملک کو خوشحالی وترقی کی طرف گامزن کرنا چاہتی ہے اپنے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنا چاہتی ہے۔ اپنے بے حس، مفلوج وجود سے چھٹکارا چاہتی ہے اور یہ سب کرنے کیلئے اسے آپ جیسے مخلص انسانوں کے سہارے کی ضرورت ہے جو ظلمت شب میں ان کی رہنمائی کرسکے۔ ان کے ماؤف ذہنوں اور مفلوج جسموں کو

تحریک وتوانائی دے سکیں۔

محترم چیف جسٹس صاحب ! آپکا وژن ،آپکی سوچ یقینا بہت دور تک دیکھتی اور سوچتی ہے ہم سے کئی گنا زیادہ عقل وشعور رکھتے ہیں۔یقینا آپ کے الفاظ اور فیصلہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں آپکی یہ آبزرویشن بھی یقینا بہت سی پیچیدگیوں سے بچنے اور سلجھانے کا ایک ذریعہ ہے۔اور الیکشن ٹریبونل کو پابند بھی کیا کہ وہ پندرہ دنوں میں اس کی وضاحت کرے۔ لیکن کیا الیکشن ٹریبونل نے ان معاملات میں فیصلے نہ کرکے ، ان کو delay کرکے انصاف کے راستے میں رکاوٹ حائل نہیں کی۔ کیا انہوں نے اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتی ؟ ان سے پوچھا جائے کہ ان کے پیش نظر کیا مصلحت تھی ؟ کہ انہوں نے عوام کو عدلیہ پر انگلیاں اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔کیا انہیں نشان عبرت نہیں بنایا جانا چاہیے ؟ کہ انہوں نے اپنے فرائض کو حقیقی معنوں میں سرانجام نہیں دیا۔اسے روٹین میٹر جان کر پس پشت ڈال دیا۔ یہ سب باتیں لکھنے کا مقصد خدانخواستہ عدلیہ کی توہین یا اسے نشانہ بنانا ہرگز ہرگز نہیں ۔بلکہ یہ کچھ سوالات ہیں جو پسماندہ ،ان پڑھ اور جاہل عوام اپنے الفاظ میں تمام آداب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دست بستہ عرض کررہی ہے۔ان سوالات کے ابھرنے کی بہت سی وجوہات ہیں ۔میں ایک بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے علاقے کے ایک اسسٹنٹ کمشنر ہیں چند روز قبل ان کے ساتھ بیٹھنے اور ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ان سے بہت سے پوچھتے ہوئے سوالات کیے گئے بالخصوص رشوت اور کرپشن کے حوالے سے ۔انہوں نے ان تمام سوالات کے جوابات بڑی خندہ پیشانی اور تحمل سے دیئے ۔ انہوں نے کہا کہ تمام فرائض ادا کرنے کے باوجود ان پر Implement نہیں ہوتا تو دکھ ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے قبرستان کیلئے بننے والی دیوار میں ناقص میٹریل پر ایکشن لیا۔ ساری دیوار گرادی ،کام رکوادیا اوراسکی رپوٹ ڈی سی او اور متعلقہ حکام کو بھی کردی۔تاحال کوئی رسپانس نہیں۔ تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں ڈاکٹرز اور سٹاف کے آوے کا آوہ بگڑ چکا ہے۔ کوئی اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے ادا کرنے پر تیار نہیں۔ وزٹ کرنے پر بہت سے معاملات میں بد عملی اور بد نظمی دیکھی۔ متعلقہ ڈاکٹرز اور افراد کے خلاف رپورٹ کی ۔ ارباب اختیار اور متعلقہ اتھارٹی نے فارمیلٹی پوری کردی ۔ محکمہ کو انکوائری دی۔ انکوائری مکمل ہوکر داخل دفتر ہوچکی۔ کسی کو سزا ، سرزش نہ ہوئی۔ سکولوں کا وزٹ کیا ،حالات بہت دگرگوں اور مسائل گوناگوں تھے۔سٹاف اور ٹیچر غیر حاضر ، طلباء غائب سکولوں میں وڈیرے جاگیردار قابض ۔ پچھلی تاریخوں میں غیر حاضری کو چھٹیوں پر تبدیل کیا جانا ،استانیوں، سے ایک سوٹ رشوت لے کران کی مرضی کے کام کرنا جیسے عوامل پائے گئے۔ ارباب اختیار کو رپورٹ کی گئی۔کوئی عمل نہ ہوا۔اب پٹواری کو اس کے غلط کام پر منع کرو تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے اور ایک مخصوص لابی

ہو جاتے ہیںinvolve ہڑتال کر دیتی ہے کام بند ہو جاتا ہے۔ایم این اے،ایم پی اے ۔ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی اور الٹا شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے حالات میں کوئی شخص دردمندی اور خلوص کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ کہ جب کسی غلط کام پر ایکشن ہی نہ ہو سکے۔ بعینہٖ حالات ہر جگہ ہر شہر میں ہیں۔کام کرنے والے افسر کو باندھ دیا جاتا ہے اس کے اختیارات سلب کر لیئے جاتے ہیں تو ایسے میں آپ جیسے با اختیار، قوت فیصلہ رکھنے والے اشخاص پر لوگوں کی نگاہ ٹھہرتی ہے۔ اس لیے جناب چیف جسٹس صاحب گذارش ہے کہ ایکشن سے ہٹ کر اس وجہ سے فیصلہ اور انصاف کرنا نہ ہو کہ پھر دوسرے متاثرین بھی اپنے حقوق کیلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں delay گے۔ بلکہ کوتاہی برتنے والے ہر شخص کو بلا تمیز قانون کے کٹھہرے میں لا کر ان کی غفلت اور لاپرواہی کی سزا دیں تاکہ انصاف کا بول بالا ہو، عدلیہ کا وقار قائم رہے اور عوام کو تیز اور سستا انصاف مل سکے۔

عام آدمی پارٹی اور ہماری حکومت

بھارت میں عام آدمی پارٹی کی جانب سے چنے گئے دہلی کے وزیر اعلی کیجریوال کی کامیابی اور کارناموں کی دھوم چہار جانب سنائی اور دکھائی دے رہی ہے۔یعنی وہ کہنے کی حدتک کام نہیں کر رہے بلکہ اپنے کہے ہوئے کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے جارہے ہیں انہوں نے ایوان سے 70 میں سے 37 ممبران کا اعتماد کا ووٹ بھی حاصل کرلیاہے اور بی جے پی اور کانگریس کی کارکردگی پر سوالیہ نشانات کی ایک لمبی لائن چھوڑ دی ہے۔بھارت کی عام آدمی پارٹی کے وزیر اعلی نے اپنے عہدے پر.براجمان ہونے کے بعد چین کی بانسری نہیں بجائی اور نہ ہی وزیروں مشیروں کی ایک فوج تیار کی بلکہ مسائل اور معاملات کے حل کیلئے خود ہی کمر کس لی۔ عوام کو ریلیف دینے کیلئے پانچ چھ دنوں میں وہ کردکھایا جوکہ انڈیا کی تاریخ میں شاید کبھی کسی نے کیا ہو۔ بجلی پر سبسڈی دینے کا کارنامہ اور صاف پانی کی ترسیل کے حوالے سے اقدامات ان کی کارکردگی پر چار چاند لگا رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ملک کی سیاست کو صاف شفاف بنانا ہے۔ وی آئی پی کلچر کا خاتمہ کرنا ہے۔لال نیلی بتی والی گاڑیوں کا کلچر ختم ہونا چاہئے۔ ان کے مطابق جنہوں نے کام کرنا ہوتا ہے ملک و قوم کی خدمت کرنا ہوتی ہے وہ بغیر کسی کے انسٹرکشن کے کام کر رہے ہوتے ہیں۔انہیں

کام کے کرنے کا کہنے کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن جو لوگ ہٹ دھرم کام چور اور فرائض سے پہلو تہی برتنے والے ہیں۔ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں رشوت اور کمیشن کے دلدادہ ہیں ان کے لئے ہمارے شہر، ضلع، صوبہ اور ملک کی زمین تنگ دکھانے negligency ہونے والی ہے۔ بلاامتیاز و بلا تفریق سب کا احتساب ہوگا۔ والے کو چاہے میرا بھائی رشتہ دار یا عزیز ہی کیوں نہ ہو اس کو بھگتنا پڑے گا۔ اسے نشان عبرت بنادونگا۔ لہٰذا اس قماش کے سب لوگ اپنے قبلے درست کرلیں۔ عام آدمی فیصلہ کریگا کہ ان کی جانب سے کئے گئے اقدامات ان کی فلاح و بہبود کیلئے کارآمد ہیں یا نہیں۔

ویلڈن ! وزیر اعلی کیجریوال نہ یہ ثابت کر دیکھایا ہے کہ انسان اگر کچھ کرنا کام نہیں آتے (Lame Exceuse) چاہے۔ ملک و قوم کو سنوارنا چاہے تو پھر لیم ایکسوز ۔ بھئی جو کام عوام کی فلاح و بہبود میں فی الفور کیے جا سکتے ہیں ان کو تو کم از کم پایہ تکمیل کو پہنچا دیا جائے۔ ڈیم بننے اور بنانے میں ٹائم لگے درست۔ بجلی کی پیداوار بڑھانے میں ٹائم لگے گا درست، دہشت گردی پہ قابو پانے کیلئے وقت درکار ہے درست مان لیا۔ انڈسٹری لگانے، کارخانے بنانے میں ٹائم فریم کارفرما ہے درست۔ لیکن ! لیکن ! کیا مہنگائی کو کم کرنے کیلئے بھی ٹائم درکار ہے، بے روزگاری کم کرنے کیلئے کس چیز کا انتظار ہے؟ کشکول توڑنے کی ہمت کیلئے کونسا ہتھوڑا لانے کی ضرورت ہے، ڈرون گرانے کیلئے کیا

امر مانع ہے؟ رشوت، کرپشن کو ختم کرنے کیلئے کس پیمانے کی ضرورت ہے۔ کونسی پارٹی اور کمیٹی کی تشکیل ہونا ہے۔ گیس، بجلی، پٹرولیم کی آسمان کو چھوتی قیمتوں کو کون کنٹرول کریگا۔ تعلیم کو عام کرنے کیلئے، صحت کو بنیادی سہولیات دینے کیلئے کون سے لوگ درکار ہیں۔ اسی طرح ایوان صدر، وزیر اعظم ہاؤس، وزرائے اعلی ہاؤسز، سیکریٹریٹ، پارلیمنٹ ہاؤس، لاجز وغیرہ میں کام کرنے پر تعینات بے کار اور نام نہاد ملازمین کی فوج ظفر موج کو کم کرنے کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جاتی۔ ان تمام ہاؤسز کے بے جا اخراجات پر قدغن کیوں نہیں لگ سکتی؟ پروٹوکولز پر اٹھنے والے شاہی اخراجات کم کرنے کیلئے کس کی اجازت درکار ہیں۔ بیرون ملک دورہ پر جانے کیلئے طائفے کلچر ختم کر دینے میں کیا قباحت ہے۔ صدر ہاؤس کیلئے پندرہ لاکھ کی پینٹنگ خریدنے کی کیا مجبوری ہے؟

ہاں! یہ سب کام کرنے کیلئے آپ کے پاس لوگ موجود ہیں۔ صرف ان کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کو سدھانے اور سدھارنے کا عمل درکار ہے۔ اگر یہ لوگ کام نہیں کر سکتے ہیں وزیر و مشیر نااہل و نالائق ہیں تو صرف ان کو ''سکون'' کیلئے گھر بھیج دیا جائے۔ پاکستان کے ارباب اختیار و اقتدار! کچھ تو ہوش کے ناخن لے لو۔ اپنے ہمسایوں سے سبق حاصل کر لو۔ جو کام تم چھ ماہ، چھ سال، ساٹھ سالوں میں نہ کر سکے وہ چھ دنوں میں کرنے جا رہے ہیں۔ وہ بھی گوشت پوست کا انسان ہے اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ اس کے جذبات واحساسات یقیناً اسے

اکساتے ہونگے اس کے عزیز واقربا بھی ہیں ان کی خواہشات بھی ہیں۔ لیکن اس نے ان تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر وہی کیا ہے کہ جس کا اس نے اپنی عوام سے وعدہ کیا تھا ان کے مسائل کے حل کی یقین دہانی کرائی تھی۔ اس نے ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ان کے جذبات واحساسات پر اپنے جذبات و خواہشات کو قربان کردیا۔ اپنے ملک وعلاقے کی عوام کے سامنے سرخرو ہوگیا۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ جبکہ مملکت خداداد میں وزیر مشیر تو دور ایک یونین ناظم یا کونسلر کے عزیز واقربا سنبھالے نہیں سنبھلتے۔خاندان کے خاندان اپنے آپ کو ناظم اور کونسلر گردانتے ہوئے ملکی قانون کو روندتے دکھائی دیتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ملازمین حتیٰ کہ افسران تک کو جرات نہیں ہوتی کہ ان سے باز پرس بھی کرسکے سزا تو درکنار۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لوگ کہتے تھے کہ کاش ہمارا وزیر اعلیٰ بھی شہباز شریف جیسا ہو۔جو ہماری فلاح و بہبود کیلئے کام کرے۔ لیکن اب حالات پھر اپنی پرانی ڈگر پر آرہے ہیں۔ کیا عوامی خدمت کے جذبات کا دریا پرسکون ہونے جارہا ہے؟ کیوں ملک و قوم کی فلاح پر سیاست غالب دکھائی دے رہی ہے؟ براہ کرم ایسا مت کیجئے اور خلق خدا اور ملک و قوم کی بقا و فلاح کیلئے پھر سے اپنی ہمت جتایئے اور عام آدمی کی فلاح کیلئے کام کیجئے۔

مجھے 1947 کا پاکستان لوٹا دو

1947 کا شمسی کلینڈر اور 2014 کا شمسی کلینڈر ایک ہی جیسا ہے۔ دن ،تاریخ اور مہینہ سب ایک جیسے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگلے 67 سال پھر سے اپنے آپ کو دہرائیں گے۔ لیکن کیا یہ cycle ترقی کی طرف گامزن کریگی یا ترقی معکوس ہوگی؟ کیا ہم مزید تنزلی اور پستی کا شکار ہوتے جائیں گے جس طرح سے پاکستان کے بننے کے بعد سے ہمارے آباؤ اجداد نے تن من دھن سے پاکستان کو سنوارنے کی کوشش کی۔ 1947 کا پاکستان جب سرکاری دفاتر نہیں تھے، میز کرسی نہیں تھی، قلم اور کاغذ نہیں تھے ۔کاغذات کو نتھی کرنے کیلیئے کامن پن نہیں ہوتی تھی۔ اس تمام صورت حال کو دیکھ کر اس وقت کے حکمرانوں، وزیروں، مشیروں اور دفتری اہلکاروں نے اپنے اپنے دفاتر اپنے اپنے گھروں میں لگا لئے کہیں جگہ نہیں ملی تو درخت کے نیچے بھی دفتر لگا کر معاملات نمٹا دیئے جاتے تھے۔ اپنے گھروں میں موجود سامان کو فرنیچر کے طور پر استعمال کیا گیا۔ حتی کہ اپنے صندوق اور بکسز کو میز کے طور پر استعمال کیا گیا۔ 1947 کے پاکستان میں حکومتی دستاویزات کو نتھی کرنے کیلیئے کیکر کے کانٹے بطور کامن پن کے استعمال کئے گئے۔ تنخواہ کی مد میں ہونے والے اخراجات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اکثر ملازمین اپنی تنخواہ کا زیادہ تر حصہ مملکت خداداد کو مستحکم و خوشحال

بنانے کیلئے اس کے اخراجات پر صرف کر دیتے تھے۔1947 اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک ،جب تک مخلص لوگ زندہ رہے اور ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رہی۔ پاکستان مضبوط، پرامن، مستحکم اور خوش حال ہوتا گیا۔ عام آدمی سے لیکر خاص آدمی تک محفوظ و مامون ہوتا گیا۔ اشیائے خوردونوش خالص اور ملاوٹ سے پاک جزو بدن بنتی تھی۔قصاب مردہ اور لاغر جانوروں کا گوشت فروخت نہیں کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بیماریاں اور حفظان صحت کے مسائل بہت کم ہوتے تھے۔ ڈاکٹرز مسیحت کی معراج پر ہوتے تھے۔ ہسپتال کے کاریڈورز اور کمروں میں کوئی مریض رولنگ سٹون نہیں بنتا تھا۔ تعلیمی خدمات کو دیکھا جائے تو وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ اساتذہ سکولز اور کالجز میں تو پڑھاتے ہی تھے لیکن کمزور اور نا سمجھنے والے طلبا و طالبات کو اپنے گھر بلا کر یا سکول و کالج میں بٹھا کر مفت تعلیم دیتے تھے اور ٹیوشن لینا گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ وہ اپنے پیشے سے، ملک و قوم سے سچا پیار کرتے تھے اسے شیوہ پیغمبری سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ مسجد اور امام بارگاہ ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ کہیں کافر کافر کے نعرے نہیں لگتے تھے۔ مساجد و مدارس میں اذان و نماز بے خوف وخطر ادا کی جاتی تھیں۔ کہیں کوئی پولیس اہلکار یا سکیورٹی گارڈ نہیں ہوتا ہے۔ کوئی مسلم ،مسلمان کو قتل نہیں کرتا تھا۔ دہشت گردی کے عفریت کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ رشوت ستانی ،اقربا پروری ،ذخیرہ اندوزی کو گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ سود کی لعنت سے پاک نظام زندگی تھا۔ کسی کے عقیدے کو برا بھلا کہنا تو درکنار۔ اسے زیر بحث بھی نہیں

لایا جاتا تھا۔ عدلیہ اور ججز اپنے مقدمات کی سماعت ختم ہونے کے بعد اپنی عدالتوں کو برخاست کرتے تھے ۔ لمبی لمبی پیشیاں دینے کی ہدایت نہ تھی۔ سائل کو انصاف فراہم کرنا اولین ترجیح ہوتی تھی۔ جلسے جلوس بھی ہوتے تھے لیکن کبھی کسی عمارت کا شیشہ نہ ٹوٹتا تھا۔ کسی گاڑی کو نذر آتش نہیں کیا جاتا تھا۔ کسی ہجوم پر لاٹھی چارج نہیں ہوتا تھا۔ کوئی اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کا ذمہ دار کسی اور کو نہ ٹھہراتا تھا۔ایک خاص قسم کا سکون عوام پاکستان کے چہروں کا خاصہ ہوتا تھا۔ کیونکہ آئی ایم ایف کے مقروض نہیں تھے ۔ کم وسائل کے باوجود خوشحالی ،امن اور تحفظ کا دور دورہ تھا۔

اوراب ! 2014 کا پاکستان تمام تر وسائل ہونے کے باوجود متذکرہ بالا خوبیوں اور خصوصیات سے مبرا ہے۔اب اعلی قسم کے دفاتر اور فرنیچر موجود ہے لیکن کام کرنے والے اہلکار موجود نہیں۔کاغذات کو پن اپ کرنے کیلئے کامن پن رلتی پھرتی ہیں لیکن کاغذات انتشار کا شکار ہیں۔لاکھوں روپے لینے والے افسران ہوس کے پجاری بن چکے ہیں ان کی خواہشات ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔حکومتی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جارہا ہے۔ملاوٹ کے بغیر کوئی شے دستیاب نہیں۔ فروٹ تک میں انجکشن کی مدد سے ملاوٹ کردی جاتی ہے۔جس کا تصور بھی 1947 اور ابتدا کے پاکستان میں محال تھا۔ جگہ جگہ بیمار اور مردہ جانوروں کا گوشت بکتا ہے۔ احساس زیاں شرم وحیا معاشرے سے اٹھ چکی ہے۔ بے

غیرتی کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو حرام کھانے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ بیماریوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ قسم قسم کی موذی وبائیں انسانی جانوں کو نگل رہی ہیں۔ڈاکٹرز مسیحائی کی آڑ میں ڈاکوؤں اور لیٹروں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہسپتال مذبح خانے اور مردہ گھروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ عجیب سی بے حسی ہے۔ تعلیم کو سرعام بیچا جارہا ہے۔ ڈگریوں کی خرید وفروخت دھڑلے سے جاری ہے۔ کوئی بھی تعلیم حاصل کرکے مہذب بننے سے انکاری ہے۔شارٹ کٹ میں زیادہ کی ہوس غالب ہے۔ ٹیوشن کلچر نے تعلیم کا دیوالیہ نکال دیا ہے۔امام بارگاہ، مساجد و مدارس مقتل گاہ بنی ہوئی ہیں۔ احساس تحفظ کہیں کھوگیا ہے۔دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہیں۔ مسجد و امام بارگاہ سے کافر کافر کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ ہزاروں کی سکیورٹی کے باوجود بم بلاسٹ، ٹارگٹ کلنگ،ڈاکہ زنی کا بازار گرم ہے۔ رشوت کو فیشن بنالیا گیا ہے۔ اقربا پروری کے بغیر میرٹ نہیں بنتا۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا بڑا تاجر اور کاروباری کہلاتا ہے۔ وزیر و مشیر کا کرپشن کرنا شیوہ بن گیا ہے۔ سود لئے دیئے بغیر کوئی کاروبار ممکن نہیں رہا۔ عدالتوں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ انصاف کو گھر کی باندی بنالیا گیا ہے۔ ملک کے حکمران عدالتی احکامات کو روندنا اپنی بڑائی گردانتے ہیں۔ جس پر جتنے زیادہ رشوت بدعنوانی و قانون شکنی کے مقدمات ہیں وہ اتنا ہی بڑا سیاستدان کہلاتا ہے۔جہاں کہیں دس بارہ لوگ اکٹھے ہوجائیں وہاں پر میدان جنگ بننا معمولی بات ہے۔ اسمبلیاں ریسلنگ

رنگ اور مچھلی منڈی کا منظر پیش کرتی ہیں۔ عوامی نمائندے ایک دوسرے سے دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔آئی ایم ایف کے اژدھے نے ہماری ساری معیشت کو نگل لیا ہے۔یہ اور اسی قسم کے دوسرے معاملات دیکھ کر بے اختیار جی کہہ اٹھتا ہے

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگادے

آج کا ہر محب وطن پاکستانی خواہش مند ہے کہ ہمیں 1947 والا پاکستان لوٹا دیا جائے۔ کم از کم سے پھر ترقی کی منازل طے کرنے کی خوشی وفرحت کو محسوس کیا جاسکے۔ ان تمام خرافات سے ہم آزاد ہوں۔ ترقی کا مزہ چکھنا چاہتے ہیں۔ آزاد فضاؤں میں سانس لینا چاہتے ہیں۔کانٹوں سے بھرے پاکستان میں جینا موجودہ پاکستان سے، تنزلی کی جانب گامزن پاکستان سے کہیں درجہ بہتر وپرسکون ہے۔ کیونکہ کلینڈر اپنے آپ کو دہرارہاہے۔

کملی والے ﷺ کی شان فردیت

12 ربیع الاول 2014 کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی مدحت و تعریف کی برسات چہار دانگ عالم میں جاری ہے۔ہر چھوٹا و بڑا عاقل و بالغ مرد و خواتین اور بچے اپنی اپنی اہلیت و لیاقت ،طاقت واستطاعت کے مطابق احساسات و جذبات کے دھارے میں اپنا اپنا حصہ ملانے کی سعی میں مصروف ہے۔یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ دنیاکے بنائے جانے سے لیکر دنیاکے مٹ جانے تک اور پھر بعد میں بھی آپ ﷺ کا نام نامی زندہ جاوید رہے گا۔آپؐ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی پیشانی مبارک پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ حضرت آمنہؓ سے شادی کے بعد ان میں منتقل ہو گئی۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ ان کے بطن میں ولادت کی منازل طے کر رہے تھے تو میرے ساتھ بڑے عجیب و غریب خوشگوار واقعات رونما ہوتے تھے۔جب میں پتھریلی زمین پر پاؤں رکھتی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے قدموں تلے ریشمی دبیز قالین بچھ گیا ہو۔جب بازار جاتی تھی تو بادل کاایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے رکھتا تھا۔جب میں تھوکتی تھی تو میرے لعاب سے نہایت ہی مسحورکن خوشبوآتی تھی۔ میرے جسم سے فرحت بخش مہک اٹھتی تھی۔ میرے گھروالے مجھ سے پوچھتے تھے کہ آمنہؓیہ کونسی خوشبو ہے۔ایسی خوشبو نہ کبھی سونگھی نہ سنی۔سبحان اللہ ! حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خود اس کا کوئی جواب نہ دے سکتی تھی کہ یہ کون سی خوشبو ہے اور

کہاں سے آتی ہے۔آپؓ فرماتی ہیں کہ رات کو جب میں آسمان کو دیکھتی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ چاند اور ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔یہ اور اسی طرح کے بے شمار واقعات سے ہمارے پیارے نبی سید البشر آقائے نامدار ﷺ کی اسوہ حیات مزین ہے۔ یہ انفرادیت کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئی۔منفرد شان والے جب اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو ظلمت کو اپنا منہ چھپانے کی جگہ میسر نہ تھی۔اندھیرے چھٹ گئے تھے۔ ہر طرف نور ہی نور کی بارش تھی۔

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج بھی
وہاں وہاں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گئے

قیصر وکسری کے محلات میں زلزلے جاری تھے۔محلات کے کنگرے زمین بوس ہو چکے تھے۔کلیوں کی چٹکنے میں، بلبل کی چہک میں،تاروں کی چمک میں،پھولوں کی مہک میں،سبزوں کی لہک میں، خاروں کی کٹک میں،پتوں کی کھڑک میں،ذروں کی دمک میں،بادلوں کی کڑک میں ،،برسات کے جھرنوں میں الغرض کوہساروں،صحراؤں،دریاؤں اور سمندروں میں کون و مکاں میں آپ کے پرچے تھے۔اماں حلیمہؓ جب آپؐ کو لے کر اپنی اونٹنی پر چلتی ہیں تو وہ اونٹنی جو سب سے کمزور اور سست رو تھی اسے جب آپؐ سردار الانبیاء کی سواری کا شرف حاصل ہوا تو اس کا ہیئت ہی بدل گئی۔اس کے پاؤں کو زمین کو جیسے چھوتے ہیں نہ تھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہوا سے باتیں کر رہی ہو۔اہل قافلہ حیران تھے کہ آج حلیمہؓ کی اونٹنی کو

کیا ہوگیا۔ گھر پہنچنے پر پلانے کیلئے دودھ نہیں۔ جب بکری کے تھنوں سے دودھ دوہیا گیا تو گھر کا کوئی برتن ایسا نہ تھا جو خالی رہ گیا ہو۔ سبحان اللہ۔

وجہ تخلیق کائنات ﷺ کی ہر ہر ادا منفرد اور نرالی تھی۔ دانتوں کی چمک ایسی تھی کہ دور تک ان کی روشنی محسوس ہوتی ۔ لعاب دہن جن کی آنکھوں پر لگا۔ بینائی واپس آ گئی اور تاحیات کبھی آنکھیں خراب نہ ہوئیں۔ جس کنویں میں لعاب ڈالا گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میٹھا ہوگیا۔ جس برتن کو چھو لیا وہ کبھی خالی نہ ہوا۔

حسن یوسف، دم عیسی ،ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

معزز قارئین کرام ! نبی مکرم احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالی نے جن تحائف سے نوازا وہ کسی دوسرے نبی رسول یا پیغمبر کو عطا نہیں کئے گئے یہ بھی شان فردیت ہے۔ آپؐ کو ''الحمد للہ شریف'' دی گئی یہ دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں اور نہ کسی اور نبی کو عطا کی گئی۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے مجھے '' آمین '' دی کسی نبی کو نہیں ملی۔ پریشانی اور دکھ کیلئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' دی گئی۔ کسی نبی و رسول کو نہ دی گئی۔ نماز میں '' رکوع'' دیا کسی اور کو عطا نہ ہوا۔ مٹی کو میرے لئے ''پاک قرار دیا گیا۔ ''مال غنیمت''

مجھ پر حلال قرار دیا۔ کسی پیغمبر کو نہیں کہا گیا۔ جمعۃ لمبارک کا بابرکت دن عطا کیا گیا۔''
لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل رات دی گئی یہ سعادت و تحفہ کسی اور نبی کو نہ ودیعت کیا گیا۔ سورج اور چاند گرہن کیلئے صلوۃ قصوہ دی گئی۔ مزید دیکھئے کہ آقائے نامدار کی انفرادیت و لاثانیت کہ اللہ تعالی نے جب بھی اپنے پیغمبروں بنیوں اور رسولوں کو پکارا ان سے مخاطب ہوئے تو ان کے نام لے کر ان سے خطاب کیا۔ کسی کو یا عیسی کہہ کر پکارا کو کسی کو یا موسی کہا۔ کسی سے یا زکریا سے مخاطب ہوئے تو کسی کو یا ابراہیم فرمایا۔ جب حضرت نوحؑ سے بات کی تو یا نوح اور شعیبؑ کو یا شعیب کہا۔ مگر کملی والے کی شان ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالی نے آپؐ کو کبھی بھی نام لے یا محمد نہیں پکارا۔ کبھی یسین کہا تو کبھی طہ سے مخاطب ہوئے۔ کہیں یا ایھاالمزمل کہا تو کہیں یا ایھا المدثر کہہ کر بات کی۔

اسی طرح جب سابقہ امتوں نے اپنے نبیوں پر نعوذ باللہ الزمات و بہتان لگائے تو ان سے اللہ تبارک تعالی نے ان کے نام لیکر بات کی اور دلچسپ بات یہ کہ جب ان الزامات کی تردید کی بات ہوئی تو اللہ تعالی نے اپنے برگزیدہ نبیوں اور پیغمبروں کو فرمایا کہ ان کے الزامات اپنی زبان سے زد کریں۔ لیکن جب حبیب کبریا کی بات آئی تو اللہ تعالی نے خود آپؐ کو تسلی دی اور طعنوں اور الزامات کو رد کیا۔ اللہ تعالی نے دشمنان نبی سے خود بھی بات کرنا گوارا نہ کی

۔بلکہ آپ ﷺ کو ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ مخاطب کرکے ان کو منہ توڑ جوابات دیئے تو !اے اہل اسلام اور پاکستان کے مسلمانوں !اس مبارک موقع پر آپ بھی منفرد ہونے کا ثبوت دیجئے۔ اپنے اندر صبر و تحمل، بردباری، عجز وانکساری پیدا کیجئے۔ دوران جلوس احترام آدمیت وانسانیت کو ملحوظ خاطر رکھیئے۔رحمۃ العالمین کے اسوہ کو زندہ کیجئے۔ کوئی ایسا عمل نہ کیجئے کہ کسی کی دل آزاری ہو۔ جلوس کے منتظمین کو بھی چاہئے کہ نوجوان نسل کو کہ جن کے جذبات واحساسات چھلک رہے ہوتے ہیں کو قابو میں رکھنے کی ہدایت کیجئے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے صرف نظر کیجئے۔تاکہ ہم منفرد نبی ﷺ کی انفرادیت وفردیت کے طور پر پہچانے جاسکیں۔ دوسری طرف انتظامیہ کو بھی چاہئے کہ وہ جلوس کے روٹس کو secure کریں اور بدانتظامی کو ختم کریں۔ رکاوٹیں دور کریں۔ جتنا ممکن ہوسکے نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کے چاہنے والوں کیلئے آسانیاں اور سہولیات پیدا کریں۔تاکہ یہ بابرکت محافل خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جاسکیں۔

مسیحائی کون کریگا۔۔۔!

صحت ایک بنیادی اور لازمی ضرورت ہے جو کہ پاکستان میں ملنا بے حد مشکل معلوم ہوتی ہے جسے دیکھو کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہے اور اس بیماری کی وجہ سہولیات کا ناکافی ہونا تو ہے ہی ٹینشن ، ڈپریشن،آسمان سے چھوتی مہنگائی اور لوڈشیڈنگ کے عذاب نے پاکستانیوں بالخصوص جنوبی پنجاب کے لوگوں کو جانی ان جانی بیماریوں کی نذر کردیا ہے اور انسان جب بیمار ہونے کے بعد ہسپتال کا رخ کرتا ہے تو وہاں کے حالات اسے مزید مریض بنادیتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی لاپرواہی اور بے حسی،ڈاکٹروں کی بے جاہڑتال۔ میڈیکو سٹاف کی من مانیاں اور کرپشن، پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکس کی بھرمار، ادویات کا مہیا نہ ہونا اور اگر ملنا تو ناقص اور مضر صحت ہونا یہ سب عوامل مل کر مریض کے ساتھ ساتھ اس کے تیماردار کو بھی ذہنی مریض تو لازمی بنادیتے ہیں ضلع لودہراں میں بھی ہسپتالوں اور ان میں تعینات ڈاکٹرز اور سٹاف کا بھی یہی حال ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے آئے روز کوئی نہ کوئی mishape ہوا رہتا ہے کبھی ڈاکٹرز ڈیوٹی پر موجود نہیں تو کبھی مریض کو صحیح ٹریٹ نہیں کیا گیا۔ کبھی انجکشن غلط لگادیا تو کبھی ڈوز زیادہ ہونے سے مریض چل بسا۔ کہیں

پر زخمیوں کو غیر صحتمندانہ ماحول میں مرہم پٹی کرنے کی شکایات ہیں تو کہیں وارڈ بوائے اور سوپیر ڈاکٹرز کے فرائض منصبی نبھاتے ہوئے مریضوں کے زخم سی رہے ہوتے ہیں۔ کبھی میڈیکو لیگل سرٹیفیکیٹ نہ جاری کرنے کا جھگڑا ہے تو کبھی رشوت کے بل پر زخمی کی کیلئے بین بھی کیا MLC مرضی کا سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کا واویلا۔ جس کی بنا پر ڈاکٹر کو گیا لیکن پیسے کی چمک پر پھر سے بحال کردیا گیا۔ اور آج کل پولیس اور دو نمبر عادی و اشتہاری مزے لوٹ رہے ہیں۔

ان سب سے قطع نظر ایک بات جو کہ نہایت شد و مد کے ساتھ دیکھی اور محسوس کی جاتی ہے کہ ایمرجنسی کے معاملے میں پورے ڈسٹرکٹ لودہراں صورت حال انتہائی خراب ہے ۔ایمرجنسی کو ڈیل کرنے کا معاملہ زیرو ہے ۔ کہروڑپکا ہو کہ دنیا پور یا کہ خود لودہراں ایمرجنسی کو ڈیل کرنے کی تکلیف نہیں کی جاتی اور بہت سے کیس ایسے سامنے بھی آئے ہیں کہ اگر انہی ہسپتالوں میں مریض کو ایمرجنسی میں ٹریٹ کرلیا جاتا تو شاید وہ جانبر ہو سکتے۔ مثلاً کسی ہارٹ اٹیک کی صورت میں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر پہلے تو غائب ہوتا ہے بالفرض محال موجود بھی ہو تو مریض کو ابتدائی طبّی امداد دیئے بغیر کوئی بات پوچھے ،بتائے بغیر فوراً ہی بہاولپور ریفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور پھر ایمبولینس والی کی ڈھونڈ پڑتی ہے جو کہ اپنے یا کسی ڈاکٹر کے ذاتی کام کی وجہ سے ڈیوٹی پر موجود نہ ہوتے ہوئے بھی ڈیوٹی پر ہوتا ہے اس کے پہنچنے اور پھر مریض کو ہسپتال تک پہنچنے

میں اتنا وقت ضائع ہو چکا ہوتا ہے کہ مریض بہاولپور پہنچنے سے پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی زیادہ زخمی ہو جائے تو اسکے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا جاتا ہے اور جب رپورٹ آتی ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ بلیڈنگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مریض کی ڈیتھ ہوئی ہے یعنی اگر تحصیل لیول پر ہی بلیڈنگ کو روکنے یا کم کرنے کا کوئی مناسب انتظام ہو جاتا تو شاید مریض بچ جاتا۔

اس قسم کے واقعات بہت سے سوال چھوڑ جاتے ہیں کہ کیا ان ہسپتالوں میں موجود ڈاکٹرز اور عملہ ایمرجنسی ڈیل کرنیکی اہلیت نہیں رکھتا؟ کیا ان ڈاکٹرز کو ایمرجنسی سے نمٹنے کی ٹریننگ نہیں دی جاتی؟ اگر دی جاتی ہے تو پھر فوراہی کیوں بہاولپور ریفر کر دیا جاتا ہے؟اور اگر نہیں دی جاتی تو پھر ایمرجنسی وارڈ کا لیبل لگوانا اور لگانا کیوں ضروری ہے؟ کیا ایمرجنسی سے نمٹنے کیلئے ایکوپمنٹ مہیا نہیں کئے جاتے؟ اگر نہیں کئے جاتے پھر ایمرجنسی کا لیبل ہٹوا کر وہاں پر لکھوادیا جائے کہ ایمرجنسی کی کوئی سہولت موجود نہیں تاکہ مریض کو ہسپتال میں لاکر ٹائم ضائع کرنے اور مریض کی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے ڈائریکٹ ملتان یا بہاولپور لے جایا جاسکے۔اور اگر ادویات وآلات دیئے جاتے ہیں تو پھر ان کا پراپر اور بروقت استعمال کیوں نہیں ہوتا ہے؟اور اگر ایمرجنسی سے نمٹنے کیلئے سہولیات اور ٹریننگ نہیں ہوتی تو پھر

کیا کبھی کسی ایم ایس نے ارباب اختیار کے نوٹس میں یہ بات ڈالی ہے کہ جناب ہمیں اس قسم کے آلات و حالات سے نمٹنے کیلئے ضروری میشنری و ادویات مہیا کی جائیں اور میری معلومات کے مطابق شاید ہی ایسا کبھی ہوا ہو یا زبانی جمع خرچ سے آگے بات بڑھی۔

ایک بات اور کیا ڈاکٹرز نرسز اور عملہ صرف اور صرف آوٹ ڈور مریضوں کو دوائی لکھ کر دینے کیلئے تعینات کیا گیا ہے؟ آپریشن کے معاملے میں بالخصوص کہروڑپکا میں کوئی پیش رفت دیکھنے اور سننے کو نہیں ملی۔ عام طور پر یہاں پر تعینات سرجن میٹرنٹی کا معاملات کو دیکھتے ہیں اور وہ بھی اگر کوئی زیادہ اپروچ والا یا پھر دینے دلانے والا آجائے تو بادل نخواستہ اسے ٹائم دے کر احسان کر دیا جاتا ہے ورنہ روٹین یہی ہے کہ اسے کسی پرائیویٹ ہسپتال کا راستہ دکھایا جاتا ہے جس کے تمام اخراجات مریض سے وصول کئے جاتے ہیں

ایک بڑی خوفناک اور انتہائی افسوسناک بات سامنے آئی ہے کہ مریض کو بہاولپور ریفر رنے میں اپنی جان چھڑانے کے ساتھ ساتھ ایمبولینس والے سے بھی ملی بھگت سامنے آئی ہے کہ جتنے زیادہ کیسز لے کر جاتا ہے اس کی وہ اپنی مرضی سے مریض اور لواحقین سے ایندھن کی مد میں فیس بٹور لیتا ہے جس کا حصہ مبینہ طور پر ہونہار ڈاکٹرز کو بھی جاتا ہے۔ یہ نہایت ہی مکروہ فعل ہے اور ملوث افراد کے

حوالے سے انکوائری کرکے انہیں نشان عبرت بنایا جائے۔اس حوالے سے کھروڑپکا میں ہوچکی ہے۔ جس میں hold ایمبولینس ڈرائیور اور ہونہار ڈاکٹر کے خلاف انکوائری بھی پائے گئے۔ لیکن معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ guilty مذکورہ بالا موصوف

مذکورہ بالا حالات و واقعات کی روشنی میں وزیر اعلی پنجاب جو کہ صحت کے حوالے سے مشہور ہیں وزیر صحت سیکرٹری ڈائریکٹر ای ڈی او ہیلتھ اور ڈی ایچ او اس معاملے کو زمینی حقائق کے طور پر لیں اور اگر ایمرجنسی وارڈ میں ایمرجنسی کیلئے سہولیات ادویات اور آلات ناکافی ہیں تو ان کا فوری بنیادوں پر انتظام کیا جائے تاکہ قیمتی جانوں کو بچایا جاسکے۔ مزید یہ کہ درج بالا حالات کے پیش نظر ایم ایس کے معاملے کو بھی دیکھا جائے اور اور ملوث افراد کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کی جائے۔ guilty

!اگر پولیس اپنا رویہ تبدیل کرلے تو۔۔۔۔

وہ دو عورتیں اور پانچ بچے تھے۔سب کے سب سہمے ہوئے تھے اور چھپتے پھر رہے تھے ۔اور جب کچھ نہ بن پڑا تو انہوں نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب بے گناہ تھے اور پولیس سے بچنے کی خاطر خود کو چھپا رہے تھے مگر پولیس کا خوف اتنا غالب ہوا کہ تذلیل سے بچنے کی خاطر کود گئے۔انکا گناہ صرف اتنا تھا کہ ان کے رشتے دار پولیس کو کسی مقدمے میں مطلوب تھے اور ان کو گرفتار نہ کر سکنے کی بنا پر وہ ان کو گرفتار کرکے لے جانا چاہتے تھے۔ان عورتوں اور بچوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ پولیس ان کے ساتھ اپنے روایتی ہتھکنڈے استعمال کرے۔اسی طرح شک کی بنا پر کسی بھی راہ چلتے جوڑے کو گرفتار کرکے مرد و خواتین کی تذلیل کرنا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔آئے روز حوالات میں تشدد کی بنا پر انسانوں کا قتل پولیس کا خاصہ بن چکا ہے ۔پنجاب کے مختلف علاقوں میں 500کے قریب پولیس کے نجی ٹارچر سیلز کی موجودگی ،لوگوں کو حبس بے جا میں رکھنے اور غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنائے جانے کے واقعات اور اسی قسم کے سینکڑوں معاملات پولیس کلچر اور تھانہ کلچر میں تبدیلی کے نام پر ایک طمانچہ ہے۔یہ تمام سیلز پولیس افسران کی آشیر باد سے چل رہے ہیں۔جبکہ سیاسی گرگوں اور کرپشن کرنے والے ''معززین'' کے بنگلے اور کوٹھیاں بھی اس کا حصہ ہیں جہاں پر

گناہگار کم اور بے گناہوں کو زیادہ رکھا جاتا ہے :اپنی انا، نام نہاد خود داری یا پھر اپنے قبیح اعمال پر پردہ ڈالنے کیلئے یہاں پر محبوس رکھے گئے لوگوں پر غیر انسانی اور وحشیانہ تشدد کیا جاتا ہے اور پھر دوران تشدد ہلاک ہونیوالوں میں سے اکثر کی لاشیں غائب کردی جاتی ہیں جس کا سارا الزام ایجنسیوں کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پھر مذکورہ بالا واقعات انسانی تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔اور پولیس نام آتے ہی بے گناہ اور شریف عوام کا رنگ زرد ہو جاتا ہے اور خوف کی پرچھائیاں بسیرا کر لیتں ہیں اور بے گناہ انسان اپنی معصوم زندگی پر کھیل جاتا ہے۔

آئی جی پنجاب خان بیگ نے حال ہی میں آر پی اوز میٹنگ میں اس بات کا اعادہ بھی کیا ہے کہ وہ موجود مسائل کی گھمبیر صورت حال محکمہ پولیس کیلئے الارمنگ ہے اور 2014 کا سال ان کیلئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ ماڈل پولیس سٹیشن کا قبلہ بھی درست کرنے کی طرف پر بنائے گئے جو Base متوجہ ہونے کی بھی ضرورت ہے۔کیونکہ ماڈل پولیس سٹیشن جس تھا ان کے بر عکس چل رہے ہیں۔جہاں پر تھانہ کلچر جوں کا توں رائج ہے Theme ان کا جہاں پر ہر بد معاش، رسہ گیر، چوراچکے اور گناہگار کو کرسی پیش کی جاتی ہے اور رہر شریف اور بے گناہ کو زمین پر بیٹھایا جاتا ہے۔ماڈل پولیس سٹیشن کیلئے ایک مخصوص رقم سائلان کی انٹرٹینمنٹ کیلئے مختص کی گئی تھی جو کہ صرف اور صرف شاہ خرچیوں اور اپنے

الٹے تلّلوں میں جھونک دی جاتی ہے۔اسی طرح پولیس ناکے اور چوکیاں بنانے کے مقصد قریبی عوام کو ریلیف مہیا کرنا ہوتا ہے الٹی گنگا کی طرح چل رہے ہیں موجودہ دور میں پولیس ناکہ کا مقصد عوام کو پریشانی اور تکلیف میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔پولیس ناکے کے ناک کے نیچے اکثر ڈکیتیوں اور چوریوں کی واردات روز کا معمول ہیں۔پولیس ناکہ پر موجود اہلکار / کسی موٹر سائیکل والے کو،ٹریکٹر ٹرالی ،ٹرک یا دودھ والے کو پکڑ کر کھڑا ہوتا ہے۔اوراپنی جیب کو گرم کر رہا ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک غریب کسان جو اپنے کھیت سے سبزیوں کی ایک بوری لاد کر فکر معاش میں نکلتا ہے تو" شیر جوان" اس کو روک کر اپنے حصے کو وصول کرنا فرض اولین سمجھتا ہے۔

ضلع لودہراں کا تھانہ کلچر بھی درج بالا تمام خصوصیات سے "مزین" ہے۔نئے تعینات شدہ ڈی پی او علاقے میں سدھار اور امن وامان کی صورت حال کو بہتر کرنے کا عزم صمیم کئے ہوئے ہیں لیکن کیا کیجئے کہ یہاں پر عرصہ 20,25 سال سے تعینات ایک مخصوص لابی ہے۔ جن کی روٹس تمام مکاتب فکر میں موجود ہیں۔پولیس تو ان کا اپنا ڈیپارٹ منٹ ہے۔اس کے علاوہ سیاسی اکابرین،تاجران،رسہ گیر و جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ ان کے اکثر کریمنلز سے بڑے اچھے" تعلقات" ہیں۔اور پولیس کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ فائدہ مند تعلقات ختم نہ ہو جائیں۔یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اوپر سے پریشر پڑتا ہے تو پھر ان اشتہاریوں کو تو پھر بھی

پابند سلاسل نہیں کیا جاتا۔ ہاں البتہ خانہ پری کرنے کیلئے ان اشتہاریوں، رسہ گیروں یا جاگیرداروں سے کچھ لوگ مانگ لئے جاتے ہیں اوران کو ان اشتہاریوں کا ساتھی بنا کر وصول کرلیا جاتا weldone پیش کردیا جاتا ہے اور آل از اوکے کی رپورٹ دے کر ہے۔ یہاں پر ایک اور فیکٹر بڑا سنجیدہ ہے کہ اگر کسی پولیس افسر سے کسی بابت سوال کرلیا جائے یا اس سے بحث میں الجھ لیا جائے تو پھر اس بحث کرنے والے کو ایسے الجھا دیا جاتا ہے یا کم از کم اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ آئندہ سے وہ کسی پولیس افسر سے بات کرتے ہوئے کسی بار سوچتا ہے۔ یہ تھانہ کلچر generally develope ہوچکا ہے۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پولیس والے بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کے بھی مسائل ہوتے ہیں۔ ان کی بھی خواہشات ہوتی ہیں۔ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ سب بجا۔ لیکن اگر پولیس صرف اور صرف اپنے رویے ہی تبدیل کرلے تو بہت سے مسائل دونوں طرف سے حل ہوسکتے ہیں۔ شریفوں کے ساتھ شرفا کا سلوک، بدمعاش کے ساتھ پولیس کا رویہ ہی اپنا لیا جائے تو میں دعوی سے کہتا ہوں کہ بہت سے نام نہاد ٹاؤٹ اور معمولی چور اچکے تو ہی سدھر جائیں گے۔ مثلا اگر شریف کو تھانہ میں کرسی ملے اور بدمعاش یا گنہگار کو کھڑا کیا جائے تو یہ رویہ بہت سوں کو سیدھا کرسکتا ہے۔ صرف اور صرف عمل اور تھوڑے سے حوصلے کی ضرورت ہے اور ڈی پی او لودھراں اس معاملے کو بہتر انداز میں ہینڈل کرسکتے ہیں۔

چینی کی بوری اور پہنچا ہوا بزرگ

ایک اجنبی آدمی کنویں میں گر گیا اور مرگیا۔اسے کنویں سے باہر نکال کر دفنا یا گیا۔ دو چار روز کے بعد لوگوں نے کنویں کا پانی استعمال کرنا شروع کیا تو انہیں یہ جان کر مسرت وخوشی ہوئی کہ کنویں کا پانی جو کہ کھارا کڑوا تھا اب میٹھا ہوگیا۔بات جنگل میں لگی آگ کی طرح پورے علاقے میں پھیل گئی۔دور دراز سے لوگ آنے لگے اور میٹھے پانی سے مستفید ہونے لگے اور یہ تصور کر لیا گیا کہ اس میں گرنے والا شخص کوئی ''پہنچا ہوا بزرگ'' تھا اور اس کی کرامت کی وجہ سے کنویں کا پانی میٹھا ہوگیا ہے۔اب اس شخص کے عقیدت مند بھی پیدا ہوگئے۔ مجاور بھی ''معرض وجود'' میں آگئے اسکی قبر دوبارہ تعمیر کی گئی۔اسکی ''کرامات'' بھی لوگوں کو بتائی جانے لگیں۔مگر رفتہ رفتہ کنویں کے پانی سے میٹھا پن غائب ہونے لگا اور کچھ عرصہ بعد کنویں کا پانی دوبارہ کھارا ہوگیا پھر یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ ''پہنچا ہوا بزرگ'' شاید ناراض ہوگیا ہے اور ہم لوگوں سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔اب غلطی کو تلاش کرکے بزرگ کو خوش کرنے کی تجاویز زیر بحث آنے لگیں۔ایک روز ایک شخص اس علاقے میں آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ کچھ عرصہ پہلے یہاں فلاں فلاں شکل وصورت کی شباہت کا کوئی شخص آیا ہو یا کسی نے اسے دیکھا تو لوگوں نے فورا کہا کہ ہاں وہ تو بڑا پہنچا ہوا

شخص تھا۔ جس کے بارے میں آپ پوچھ رہے ہو وہ تو کچھ عرصہ پہلے کنویں میں گر کر مرچکا ہے لیکن اس کی کرامات ابھی تک جاری ہے اور پھر اسے ساری کہانی سنائی گئی کہانی سن کر اس شخص نے اپنا سر پیٹ لیا اور ان لوگوں کو بتایا کہ میرے بھولے بھائیو یہ شخص ایک چور تھا اور میری دوکان سے چینی کی ایک بوری چرا کر فرار ہوگیا تھا اور وہ یقینا اس کنویں میں بوری سمیت گرگیا ہو گا جس کی وجہ سے پانی کچھ عرصہ کیلئے میٹھا ہوگیا۔ اور پھر کنویں سے چینی کی منہ بند خالی بوری بھی برآمد ہو گئی۔

یہ ہے حال ہماری سادہ لوح اور بھولی بھالی عوام کا،جو سوچ سمجھے اور تحقیق کیے بغیر کسی بھی شخص کے بارے میں اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں۔ بات سادہ لوح اور ان پڑھ عوام تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کے تعلیم یافتہ لوگ اور طبقہ بھی اس پریکٹس کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہمارے ملک کی یونیورسٹیاں اور ان کے وائس چانسلرز ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں بلا سوچ سمجھے تقسیم کر رہے ہیں اور ڈاکٹرز ایک ایسی کھیپ تیار کر رہے ہیں جو کہ نہ تو کوئی مرہم رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو زخموں کا مداوا کرنا کا نصاب بڑا عجیب ہوتا ہے (Operation) سکھایا جاتا ہے ان کے سبجیکٹ میں جراحی جس میں عوام کو بغیر چھری کانٹے کے اس طرح آپریٹ کیا جاتا ہے کہ نہ تو زخم لگتا ہے نہ ہی خون بہتا ہے لیکن ہر طرف آہیں سسکیاں سنائی دیتی ہیں۔ڈگریوں کی یہ بندر بانٹ عرصہ

دراز سے جاری ہے کسی کو فلسفے کا ڈاکٹر بنا دیا جاتا ہے تو کسی کو قانون کا۔ کسی کے ہاتھ میں سیاست کی ڈاکٹریٹ ہوتی ہے تو کوئی لیس سر لیس سر کی گردان کا ڈاکٹر ہوتا ہے حال ہی میں وزیر اعظم نواز شریف ، خورشید شاہ اور قائم علی شاہ کو ہمارے ملک کی یونیورسٹیوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں جاری کی ہیں ۔اگر اسی بنیاد پر ڈگریاں جاری کی گئی ہیں تو پھر آصف علی زرداری، یوسف رضا گیلانی، شہباز شریف اور سب سے بڑھ کر سیاست کے بے تاج بادشاہ مولانا فضل الرحمٰن کو بھی یہ ڈگریاں دی جانی چاہئیں۔ کیونکہ ملک و قوم کو جس انداز میں یہ موصوف ڈیل کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

ڈاکٹر تو کسی قوم کا مسیحا ہوتا ہے اور ان کے دکھوں کا مداوا ان کی اولین ترجیح ہوتا ہے لیکن اب عجب نظام چل پڑا ہے کہ سیاست دان ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کرنا چاہتے ہیں جبکہ ڈاکٹرز سیاست کی شطرنج کے مہرے بن کر ملک و قوم کو ٹریٹ کرنا چاہتے ہیں ۔ڈاکٹر رحمان ملک ،ڈاکٹر بابر اعوان، ڈاکٹر نواز شریف ،ڈاکٹر خورشید شاہ،ڈاکٹر قائم علی شاہ ہمارے ملک کے مایہ ناز ڈاکٹرز ہیں جو کہ ملک چلانے میں ید طولی رکھتے ہیں۔اسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر ،ڈاکٹر طاہر القادری وغیرہ اپنے شعبے سے اکتا کر سیاسی ڈاکٹر بن رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کسی بھی شخص کو اس کی طویل شبانہ روز ریسرچ کے بعد عطاء کی جاتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص نے اپنے سبجیکٹ میں بہت

حد تک مہارت حاصل کرلی ہے اور اپنے سبجیکٹ پر عبور حاصل کرکے اکی مدد سے دنیا میں اپنی مثبت انداز میں پہچان کرالی ہے لیکن اب یہ ڈگریاں جن احباب کو ودیعت کی گئیں ہیں ان کا کام اپنی غرض کی سیاست کرنے، ملک و قوم کو انگلیوں پر نچانے اور بھولی اور سادہ لوح عوام کو سبز باغ دیکھانے کے سوااور کچھ نہیں۔ جھوٹ، مکروفریب، بد عہدی اور بد عملی کے منبع لوگ ہماری تقدیروں کے فیصلے کر رہے ہیں ملک میں انتشار، افرا تفری، دہشتگردی، رشوت ستانی، مہنگائی، نقص امن، لاقانونیت اور بے راہ روی ہمارے حکمرانوں کا ایک ''عظیم تحفہ'' ہے جسے عرصہ دراز سے عوام پاکستان سنبھالے ہوئے ہے اور ان کے ناموں کا ڈنکا اسی طرح بجانے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح سے درج بالا کہانی میں ایک چور کو ''پہنچا ہوا بزرگ'' بنا کر پیش کیا گیا۔ اگر انہیں ڈگریاں ان کی درج بالا'' خصوصیات ''کی بنا پر ایوارڈ کی گئیں ہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ بس اسی طرح لگے رہو۔ عوام میں چینی کی بوریاں پھینکتے رہو اور بھولی عوام کو اپنی ''کرامات'' کے گن گنواتے رہو۔

وزیر اعلی پنجاب..... ہمیں بھی جینے کا حق دیا جائے!

جناب! ہماری بھی کچھ خواہشات ہیں ہم بھی اس معاشرے میں دوسرے لوگوں کی طرح جینا چاہتے ہیں ہمیں بھی جینے کا حق دیا جائے ہمارا علاج ممکن نہ سہی تو کم از کم میری والدہ کا ہی علاج کروایا جائے ہماری دنیا تو پہلے ہی اندھیری ہے ہمارے والد اور والدہ ہی ہمارا واحد آسرا اور سہارا ہیں یہ بھی ہم سے چھن گیا تو ہم اس بے رونق اور بے حس دنیا میں جی کر کیا کریں گے اگر ہمارے لیے حکومت کی طرف سے کوئی باقاعدہ امداد کا معقول انتظام نہ کیا گیا تو ہم سب اس دنیا سے کنارہ کر جائیں گے یہ الفاظ محمد نواز اور نذیر احمد کے ہیں جو کہ اپنی زندگی کے 30 سال اندھیروں کی نذر کر چکے ہیں اور جو اپنے بقیہ نابینا اور ذہنی معذور دو بہنوں اور دو بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر کے سونے آنگن میں بیٹھ کر حکومتی ارباب اختیار، اداروں اور این جی اوز کی کارکردگی کا پول کھول رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو دو تین تین روز تک کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ پانی پی کر گزراوقات کرنا پڑتی ہے۔ جب تک والد دکان سے نہیں آجاتے اس وقت تک کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ آج روٹی پیٹ کا دوزخ بھرے گی بھی یا نہیں۔ اور پھر ہمارے والد ہی ہمیں کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ جن سے ہم صرف نظر کرتے

دکھائی دیتے ہیں۔اور غریب اور اس کی غربت کو محض روٹین سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں

کہروڑپکا کے وہ پانچوں بہن بھائی پیدائشی طور پر نابینا اور ذہنی معذور ہیں ان کا ولد خادم حسین ایک خرادیہ ہے اور عرصہ 30 سال سے ان پانچوں کی جیسے تیسے کرکے پرورش کر رہا ہے۔جب جب، جس نے جو بتایا اس محکمے میں درخواست دی۔ سوشل ویلفیئر، بیت المال، disability سنٹر، پرائم منسٹر سوشل سیکٹر اور نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی لیکن کوئی شنوائی نہ ہو۔خدا خدا کرکے وزیراعظم کو دی گئی درخواست پر ایکشن لے لیا گیا۔ جس پر ڈسٹرکٹ ہسپتال لودھراں میں ڈاکٹرز کا ایک بورڈ بنایا گیا جنھوں نے رپورٹ Submit کی کہ ان پانچوں بچوں کا علاج پاکستان میں یا باہر کے کسی بھی ملک میں ممکن نہیں اور انہیں معذوری کے سرٹیفکیٹ تھما دیے گئے۔1999 میں وزیراعظم نواز شریف کے نوٹس لینے پر اپنا اکاؤنٹ متعلقہ ڈاک خانہ میں کھلوانے کا کہا گیا۔خادم حسین نے اپنا اکاؤنٹ ڈاک خانہ کہروڑپکا میں کھلوایا اور امداد کا منتظر رہا کہ 18000 روپے ماہانہ ہمارے اکاؤنٹ میں آئیں گے لیکن 1999 سے لیکر آج کے دن تک ایک چھوٹی کوڑی بھی ان کو نہ دی گئی وزیراعظم نے ہدایات کرکے اپنا ''فرض''پورا کر دیا جبکہ متعلقہ محکمے سوشل ویلفیئر، بیت المال (لودھراں) اور پرائم منسٹر سوشل ویلفیئر سیل اسلام آباد اپنی روایتی بے حسی کے گھن

چکر میں ان معذور اور نابینا افراد کو چکر پے چکر لگواتے رہے اور غریب محنت کش کی روزانہ کی مزدوری کرائے کی نذر کرواتے رہے۔ پندرہ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد خادم حسین اور اس کے معذور بچوں کی آج تک نہ سنی گئی اور ان کی والدہ بھی پانچ بچوں کی معذوری کے غم کو دل سے لگا بیٹھی اور عرصہ چار سال سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی ہے اب جگر کا عارضہ بھی لاحق ہو چکا ہے۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ بچے جوان ہو چکے ہیں مگر اپنی معذوری کے سبب اس بے حس اور ظالم دنیا سے الگ تھلگ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں سوشل سیکٹر اور نام نہاد این جی اوز اور مخیّر حضرات خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں لاکھوں روپے سیمینارز، تقریبات، فوٹو سیشن اور ریفریش منٹ کے نام پر اڑا دیے جاتے ہیں لیکن کوئی بے بس، مجبور، لاچار اور معذور ان کی نگاہ کرم پر پورا نہیں اترتا۔ میرٹ اور حقائق کو مسخ کرنا اور سفارش کو پروموٹ کرنا ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے بغیر سفارش اور رشوت کے کسی مستحق بے کس و مجبور کی مدد کرنا ان کیلئے جوئے شیر لانے کے مترادف نظر آتا ہے

وزیر اعلی پنجاب آجکل خوشحال پنجاب کا نعرہ بڑی شدومد سے لگا رہے ہیں۔

روڈز، بلڈنگز، سکول وکالجز، پارکس بالخصوص تھیم پارک کا منصوبہ،Development ہنگامی بنیادوں پر زیر غور ہے جس کا مقصد معاشرے کے افراد بالخصوص نوجوان نسل کو مثبت تفریحی سرگرمیاں فراہم کرنا ہے کیونکہ نوجوان نسل صحت

مند جسم اور دماغ کی حامل ہونے کے بنا پر ہی ملک وقوم کیلئے مفید اور معاون ثابت ہو سکتی ہے۔بڑی اچھی بات اور سوچ ہے۔ اس حوالے سے لاہور میں انٹر نیشنل سٹینڈرڈ کا تھیم پارک کا بنایا جانا بھی ایک خوش آئند بات اور قابل ستائش عمل ہے لیکن ! وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف آپ نہ صرف لاہور، پورے پنجاب بالخصوص جنوبی پنجاب کے بھی وزیر اعلی ہوتے ہیں جہاں پر لوگ پسماندہ ترین ،ترقیاتی کام ندارد، کھیل کے میدان اور پارکس خواب کی سی حقیقت رکھتے ہیں یہاں پر بھی ترقیاتی کام، تعمیری منصوبے ،وسیع سڑکیں اور پارک بنانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو باعزت روزگار مہیا کرنا بھی جناب وزیر اعلی اور حکومت پاکستان کافرض اولین ہے۔ ان علاقوں میں حفظان صحت کے اصول ،پینے کا صاف پانی، روزگار کے حالات اور تعلیمی سہولیات دیوانے کا خواب معلوم ہوتے ہیں ۔ غربت کی چکی میں پسے یہ لوگ تھیم پارک جیسی سہولیات تو نہیں مانگتے مگر کم از کم ان کو باعزت روزگار، تعلیم ، صحت اور ذرائع آمد ورفت جیسی بنیادی سہولیات ہی فراہم کردی جائیں۔ خاص طور پر حالات سے ستائی ہوئی اور اللہ کی طرف سے آزمائش میں ڈالی گئی اس معذور اور نابینا فیملی کو ایک معقول امداد کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے تاکہ ان کو بھی معاشرے میں دوسرے لوگوں کی طرح اپنی زندگی گزارنے کے مواقع میسر آسکیں کیونکہ تفریح اسی وقت بھلی محسوس ہوتی ہے جب انسان کا اندر خوش ، مطمئن اور پرسکون ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب افراد کو غربت کے جنجال ،دہشت گردی کے وبال ، عزتوں کے اچھال

اور نفرتوں کے جال سے نکال کر باعزت روزگار فراہم کیا جائے۔ ایک مرتبہ پھر میں اپنی اس بات کو دوہراؤں گا کہ وزیر اعلی پنجاب روایتی انداز سے ہٹ کر سنجیدگی سے اس معذور اور نابینا گھرانے کی کفالت کا کوئی مستقل بندوبست فرما دیں تاکہ یہ لوگ اس معاشرے میں جینے کے قابل ہو سکیں۔ یہ بھی ایک صدقہ جاریہ ہے اور شاید بلکہ یقینا تھیم پارک اور اس جیسے منصوبوں سے کئی درجہ بہتر ہے۔

"وہ قتل بھی کر دیں تو چرچا نہیں ہوتا"

مملکت خدا داد میں آج کل " آؤ مذاکرات مذاکرات کھلیں" کا ایک مضحکہ خیز سلسلہ جاری ہے۔ طالبان اور حکومتی ٹیم کے درمیان کئی اہم اجلاس ہو چکے جن کا ابھی تک کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ حکومت کی طرف سے "اب مار کے دکھاؤ" کی تنبیہ جاری ہے جبکہ طالبان کی جانب سے "یہ لو ! مار دیا" کا نہ تھمنے والا تشدد،بربریت سے بھرپور عمل جاری ہے۔ ہر دو فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن ہیں جبکہ عوام کی زندگی ،مال و متاع سب داؤ پر لگا ہوا ہے۔ طالبان کیجانب سے تازہ ترین خلاف ورزی ایف سی اہلکاروں کی ہلاکت ہے جو کہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور ظالمانہ فعل ہے۔ اس کے باوجود "عوامی خیر خواہ" اس کھیل کو جاری رکھنے پر بضد ہیں ان کا کہنا ہے کہ فوج اور طاقت کا استعمال اس معاملے کو مزید الجھا دے گا حالانکہ اب تو اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب ڈراما ہو رہا ہے جس کا اختتام لاحاصل اور بے نتیجہ ہوگا۔

دراصل ابھی تک یہ معلوم ہی نہ ہو سکا ہے کہ درحقیقت طالبان ہیں کون ؟ کتنے دھڑے ہیں۔ کس کی کتنی تعداد ہے۔ کون کتنا بااثر اور طاقتور ہے۔ کہیں پر TTP (تحریک طالبان پاکستان) کا طوطی بول رہا ہے تو کہیں افغان طالبان

دندناتے پھر رہے ہیں ۔پھران میں بھی گروہ بندیاں ہیں ۔ایک گروہ سے مذاکرات مذاق رات) شروع ہوتے ہیں تو دوسرا اپنی کاروائی کر گزرتا ہے تو پھر کبھی کراچی کے) دھماکے سامنے آتے ہیں تو کبھی پشاور کے ۔ کہیں پر ریل کی بوگیاں اڑادی جاتی ہیں تو کہیں پولیس کی بس پر حملہ کردیا جاتا ہے۔اور پھر ترجمان طالبان کا ٹیلی فون بھی آجاتا ہے کہ یہ کاروائی ہم نے کی ہے حکومت کے نمائندے اور ارباب اختیار لگتے تو ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں لیکن اس معاملے میں ان کی عقل ودانش نہ نجانے کہاں گھاس چرنے چلی جاتی ہے کہ جو لوگ اپنے کسی بھی ایک وعدے اور دعوی پر قائم نہیں۔ہر روز ہر گھنٹے ہر لمحہ وعدہ خلافی اور قانون شکنی پر اتارو دکھائی دیتے ہیں اور پھر بھی ان کی ٹانگ اوپر ہی رہتی ہے یعنی ہماری گورنمنٹ کبھی بھول سے بھی کوئی سخت بیان دے دے تو اسے معاہدہ کی خلاف ورزی گردانا جاتا ہے اور پھر خودکش حملے اور دھماکے کی صورت میں جواب داغ دیا جاتاہے اور اسے معاہدہ اور مذاکرات کی خلاف ورزی کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے۔

هم آہ بھی کردیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کردیں تو چرچہ نہیں ہوتا

مجھے اپنے بچپن کے وہ دن یاد آرہے ہیں کہ جب عمر کے سولہ کے پیٹے میں تھے ۔ہمارے علاقے میں گورنمنٹ ہائی سکول میں کھیل کا ایک ہی میدان تھا جو کہ ابھی تک

ایک ہی ہے۔ وہاں پر ہر عمر کے کھلاڑی کرکٹ اور فٹ بال کھیلتے تھے اور اکثر جگہ کی تنگی کی وجہ سے جھگڑا رہتا تھا۔ بالکل چھوٹی عمر کے بچوں پر ہم رعب جماتے تھے اور ان کو دھمکا کر بھگا دیتے تھے اور پھر وہاں پر کھیلنا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح ہم سے بڑی عمر کے سینئر کھلاڑی آکر ہمیں بھگا دیتے تھے اور خود کھیلنا شروع کر دیتے تھے بعض اوقات ان دونوں گروپوں میں جھگڑا ہو جاتا تھا اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی پھر کچھ لوگ درمیان میں آجاتے ہیں اور مذاکرات کرادیتے کہ فلاں سے فلاں وقت یہ کھیلیں گے اور فلاں سے فلاں ٹائمنگ میں دوسری کیٹگری کھیلے گی۔ ان دنوں جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی اور سارا دن کھیل اور میچز کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اس روز سینئر کھلاڑی اکثر میچ کھیلتے جس کی وجہ سے دوسرے گروپ کی ٹائمنگ ڈسٹرب ہوتی اور جب ان کو مذاکرات اور وعدے کی پابندی کا کہا جاتا کہ کہتے کہ اگلی مرتبہ تم کھیل لینا۔ لیکن اگلی مرتبہ بھی اسی طرح پریکٹس کو دہرایا جاتا ہے اور جب تلخ کلامی ہوتی تو کہتے کہ ٹھیک ہے ہم ہی کھیلیں گے تم سے کھیلا جائے تو کھیل لو۔ اب مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق صبر اور غصے کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے اور منہ میں بڑبڑاتے اور دل میں بُرا بھلا کہتے اور اگلے دن کا انتظار کرنے لگتے۔

یہ مذاکرات بھی اسی طرز پر جاری ہیں اور اس کا کوئی سر پیر دکھائی نہیں پڑتا کمیٹیوں کو نہ تو اپنے اختیارات کا علم ہے اور نہ ہی اپنی کمٹمنٹ کے پورا

نہیں کرسکتی Sure ہونے کی تسلی ۔طالبان کی جانب سے بنائی جانی والی کمیٹی اس بات کو
کہ ان کی جانب سے کیے گئے وعدے کو طالبان تسلیم بھی کریں گے یا نہیں بعینہ صورت
حال حکومتی کمیٹی کی ہے دونوں کمیٹیاں کٹھ پتلی کی مانند ڈوروں سے بندھی ہیں جس کی
ڈور کھینچ لی جاتی ہے وہ منظر عام سے غائب ہوجاتا ہے اور سامنے موجود شخص بیک
گراؤنڈ کے احکامات اور اشاروں پر یہ کھیل جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن یہ تماشہ خوشی
کے لمحات میسر کرنے کی بجائے ایک خوف ،دہشت ، ظلم ،لاقانونیت کا پیغام دیتا ہے جو
نجانے کب تک جاری رہے گا۔

لا اکراہ فی الدین

پاکستانی آئین میں ایک بھی جز اسلامی نہیں ۔کوئی مانے یا نہ مانے قرآن وحدیث ہی مکمل آئین ہے حکومت مذاکرات کے ذریعے ہم سے آئین منوانا چاہتی ہے۔ جبکہ ہم شریعت کے نفاذ کی بات کرتے ہیں پہلے حکومت جنگ بندی کرے ۔ہم مذاکرات سے مسائل کا حل چاہتے ہیں یہ بیان ہے کالعدم تحریک طالبان کے ترجمان شاہداللہ شاہد کا۔ جبکہ انہی کی طرف سے نامزد کردہ پروفیسر محمد ابراہیم نے کہا کہ آئین غیر اسلامی نہیں ہے اسے بھی جید علما کرام کی مشاورت سے تشکیل دیا گیا۔ اسی طرح طالبان القاعدہ گروپ نے باقاعدہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا ہے اور کہا ہے کہ 28 فروری تک جنگ بند رہے گی۔۔بڑی عجیب سی کھچڑی پکی ہوئی ہے آئین پاکستان کو خلاف شریعت قرار دیا جارہے ہے ملک میں شریعت کے نفاذ کی بات کی جارہی ہے۔ ہر ملک میں چند دھڑے ایسے ہوتے ہیں جو کسی بھی حالت میں حکومت کو سکھ سے کام کرنے نہیں دیتے اور عوام کو اذیت و پریشانی میں مبتلا رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنا وطیرہ بنایا ہوتا ہے کہ ہمیشہ گورنمنٹ کے اینٹی چلنا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف اپنی اہمیت کو جتانا ہوتا ہے یا پھر وہ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں ۔وہ احساس انہیں منفی رویے اپنانے پر اکساتا رہتا ہے۔

کوئی ان بے چاروں کو سمجھائے کہ پیارے بھائیو! کیا شریعت یہی ہے کہ جو آپ کی بات نہ مانے، داڑھی نہ رکھے، بچوں کو پولیو کے قطرے پلوائے، بچیوں کی تعلیم دلوائے، میوزک سنے، تفریحی گاہوں کی سیر کرے، کسی دوسرے کو اچھا خیال کرے تو اسے ذبح کردیا جائے، جو شخص آپ کے بے سروپا احکامات کی پاسداری نہ کرے اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا جائے۔ کیا یہ محمد عربی ﷺ کی شریعت ہے؟ کیا آپ کو یاد نہیں کہ محمدؐ کی شریعت تو یہ ہے کہ جب طائف والے آپ کو لہو لہان کر دیتے ہیں تو آپؐ قوت وطاقت رکھنے کے باوجود ان کیلئے نرم گوشہ اختیار فرماتے ہیں صرف اس لیے کہ شاید ان کی اگلی نسل اسلام کی روح کو سمجھ لے۔ فتح مکہ کی تاریخی مثال کا مطالعہ بھی آپ لوگوں نے ضرور کیا ہوگا کہ تمام غیر مسلم اور دشمنان اسلام کو ایک ہی دفعہ میں معاف فرمادیا۔ حتی کہ ان کے گھروں کو عافیت گاہ کا درجہ دے دیا۔ لا اکراہ فی الدین کا سبق کیوں بھول جاتے ہو۔ کیا اسلام یا شریعت اتنا ہی محدود ہے کہ ہمارا فوکس صرف اسی پر ہو کہ زنا کرنے والے کو سنگسار کردیا جائے۔ چوری کرے والے کے ہاتھ قلم کر دیئے جائیں۔ قتل کرنے والے کو قتل کردیا جائے۔ یہ تو انفرادی مسائل ہیں جو کہ رفتہ رفتہ حل ہو سکتے ہیں اور ان شاء اللہ حل ہوجائیں گے۔ پہلے اجتماعی مسائل کو تو دیکھ لو۔ کیا شریعت یہ نہیں کہتی کہ اپنے فرائض تندہی اور ذمہ داری سے انجام دیئے جائیں۔ سکول وکالجز اور مدارس میں طلباء طالبات کو بہتر انداز میں پڑھایا جائے۔ دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ مند کیا جائے۔ ہسپتالوں میں

مریضوں کو ان کی ضرورت وحاجت کے مطابق جائز اور بنیادی سہولیات مہیا کی جائیں۔لاعلاج بیماری کیلئے پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں ۔ ملک میں ہر شخص کو آزادی، تحفظ اور سکون سے کاروبار کرنے دیا جائے ۔بین الصوبائی تجارت کو فروغ دیا جائے۔بین المذاہب ہم آہنگی اور مسالک کے درمیان مثبت اقدار کو پروان چڑھایا جائے ۔ایک دوسرے کو.برداشت کرنے ، سمجھنے اور سننے کا مادہ پیدا کیا جائے۔شریعت تو یہ بھی بتاتی ہے کہ وقت پڑنے پر غیر مسلموں سے بھی علوم وفنون سیکھے جائیں اور ان کے بدلے میں قیدیوں کو رہا کردیا جائے شریعت تو اس بات کی پاسداری بھی کرتی ہے کہ اگر کسی انسان کا ناحق خون بہا دیا جائے تو پوری انسانیت کے قتل کرنے کے مترادف گردانا جائے۔

پیارے بھائیو! آئین کو بھی شریعت میں سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔ جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ملک کا صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے ملک میں اسلامی قوانین کی پاسداری ہوگی۔ حاکمیت اعلی اللہ کی ذات ہوگی حکمران اقتدار کو بطور امانت وذمہ داری سمجھ کر پورا کریں گے۔ مذہبی تعلیم کو فروغ دیا جائے گا ۔انسانیت وآدمیت کا اکرام واحترام کیا جائے گا ۔اقلیتوں کو آزادی سے اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ ۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن وحدیث مکمل ضابطہ اخلاق ہے مگر اس کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے مذہبی سکالر، علماکرام، مفتیان کرام کو اپنا اپنا حصہ

ڈالنا ہوگا۔مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ذہنی ترتیب بھی اس میں شامل کرنا ہوگی۔ان کو جسمانی طور پر مضبوط وتوانا بنانے کیلئے کھیل کے میدان بھی سجانا ہونگے ان کو دنیا کے مقابلے پر لانے کیلئے انگریزی تعلیم بھی دلوانا ہوگی۔ان کو صحت مند رکھنے کیلئے پولیو کے قطرے بھی پلوانا ہونگے۔ صحت کی جدید سہولیات اور ترجیحات کو اپنانا ہوگا۔دنیائے کفر کوزیر نگوں کرنے کیلئے جدید علوم اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی ضروری ہوگی۔غزوات کی مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کو بھی میدان عمل میں لانا ہوگا۔ان کی تعلیم وتربیت سے نونہال اسلام وپاکستان کو پروان چڑھانا ہوگا۔کیونکہ یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ ایک ماں کی بہتر تربیت پورے معاشرے کی تربیت کرنے کے مترادف ہے۔اولین درسگاہ ماں کی گود اور گھر کا ماحول ہے۔اسی طرح عوام میں ملکی و ملی جذبہ پیدا کرنے کیلئے سکول وکالجز اور مدارس کی سطح پر تقریبات سجانا ہونگی۔ہمارے مذہبی و قومی ہیروز کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کیلئے انکی تعلیمات کو اپنے روزمرہ کے معمولات کا حصہ بنانا ہوگا۔یہ تمام افعال حکومت کو کرنا ہونگے اور ہم سب ان کے ساتھ مل کر ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں تو پھر ہم سب طالبان شریعت ہونگے ہم سب مسلمان ہونگے۔ ہم سب پاکستانی ہونگے۔یہیں سے شریعت کا نفاذ ہوگا اور اسی سے کیا اور کرایا جاسکے گا۔توبراہ مہربانی implement آئین کی پاسداری ہوگی اور اس پر ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حقائق کو مان کر اچھے مسلمان، اچھے پاکستانی

اور اچھے شہری ہونے کا ثبوت دیجئے۔اور دین اسلام کا نام مثبت انداز میں سربلند کرنے کا عزم کیجئے۔ سب کی بھلائی اسی میں ہے

پارلیمنٹ لاجز۔۔۔ !

پارلیمنٹ لاجز میں سالانہ پانچ کروڑ کی شراب آتی ہے جو کہ پارلیمنٹرین استعمال کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عیاشی کیلئے لڑکیاں بھی لائی جاتیں ہیں اور مجرے بھی ہوتے ہیں۔ ہر وقت چرس کی بو سے لاجز ماحول خراب رہتا ہے۔ یہ الزامات موصوف جمشید دستی نے اپنے کولیگز پر قومی اسمبلی کے اجلاس میں لگائے۔ ان کے مطابق ان سب کرتوتوں کی باقاعدہ وڈیوز بھی موجود ہیں اور وہ ایاز صادق سپیکر قومی اسمبلی کی ہدایت اور چوہدری نثار کے بیان کے بعد اپنے طرف سے ان الزامات کے ثبوت بھی پیش کریں گے۔ جمشید دستی کے ان بیانات نے پارلیمنٹ میں ہلچل مچادی۔ کہیں سے ان کے حق میں بیانات آئے تو کسی نے سخت الفاظ میں تردید کی۔ کسی نے اسے سستی شہرت سے منسوب کیا۔ تو کسی نے وینا ملک ہی قرار دے دیا۔ نبیل گبول کو تو اپنے ہی لالے پڑ گئے کہ ان کی بیگم کو پتہ چل گیا تو ان کا پارلیمنٹ اجلاس میں داخلہ ممنوع ہو جائے گا۔ جمشید دستی کے بیان سے کیا ہوگا اس سے قطع نظر چلو یہ تو معلوم پڑ گیا کہ نبیل گبول پر ان کی بیگم کا کس حد تک پریشر ہے اور کہیں کہیں اس بیان میں بے اعتمادی کی جھلک بھی دکھائی پڑتی ہے کہ شاید ان کی بیگم ان پر اعتماد نہیں کرتیں۔ بہر حال بات ہو رہی تھی پارلیمنٹ لاجز کی جہاں پر شباب

اور شراب کی محافل منعقد کیا جانا ایک لمحہ فکریہ ہے۔ رہی بات ثبوت کی تو ایاز صادق صاحب یہ انتہائی نامناسب بات کی آپ نے کہ اس کے ثبوت پیش کیے جائیں یعنی جو" بولے وہی کنڈا کھولے "کے مصداق اب جمشید دستی کو ثبوت بھی فراہم کرنا ہوں گے اور یہ ان کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذرائع جو کچھ بتاتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ذرائع بھی بتاتے ہیں کہ پارلیمنٹ لاجز میں مذکورہ بالا قبیح اعمال تو ہوتے ہی ہیں بلکہ یہاں پر اشتہاریوں کو بھی پناہ دی جاتی ہے۔ وڈیروں ،زمینداروں اور جاگیرداروں کیلئے کام کرنے والے اشتہاری بھی ان لاجز میں پناہ گزین ہیں۔ پولیس ان تک جانے کی ہمت نہیں جٹا پاتی۔ معاملے کو ٹھنڈا کرنے کیلئے اب " لوگوں اور لوازمات کی صفائی کے ساتھ ساتھ ڈائریکٹر کا تبادلہ بھی کردیا گیا ہے۔ چوہدری نثار وزیر داخلہ" نے معاملہ کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے بیان بھی دے دیا ہے کہ انہوں نے لاجز میں لگے 23 کیمروں کی ویڈیوز خود دیکھی ہیں ان میں ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ان کا کہنا اور فرمانا بھی بجاہے کیونکہ جب سامنے سے کپڑا اٹھایا جائے تو اپنا پیٹ بھی ننگا ہوتا ہے اور ویسے بھی دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کار خیر اور کار ثواب ہے۔ بہر حال جمشید دستی نے ثبوت معہ ویڈیو پیش کرنے کی حامی بھر لی ہے۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر لاجز میں کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔ ان باتوں میں کتنے حقائق ہیں۔ دال میں کالا کتنا ہے کہ ساری دال کالی ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ روای کون ہے ؟ جمشید دستی ! جی ہاں جمشید دستی اس

سے قبل بھی عمران خان، چیف جسٹس، پرویز مشرف اور جرنیلوں پر بھی الزامات کی بوچھاڑ کر چکے ہیں لیکن نہ تو الزام لگانے والا ثبوت پیش کر سکا اور نہ ہی وہ جن پر الزامات لگائے گئے اس کی تردید کرتے دکھائی دے اور نہ ہی جمشید دستی کے خلاف کوئی کاروائی ہوئی۔یعنی کہ دونوں طرف سے کچھ تو ایسا تھا کہ جس کی پردہ داری تھی۔اب بھی معاملہ ایسا ہی ہونا ہے۔جمشید دستی وہ ہیں جن کی اپنی ڈگری جعلی ہے اور تاحال ان کا یہ معاملہ زیر سماعت ہے اور ان کا کوئی واضح حل دکھائی نہیں دیتا اور شاید دکھائی دے بھی نا۔ لہٰذا عوام پاکستان کو اس معاملے میں اتنا زیادہ سنجیدہ، رنجیدہ اور آبدیدہ ہونے کی بجائے خوابیدہ ہو جانا چاہئے کیونکہ ایسے معاملات وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتے رہتے ہیں مشتہر ہوتے ہیں اور پھر منظر عام سے گدھے کے سینگوں کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔اور یہ بھی صحیح ہے کہ دستی صاحب اس طرح کے بیان دے کر وقتی اور سستی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہ مہذب معاشرے میں انتہائی بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔دستی صاحب کو اس قسم کے اوچھے بیانات سے گریز کرنا چاہئے اور گھر کے معاملے کو گھر میں ہی رکھنا چاہئے۔ہم تو ویسے ہی پہلے بہت بدنام ہو چکے ہیں۔مزید یہ کہ جمشید دستی کا بیان گیہوں کے ساتھ ساتھ گھن کو پیسنے کے مترادف ہے۔کیونکہ ایسے پارلیمنٹرین بھی موجود ہیں جو اس قسم کی خرافات سے ذرا دور ہی رہتے ہیں۔اور ان کا غصہ بھی بجا ہے لہٰذا جمشید دستی کو ان سے تو کم از کم معافی مانگ لینی چاہئے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

پاکستانی عورت ! جہاں پر گھریلو تشدد کا شکار ہے وہیں منفی رویوں ،امتیازی سلوک اور بدترین صنفی تعصبات کا شکار بھی ہے آئے روز کے واقعات میں یہ عورت کہیں تیزاب گردی کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے تو کہیں اجتماعی عصمت دری سے اس کی روح کو گھائل کیا جاتا ہے۔ کہیں پر گھر کی چاردیواری میں مقید کرکے اس کا استحصال ہو رہا ہے تو کہیں سرعام عزت نیلام کی جارہی ہیں۔ کہیں پر جہیز کی لعنت نے اس سے جینے کا حق چھین لیا ہے تو کہیں کالی ،کاروکاری جیسی قبیح رسومات اسے زندہ درگور کیے دے رہی ہیں۔اسے تعلیم سے دور رکھ کر ان کے بنیادی حقوق کو سلب کیا جارہا ہے تو کہیں ان کو جسمانی طور پر غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔پاکستان میں 95 فیصد خواتین بہمانہ گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔پاکستان کی آدھی آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ جس کے 75 فیصد کو دیہی علاقوں میں قبائلی سسٹم ،جاگیردارنہ نظام ،سرمایہ دارانہ نظام،وڈیرہ ازم کے تحت تعلیم سے دوری،ظالمانہ رسوم ورواج، جنسی تشدد، ذہنی وجسمانی تشدد اور معاشی استحصال جیسے عوامل میں پھنسا دیا جاتا ہے۔اس پر ستم یہ کہ مذہب اور پردہ کے نام پر بھی عورت کو ہی نشانہ بنایا جارہا ہے۔حالانکہ اسلام عورت کو برابری کے حقوق دیتا ہے اور اس کی عزت وتکریم کواولیت دیتا ہے ،دین اسلام جس کی بنیاد ہی اقراء پر ہے

اس کے پیروکاروں کو پڑھنے لکھنے سے دور رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ یعنی کہ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی حد دیکھئے کہ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ جہاں بھی صنفی برابری ہے جس جگہ بھی عورت کو مساوی مقام حاصل ہے وہاں پر ترقی ، معاشی خوشحالی، تعلیمی بہتری ، غربت میں کمی واضح طور پر محسوس کی اور دیکھی جاسکتی ہے لیکن پاکستان میں صرف کہنے کی حدتک عمل کیا جارہا ہے سیڈا کنونشن کو مانا جارہا ہے۔ مگر اس پر حقیقی معنوں میں عمل درآمد نہیں کرایا جارہا ہے جمہوریت کا راگ الاپنے والے ممالک میں بھی صنفی استحصال جاری ہے جب اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو پھر 1908 جیسی تحریکیں پیدا ہوتی ہے کہ جب عورت اپنے حقوق لینے کیلئے اور اپنے خلاف ظلم وتشدد جبر واستبداد کے خاتمے کیلئے سڑکوں پر نکل آتی ہے پھر یہ سیل بے کراں اس طرح بڑھتا اور پھیلتا ہے کہ راہ میں حائل رکاوٹیں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں اور اقوام متحدہ کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ " وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"۔

8 مارچ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے جو کہ خواتین بالخصوص ورکرز خواتین کیلئے نئی جہت ، نیا حوصلہ، تجدید عزم اور اور یقین محکم کا پیغام لے کرآتا ہے یہ دن خواتین کی جہد مسلسل کی علامت ہے آج کے دن خواتین کی صدائے احتجاج کو سنتے ہوئے قانون سازی کے عمل کا آغاز ہوا اور اس بات کو

تسلیم کیا گیا کہ خواتین منفی رویوں ،امتیازی سلوک اور صنفی تعصبات کا شکار ہے۔ اسے ماں، بہن، بیٹی ، بیوی کا مقام تو دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے مطابق تکریم اور احترام نہیں دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لاقانونیت ، کرپشن، تعصب فرقہ بندی کا ایک طوفان بد تمیزی ہے جو کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔جہاں ان مسائل نے ملک و عوام کو گھیرا ہوا اس میں عورت کی تذلیل اور اسکی حیثیت کو نہ ماننے کے فیکٹر کو واضح طور پر انوالو ہیں ۔گھریلو تشدد ، بے جا سختیاں ، بداعتمادی ، قید و بند، غربت وافلاس نے بھی عورت کے مقام کو گہنا دیا ہے۔

دین اسلام کی روح اور انساتی حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر عورت کے ساتھ انصاف کیا جائے تو پھر وہ اپنے لخت جگر کو گلا گھونٹ کر نہیں مارتی، پانی میں ڈبو کر یا پھر کھانے میں زہر دے کر ہلاک نہیں کرتی۔ مغربی ممالک ،پاکستان اور بالخصوص انڈیا میں عورت گھریلو مسائل اور غربت کے ہاتھوں اتنا تنگ ہے کہ اپنی کوکھ کو مستعار دے دیتی ہے۔اپنی کوکھ میں کسی اور کیلئے بچے کی پرورش کرتی ہے اور بچے کو پیدا کرنے کے بعد اسے اتنا حق بھی نہیں ہوتا کہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ لے ۔کیا یہ انسانیت ہے؟ اس میں جمہوریت کہاں سو گئی ہے ؟حقوق انسانی کے علمبردار کہاں گم ہو گئے۔کیا عافیہ صدیقی عورت نہیں ؟نام نہاد امریکی دعوے کھوکھلی دیوار ثابت ہو چکے۔ انسانیت کے حقوق کی پاسداری کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔امریکہ ہو کہ انڈیا۔ چائنا ہو کہ بنگلا دیش ملائیشیا،

ہو کہ افغانستان یا کہ پاکستان ہر ملک ہر خطہ ہر علاقے کی عورت عورت ہی ہوتی ہے۔اس کی تکریم ،احترام اور برابری کی حیثیت دینا سب پر لازم ہے۔ صرف ڈے منانے سے یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچیں گے۔

حکمران کس کے حقدار ہیں۔۔۔؟

تھرپارکر جہاں پر بھوک وافلاس کے ڈیرے ہیں جہاں پر زندگی سسک اور بلک رہی ہے جانوروں کے ساتھ ساتھ نسل انسانی بھی موت وحیات کی کش مکش میں ہے انسان و حیوان سب اپنی پیاس ایک ہی جوہڑ سے بجھاتے ہیں یہاں منرل واٹر یا صاف پانی کو درکنار پینے تک کو پانی میسر نہیں۔ روٹی موت سے مہنگی ہے۔ زندگی ارزاں ہے جبکہ روٹی کا لقمہ گرانی پر محمول ہے۔ بیماریوں نے نوع انسانی کو اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے حکمران فیسٹیول کے نام پر کروڑوں روپے بے مقصد لوٹا رہے ہیں۔ اپنے دورے کے موقع پر مرغن غذائیں۔ کباب، تکے بوٹی سے اپنے پیٹ کے جہنم کو پال رہے ہیں جبکہ ہمیشہ کی دھتکاری اور سسکتی عوام کو روٹی کا ایک لقمہ تک میسر نہیں۔ 200 سے زائد پاکستانی لقمہ اجل بن چکے ہیں اس کالم کو مزید لکھنے سے پہلے میں ایک واقعہ کوڈ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ میرے خیالات و جذبات کی عکاسی ہوجائیگی اور فیصلہ آپ لوگوں پر ہوگا کہ ہمارے حکمران کس قابل ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی ملک میں ایک بادشاہ دربار سجائے بیٹھا تھا۔امرا اور درباری اس کے گرداگرد جمع تھے۔حالات و واقعات کے حوالے سے

بادشاہ وقت کو آگاہی دی جا رہی تھی اور جہاں ضروری ہوتا بادشاہ اس کے بارے میں ہدایات صادر فرمادیتا تھا۔ اسی دوران ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اپنا ٹیلنٹ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے اسے اجازت مرحمت فرمادی۔ اس شخص نے دربار کے بیچوں بیچ ایک سوئی زمین میں گاڑ دی اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑا ہوگیا۔ سب نے غور سے دیکھا کہ سوئی زمین میں گڑی ہوئی۔ اب اس نے دوسری سوئی اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اپنے خاص انداز سے اسے زمین میں گڑی ہوئی سوئی کی طرف پھینکا۔ پھینکی جانیوالی سوئی گڑی ہوئی سوئی کے سوراخ میں جا کر پھنس گئی سارا دربار بادشاہ سمیت اس کی کارکردگی پر عش عش کر اٹھا۔ اب بادشاہ نے اپنے مزاج اور حکمت کے مطابق فیصلہ سنادیا کہ اسے ایک سو اشرفی انعام دیا جائے اور 50 جوتے بھی لگائیں جائیں بادشاہ کے اس عجیب وغریب فیصلے پر لوگ حیران وپریشان ہوگئے بہر حال حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق احکامات پر عمل ہوا۔ اسے انعام میں 100 اشرفی دی گئی اور 50 جوتوں سے اس کی تواضع بھی کی گئی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر امرا خاص نے دریافت کیا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کارکردگی یقیناً اس لائق ہے کہ اسے انعام سے نوازا جائے لیکن اس کام کو سیکھنے میں اس نے اپنی زندگی کے قیمتی سال ضائع کر دیئے۔ جس سے ملک وقوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا اس لیئے اسے جوتے لگوائے گئے۔

بعینہٖ صورت حال ہمارے حکمرانوں کی ہے پنجاب ہو کہ سندھ، یوتھ فیسٹیول کے

نام پر اربوں روپے فضول لغویات میں جھونک دیئے گئے۔ جس کا ملک و عوام کو کوئی فائدہ نہیں سوائے عوام کو ذلیل و خوار کرنے کے یا پھر چند چہیتوں کو نوازنے کے۔ گینز بک آف ورڈ ریکارڈ میں اپنا نام لکھوانے کا جنون اس قدر حاوی ہوا کہ احساس انسانیت جاتا رہا۔ انسانی جھنڈا بنا لینے یا جھنڈا لہرانے سے وطن عزیز کا علم سربلند نہیں ہوگا۔ دنیا کا کونسا ایسا ملک ہے جو کہ یہ کام نہیں کر سکتا ہے کہ 40 ہزار یا ایک لاکھ لوگوں کو طلباء طالبات کو ایک جگہ اکٹھا کر کے قومی پرچم بنادے یا پرچم کی جھنڈیاں لہرادے۔ مگر وہ لوگ اس کو فضول کام گردانتے ہیں اسے وقت اور پیسے کا ضیاع سمجھتے ہیں وہ منظم لوگ چاہیں تو دو لاکھ لوگوں کا ریکارڈ بنالیں لیکن وہ ایسے فضول بے کار اور بے فائدہ کاموں میں اپنا وقت اور روپیہ ضائع نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس طرح سے جانتے بوجھتے لوگ بھوک و پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں مرتے بچے بھوک اور پیاس کی شدت سے بلک بلک کر اپنی جان جاں آفرین کے سپرد نہیں کرتے ان کے وزرا اعلی وزٹ کرنے کے نام پر تکے بوٹیاں اور کباب کی دعوتیں نہیں اڑاتے ۔ فیسٹیول کے نام پر اربوں روپے اڑانے کی بجائے اسے بامقصد کاموں پر خرچ کیا جاسکتا۔ انہی سے زائد مرنے والے افراد کو روٹی دے کر ان کو میڈیکل کی سہولیات باہم پہنچا200 کر بچایا جاسکتا تھا۔ یہی اربوں روپے کئی ہزار جانوں کو با عزت روزگار دینے پر خرچ کیے جاسکتے تھے لیکن نہیں ۔ ہم نے تو اپنا ٹیلنٹ دکھانا ہے۔ اب یہ فیصلہ قارئین نے کرنا ہے کہ مندرجہ بالا

واقعہ اور موجودہ حالات کے پیش نظر ہمارے حکمران چاہے سندھ سے ہو یا پنجاب سے بلوچستان سے ہوں کہ پختونخواہ سے۔وہ انعام کے حق دار ہیں یا جوتوں کے؟ فیصلہ، آپ کے ہاتھ میں ہے۔

پولیس اور صحافی چولی دامن کے ساتھی ہیں تو پھر......!

چولی دامن کا لفظ ہماری روز مرہ کی لغت میں عام استعمال ہوتا ہے اکثر و بیشتر اسے دو افعال ،اعمال ،اشخاص یا واقعات کو جوڑنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جب کبھی وکلاء یا ججز کی تقریب ہوتی ہے تو بار اور بینچ کے چولی دامن کا ذکر کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بار کے بغیر بینچ اور بینچ کے بغیر بار ادھورے تصور ہوتے ہیں اس طرح محنت وعظمت کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے کہ جہاں کہیں محنت کا عمل دخل ہوگا وہاں پر عظمت کی دلیل واضح ہوگی۔ خیر وشر بھی ایک دوسرے کے ساتھ ازل سے چلے آرہے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ کہ شیطان اور انسان کے درمیان نیکی وبدی کی جنگ ابتدائے عالم سے انتہائے عالم تک چولی کے دامن کی طرح جڑی ہوئی ہے۔جب جب سیاست کا پرچار ہوگا جھوٹ کو بھی لازمی پذیرائی ملے گی۔ کیونکہ جھوٹ اور سیاست کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔پاکستانی حکمران اور دغابازی و مکاری بھی لازم وملزوم سمجھے جاتے ہیں۔اسی حوالے سے اگر عوام پاکستان کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ بھی ناانصافی ہوگی۔جب کبھی پاکستانی گورنمنٹ کی بے حسی کا تذکرہ ہوگا تبھی پاکستانی عوام کی بے بسی بھی رقم کی جائیگی۔دہشت گردی کی یلغار اور عوام کی چیخ وپکار بھی چولی دامن کے موافق ہے

تو بالکل اسی طرح پولیس اور صحافت کا چولی دامن کا ساتھ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔پولیس کی تقریب ہو کہ صحافیوں کی اس بات کا اعادہ ضرور کیا جاتا ہے کہ پولیس اور صحافی گاڑی کے دو پہیے ہیں کسی بھی ایک کی کمی دوسرے کو ضرور متاثر کرتی ہے اکثر پولیس افسران تقریبات میں بلا جھجک اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صحافی معاشرے کی آنکھ ہوتے ہیں۔بلکہ کان اور ناک بھی کہا جاتا ہے اس بات کی امید بھی کی جاتی ہے کہ صحافی اپنی آنکھ، کان اور ناک کھلے رکھ کر ان کی رہنمائی کریں گے۔اور جب صحافی اپنی انکھیں کھول کر جرائم و کرپشن دیکھتا ہے کان کھول کر سن گن لیتا ہے اور ناک سے سونگھ کر ملزمان کی بو لیتا ہے اور اپنے اخبار کی زینت بناتا ہے تو پھر انہی قلابے ملانے والے افسران و اہلکاران پر گراں گزرتا ہے۔یہی افسران واہلکاران ان آنکھوں ،کانوں اور ناک کو یکسر جھٹلادیتے ہیں اکثر تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ الٹا صحافی پر گھناؤنا الزام لگا دیا جاتا ہے یہ بات میرے مشاہدے کی ہے اور یقیناً آپ بھی اس بات کے شاہد ہوں گے جب کبھی کسی پولیس اہلکار کے خلاف کوئی خبر یا کالم چھپتا ہے تو شاذونادر ایسا ہوتا ہے کہ اس خبر پر ایکشن لیتے ہوئے متعلقہ اور ملوث افسر یا اہلکار کے خلاف انکوائری سٹینڈ کی جائے بالفرض محال انکوائری سٹینڈ ہو بھی جائے تو پھر ''پیٹی بھائی'' انکوائری افسر مقرر ہوتا ہے اور جب انکوائری مکمل ہو کر مجاز اتھارٹی تک پہنچتی ہے تو

اسے پڑھ کر افسر بالا بھی مطمئن ہو جاتا ہے اکثر انکوائری رپورٹ کے پچھلے جانب الزام کی واشگاف انداز میں نفی ہوتی ہے اور وجہ عناد بھی ضرور بیان کی جاتی ہے کہ خبر لگانے کا سبب یہ ہے کہ اس نے صحافی کے کہنے پر کسی ملزم کو نہیں چھوڑا۔وہ ملزم ایک ڈاکو تھا۔یا یوں تحریر ہوتا کہ میں نے فحاشی کے اڈے پر چھاپہ مارا اور کچھ طوائفوں کے ساتھ چند اوباش لوگوں کو بھی پکڑا۔چونکہ صحافی ان اڈوں کی سرپرستی کرتا ہے اس لیے طوائفوں کو نہ چھوڑنے کی بنا پر خبر لگا دی۔یہ اور اس قسم کی ایسی بہت سی تاویلیں ، دلیلیں اور بے ہودہ الزامات ان انکوائریوں کا حصہ بنتی ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف صحافی برادری کو ڈی ویلیو کیا جاتا ہے بلکہ متعلقہ مجاز اتھارٹی کی آنکھ میں بھی دھول جھونکی جاتی ہے اور متعلقہ افسر جو کہ صحافی کی آنکھ کا بڑا معتقد اور معتمد ہوتا ہے اس کی آنکھ کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ معاملہ الٹ ہونا چاہیئے۔

میں یہاں پر چند ایک مثالیں دونگا۔ڈی پی او لودہراں جو کہ بڑے منجھے ہوئے اور سلجھے ہوئے کپتان جانے جاتے ہیں۔ان کیلئے امتحان ہے کہ وہ کس طرح اس اہلکار کو ٹریس کرتے ہیں۔کچھ عرصہ قبل ریلوے چوک سے 31 بیٹریاں چرائی گئیں گذشتہ دنوں دکان مالک نے خود ایک شخص کو ٹریس کرلیا اور پولیس کو اطلاع دی۔پولیس کے ایک ''ہونہار اور منجھے ہوئے'' ایس آئی نے اس ریاض نامی شخص کو

اٹھا لیا۔ پوچھ گچھ پر اس نے بتایا کہ 7 بیٹریاں خریدی تھیں اور انکی مالیت نوے ہزار بنتی ہے اب ایس آئی نے کہا کہ تم انہیں 90 ہزار دے دو اور میرا حصہ بھی ۔ تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں ریاض نامی شخص حامی بھر لی اور مالکان کو 30 ہزار اور ایک بھینس بمعہ بچھڑا ان کے حوالے کر دیا اور موصوف نے ان سے 25 ہزار روپے کھرے کر لیے اور عادی چوروں کے سرغنہ کو چھوڑ دیا۔ کوئی مقدمہ کوئی ایف آئی آر درج نہ کی گئی۔

بازار حسن کہروڑ پکا میں چھاپہ لگتا ہے اور 4 عورتیں اور 3 جوان پکڑے جاتے ہیں لیکن تھانے پہنچنے تک ایک مرد اور عورت کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ چھوڑے جانیوالی عورت کا تعلق ایک پولیس اہلکار سے ہے ۔ جس پر موصوف سب انسپکٹر اور ساتھی حوالدار چمک لے کر دونوں کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ باقی ماندہ کو تھانے لے آیا جاتا ہے۔ گذشتہ دنوں شراب بیچنے کے جرم میں ایک میراثی اور ایک عیسائی کو پکڑا جاتا ہے مار پیٹ کی جاتی ہے اور پھر 7، 7 ہزار روپے لے کر گھنٹہ کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح کے واقعات سے موصوف کی ہسٹری بھری پڑی ہے اور پولیس کا کماؤ پوت مشہور ہے یہ صرف ایک کی کہانی ہے ۔

اسی طرح دوسرے ایک صاحب (اہلکار) نے ایک طالب علم اور اس کے بوڑھے والد کی زمین پر قبضہ کرایا ہوا ہے اور قابضین سے بھاری رشوت لے کر ان کو کھلے عام سپورٹ کر رہا ہے حالانکہ ملزمان اشتہاری ہیں اور طالب علم اور والد کو تشدد

کا نشانہ بھی بنا چکے۔ لیکن آج تک ان کی شنوائی نہیں ہو سکی۔ یہ لوگ بھی اس نہج پر سوچ رہے ہیں کہ اگر پراپر طریقے سے انصاف نہیں ملتا تو ہم بھی روٹین ورک پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کہ پاکستان کا دستور بن چکا ہے کہ مرنے کے بعد انصاف کی کوشش کی جاتی ہے زندگی میں اکثر و بیشتر انصاف کی توقع عبث دکھائی دیتی ہے۔ یہ اور قماش کے بہت سے اہلکار وافسران اپنے محکمے اور مجاز اتھارٹی کیلئے بدنامی اور سبکی کا سبب بنتے ہیں اور پھر مظفر گڑھ کی طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں گیارہویں کی طالبہ پولیس کی ہٹ دھرمی کی بناپر خود سوزی کرلیتی ہے اور ڈی پی او،آر پی او جیسی اتھارٹیز کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ڈی پی او لودہراں اور آر پی او ملتان ان معاملات کی طرف ضرور توجہ فرمائیں اور عوام و صحافیوں کو ڈی ویلیو کرنے والے عادی اہلکاروں کے خلاف شکنجہ کسیں۔

یوم آب، حکمران اور تھرپارکر کی خشک سالی

فلم ایک ایسی ویڈیو ہے جس میں مناظر کی عکس بندی کی جاتی ہے معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات وحادثات کو کردار بدل کر دکھایا جاتا ہے۔ایک ہیرو اور ایک ہیروئن کے گرد گھومنے والی کہانی میں کہیں کہیں پر ولن کو بھی شامل کرکے ناظرین کیلئے دلچسپی ، تجسس کے ساتھ ساتھ محبت ونفرت کے جذبات کو بھی ابھارکرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے ناظرین کی ہمدردیاں اورنیک خواہشات ہیرو اور ہیروئن کے ساتھ ہوتی ہیں ولن کو نہایت ہی.برااور ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔فلم میں لڑائی جھگڑا ،پیار محبت، شکوہ شکایات،گانے کے مناظر عکس بند کرکے ولن کو ناکامیاب بنا کر ہیرو اور ہیروئن کو کامیاب بنا کر ان کو میاں بیوی بنا کر فلم کا اختتام کردیا جاتا ہے یعنی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ زندگی یہیں تک ہے اسی کا نام زندگی اور کامیابی ہے حالانکہ اصل زندگی تو شروع ہی شادی کے بعد ہوتی ہے۔اس سے پہلے توسب واقعی فلم کی طرح ہوتا ہے سب ہرا ہرا دکھائی دیتا ہے لیکن بعد ازشادی حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جہاں پر مصائب وآلام، خوشی وغمی سب ایکدوسرے کے متوازی چلتے ہیں۔

معزز قارئین ۔یہ تمہید باندھنے کا مقصد یہ تھا کہ گذشتہ روز پاکستان میں

یوم آب یعنی پانی کا دن منایا گیا۔ کہیں کہیں پر تقاریب اور سیمنار بھی منعقد کیے گئے ۔اس طرح پاکستان پیپلز پارٹی کی جانب سے بھی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے اخبارات میں خصوصی ایڈیشن شائع کروائے گئے جس پر بلا مبالغہ لاکھوں سے کروڑوں روپے اپنے نام نہاد کارنامے چھاپنے کی نذر کردیئے گئے ۔بادشاہ سندھ سید قائم علی شاہ کی جانب سے قلابے ملاتے ہوئے کہا گیا کہ " پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت نے ذوالفقار بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے وژن کے تحت صوبے میں پانی کی فراہمی کیلئے انقلابی اقدامات کیے ۔سندھ کے ہر گاؤں تک پانی کی رسائی کیلئے عملی کام کیے۔ لیاری ڈویلپ منٹ پراجیکٹ ، کین چھر جھیل اور سولر انرجی سے چلنے والے آر او پلانٹس لگائے ۔شہری اور دیہی علاقوں میں عوام کو اپنے گھر کی دہلیز پر صاف پانی کی فراہمی کا انتظام کرکے لوگوں کے دل جیت لئے "

شرجیل میمن فرماتے ہیں کہ " یہ کریڈیٹ پیپلز پارٹی کو جاتا ہے کہ سندھ واٹر سیکٹر امپروومنٹ منصوبہ ، میٹھے پانی کیلئے ریورس آسموسز پلانٹس کی فراہمی کا منصوبہ شروع کیا اور عوام کو انکی دہلیز پر پینے کا صاف پانی مہیا کیا "

چیئرمین بلاول بھٹو بتاتے ہیں کہ " پیپلز پارٹی کی خدمات نے قلت آب کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے بنیادی پیش رفت کی ہے۔ سندھ واحد صوبہ ہے جہاں

پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں پانی کو صاف اور فلٹرڈ کرنے میں زیادہ رسائی حاصل کی ہے "

یہ تمام خوشنما تحریریں پاکستان کے تمام بڑے اخبارات کی زینت بنی ایک مرتبہ پھر لاکھوں روپے اپنا آپ منوانے کیلئے جھونک دیئے گئے لیکن تمام بے سود۔ اگر یہی خطیر رقم تھر کے باسیوں کی حالت زار کو سدھارنے کیلئے استعمال کی جاتی تو انسانیات کا بھلا ہوجاتا۔ یہ لوازمات فلم کے شروع، درمیان اور اختتام تک ہیں۔ درجہ بالا بیان کیے گئے منصوبے فلم کی اختتام کی مانند ہیں کہ جب حقیقت پر مبنی مسائل درپیش آنا شروع ہوتے ہیں تو فلم ختم ہوجاتی ہے۔ مسائل کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہیرو ہیروئن خوش اور ولن عوام) ناخوش۔ سندھ کی بات تو الگ، کراچی کے بھی بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں) پر مکینوں کو پینے کے پانی کیلئے رقوم خرچ کرنی پڑتی ہیں بھتہ مافیہ اور ٹینکر مافیہ روزانہ کی بنیاد پر پانی بیچنے کی مد میں کروڑوں روپے کراچی کی عوام کی رگوں سے نچوڑ رہے ہیں۔ لیاری کے منصوبے کہیں نظر نہیں آتے۔ جب ہم تھرپارکر اور اس سے ملحقہ علاقوں پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں پر موت کا سا سماں نظر آتا ہے۔ یہاں بھوک ہے، افلاس ہے، بیماری ہے، جہالت ہے، پسماندگی ہے، بے روزگاری ہے اور موت کے مہیب اور خون آشام سائے ان مصیبتوں اور مجبوریوں کی آڑ میں چھپکے چھپکے تھر کی لاغر عوام اور بے زبان جانوروں کو نگل رہے ہیں اور پانی کا نہ

ہونا جہاں تھر کی بے بس اور محکوم عوام کو موت اور بیماریوں میں دھکیل رہا ہے وہیں پر 80%آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے اس ساری صورت حال پر سندھ کی گورنمنٹ اور حکومت پاکستان محض دکھاوے کی حد تک عمل پیرا ہے حقیقی معنوں میں نہ ہی توانکی بحالی کیلئے اقدامات کیے جارہے ہیں اور نہ ہی ان کو پینے کا پانی باہم پہنچایا جارہا ہے یہاں پر انسان اور جانور ایک ہی جوہڑ سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں کپڑا روٹی اور مکان کا نعرہ لگانے والے یہ تینوں اشیاء ضروریہ تو کیا مہیا کریں گے پینے کا پانی تک انسانوں کی رسائی سے دور ہے ان تمام نام نہاد عوامی نمائندوں کو چاہیے کہ فیسٹول بنانے ، منصوبے بنانے، فوٹو سیشن کروانے اور اللے تللوں پر قومی وسائل خرچ کرنے کی بجائے صحیح اور ترجیحی مقاصد پر خرچ کریں۔ تھر کی عوام کی اتھوپیا بنانے سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ذرائع کا بروقت اور صحیح استعمال کیا جائے تاکہ عوام کو دو وقت کی روٹی اور پینے کا صاف پانی میسر آ سکے۔ صرف صرف دن منانے سے مسائل حل نہیں ہونگے عملی اقدامات کی سخت ضرورت ہے۔

عوامی رویے

اپریل فول وہ ایونٹ ہے جس میں انسانی احساسات وجذبات کو ٹھیس پہنچائی جاتی ہے مذاق کی آڑ میں بعض اوقات اس حدتک گزر جاتے ہیں کہ کوئی بھی پیارا اپنی جان گنوا دیتا ہے۔یکم اپریل درحقیقت ایک ایسا دن ہے جس میں مسلمانوں کی ایک.بڑی تعداد کو ایک منصوبے کے تحت بیوقوف بنایا گیا ہے اور انہیں دریا.برد کردیا گیا اس تہوار کو غیر مسلم بالخصوص عیسائی.بڑے شوق وجذبے سے مناتے ہیں اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ہونیوالے واقعہ سے تسکین حاصل کی جائے ہماری مسلمان قوم بھی اپنے آپ کو بیوقوف بنانے میں پیش پیش نظر آتی ہے اور پھر مذاق ہی مذاق میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں جن کی تلافی ممکن نہیں ہوتی ۔ہمارے ہاں قوت .برداشت کا مادہ ناپید ہوچکا ہے ہم میں مذاق کو سہنے کی سکت باقی نہیں کیونکہ حکومتی ایوانوں اور ارباب اختیار کا مذاق سہتے سہتے ہماری قوتیں سلب ہوچکی ہیں ۔ قوی نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے ۔مذاق ویسے بھی اسلام کی رو سے ناپسندیدہ ہے بالخصوص ایسا مذاق جس سے کسی کی دل آزاری اور توہین مطلوب ہو یا کسی کو ناجائز طور پر پریشان اور تنگ کرنا مقصود ہو ۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اس قسم کے رویوں سے اجتناب .برتنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایثار محبت.برداشت کے رویے قصہ

پارینہ بن چکے ہیں۔ہماری تاریخ کا حصہ ہو چکے ہیں۔ نفسا نفسی اس ملک کا خاصہ بن چکی۔ قیامت صغریٰ بپا ہے۔لوگوں کو کھانے کو روٹی میسر نہیں۔ پینے کو پانی ندارد ہے۔ سر کو چھپانے کو چھت میسر نہیں ۔سروں پر سائبان کا چھایہ مقدر بن چکا ہے۔وہ دور جسے کبھی سنہرا دور کہا جاتا تھا۔ کہیں کھو گیااور اب اس کے ملنے کے چانسز صفر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہم اسے تلاشنا اور کھوجنا ہی نہیں چاہتے۔ مغرب کی گھٹی ہمارے رگوں میں سرایت کرتی جارہی ہے۔یورپین اور انڈین کلچر نے ہمارے قومی ہیروز کے چہرے مسخ کر دیئے ہیں۔ ہمیں ابو بکرؓ کی صداقت ملتی ہے نہ ہی عمر فاروقؓ کی عدالت و خطابت، عثمان غنیؓ کی سخاوت دکھائی دیتی ہے اور نہ ہی علی مرتضیٰؓ کی شجاعت۔ ہم خالد بن ولید۔ محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی کو کبھی کا فراموش کر چکے۔ہمیں تو یہ تک یاد نہیں کہ ان بے مثال ہیروز کے یوم پیدائش اور یوم وفات کیا ہے۔ ان کے کارہائے نمایاں کو فراموش کرانے کی بھرپور سازش بین الاقوامی طور پر کی جارہی ہے۔ ہمارے متزلزل ایمان کو کمزور کرنے کی ناپاک سازش میں ہم خود بھی دانستہ اور نادانستہ طور پر ملوث ہوتے جارہے ہیں۔ایثار و قربانی ،خلوص و محبت، عدل و مساوات ،فراخدلی و خندہ پیشانی کی جو مثال ہجرت مدینہ کے وقت دیکھنے میں آئی آج تک اور رہتی دنیا تک اس کی مثال صفحہ ہستی پر نہیں ملتی جب مکہ سے مسلمان بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں یوں

معلوم ہوتا تھا کہ یہ صدیوں سے بچھڑے ایک دوسرے کے تعلق دار و رشتہ دار ہیں اور اس وقت ان سب کا شوق بھی دیدنی تھا ان میں سے ہر ایک کی خواہش اور کوشش تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح مکہ سے ہجرت کرکے آنے والوں مسلمانوں کے کام آسکوں ان کی خدمت کرکے اپنی خوش قسمتی پر رشک کرسکوں۔ ان میں جو جذبہ تھا اسے الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جاسکتا کہ جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا کہ جس کی موجیں بار بار چھلکی جارہی تھیں آنے والوں کیلئے انہوں نے اپنے نگاہیں بچھائی ہوئیں تھی اور ان کی مدد کو اپنا اولین شعار سمجھا جارہا تھا۔انصار مدینہ نے مکی مسلمانوں کو اس طرح accomodate کیا کہ اپنی جائیداد مال و دولت کاروبار میں اپنا شراکت دار بنالیا تو کسی نے اپنا آدھا کاروبار آدھی جائیداد آدھا مال و دولت بے لوث و بے غرض اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔اور ایسی مثال بھی سامنے آئی کہ اگر کسی انصاری کی دو یا زائد بیویاں تھیں تو انہیں بھی طلاق دے کر دوسرے بھائی کے نکاح میں دے دی ایسی مثال چشم فلک نے اس سے پہلے نہ کبھی دیکھی تو اور نہ کبھی دیکھ سکے گا اور مہاجرین نے بھی حق ادا کرتے ہوتے صرف وہی لیا جس کی اشد ضرورت تھی اور محنت مزدوری کو اپنا شعار بنایا تا کہ انصاری بھائی پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ اس کے بعد بھی فلک نے دیکھا کہ جب مکہ فتح ہوا اور حضور اکرم ﷺ جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپؐ نے جو فرمایا وہ رہتی دنیا تک ہمیشہ سے سنہری حروف میں لکھا جائیگا کہ آج کے دن تمام دشمنوں کو عام معافی ہے کسی

سے کوئی بازپرس نہیں کی جائیگی عفو و درگزر صلہ رحمی اور ایثار کی ایسی مثال کبھی نہ دیکھی جائیگی اور نہ سنی جائیگی۔

پاکستان کے بنتے وقت بھی اس سے ملتے جلتے ایثار وقربانی اور خلوص و محبت کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں کہ جب ہندوستان سے مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی اس وقت وہ نفسا نفسی کا عالم تھا کہ ماں بیٹی سے بیٹا باپ سے بھائی بھائی سے بہن بھائی سے جدا ہوگئے کسی کو مار ڈالا گیا تو کسی کو کاٹ دیا گیا۔ عصمتیں لوٹیں گئیں عزتیں پامال کی گئیں ،خون کی ندیاں بہادی گئیں ایسے میں بھی مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی جس طرح بن پڑا مدد کی انکو ایڈجسٹ کرنے کیلئے مال و جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا گیاایسے واقعات بھی سامنے آئے کہ جب کسی کی مدد کرنے کی پاداش میں اپنی جان کو بھی داؤپر لگادیا گیایہ بھی تاریخ کے اوراق کا ایک سنہری باب تھا۔ لاہور میں ایک عیسائی کو بچانے کیلئے ایک مسلمان طالب علم گٹر میں اتر جاتا ہے اور پھر ان دونوں کو بچانے کیلئے ایک اور مسلمان ایثار وقربانی کے جذبے کے تحت کودپڑتا ہے اور پھر تینوں ہی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ گجرات میں جب وین میں آگ لگنے کا الم ناک حادثہ رونما ہوتا ہے سولہ معصوم طالب علم آگ کے شعلوں میں لپٹے مدد کیلئے پکار رہے ہوتے ہیں تو ایسے میں ان کی ٹیچر جو کہ اپنی جان بچا کر باہر نکل چکی ہوتی ہے جذبہ ایثار وقربانی کی مثال قائم

کرتی ہوئی بے خطر آگ میں کود پڑتی ہے اور معصوم ننھے طلبا و طالبات کو بچانے کی خواہش و کوشش میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دیتی ہے اور تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ ہو جاتا ہے لیکن بے حس قوم و حکمرانوں کیلئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ جاتی ہے

ہر دو رویوں میں اتنا تضاد کیوں ہے؟ کیوں یہ بے حسی اور عدم برداشت کے رویے ہمارے معاشرے کا مزاج بنتے جا رہے ہیں وہ بھی انسان تھے جو کہ بے لوث جذبوں سے مزین اور طمع و حرص و ہوس سے عاری تھے۔جذبہ ایثار و وفا ان کا خاصہ تھا۔برداشت اور درگزر ان کی عادات میں شامل تھے۔دھن دولت مال و متاع کی حیثیت ان کے ہاں ثانوی تھی۔انسانیت کے دلدادہ تھے اور اس کی فلاح و بہبود ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی۔اور آج کے انسان نے مسلمان نے پاکستان کی عوام نے ان قربانیوں اور جذبوں کو پس پشت ڈال دیا ہے کہ برف کے ایک ٹکڑے کی خاطر یا چند آموں کے عوض انسانی جانوں سے کھیلا جائے۔زمانہ جاہلیت کو آواز دی جائے کہ ”کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا“ کے تصور کو کھرچا جائے۔ان عوامی رویوں ایک کلیدی کردار حکومتی ناقص پالیسیوں اور نااہلی کا بھی ہے حکومت کو چاہئے اس قسم کے لغویات کو روکنے کیلئے سرکاری طور پر کوئی انتظام کیا جائے اور ہماری قومی دن اور ہیروز کے دنوں کو منظر عام پر لانے اور عوام کے دلوں اور ذہنوں میں تازہ کرنے کیلئے کوئی مناست انتظامات کرے ورنہ ” تمہاری

''داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں

جعلی ادویات ! حساس ادارے بھی محفوظ نہیں

پاکستان میں کچھ ادارے ایسے گردانے جاتے ہیں کہ جہاں پر مخصوص شعبوں میں دو نمبری و جعلسازی خال خال ہی دیکھی اور سنی جاتی ہے ان میں آرمی اور حساس اداروں کے صحت ، خوراک اور تعلیم کے حوالے سے شعبہ جات کے نام سر فہرست ہیں۔ ان کے بارے میں عام خیال ہے کہ ان اداروں میں ادویات، اشیائے خوردونوش اور تعلیم کے حوالے سے کوئی کمپرومائز نہیں کیا جاتا۔ لیکن اب یہ repute بھی سوالیہ نشان بنتی جا رہی ہے۔ جس کی تازہ مثال ایک حساس ادارے کے میڈیکل سٹور سے بھاری مقدار میں جعلی ادویات کی فروخت اور ان کی دستیابی ہے جو کہ ایک الارمنگ صورت حال ہے۔ اور حکومت اور عوام کیلئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ سامنے کی بات ہے کہ جعلی ادویات کی خرید وفروخت کا یہ مکروہ اور قبیح فعل صرف ایک میڈیکل سٹور یا ایک مالک تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ یہ ایک پوری چین ہے جس میں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں سے لے کر بڑے بڑے مکروہ چہرہ مگرمچھ بھی شامل ہیں۔ اور یہ گھناؤنے فعل سرکاری افسران وملازمین، صحت کے اعلی عہدیداران کی سو فیصد ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں۔

ڈائریکٹر ایف آئی اے نے بھی ایسی ہی ایک گھمبیر اور تلخ حقیقت کی نشاندہی

کی ہے۔کہ میڈیکل سٹور پر جعلی ادویات کی کھلے عام فروخت جاری ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے لاہور بھر کے تمام میڈیکل سٹورز کی چھان بین اور تحقیقات کے حوالے سے کام بھی شروع کر دیا ہے جو کہ ایک نہایت ہی احسن اقدام ہے۔ لیکن یہ عمل صرف ایک شہر یا صوبہ تک محدود نہیں ہونا چاہئے ملک بھر میں اس کے خلاف کریک ڈاؤن ہونا چاہئے۔ یہ جان بچانے والی ادویات جان لینے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔اور اجتماعی قتل کا پیش خیمہ ہیں۔ایسے سماج دشمن عناصر کو منظر عام پر لا کر نشان عبرت بنایا جانا ضروری ہے۔یہ ملکی سطح کا معاملہ ہے اور اس میں اجتماعیت کو موت کی گہرائی میں دھکیلا جا رہا ہے۔نجانے یہ کون لوگ ہیں کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔کیا یہ واقعی نسل انسانی سے ہیں یا کہ پھر گدھ اور بھیڑیے کی آمیزش ہیں۔

آپ کو یقینا اس بات کا ادراک ہوگا کہ گھر میں اگر چائے بناتے وقت اس میں پانی ملا دیا جاتا تھا تو گھر کے بڑے لوگ اس بات کو نہایت ہی برا خیال کرتے تھے اور اس بات کی ہدایت کرتے تھے کہ پانی کی ملاوٹ نہیں کرنی چاہئے، چائے خالص دودھ کی ہونی چاہئے کجا کہ کوئی گوالا یا دودھ والا دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرے۔مگر فی زمانہ کوئی شے بھی ایسی نہیں جو کہ ملاوٹ سے پاک ہو۔ مرچوں میں لکڑی کا برادہ تو چینی میں ارا روٹ، پتی میں چنے کے چھلکے ملائے جاتے ہیں تو چاول میں باجرہ اور پتھر، دالوں میں ملاوٹ ہے تو کہیں

مصالحوں میں کیمیکل اور مضر صحت اشیا کا استعمال کھلے عام ہو رہا ہے۔کالی مرچوں میں مختلف پھلوں کے بیج پیس کر ملا دیئے جاتے ہیں۔ حفظان صحت کی دھجیاں اڑانے والے گھی کی فروخت ہو کہ بیکری کی پروڈکٹس جن میں ناقص میٹریل اور گلے سڑے انڈے استعمال ہوتے ہیں۔ مٹھائیوں میں کیمیکل ملا گھی اور سکرین کا بے دریغ استعمال کینسر اور پیٹ کے امراض کا موجب ہیں۔بیمار اور کمزور جانوروں کا گوشت بلکہ کبھی کبھار مردہ اور حرام جانوروں کا گوشت فروخت کرنا اپنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ہر کوئی پریشان ہے کہ پہلے تو مہنگائی ہی قابو نہیں ہو رہی اب ادویات اور اشیائے خوردونوش بھی خریدیں تو وہ بھی ناقص اور مضر صحت۔ کوئی پرسان حال نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں افسران اور متعلقہ افراد اپنے اپنے خزانے بڑھانے اور تجوریوں کو بھرنے کے چکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہمارے ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں کوئی دل کا مریض ہے تو کوئی جگر کے کینسر میں مبتلا۔ کسی کو پھیپھڑوں کی بیماری ہے تو کوئی گردوں کے عارضے میں مبتلا حکومتی ناقص پالیسیوں کو کوسنے دے رہا ہے

محترم وزیر اعلی شہباز شریف صاحب ! پہلے تو کسی ملاوٹ کرنیوالے کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی نہیں کہ سب ''اپنے'' ہیں کیونکہ یہ ہر ماہ کی مقررہ تاریخ پر ''مٹھائی بغیر ملاوٹ'' پہنچا دیتے ہیں اس لئے ان کو ''چھیڑنے'' کا

مطلب ''اپنی روزی کا خاتمہ'' ہے اس لئے ان کو نہ تو کوئی محکمہ پوچھتا ہے اور نہ ہی کوئی محکمہ دار۔ تمام نمونے ہمیشہ پاس کر دیئے جاتے ہیں اور اگر غلطی سے یا بھتہ نہ پہنچنے کی بنا پر سیمپل فیل کر دیا جائے تو مجسٹریٹ تک رپورٹ پہنچنے سے پہلے ہی جنوبی پنجاب کی اکلوتی پبلک اینالسٹ لیبارٹری میں جوڑ توڑ شروع ہو جاتی ہے اور پھر وہی پرانی اور فرسودہ قوانین پر مشتمل انکوائری رپورٹ تیار کی جاتی ہے جو کہ '' فضل ربی'' کی وجہ سے اکثر کلیئر کر دی جاتی ہے اور اگر بالفرض محال وہاں بھی دال نہ گلے تو پھر مجسٹریٹ تک پہنچنے کے بعد نا ہونے کے برابر جرمانہ کر دیا جاتا ہے جسے وہ دکاندار بخوشی ادا کرنے کے بعد پھر لوگوں کیلئے موت کا سامان کرنے میں ایمان و جان سے جت جاتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ کہ اس سارے پروسس کے دوران تمام ممنوعہ ادویات اور اشیاء اسی طرح مسلسل اور تواتر سے فروخت کی جارہی ہوتی ہیں۔ کوئی بھی گرفتاری عمل میں نہیں آتی صرف اپنے ریٹ بڑھانے کیلئے افسران کی دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ افسر کا ڈنڈا بڑا سخت ہے۔

ہر ضلع و تحصیل کے ڈی سی اوز اور اسسٹنٹ کمشنرز کو اس قسم کی شکایات یا واقعات پر سختی سے ایکشن لینے کی ہدایت کی جائے اور روایتی سستی کو ختم اور قوانین بہتر اور موثر بنانے کے تیز ترین انتظامات کئے جائیں تاکہ قریب المرگ قوم کو کم از کم ادویات اور اشیائے خوردونوش تو خالص میسر آ سکے۔

کتے اور مربے..... عوام اور چوہے مار گولیاں

حکمران سن لیں کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر سپریم کورٹ مداخلت کریگی۔ عام شہری کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ کروڑوں روپے خرچ کرکے میلے منعقد کیے جارہے ہیں لیکن غریب آدمی کا کسی کو احساس نہیں ۔جمہوری حکومت عام لوگوں کو آٹا بھی سستے داموں فروخت نہیں کرسکتی تو پھر اس کے اقتدار میں رہنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔حکمرانوں کے تو کتے بھی مربے کھاتے ہیں اور غریب 50 روپے کلوآٹا خریدنے کی بجائے 20 روپے کی چوہے مار گولیاں کھا کر مرنا زیادہ آسان سمجھتے ہیں ۔ خواتین بچے فروخت کررہی ہیں ،لوگ خودکشیاں کررہے ہیں،اربوں روپے کے اثاثے مگر عام آدمیوں کو اشیائے ضروریہ تک دستیاب نہیں ہیں ۔حکومت نے اناج کی قیمتیں اتنی بڑھادی ہیں کہ عوام الناس بہت پریشان ہیں ۔جمہوری حکومت تو لوگوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے اب ایسا کیوں نہیں ہورہا۔ غریب آدمی کیا کرے۔جو غریب ہیں جن کے بچے ہیں وہ کہاں جائیں۔یہ قیمت کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ تمام لاء افسر بتادیں کہ کیا یہ سپریم کورٹ کا کام ہے کہ وہ بتائے کہ غریب مررہے ہیں۔ بہت ہوگیا اب تو حکومت عوام پر رحم کرے۔ سندھ اور پنجاب کی رپورٹ سامنے ہے، باقیوں کی بھی رپورٹ آئی ہوگی۔ عدالت کب تک حکومت کے کام کرتی رہے۔کیا حکومت بھی اپنے کا م کرے گی یا

نہیں۔اب اس معاملے پر بھی ہمیں ہی نوٹس دیناپڑا۔آرٹیکل 38 کے تحت ریاست اپنے شہریوں کو بلاامتیاز ضروریات زندگی فراہم کرنے کی پابند ہے اس میں صحت، تعلیم اور خوراک شامل ہیں۔ سوالیہ نشانات لئے یہ تمام فقرات جسٹس جواد کی جانب سے کہے گئے۔ جوکہ آٹے کی قیمتوں میں اضافے کے حوالے سے کی جانے والے سماعت کے دوران کہے گئے۔ جس میں ان کی عوام کے حوالے سے بے چینی نمایاں ہیں اور حکومتی بے حسی پر ان کو کی جانے والے تنبیہ بھی واضح ہے۔انہوں نے بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے ہر معاملے پر ازخود نوٹس لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ عدالت نے ارزاں نرخوں پر آٹے کی فراہمی کا حکم دیا تھااور وفاقی وصوبائی حکومتوں کو 15 روز میں رجسٹرار کے پاس روپورٹس جمع کروانے کا بھی حکم دیا تھا۔ متعلقہ وزارت نے چاروں صوبائی چیف سیکرٹریز سے مشترکہ اجلاس بلایا تھا۔ عدالت نے کہا کہ آپ چاروں صوبوں اور وفاقی حکومت کی رپورٹس یکجاء کرکے ایک ڈاکومنٹ بنادیں۔ مہنگائی آسمان کو چھورہی ہے۔حکومت خود تو ضیافتیں کررہی ہے اور غریب کو سستا آٹاتک دستیاب نہیں۔ عوام مر رہے ہیں ، کیوں؟

جسٹس صاحب ! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ عوام کے حوالے سے نہایت ہی مثبت سوچ اور فکر ہے۔ حکومت نے تو قسم کھالی ہے کہ عوام کے بہتر مفاد میں کو قدم نہیں اٹھانا اور اپنی بہتری اور فلاح کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا۔ حد ہو گئی ہے کہ اٹھارہ کروڑ عوام کے ملک میں ہر طرح کے وسائل ہوتے ہوئے بھی عوام

بنیادی سہولیات تعلیم خوراک اور صحت بھی مہیا نہیں کر سکتی۔کیا عوام کا ان باتوں سے پیٹ بھر سکتا ہے کہ مشرف غدار ہے یا نہیں۔کیا اس عمل سے بجلی کی پیداوار بڑھ سکتی ہے کہ ہم نے ڈالر کی قیمت گرادی ہے شیخ رشید استعفی دے دے۔ حکمرانوں عوام کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پنجاب اور سندھ فیسٹیول منعقد کر دیئے جائیں۔پیسے کی قدر میں اضافہ مہنگائی کا توڑ بالکل نہیں۔ کہیں تو کچھ ایسا کردو کہ عوام یہ مان لیں کہ یہ کام خالصتاً عوام لناس کے بہتر مفاد میں کیا گیا ہے۔ایک واقعہ کوڈ کرکے اجازت چاہوں گا۔

ایک مرتبہ ایک صوفی بزرگ نے دینی معاملات کیلئے دشوار گزار پہاڑیوں پر جارہے تھے کچھ سفر کے بعد انہیں تھکاوٹ محسوس ہونے لگی ان کے پاس سامان کی تھیلی تھی وہ بھی انہیں بوجھ اور رکاوٹ محسوس ہونے لگی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ سفر جاری رکھنے کیلئے اس تھیلی کا بوجھ کم کرنا ضروری ہے۔ایسا کرنے کیلئے وہ اسے پھینکنا چاہتے تھے اسی اثناء میں ان کی نظر ایک دبلی پتلی لڑکی پر پڑی جس نے اپنے وزن سے بھی زیادہ ایک صحت مند بچے کو اٹھایا ہوا تھا اور اس کے ساتھ کھیل رہی تھی ۔صوفی بزرگ نے پوچھا کہ تم نے اسے کیسے اٹھایا ہوا ہے تم تھکتی نہیں ہو بچی نے جواب دیا یہ میرا بھائی ہے اور مجھے اس سے محبت ہے اور میں اپنی مرضی اور خوشی سے اس وزن کو اٹھاتی ہوں یہ سن کر بزرگ مسکرائے اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

محترم جسٹس صاحب جب تک ہم اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی اور بوجھ سمجھے بغیر نہیں نبھائیں گے اس وقت تک حالات میں بہتری، عوام کی خوشحالی میسر نہیں آسکے گی ہمیں بھی اپنے ذمیہ کام مذکورہ بالا پنچ کی طرح بغیر کسی غرض، حرص، طمع، لالچ کے سرانجام دینے ہونگے ورنہ امیروں کے کتے مربے کھاتے رہیں گے اور پاکستان کی غریب عوام چوہے مار گولیاں کھا کر اپنی جانوں کا نذرانہ بے حس حکومت اور حکمرانوں کے نام کرتی رہے گی۔

عاملوں اور پیروں کے خلاف قوانین کب بنیں گے؟

روشنی وتاریکی، نیکی وبدی، خیر وشر، اسلام وکفر، حق وباطل، رحمان وشیطان کی طاقتیں کائنات میں اپنا اپنا کام کررہی ہیں کہیں پر انسانیت کی بھلائی یا اچھائی کا بول بالا،اسلام کی سربلندی، حق کی حقانیت اور رحمان کی رحمانیت کارفرما ہے تو کہیں برائی کے پھیلاؤ، کفر کی حکومت، باطل کی یلغار اور شیطان کی شیطانیت کا کھلے عام پرچار جاری ہے۔ہر دو قوتیں ایک دوسرے کے خلاف سرپیکار ہیں کبھی خیر کا پلہ بھاری دکھائی دیتا ہے تو کبھی شر کی شرانگیزیاں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر تاریکی کی بھینٹ چڑھاتی محسوس ہوتی ہیں اور اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حق دب گیا ہے اور باطل چھا گیا ہے ۔لیکن یہ سب وقتی اور عارضی عمل ہوتا ہے اور باآلآخر جیت اور فتح سچ اور خیر کی ہوتی ہے۔شیطانی قوتیں طاغوتی، سفلی،غلاظت اور تاریکی کا سہارا لے کر دنیا میں شر پھیلانے پر کمربستہ ہیں اور ان کی سب سے بڑی مثال ہمارے معاشرے بالخصوص ارض پاکستان میں عامل وپیر لوگ ہیں یہ جعلی ہوں یا اصلی۔ یہ لوگوں کو سیدھے راستے سے بھٹکا کرانہیں ایسے پر پیچ اور پر خم راستوں پہ ڈال دیتے ہیں جہاں سے انسان Point of no returnپر پہنچ جاتا ہے۔دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ایمان کی روحانی طاقت پر گندگی اور غلاظت کا لیپ

چڑھالیتا ہے اور پھر انسان ایسے قبیح عمل کرنے پر تل جاتا ہے کہ اس پر سے انسان ہونے کا گمان بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تازہ ترین مثال اسلام آباد کے علاقے میں ندیم نامی بد بخت نے ایک جعلی عامل اور پیر کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر اپنی سگی بہن کی گود اجاڑ دی۔ اس کے چار لخت جگر کو اپنی شیطانی اور سفلی خواہشات کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی۔ اور چار میں سے دو کو بد بخت نے ذبح کر دیا جبکہ تیسرے کو شدید زخمی اور چوتھا اپنی جان بچا کر فرار ہوگیا اسی طرح ملتان میں ایک جعلی پیر کے باتوں میں آ کر خزانہ کی تلاش میں ایک لالچی شخص ذیشان نے اپنے گھر کو کھود ڈالا نتیجہ خود ہی اسکی بھینٹ چڑھ گیا۔ جعلی عامل اور پیروں کے اس قسم کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ لوگ اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے کمزور ایمان کی بنا پر ان غلیظ اور گندگی میں لپٹے لوگوں کی غیر انسانی خواہشات کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ شارٹ کٹ کے چکر میں اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں گلی محلوں میں سڑکوں کے کناروں مزارات کی گزرگاہوں اور قرب وجواہر میں بیٹھے دھڑلے سے، سب کو بیٹا دے رہے ہوتے ہیں۔ اچھے بھلے تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے لوگ بھی ان کے آستانوں کے چکر کاٹ رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کو ہرا ہرا ہی دکھا رہے ہوتے ہیں۔ خواتین کی عصمت اور عزت سے کھلواڑ کرنا ان کا روز کا معمول بنتا جا رہا

ہے لیکن کوئی ایکشن نہیں اور اخبارات ان کے سیاہ کرتوتوں سے بھرے پڑے ہوتے ہیں چینلز چیخ کر ان کا پردہ فاش کر رہے ہوتے ہیں لیکن کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کہیں پر قانون کی عمل داری دکھائی نہیں دیتی ان کے بارے میں کوئی قانون بنتا دکھائی نہیں دیتا۔ قانون کی آنکھ پر بندھی پٹی مزید دبیز ہو جاتی ہے ان کیلئے سزا کا کوئی واضح قانون نہیں ۔عوام کے منتخب نمائندہ اس پر گنگ ہیں ان کے دماغ اور زبان پر تالے ہیں۔اپنے روایتی انداز میں حادثہ ہونے کے بعد ہمارے ادارے حرکت میں آتے حالانکہ یہ سب پہلے سے ان کی ناک تلے ہو رہا ہوتا ہے۔ بس اس کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے کہ کب کوئی mishape ہو۔ڈی سی او ملتان نے گرم جوشی دکھاتے ہوئے چھاپے مار کر کچھ لوگوں کو گرفتار تو کر لیا ہے۔ مگر ان کا کیا کیا جائے گا۔ کوئی خبر نہیں۔یعنی اگر عوام کی خوش قسمتی سے کوئی عامل پیر پکڑا بھی جاتا ہے تو قانون بے بس دکھائی دیتا ہے ۔دو چار ماہ کی قید کے بعد پھر وہی ناسور لوگ پہلے سے زیادہ جوش وخروش سے عوام کے جان ومال اور عزتوں کو لوٹ رہے ہیں آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ان کے بارے میں واضح اور غیر مبہم قوانین کب بنیں گے کب تک معصوم جانیں ان کی بھینٹ چڑھتی رہیں گی کب تک ماؤں کی گودیں اجڑتی رہیں گی کب تک بہنوں سے ان کے بھائی چھینے جاتے رہیں گے ۔کب تک آدم خور دو دو سال کی قید کاٹ کر پھر سے زندہ اور مردہ لوگوں کو کھانے کیلئے آزاد کئے جاتے رہیں گے ؟زندہ انسانوں کی سیکیورٹی تو دور کی بات قبروں میں موجود مردہ اجسام بھی ان کی دست.برد سے

محفوظ نہیں۔ عوام کو روٹی، کپڑا مکان، بجلی پانی گیس تو نہیں دیا جاسکتا ہے کم از کم اسے سکون سے ایمان واطمینان سے جینے کا حق دے دیا جائے۔

کس پر اعتبار کریں؟؟؟

اس کی عمر 8 سے 9 سال تھی ۔ نام وسیم عباس تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی اور ایک کزن کے ساتھ سکول گیا۔ والدین نے انہیں محبت اور شفقت سے رخصت کیا۔ اس کے والد کا خیال تھا کہ بچے پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بن جائیں گے میری طرح سارا دن سڑکوں ،گلیوں میں اور کھیتوں میں سرد و گرم تھپیڑوں سے محفوظ رہیں گے۔ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنا مستقبل محفوظ بنائیں لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا وہ اپنا فیصلہ لوح پر محفوظ کر چکی ہے۔ سکول پرنسپل محمود علوی کے ذہن پر اچانک شیطان سوار ہوا اس نے وسیم عباس کو ساتھ لیا اور سکول سے نکل کر کھیتوں میں آ گیا اور دوسری جماعت کے طالب علم کو ڈرا دھمکا کر اس کے ساتھ بد فعلی کر ڈالی بچے کی حالت غیر دیکھ کر اس بدبخت نے تیز دھار رمبی سے معصوم بچے کے سر پر وار کیے اور اس کی شناخت کو چھپانے کیلئے اینٹ کی مدد سے اس کے سر پر متعدد وار کیے۔ ایک اور ساتھی کی مدد سے شور شرابہ کیا اور پھر خود ہی اسے ہسپتال پہنچانے چل دیا ۔ ہسپتال پہنچتے ہی بچے نے دم توڑ دیا پولیس اور میڈیا کے حرکت میں آنے کے بعد پرنسپل کو گرفتار کر لیا گیا اور آخر کار تفتیش کے دوران اس نے اقبال جرم کر لیا۔ اسی طرح خانیوال ، مظفر گڑھ ، کوٹ ادو میں طلحہ ،اقصیٰ اور اقراء کو بھی سکول ٹیچر

نے اپنی حوس کا نشانہ بنا دیا۔

یہ اور اسی قسم کے متعدد واقعات گذشتہ چند روز میں تاریخ انسانی پر کلنک کا ٹیکہ لگا گئے اور پیشہ پیغمبری کو داغ دار کر گئے۔ کہا جاتا ہے کہ باپ کے بعد بلکہ بعض کے نزدیک تو باپ سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان استاد ہوتا ہے۔ دنیا میں دو ہستیاں ایسی ہیں جو کہ حسد سے مبرا گردانی جاتی ہیں ایک والد اور دوسرا استاد۔ بھائی، بہن، دوست احباب رشتہ دار کسی نہ کسی سٹیج پر دل میں حسد پال لیتے ہیں لیکن استاد اور والد کبھی بھی اپنے شاگرد اور اولاد سے جلن اور حسد محسوس نہیں کرتے مگر پھر یہ کیا ہو رہا ہے کہ محافظ ہی اپنے ٹھکانوں کے دشمن ہو گئے ہیں وہ پتے ہوا دینے لگے ہیں کہ جن پہ تکیہ تھا۔ بے یقینی اور متزلزل کی سی کیفیت ہے سب سے قابل اعتماد ہستی ہی بے اعتبار ہو چکی ہے لوگ اپنے بچوں کو سکول بھیجتے ہوئے کترانے لگے ہیں۔ تحفظات کا شکار ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں بچوں کیلیئے کوئی بھی جگہ محفوظ نہیں رہی۔ گھر، سکول، مدرسہ جو کہ جائے پناہ ہیں آدمی کو انسان بناتی ہیں وہ غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات میں روز افزاں اضافہ تشویش ناکی میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ 2013 میں تقریبا 3002 بچوں کے ساتھ

زیادتی کی گئی جس کی شرح پچھلے سالوں کی نسبت بہت زیادہ ہے اس میں زیادہ تر 4 سے 14 سال کی عمر کے بچے اور بچیاں شامل ہیں کیونکہ 2010 میں 2255 کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ جس میں لڑکے کم اور لڑکیاں زیادہ ہیں اور ان میں سے 7 فیصد کو زیادتی کے بعد قتل کردیا گیا۔ قابل افسوس اور تشویشناک بات یہ ہے کہ پاکستان کی تعزیرات میں چائلڈ پورنوگرافی (بچوں کے ساتھ زیادتی) کیلئے کوئی قانون موجود نہیں۔ جسکی وجہ سے نہ تو متاثرہ اور نہ ہی کوئی دوسرا رپورٹ درج کرواسکتا ہے صورت حال گھمبیر اس وقت ہوجاتی ہے کہ جب کچھ والدین خود اس قانون کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بچوں کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی ہے۔ 2011 میں ایسی ہی صورت حال کے پیش نظر میں چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی بل پیش کیا گیا اور جو حسب روایت آج تک نافذ العمل نہ ہوسکا اور نہ ہی صوبائی اور قانونی سطح پر اس حوالے سے کوئی ادارہ یا وزارت موجود ہے۔ جو ہلکا پھلکا قانون موجود ہے اس میں اس قدر خامیاں اور ابہام ہیں کہ ملزم کو شک کی بنیاد پر نرم گوشہ دے دیا جاتا ہے جس کا فائدہ اٹھا کر وکلاء اس کے خلاف کاروائی میں نرمی کروادیتے ہیں اور ایک درندہ پھر سے معصوم بچوں کو نوچنے کیلئے آزاد گھوم رہا ہوتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح مختلف ممالک میں بچوں پر تشدد سے متعلق مختلف قوانین اور پالیساں موجود ہیں اس کو فالو کیا جائے۔ پیچیدہ اور طویل

المدتی طریقہ کار کو ختم کرکے سادہ اور قلیل مدتی طریقہ کار کو اپنایا جائے حکومت اور اداروں کے ساتھ ساتھ معاشرے کے افراد کو بھی اس ضمن میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا ہوگا ان درندوں اور وحشی جانوروں کی بڑھتی ہوئی ہمت کو توڑنا ہوگا۔ سخت قوانین بنا کر ان کو نشان عبرت بنانا ہوگا۔ اس صورت حال کے پیش نظر والدین کی ذمہ داری اور تشویش میں اضافہ بھی مشکلات پیدا کردی ہیں بچوں کو پالنا اور بڑھانا اور انکی تربیت کرنا ایک کٹھن مرحلہ بن چکا ہے خود والدین کو بھی حفاظتی تدابیر اختیار کرکے اپنے نونہالوں کو مرجھانے سے بچانے کیلئے عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔

خناس

غصہ نہایت ہی بری شے اور ناپسندیدہ عمل ہے اور کسی بھی سطح پر ہو اس سے حتی الوسع بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ لیکن کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں جان کر، انہیں دیکھ کر، پڑھ کر یا سن کر خواہ مخواہ ابال سا اٹھتا ہے ایک کول مائنڈڈ شخص بھی ایسی کیفیات کا شکار ہوجاتا ہے کہ کچھ کردے، کسی کے کپڑے پھاڑ دے یا کسی کا سر پھاڑ دے۔ فاعل کو تہس نہس کر دے۔ ایسے ہی کچھ جذبات، احساسات، خیالات مجھ سمیت عوام پاکستان اور محب وطن شہریوں کے حامد میر، اس کے بھائی اور جیو کے بارے میں ہیں۔ جس طرح انہوں نے آئی ایس آئی کے بارے میں ہرزہ سرائی کی ہے۔ ہر پہلے پاکستانی کا دماغ گرم ہے ان کے فوج اور وطن سے محبت بھرے احساسات بہت کچھ کرنے کیلئے امڈ رہے ہیں۔ بہت سوں کیلئے انگور کھٹے ہوچکے ہیں۔ پر سکون جھیل میں پتھر پھینک کر جو بھنور پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بھنور اب انہیں نگلنے کو تیار بیٹھا ہے۔ یہ نظام قدرت ہے کہ جب انسان کے اندر ''میں'' پیدا ہوجائے تکبر اور غرور اس کے دماغ میں سماجائے تو پھر اس کا ذہن ماؤف ہوجاتا ہے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے اور وہ ایسے بے ہودہ اور بے سروپا کام کرلیتا ہے کہ لوگ انگشت بدنداں ہوجاتے ہیں اور یہ سب کروانے والی ذات واحد

لاشریک کی ہے جو انسانی خناس کو چند لمحوں میں نکال باہر پھینکتی ہے اور انسان بلندیوں سے ذلت کی عمیق گہرئیوں میں جا گرتا ہے۔یہی کچھ حامد میر اور نجی چینل کے ساتھ ہونے جارہا ہے۔جو کہ ہر معاملے میں ''کوا سفید ہے'' کی رٹ لگا کر فطری اور ملکی قوانین روندتے جارہے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ سنسنی اور انتشار پھیلانے والے حقائق کو بھی منظر عام پر لانے سے گریز کیا جائے تاکہ جھوٹی اور لغو باتوں سے ملک میں افراتفری اور انتشار کو فروغ دیا جائے۔ایسے معاملات مجلس شوریٰ میں لاکر ان کے سدباب کیلئے لائحہ عمل بنایا جائے۔کیونکہ تمام لوگوں کے سوچنے، سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔سنسنی خیزی اور ہیجانی صورت حال میں لوگ کچھ بھی اول فول بکنا شروع کر سکتے ہیں جس سے ملک میں بدامنی اور انتشار کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے لہٰذا سنسنی خیز اور ہیجان برپا کرنے والی خبروں اور عوامل کو شوریٰ میں بیٹھ کر حل کرنا ہی بہترین عمل ہے لیکن یہاں پر بے پر کی اڑا کر نادیدہ مذموم مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ۔لیکن شاباش ہے اور سلام ہے پاکستانی عوام کو کہ اس معاملے پر ذرا بھی نہیں ڈگمگائی اور افواج پاکستان پر مکمل اعتماد اور اظہار یک جہتی کا ثبوت دیا اور اس بات کو ثابت کردیا کہ جس طرح آٹا گوندھنے کیلئے ہلنا لازم و ملزوم ہے اسی طرح افواج پاکستان پر عوام پاکستان کا اعتماد بھی لازم ملزوم ہیں ان کو جدا نہیں

کیا جاسکتا ہے۔

حامد میر اور جیو انتظامیہ کی جانب سے الزام لگایا گیا کہ ظہیر السلام سربراہ آئی ایس آئی نے حامد میر پر جان لیوا حملہ کروایا ہے لہٰذا ان کے خلاف کاروائی کی جائے اور ان سے استعفٰی کا مطالبہ بھی کر دیا گیا۔بات تو سوچنے کی ہے کہ اگر واقعی آئی ایس آئی نے حامد میر پر حملہ کرکے مارنے کی کوشش کی ہے تو یہ عمل نہایت ہی افسوس ناک اور قابل گرفت ہے اور مرتکب افراد کے خلاف قانون کے مطابق کاروائی ہونی چاہیے اور اگر ظہیر السلام بھی ملوث ہیں تو ان کو بھی کٹھہرے میں لانا چاہیے اور نااہل ثابت کرتے ہوئے عہدے سے برطرف کر دیا جانا چاہیے لیکن اس کیلئے حامد میر اور جیو انتظامیہ کو ثبوت تو دینے ہونگے نا ؟کہ براہ راست الزام لگایا گیا ہے۔دوسری بات یہ کہ اگر واقعی آئی ایس آئی اور ظہیر السلام نے یہ کاروائی کی ہے تو پھر بھی انہیں مستعفی ہو جانا چاہیے کیونکہ جو ادارہ یا شخص ایک عام شہری کو مروانے میں ناکام ہو جائے تو دشمن سے کیسے نمٹے گا جبکہ ادارہ بھی سب سے زیادہ طاقتور ہو۔اختیارات اور وسائل کا حامل ہو ۔بہرحال ان سب باتوں سے قطع نظر پاک فوج ایک باوقار، قابل عزت اور پاکستانیوں کے دلوں میں بسنے والہ ادارہ ہے۔چند لوگوں کی ہرزہ سرائی سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔اصل میں جب انسان کا دماغ ''چل'' جاتا ہے تو وہ اسی طرح سے بے پر کی اڑاتا ہے۔اچھا بھلا سمجھدار

ہونے کے باوجود اس قسم کی لاحاصل باتیں اور الزامات سوائے اسکے کچھ نہیں کہ حامد میر اور جیو انتظامیہ نے اپنی طاقت اور ہٹ دھرمی دکھانے کی کوشش کی ہے جو کہ چھچھوندر بن کر گلے میں اٹک گئی ہے اب نا تو نگلی جارہی ہے اور نہ ہی اگلی جارہی ہے۔ مان لیا کہ عوام بھولی ہے سادہ ہے لیکن بے وقوف نہیں ہے وہ بھی اپنے اچھے اور برے میں فرق کر سکتی ہے اور ویسے بھی مجاہدوں کے قافلے رکتے نہیں ہیں۔ افواج پاکستان زندہ باد

سچے فنکاروں سے نابلد معاشرہ

پکاسو سے کسی نے پوچھا کہ فن کار کب مرتا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ جب اس کے کینوس پر اسکی تخلیق پر چھرا گھونپ دیا جائے تو یہی اس کی موت ہے کیونکہ فن کار صرف اور صرف پذیرائی کا بھوکا ہوتا ہے اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔پاکستان کا المیہ ہے کہ اس مملکت خداداد میں نہ جانے کتنے ہی فن کار اور شاہکار سینئر وجونیئر حکومتی سطح پر پذیرائی نہ ملنے اور معاونت نہ ہونے کی بنا پر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں اور انکا فن جسے وہ دنیا سے روشناس کرانا چاہتا ہے بے حس اور بے ادبی کی دبیز تہہ میں کھو جاتا ہے آج کی کہانی بھی ایسے ہی ایک فنکار کے حوالے سے ہے جو کہ دریائے ستلج کے پہلو میں واقع ایک پسماندہ موضع منگوانی کا رہائشی ہے جو کہ گلزار ندیم سے اپنی شناخت اور پہچان بنانے کی تگ ودو میں عرصہ دراز سے مصروف عمل ہے اس نے نامساعد حالات اور وسائل کی شدید کمی کے باوجود عربی کیلی گرافی پر پر تحقیق کام کیا اس کام کی خاصیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تین ہزار مختلف طغروں میں لکھنے کا شرف ہے 2004-2007-2010 میں لاہور الحمرا آرٹس کونسل،پنڈی آرٹس کونسل اسلام آباد،ملتان آرٹس کونسل،اولمپیا ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام بھی فن پاروں کی نمائش ہوچکی ہے جس میں اہل ذوق نے اس کے فن اور فنکار کو سراہا۔

غربت کی چکی میں پسے گلزار ندیم نے خطاطی کی تاریخ کے حوالے سے ریڈیو پاکستان کے پروگرام صبح پاکستان میں اپنی خدمات بھی سرانجام دیں۔انہوں نے متروک اور قدیم خطوط کو زندہ کیا جس میں خط بہار، خط ماہی، خط توقیع، خط ریحان ودیگر شامل ہیں ۔کچے مکان کا یہ رہائشی خطاط اور مصور اپنے فن کو آج نامساعد حالات کی بنا پر بیچنے پر مجبور ہے اسے اس کے علاوہ کوئی چارہ دکھائی نہیں دیتا اپنے گھر والوں اور بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے صرف پذیرائی اور واہ واہ سے تو کام نہیں چلتا ہے۔آج وہ ایک چھوٹی سے دکان سجائے پینٹر کے طور پر کام کر رہا ہے اس کے باوجود اس کا عزم ہمت اور حوصلہ ان تمام مسائل کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔''ہر ان پڑھ خوش نویس پینٹر ہوتا ہے''کہ اس مقولے کو جھٹلاتے ہوئے گلزار ندیم اپنے گھر پر رات گئے تک فن پارے تخلیق کرتا ہے اور پھر ان کو بڑی بڑی آرٹ گیلریز میں نہایت ارزاں قیمت پر خرید لیا جاتا ہے اکی قیمت اور اہمیت کے مطابق کئی گنا قیمتوں پر فروخت کر دیا جاتا ہے لیکن وہ ابھی قانع ہے کہ چلو کم از کم باعزت طور پر پیٹ کا دوزخ تو بھرا جا رہا ہے۔کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت تو نہیں آتی اور کہیں نہ کہیں کسی سٹیج پر اس کا فن بھی زندہ ہے۔

نہ میرے بس میں نظام عالم،نہ دل پہ ہے اختیار آقا
اسی کشاکش میں کر لیا ہے ضمیر کو تار تار آقا

نہ جانے کس وقت دست تقدیر چھین لے مجھ سے میرا سب کچھ
یہ فن جہان میں زندہ رہے فقیر کی یادگار آقا

پاکستان میں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ڈرامہ بازی اور دو نمبری کا مظاہرہ کرکے آج کا ہر شخص اپنے اپنے کام سنوارنے میں جتا ہوا ہے۔اصلی سچے اور کھرے لوگوں کی قدر سے معاشرہ نابلد ہوتا جارہا ہے۔جی حضوری اور جوتے اٹھانے والوں کی چاندی ہے مگر سچے اور خوددار لوگ پس منظر میں چلے جاتے ہیں اسی بات کو لے لیجئے کہ عبدالرحمٰن چغتائی استاد اللہ بخش ،صادقین ،گل جی جیسے مشہور و معروف خطاط و مصور گزرے ہیں، جنھوں نے ہزارہا شاہکار اور فن پارے تخلیق کیے اور دنیا بھر سے پذیرائی حاصل کی لیکن حکومتی سطح پر ان کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ کسی آرٹ کونسل کسی سڑک کسی چوک کسیعمارت یا کسی شے کوان میں سے کسی کے نام منصوب نہ کیا جاسکا بے حسی اور بے ادبی کی انتہا ہے۔حکومت کو اس خطاطی اور مصوری کی میراث کو محفوظ کرنے والے ایسے فنکاروں اور کلاکاروں کی سنجیدگی کے ساتھ سرپرستی کرنی چاہیے تاکہ مصوری اور خطاطی کا فن زندہ رہ سکے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب ! قبرستانوں پر قبضہ ایک روایت بنتی جارہی ہے

قبرستان مسلم طبقہ کی آخری آرام گاہ ہے جہاں پر انسان مرنے کے بعد دنیا وما فیہا سے بے خبر ایک دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے لیکن بقول شاعر ''مر کہ بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے'' کے مصداق بے حس دنیا کے بے ضمیر لوگ اب اس کی آخری آرام گاہ کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ قبرستانوں کی اراضی پر قبضہ کرنا، جانوروں کے اصطبل اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کیلئے فلتھ ڈپو بنا دینا روز کا معمول بن گیا ہے ایسی ہی کچھ صورت حال کھروڑپکا اور گردونواح میں واقع قبرستانوں کی ہے جو کہ انتظامیہ کی نا اہلی اور غیر ذمہ داری کی بنا پر روز بروز سکڑتے جا رہے ہیں۔ شرابی ،چرسی، نشئی لوگوں نے جا بجا اپنے ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں کہیں کسی جال کے نیچے بھنگ کے گھوٹے لگائے جا رہے ہوتے ہیں تو کہیں دیوار کے سائے تلے چرسی چرس کا دھواں اڑا رہے ہوتے ہیں کہیں قبر کی آڑ میں بیٹھ کر نشے کے انجکشن لگا کر اپنی تسکین کا سامان کیا جارہا ہوتا ہے۔اسی طرح چاردیواری کا نہ ہونا بھی بہت سے مسائل کو جنم دیتا ہے لوگ گزرگاہیں بنا لیتے ہیں۔اپنے ایکسٹرا سامان کو سٹور کرنے کی خاطر قبرستان کی اراضی کو باپ کی جاگیر سمجھ کر استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔ آرے والوں نے اپنی تمام ٹمبر قبرستان میں سٹاک کی

ہوتی ہیں مگر انتظامیہ خواب خرگوش میں ہے اور پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ یہی عارضی قبضہ مستقل قبضہ میں تبدیل ہو جاتا ہے پٹواری جو کہ کھیوٹ اور خسرہ کی ہیر پھیر اور ردوبدل کا ماسٹر ہوتا ہے دنیا کمانے کی ہوس میں بے ضمیروں کے نام وہ رقبہ الاٹ کر دیتا ہے اور پھر یہ بے ضمیر اور آخرت کو بھول جانے والے لوگ قبرستانوں کو اپنی ملکیت بنالیتے ہیں اور ان میں سے اکثر وہ ہوتے ہیں جنہیں دنیا'' کھاتے پیتے لوگ'' کہتی ہے۔ یہ کھاتے پیتے لوگ ہی قبرستانوں کو بھی ڈکارنے کی کوشش میں جتے ہوئے ہیں ۔ کیونکہ غریب تو اس کی طاقت واستطاعت ہی نہیں رکھتا ۔

گذشتہ روز کہروڑپکا شہر میں بھی ایسی ہی ایک کوشش رمضان بھٹی نام شخص کی جانب سے انتظامیہ کی ملی بھگت کی اور شہر کے وسط میں موجود ہندیرا پیر نامی قبرستان کی برلب سڑک کروڑوں روپے کی 46 مرلے اراضی پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ جس پر صحافیوں اور سماجی و مذہبی تنظیموں نے مداخلت کی۔ لیکن ریونیو انتظامیہ اسسٹنٹ کمشنر، تحصلیدار اور بالخصوص مہر شریف پٹواری کی پراسرار خاموشی، سیاسی گرگوں کی قبضہ دلوانے میں بھرپور دلچسپی، ڈی ایس پی ، ایس ایچ او کی عدم توجہ اور تماشائی پن بہت سے سوالیہ نشان اٹھا رہا ہے۔ مثلاً کیا ریونیو ڈیپارٹمنٹ حسب سابق بک چکا ہے؟ کیا سیاستدان سے خوف خدا ختم ہو گیا ہے کہ وہ قابضین کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ کیا عوام کا ووٹ قبروں کا

سودا کرنے کیلیۓ لیا گیا تھا؟ پولیس کا ان معاملات میں چپ سادھنا بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پولیس بھی بھرپور مال پانی لے چکی ہے اور لسی پی کر سکون کرنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے؟ پولیس کی موجودگی میں دیوار گرانے پر عوام اور صحافیوں پر سرعام فائرنگ کرنا پتھر اور اینٹیں برسانا اور ایس ایچ او کا یہ باور کرانا کہ فائرنگ نہیں بلکہ پٹاخے چھوڑے گئے ہیں۔ فائرنگ کرنے والوں کو گرفتار تو درکنار ان سے یہ تک نہ پوچھا جانا کہ فائرنگ کیلیۓ استعمال کیا جانیوالہ اسلحہ لائسنس یافتہ تھا کہ غیر لائسنس یافتہ؟ کوئی خوف خدا، آخرت کی فکر، مرنے کا ڈر، خداترسی اور قبروں کی بے حرمتی کا کوئی شائبہ تک نہیں کوئی شرم کوئی حیا دکھائی نہیں دیتی۔ بس ہوس سوار ہے۔ تادم تحریر قبضہ مافیا شدومد کے ساتھ سرگرم اور متحرک ہے سیاست، صحافت، انتظامیہ، پولیس اور ریونیو، کوئی ڈیپارٹمنٹ ایسا نہیں جہاں پر یہ لوگ اپنے تانے بانے بنتے دکھائی نہ دیتے ہوں۔ مخصوص گروپ کے لوگوں نے کاروبار بنایا ہوا ہے کہ جہاں پر گورنمنٹ یا اوقاف کا لاوارث رقبہ موجود ہو وہاں پر اپنے مخصوص انداز میں مخصوص لوگوں کی مدد سے قبضہ جمالیا جاتا ہے۔ ہندیرا پیر قبرستان میں بھی ایسا ہی کوئی معاملہ پوشیدہ ہے جس کے بارے میں تمام محکموں نے چپ سادھ رکھی ہے اور عوام کو کہا جارہا ہے کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف ہے تو وہ کورٹ میں جاکر stay لے آئے۔ یعنی کے انتظامیہ کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ قبرستان پر کیا جانیوالہ ناجائز قبضہ ختم کروائے یا اس کی حد.براری

کیلئے کوئی لائحہ مرتب کرے ورنہ تو یہ مافیا اس قبرستان کے ساتھ ساتھ دوسرے قبرستانوں کی اس زمین کو بھی ہتھیالے گا۔ اسی طرح پٹھانوں والہ قبرستان، پیر برہان قبرستان، پیلی کوٹھی والہ قبرستان، تھانے والہ قبرستان، بھانڈی والہ قبرستان اسی طرح سے لوگوں کی دست برد کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں پر ناجائز قابضین نے قبضہ جمایا ہوا ہے تو کہیں انہیں فلتھ ڈپو بنایا جارہا ہے۔

ایک وقت ہوتا تھا کہ جب ہمارے بڑے (صرف ایک پیڑھی پہلے) یہ کوشش کرتے تھے کہ عوام الناس کی فلاح و بہبود کیلئے کوئی اچھا اور مستحسن کام کرجائیں تاکہ دینا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنور جائے ۔اس سلسلے میں جہاں اور جب جتنی سکت اور استطاعت ہوتی اس کے مطابق کہیں کوئی نلکا لگوادیتے کوئی پانی کی سبیل مہیا کردیتے ہیں ۔کسی جگہ پر مدرسہ و مسجد کیلئے کوئی رقبہ مختص کردیتے تھے ۔کہیں دنیاوی تعلیم کیلئے سکول کو جگہ الاٹ کردیتے تھے اور بہت زیادہ استطاعت واہلیت کے حامل قبرستانوں کیلئے رہائشی علاقہ جات کے گردونواح میں کئی کئی مربعے اراضی وقف کردیتے تھے ۔جس کا صرف اور صرف مقصد فلاح عوام ہوتا تھا۔ان میں ہوس ، طمع،لالچ یا سیاست کرنے کی سوچ ندارد ہوتی تھی اور اس پر وہ نہ تو کبھی فخر کرتے تھے اور نہ ہی اسے بڑائی گردانتے تھے۔ لیکن اب معاملات بالکل معکوس ہوچکے ہیں ۔انہی لوگوں کے سپوت اور وارثان اپنے آباؤ

اجداد کی روح کو زخمی کرنے اور اپنی عاقبت کو خراب کرنے کی نیت سے پٹواری وتحصیلدار سے مل کر وقف شدہ اراضی کو سیاسی پشت پناہی کی بناپر ان وقف شدہ رقبہ جات پر قبضہ کرلیتے ہیں۔چاہے یہ رقبہ سکول ہو کہ قبرستان انہیں اس سے کوئی غرض وغایت نہیں ہوتی۔ مطمع نظر صرف اور صرف اراضی کو ہتھیانا ہوتا ہے اور وہ ہتھیا بھی لیتے ہیں ۔

وزیراعلی پنجاب شہباز شریف اور حکومت پنجاب نے قبرستانوں کو حالت زار کو بہتر بنانے کیلئے ایک ارب روپے کی خطیر رقم جاری کی ہے جس کا مقصد قبرستانوں کی صفائی ستھرائی ،ان کی دیکھ بھال، چار دیواری، جنازہ گاہ، پانی کا انتظام وانصرام ودیگر متعلقہ معاملات کو بہتر بنانا ہے تاکہ مرنے والوں کو ظاہری آرام وسکون کی سہولیات باہم مل سکیں اور قبرستانوں کو بے حرمتی سے بچایا جاسکے اور ان کے تقدس کو بحال کیا جاسکے۔یہ اقدامات وزیراعلی کے کریڈیٹ پر ہیں لیکن جب قبرستان ہی نہیں رہیں گے مرنے والوں کو دوگز زمین بھی میسر نہیں ہوگی۔وہ بھی کراچی اور دوسرے کچھ علاقوں کی طرح خریدنا پڑے گی تو جینا تو مشکل ہے ہی مرنا بھی محال ہوجائیگا۔یہ کالم لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ وزیراعلی، کمشنر ملتان، ضلع لودھراں اور تحصیل کہروڑپکا کی انتظامیہ اور متعلقہ ارباب اختیار کو ہدایات کریں کہ وہ اس معاملے کو سنجیدگی سے لیں اس رقبہ اور اسی طرح کے اور جتنے بھی قبرستان ان عناصر کا شکار ہیں، کی فی

الفور چار دیواری اور حد براری کریں۔ تاکہ قبرستان اور ان کا تقدس بحال ہوسکے۔

سب سے پہلے میں

اس نے ایک موبائل خریدنا تھا جو کہ آج ہی کمپنی نے مارکیٹ میں لانچ کیا تھا اور سٹورز پر ان کے کھلنے سے پہلے ہی لوگ موجود تھے اور لائن بنا کر کھڑے تھے رابرٹ بھی اس مقصد کیلئے وہاں گیا تھا۔ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح لائن میں کھڑا ہو کر باری کا انتظار کرنے لگا۔ باری آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔یکدم اس کا ذہن بدلہ اور اس نے سوچا کہ کیوں نہ کل پرسوں خرید لیا جائے مگر وہ جو تین گھنٹے میں لائن میں کھڑا ہو کر اپنا وقت ضائع کر چکا تھا اسے اس بات کا شدید دکھ تھا اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا اس نے قطار سے باہر کھڑے کچھ لوگوں سے بارگیننگ کی اور اپنی جگہ 100 ڈالر میں فروخت کردی۔ اسے یہ کام منافع بخش لگا رابرٹ نے اپنی روزی اور معاش کمانے کیلئے اسی شعبے کو اپنانے کا فیصلہ کیا اور اگلے روز اپنے چند دوستوں کو بھی اس کام میں شامل کر لیا اور انہیں قطار میں انتظار کرنے کیلئے کھڑا کردیا اس روز رابرٹ نے ساڑھے تین سو ڈالر کمائے۔اور کچھ عرصہ بعد اس نے دوسروں کیلئے قطار میں کھڑے ہو کر انتظار کرنے کی خدمات فراہم کرنی والی ایک کمپنی بنا ڈالی۔ بے بی سٹر کی طرز پر لائن سٹر کا پیشہ متعارف کرایا اور اب اسکی باقاعدہ ایک ویب سائٹ ہے اور دوسرے سوشل میڈیاز پر اس

کے پیجز بھی موجود ہیں جو کہ اسے آرڈر دلوانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ رابرٹ کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں ایک خوف پایا جاتا ہے کہ نئی متعارف ہونے والی پروڈکٹ شاید دنیا کی آخری پروڈکٹ ہے اور اسے ضرور خریدنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ دوبارہ سے دستیاب نہ ہوسکے اور اسی خوف کے سبب وہ لوگ مجھے پے کرتے ہیں اور جس کا انہیں کوئی افسوس بھی نہیں ہوتا۔

رابرٹ کے ماتحت اس وقت 10 ویٹرز (انتظار کرنے والے) موجود ہیں جو مختلف پوائنٹ اور سپاٹس پر جا کر قطاروں میں کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہیں بعض اوقات اپنی جگہ کسی دوسرے کو دینے کا عمل پیچھے کھڑے لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اور بسا اوقات بدمزگی کا سبب بھی بنتا ہے لہٰذا اس مسئلے سے بچنے کیلئے رابرٹ اور اسکے ساتھی یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ لائن میں کھڑا ہونے بعد ارد گرد کے لوگوں کو بتا دیتے ہیں کہ وہ کسی اور کیلئے لائن میں انتظار کر رہے ہیں اور اپنی خدمات وہ ان کو بھی دے سکتے ہیں پھر وہ انہیں اپنا وزٹینگ کارڈ بھی پیش کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بدمزگی سے بچنے کے ساتھ ساتھ کمپنی کا تعارف بھی ہو جاتا ہے۔ رابرٹ کا یہ کاروبار بڑے زور شور سے جاری ہے اور خوب پھل پھول رہا ہے ایک سروے کے مطابق امریکیوں میں یہ خبط زیادہ پایا جاتا ہے کہ مارکیٹ میں ہر نئی آنے والی پروڈکٹ کو سب سے پہلے خرید کر استعمال کریں اس میں امیر غریب چھوٹے بڑے سب ہی ایک کشتی کے سوار ہیں ہر امریکی اوسطاً ہر روز

منٹ تک قطار میں انتظار کرتا ہے اور تقریباً ملتی جلتی صورتحال یورپین کی بھی 8 ہے۔بے صبری اس میں سب سے بڑا فیکٹر ہے اور لوگوں کا بے صبرا پن بعض اوقات انہیں نقصان سے بھی دوچار کرتا ہے "سب سے پہلے میں" والہ رویہ انسان سے صبر اور سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیت سلب کرلیتا ہے۔

بات خبط کی ہو اور پاکستانی پیچھے رہ جائیں ہو ہی نہیں سکتا۔یہ خبط پاکستانیوں میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے لیکن پاکستانیوں میں ایک نمایاں فرق قوانین کی پاسداری نہ کرنا اور اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا ہے۔قوانین کا نفاذ نہ ہونا۔قانون کو گھر کی باندی سمجھنا۔جرائم اور کرائم کو برا تصور نہ کرنا ہمارا وطیرہ بنتا جارہا ہے۔پاکستانی بھی ہر نئی چیز کو سب سے پہلے خریدنا چاہتا ہے لیکن قطار میں لگ کر اپنی مطلوبہ شے حاصل کرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔امراء شرفا (ایلیٹ کلاس) میں یہ بیماری عام ہے کہ وہ نہ تو لائن میں لگنا چاہتے ہیں اور نہ ہی دیر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ کام بھی کوئی نہیں ہوتا۔ بس تمام اخلاقی اور معاشرتی اقدار اور اصولوں کو پامال کرکے ،تعلقات اور پیسے کا استعمال کرکے سب سے پہلے میں کے تصور کو پروان چڑھایا جاتا ہے جو کہ نہایت ہی نامعقول رویہ ہے۔

اگر ہم اس مقولے پر عمل کریں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے تو ہمیں اس بات کی

اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ کسی بھی پروڈکٹ کی خریداری، ٹکٹس کا حصول جہاز کی ہو کہ بس کی یا ٹرین کی ہو کہ سینما گھر کی، بلوں کی ادائیگی جیسے کتنے ہی ایسے معاملات ہیں جہاں پر قطار بنا کر گھنٹوں والا کام منٹوں میں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جس قوم پر نظم وضبط کا بنیادی نقطہ سمجھ کر اپنا لیا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی کامیابی اور ترقی میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ سب سے اہم بات یہ کہ دوسروں کیلئے انتظار کرنے والا کام پاکستان میں باآسانی پنپ سکتا ہے کیونکہ پاکستانی عوام وڈیرے جاگیرداروں بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کیلئے ہر روز صبح سے شام تک انتظار کرتی ہے۔ موصوف جیسے پر جلوہ افروز ہوتے ہیں خاص کیبنٹ کے لوگ اپنے اپنے مسائل کے پلندے ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔اور جب صبح سے آ کر انتظار کرنے والی کی باری کا وقت آتا ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے اور پھر اگلے دن یہی عمل دہرایا جاتا ہے۔اگر یہی انتظار کرنے والے دوسروں کیلئے انتظار کرنا شروع کر دیں تو ان کی چاندی بھی ہو جائے گی اور صاحب کی نظر کرم بھی ہوتی رہے گی اور کام بھی نکلتا رہے گا۔ مفت مشورہ ہے کہ پاکستانی اس پر زیادہ آسانی سے عمل کر سکتے ہیں۔

خوشحال والدین.....پڑھا لکھا پاکستان

وہ سکول کے سب سے سینئر سائنس ٹیچر تھے۔ میری جب ان سے ملاقات ہوئی تو بہت پریشان تھے میں نے وجہ دریافت کی تو ایک ٹھنڈی آہ لے کر بولے کہ مغل صاحب اب یہی دن دیکھنا باقی رہ گئے تھے کہ استاد گھر گھر جا کر بچوں کو نکال کر لائے۔ان کے والدین کی منت سماجت کرے ان کے پیر پکڑے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ اپنے بچوں کو گورنمنٹ سکول داخل کروائیں۔استاد کو ذلیل و رسوا کر دیا گیا ہے۔ حلقہ بندی استاد کرائے، ووٹرز لسٹوں کی تیاری استاد کی ذمہ داری، خانہ شماری استاد کے سر، مردم شماری میں استاد لازم و مشروط، الیکشن ڈیوٹی استاد دیں، سیاسی جلسے جلوسوں میں تعداد کو بڑھانا استاد پر لاگو اور اس طرح کی پہلے ہی بہت سی ذمہ داریاں استاد پر مسلط کر دی گئیں۔اب سرکاری سکولز میں UPE اور USE کے تحت ہر ہر بچہ سکول لانے کا جو سلوگن حکومت پنجاب نے اپنایا ہے اور تعلیمی ایمرجنسی نافذ کی ہے نام خارج کرنے کی صورت میں سکول کے سربراہ کو پچاس ہزار روپے جرمانہ یا چھ ماہ کی قید تو اس نے تو سب کاموں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔استاد سکول آنے سے پہلے اور سکول سے جانے کے بعد محلّہ داروں ہمسایوں اور قرب وجوار کے لوگوں کے گھروں میں جائیں اور انہیں اس بات پر قائل کریں کہ وہ اپنے چھوٹے بڑے بچوں کو سرکاری سکول بھیجیں۔مزید ستم یہ ہے کہ ہر سکول

کو ایک ٹارگٹ دیا گیا ہے جس کے تحت دونوں لیول میں بچے جسمانی طور پر موجود (Physically present) دکھانے ہوتے ہیں جو کہ نا ممکن اور نا معقول سی بات ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ اب ہر گلی اور محلے میں دو تین نہیں تو کم از کم ایک سکول موجود ہے اور جب سے PEF سسٹم آیا ہے پرائیویٹ سکولز نے فیس لینا بھی چھوڑ دیا ہے سرکاری سکولوں کا فری والا چارم بھی ختم ہوگیا۔ اب ایک بچہ یا بچی جو کلو میٹر دو کلو میٹر سے یا دو تین گلی چھوڑ کر سکول آتے تھے انہیں ان کے گھر کے دروازے (Door Step) پر سکول بھی مل گیا ہے وہ بھی پرائیویٹ سکول جن کے بارے میں پہلے سے ایک مائنڈ سیٹ ہے کہ سرکاری سکولوں کی نسبت پرائیویٹ سکولوں میں پڑھائی زیادہ اچھی ہے تو کون بے وقوف یا کم عقل ہے جو ان تمام سہولیات کو avail نہ کرے۔ نہ بچوں کو سکول چھوڑنے کی ٹینشن نہ واپس لانے کی فکر بالفرض محال ہم منت ترلے کرکے بچوں کو سکول میں داخل کروالیتے ہیں تو پھر ان کی حاضری کو یقینی بنانا بھی نہایت دشوار اور کٹھن ہے اب سکول پہنچنے کے بعد بچوں کو پڑھانے سے زیادہ ان کی تعداد پوری کرنے میں دلچسپی ہوتی ہے موبائل فون پر سب کے والدین کو فون کرکے درخواست کرتے ہیں کہ براہ مہربانی بچوں کو سکول بھیجیں (انہوں نے لسٹ بھی دکھائی) ۔

یہ اور اس قسم کے ملتے جلتے معاملات اور احساسات پورے پنجاب کے ٹیچرز اور سکولوں میں پائے جاتے ہیں وزیر اعلی کی ہدایات پر خصوصی ٹیمیں تشکیل دے کر

کر دی گئیں ہیں۔ جن کا کام ہر بچے کو سکول میں لانا ہے۔Depute مختلف اضلاع میں
سے 16 سال تک کے ہر بچے کو سکول لانے کے حوالے سے تعلیمی ایمرجنسی کا 5
نفاذ، وزیر اعلی کا یہ اقدام قابل تحسین ہیں اور یقینا ان کی علم دوستی کا ثبوت بھی ہے
لیکن اس میں جہاں بہت سے فائدے اور علم کی ترقی دامن گیر ہے وہیں پر بہت سی
قباحتیں بھی جنم لے رہی ہیں۔استاد کا بنیادی مقصد سکول آنے والے طلباو طالبات کی
تعلیم وتربیت ہے استاد اس بات کا پابند ہے کہ وہ ہر بچے کو اس کی ذہنی استعداد کار اور
قابلیت کے مطابق زیور تعلیم سے آراستہ کرکے اس کو معاشرے کیلئے کارآمد بنائے۔
معمار قوم بنا کر ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کا اہل بنائے۔لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا
کہ استاد پہلے تو گھروں میں جا کر بچوں کو سکول لے کرآئے والدین کی منت ساجت کرے
بعض اوقات اسی بات کو لے کر والدین بلیک میل کرتے بھی ہیں تذلیل بھی کرتے
ہیں۔استاد غیر حاضر ہونے پر نہ تو مار پیٹ کرسکتا ہے اور طالب علم کو ڈرانے دھمکانے
کیلئے نہ ہی نام خارج کرسکتا ہے تو بتائے کہ کس طرح سے آپ بچوں کو باؤنڈ کرسکتے
ہیں۔یہ بات بھی بجا ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر اور جگہ جگہ سکولوں کے قیام کی وجہ سے
والدین اور بچوں کو بہت سی مشکلات سے چھٹکارا مل جاتا ہے پھر فیس کی بھی ٹینشن
نہیں گھر سے نکلتے ہی سکول مل جاتا ہے تو پھر کون سرکاری سکولوں میں بچوں کو داخل
کرائے پرائیویٹ سیکٹر میں نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی اور غیر نصابی
سرگرمیوں کی بھی فروغ دیا جاتا ہے

کبھی کلرڈے تو کبھی ڈرائنگ ڈے۔ کبھی سپورٹس ڈے تو کبھی تقاریر کے مقابلے اور پیرنٹس ٹیچر میٹنگز بھی ان سرگرمیوں کا حصہ ہوتی ہیں والدین اپنے بچوں کے بارے بھی ہوتے ہیں رپورٹ بھی وصول کرتے ہیں۔ سرکاری (concious) میں فکر مند سیکٹر میں یہ سب چیزیں ناپید ہوتی ہیں۔ لے دے کے ایک سالانہ سپورٹس بجکم افسران منعقد کروادیا جاتا ہے جس میں صرف بڑے بچے ہی حصہ لیتے ہیں لب لباب یہ ہے کہ سرکاری سکولوں میں بچوں کیلیۓ کوئی چارم نہیں۔ اگر حکومت واقعی اس معاملے میں کرنا ہوں گی والدین کوراغبactivities) (مخلص ہے تو پھر یہ تمام ایکٹی وٹیز کرنے کیلیۓ ان سے میٹنگز کرنا ہوں گی ان کی آگاہی کیلیۓ سیمینار منعقد کرنا ہوں گے ۔سب سے بڑھ کر والدین کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کیلیۓ اقدامات ترجیحی بنیادوں پر کرنا ہوں گے ۔ بچے سکول بھیجنے پر غریب والدین کیلیۓ کوئی مالی اعانت یا وظیفہ مقرر کردیا جائے ۔خوشحال والدین کے ذریعے پڑھا لکھا پاکستان بنانا ناممکنات میں سے نہیں ہے اسی طرح اساتذہ کو صرف اور صرف تعلیم وتربیت تک ہی محدود رکھا جائے اوراگر تعلیم وتدریس کے معاملے میں استاد کوتاہی کا مرتکب ہو تو پھر کوئی رورعایت نہ برتی جائے۔

تیما اور ریلوے

اس کا نام تیما ہے جو کہ مغربی جاپان کے شہر کینو کاوا کے ایک قصبے کشی کی اسٹیشن ماسٹر ہے اس کا ایک شاندار آفس ہے اس کا ایک خوبصورت سا بیج بنا ہوا ہے اس کو سالانہ انکریمنٹ بھی ملتا ہے تیما کے اسٹیشن ماسٹر بننے سے علاقے میں سیاحت کو بہت فروغ ملا ہے کیونکہ اس کے بارے میں جاننے کے بعد دور دراز سے لوگ اسے دیکھنے اور ملنے آتے ہیں جس کی بنا پر اس علاقے میں معیشت کئی گنا مستحکم ہو گئی ہے ایک اندازے کے مطابق ٹکٹوں اور اشیائے کی فروخت سے علاقائی معیشت کو سالانہ تقریبا 11 ملین ڈالر کا فائدہ ہوتا ہے۔مزید یہ کہ تیما کے اسٹیشن ماسٹر بننے سے وہاں سے گزرنے والی گاڑیوں میں مسافروں کی تعداد 15 فیصد زیادہ ہو گئی ہے تقریبا بیس ہزار سیاح ہر سال اس چھوٹے قصبے کا سفر کرتے ہیں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس اسٹیشن پر آپ کو کوئی اور ملازم بھی نہیں ملے گا چنانچہ کشی قصبے میں اسٹیشن ماسٹر کی ذمہ داریاں پندرہ سالہ تیما تن تنہا نباہ رہی ہے۔اس کی فرض شناسی کے اعتراف میں اسے 2008 سینئر اسٹیشن ماسٹر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور ایک خصوصی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔سفر یہیں نہیں رکا بلکہ گذشتہ برس ہی اس کے نام سے ایک ٹرین بھی چلا دی گئی اور کمپنی میں اسے نائب صدر کا عہدہ بھی دے دیا گیا۔قارئین کرام آپ بھی متجس

ہونگے کہ یہ تیما کون ہے تو جناب تیما ایک بلی ہے جو کہ اسٹشین ماسٹر والی تمام خصوصیات کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس تمام نظام کو احسن طریقے سے چلارہی ہے نہ صرف چلارہی ہے بلکہ معیشت کی بہتری میں بھی اولین کردار ادا کررہی ہے۔

اسی طرح کسی ملک میں کتا بطور میئر اپنے فرائض انجام دے رہا ہے تو کہیں بندر کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔حال ہی میں چائنا نے بندروں کی ایک فوج (گروہ) تیار کی ہے جو کہ ایئر پورٹ پر تعینات کی گئی ہے جن کا کام ارد گرد کے درختوں پر موجود پرندوں کو اڑانا ہے تاکہ جہاز کسی رکاوٹ کے بغیر اڑایا اور اترا جاسکے۔ایک سیٹی پر بندروں کا یہ گروہ بغیر کوئی بدمزگی پھیلائے اپنے کام میں جت جاتا ہے اس طرح سے چائنا نے اپنا ایک دیرینہ مسئلہ جو کہ اس کے لئے درد سر بنا ہوا تھا اور بہت سے مسائل پیدا کررہا تھا، حل کرلیا ہے۔بندروں کے گروہ سے پہلے چائنا نے ہر ہر حربہ آزمایا انسانوں سے لیکر مشینری اور ربوٹ تک استعمال کرلئے لیکن پرندے ارد گرد کے درختوں سے غائب نہیں ہوئے اور ائیرپورٹ انتظامیہ کے لئے مسائل اور مسافروں کیلئے جان کا خطرہ بنے رہے ۔پھر کسی علقمند نے انہیں یہ مشورہ دیا انہوں نے ترجیحی بنیادوں پر اس پر کام شروع کیا اور اب ایک ایسا تربیت یافتہ بندروں کا گروہ تیار کرلیا ہے جو کہ ہمہ وقت چوکس رہتا ہے اور سیٹی کے بجتے ہی حرکت میں

آ جاتا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کا دور دور تک نشان نظر نہیں آتا۔
اب پاکستان میں آتے ہیں کہ جہاں پر عاقل و بالغ، مبلغ و مفسر اور فہم فراست سے مزین حکمرانوں، سیاستدانوں اور ملازمین کی فوج ظفر موج موجود ہے لیکن کوئی محکمہ ایسا نہیں جو کہ بد نظمی اور بد عملی کا شکار نہ ہو ہمارا ریلوے جو کہ ہمیشہ سے تنزلی کا شکار ہے کرپشن اس کے انگ انگ میں رچ بس چکی ہے۔ خواجہ سعد فیق اس معاملے میں بہت سنجیدہ اور مسائل کی وجہ سے پریشان ہیں کہیں انجن منگوائے جارہے ہیں تو کہیں بوگیوں کو مرمت کرایا جارہاہے۔ گرمیوں کی آمد سے ہی انجنوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ریونیو کے حوالے سے برا حال ہے۔ ہر طرف خسارہ ہی خسارہ ہے خواجہ صاحب ریلوے کو سنوارنے کا عزم کئے ہوئے ہیں اور پر امید بھی ہیں مگر ان کے علاوہ کسی اور کو اس محکمے میں سدھار کی امید رتی برابر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ٹرانسپورٹرز مافیا کبھی بھی ریلوے کو کامیاب ہوتا نہیں دیکھ سکتا تو خواجہ سعد رفیق کو بھی چاہیے کہ وہ کسی بھی ملک سے کوئی جانور لا کر انہیں ریلوے کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔یقین جانئیے کہ ان کے ریلوے کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ معیشت بھی بہتر ہوجائیگی۔ کرپشن کا خاتمہ ہوگا۔اقربا پروری کا قلع قمع ہوجائیگا لیکن اس کیلئے ایک شرط ہے کہ جانور بھی پاکستانی نہیں ہونا چاہیے۔یا پھر ڈپٹی سپیکر کے مشورے

پر عمل پیرا ہوں اور لالو پرشاد سے مشاورت کریں تاکہ ریلوے تو کم از کم بہتر ہو جائے۔

کوڑھ زدہ کون......؟

منشیات کی فراوانی ،اس کا آزادانہ اور بے جا استعمال کسی بھی معاشرے کی ذہنی وجسمانی نشوونما اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ان کے مفلوج ہونے کا سبب ہے ذہنی جسمانی طور پر صحت مند و توانا قومیں ہی ترقی وخوشحالی کی جانب گامزن ہو سکتی ہیں۔بد قسمتی سے پاکستان میں غربت ، مہنگائی، بے
روزگاری، لاقانونیت، افراتفری، انتشار اور دہشت گردی کے عفریت نے قوم کو ذہنی مریض بنا دیا ہے ان کا دن کا سکون اور رات کی نیند اڑا دی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 15 سے 64 سال کی عمر کے بچے و مرد حضرات اپنی ذہنی تسکین کیلئے منشیات کا بے دریغ استعمال کر رہے ہیں اس میں عادی افراد کی تعداد تقریبا 67 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ہر شہر اور دیہات میں منشیات فروشوں کے اڈے قائم ہیں جہاں شراب، افیون، چرس، گانجا، ہیروئن، بھنگ اور دوسرے ہر قسم کا نشہ وافر مقدار میں کھلے عام فروخت ہوتا ہے پولیس اور حکومت کے تمام متعلقہ ادارے جو کہ منشیات کی روک تھام اور بیخ کنی کیلئے بنے ہوئے ہیں وہ سب اس مکروہ اور غلیظ دھندے کے بارے میں باخبر ہونے کے باوجود اس میں ملوث افراد پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے ہیں ۔اسکی ایک وجہ تو سیاسی و بیوروکریسی کی سرپرستی بتائی جاتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو کیفر

کردار تک پہنچا دیا جائے تو انہی کے دم سے چلنے والے اہلکاروں اور افسران کی خوشحالی بدحالی میں تبدیل ہونے کے چانسز روشن ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئے روز اخبارات میں اور چینلز پر منشیات اور اس کی خرید وفروخت کرنیوالوں کی گرفتاریوں کی خبر نشر ہوتی ہیں۔اور یہ بھی بتایا اور دکھایا جاتا ہے کہ فلاں علاقے کی پولیس اورنارکوٹکس والوں نے سیکڑوں من چرس افیون اور کئی ہزار لیٹر شراب کو آگ لگادی ہے اور ضائع کردیا ہے حالانکہ ذرائع کے مطابق ان جلائے جانیوالے مواد میں چند سو لیٹر شراب وہ بھی رنگ ملی کو ضائع کیا جاتا ہے اور چند کلو افیون وچرس کو جلا دیا جاتا ہے جبکہ چھپائی جانے والی منشیات پھر سے پولیس کی سربراہی میں مارکیٹ میں آجاتی ہے اور اس سے بھی پہلے وہ منشیات فروش بھی معاشرے میں دندناتا پھر رہا ہوتا ہے جوکہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ بھی ہے اور سخت قوانین انسداد منشیات کی آئے روز مہم، نارکوٹکس فورس کے جگہ جگہ ناکے، رسرچ آپریشن اور چیکنگ کے باوجود ہمارے معاشرے میں منشیات کا استعمال جس تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے ہمارے لئے اور حکومت کیلئے بھی ایک چیلنج سے کم نہیں ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو بھی دیکھتے ہیں۔ان منشیات کا شکار جو لوگ آپ کو گندگی یا کیچڑ میں لتھڑے دکھائی دیتے ہیں کسی قبرستان ، کسی آستانے،نالی یا گٹر میں پڑے جلتے ہیں جنہیں ہم جہاز،چرسی ، بھنگی اور نشئی جیسے ناموں سے پکارتے

ہیں ان سے کراہت کرتے ہیں کنارہ کشی اختیار کرلیتے ہیں حتی کہ ان کے اپنے گھر والے بھی ان سے اجتناب برتنے لگتے ہیں یہ تڑپتے سسکتے لوگ نشان عبرت ہیں آبادی سے در کوڑھی کی مانند زندگی کے جہنم میں جلتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے عزیز اقربا کو بھی اذیت میں مبتلا کئے رکھتے ہیں۔ہم سب بھی من حیث القوم ان کو غلاظت ، گندگی اور نالی میں پڑا دیکھ کر حقارت کی نگاہ ڈال کر گزر جاتے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر ریڑھی بان،مزدور، چھابڑی والے ، خوانچہ فروش، پھیری والے یعنی نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں جو کہ معاشرے کی بے حسی ،حالات کی تنگدستی ،حکومت کے بے پرواہی کا غم غلط کرنے کی خاطر ،وقتی سکون پانے کی خواہش میں اس مکروہ اور غلیظ فعل میں اپنے آپ کو ملوث کرلیتے ہیں اور معاشرہ انہیں کوڑھ زدہ سمجھتا ہے۔حالانکہ اگر وہ نشہ نہ بھی کریں تب بھی وہ پاکستانی معاشرے میں کوڑھ زدہ ہی گردانے جاتے ہیں اور لوگ 95% میں سے ہیں

ملک کی 5% رہ جانیوالی اشرافیہ جو کہ مذکورہ بالا سب افعال سرانجام دیتی ہے۔ان کے ڈیروں،دفاتر، بیڈ رومز، عشرت کدوں میں بھی چرس افیون شراب حتی کہ ہیروئن بھی پی اور پلائی جاتی ہے ہماری اشرافیہ ان کو اپنے سٹیٹس کا حصہ سمجھتی ہے۔ان حلقوں میں یہ قبیح افعال برے نہیں جانے جاتے بلکہ ان کو اپنی روزمرہ کے معمولات کا حصہ سمجھا جاتا ہے بلکہ نہ پینے پلانے والے کو اپنی

اعلی سوسائٹی کا حصہ ہی نہیں مانا جاتا۔جو جتنی اعلی پائے کی منشیات استعمال کرتا ہے اس کو اتنا ہی زیادہ اعلی سوسائٹی کا ممبر گردانا جاتا ہے۔پولیس کو اطلاع کے باوجود ان کے گھر دفتر ڈیرے میں جانے کی ہمت ہوتی ہے اور نہ ہی اجازت بلکہ یہ شراب وکباب کی محافل ان کی زیر نگرانی بڑے دھڑلے سے جاری وساری رہتی ہیں اور کہیں کہیں پر ان کو بھی ساتھ ملایا لیا جاتا ہے۔ذرائع بتاتے ہیں کہ اکثر بیوروکریٹس اپنے دفاتر میں جانے سے پہلے چسکی لگانا لازمی سمجھتے ہیں چونکہ یہ لوگ ''عادی مجرم''ہوتے ہیں۔اعلی برانڈک وجہ سے ان کے منہ سے بو بھی نہیں آتی اور پی کر سڑک پر بھی نہیں گرتے اس لئے معاشرے میں اشرافیہ کا تمغہ سجائے پھرتے ہیں۔دوسری طرف بھٹکنے والے چونکہ سستی اور غیر معیاری الکوحل اور عام منشیات استعمال کرتے ہیں اور کبھی کبھار کرتے ہیں تو پھر ان کا بہکنا، لڑکھڑانا اور گرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔افعال واعمال دونوں کے ایک جیسے ہیں۔ دونوں ہی قابل نفرت ہیں۔ دونوں ہی قابل گرفت ہیں، دونوں ہی کوڑھ زدہ ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایلیٹ کلاس کو تمام مراعات اور اختیارات حاصل ہونے کی بناپر تمام گناہوں سے بری الذمہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ پردہ پوشی کر دی جاتی ہے ان کے جرائم پیسے کی چمک کی تیز روشنی میں دھندلا جاتے ہیں۔کوڑھ زدہ کون ہیں یہ فیصلہ آپ خود کرلیں۔

منافقت چھوڑنا ہوگی! آغاز تو اچھا ہے

انڈیا نے نئی حکومت کے قیام کے شروع دن سے ہی بہت سے تاریخی فیصلے کرنا شروع کر دیئے ہیں۔سب سے پہلا اور اہم فیصلہ حلف.برداری کی تقریب میں سارک ممالک کے سر.براہان کا مدعو کیا جانا ہے جو کہ انڈیا کی خارجہ پالیسی کا سفر کی سمت اہم اشارہ اور پیش رفت ہے بالخصوص ہمارے وزیر اعظم نواز شریف کو مدعو کرنا اور اہم امور پر گفتگو کرنا بھی حکومت کی پالیسی اور ترجیحات کی جانب واضح اشارہ ہے اور اس مثبت ا قدام کو سراہنا اور اسکی ستائش و خیر مقدم نہ کرنا بد دیانتی اور بخل کے زمرے میں آتا ہے ۔نریندر مودی بھارت کے نئے وزیر اعظم نے "اچھے دن آئیں گے" کی ایک امید جگائی ایک شمع روشن کی تھی اور اگر انڈین گورنمنٹ اپنے فرائض منصبی کی پاسداری میں تعصبات سے پاک ہو کر آئینی تقاضوں کی تکمیل کرتی رہی اور قومی خدمت کے جذبے سے آگے.بڑھتی رہی تو انڈیا میں یقیناً اچھے دن ضرور آجائیں گے۔وزیر اعظم نواز شریف کو حلف.برداری کی تقریب میں مدعو کرنا اچھے دنوں کی نوید او ر اشارہ ہے اور آغاز سفر خوشگوار دکھائی دیتا ہے انڈین گورنمنٹ کی حلف.برداری کی تقریب کئی حوالوں سے تاریخی بن چکی ہے نریندر مودی اور نواز شریف کی ملاقات کو تاریخی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔اب سے پہلے کسی بھی حلف.برداری کی تقریب میں سارک ممالک کے سر.براہان کو مدعو

نہیں کیا گیا تھا۔اب سے پہلے سربراہان کی شمولیت سے خارجہ پالیسی کی اہمیت کا اظہار بھی نہیں کیا گیا تھا۔اب سے پہلے حلف برداری کے دوسرے ہی دن ایک ایسے ملک کے سربراہ سے ملاقات اور بات چیت کا اہتمام بھی نہیں یا گیا تھا کہ جن سے تعلقات ہمیشہ سے کشیدہ چلے آ رہے ہوں۔ان تمام باتوں کی وجہ سے نئی انڈین حکومت نے بھرپور فعال ہونے کا مظاہرہ کیا اور اپنے مقاصد کا کھلم کھلا اظہار بھی کر دیا جس سے پوری دنیا بالخصوص پڑوسی ممالک کو یہ پیغام بھی مل گیا کہ بھارت کی نئی حکومت کی قیادت کے مستقبل میں ارادے کیا ہیں نواز مودی ملاقات میں نئی دہلی نے اسلام آباد پر یہ واضح کر رہا ہے کہ باہمی تعلقات اچھے ضرور ہونے چاہیں لیکن اس کے کچھ اصول ہوتے ہیں

اور ان اصولوں کی پاسداری ہر دو فریقین کی ذمہ داری اور فرض ہے تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اس لئے یہ ممکن نہیں کہ ایک طرف تو مذاکرات کا شور مچایا جاتا رہے اور دوسری طرف سرحدوں پر تصادم بھی جاری ہے ایک طرف تو خیر سگالی کے وفود بھیجے جاتے رہیں اور دوسرے طرف دہشت گردی مسلط کی جاتی رہی۔انڈین گورنمنٹ کے مطابق خوشگوار تعلقات کی بنیاد امن اور اعتماد ہے امن کیلئے شرط اول دہشت گردانہ کاروائی (اتنگ واد) کو روکا جائے اور اعتماد کیلئے ضروری ہے کہ ماضی کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔جس میں پڑوسی ممالک مسلسل لیت و لعل اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔نئی حکومت کے قیام کے موقع پر پاکستانی سربراہ کو دی جانے والی دعوت اگر دوستی کی خواہش کا اظہار ہے تو اس

موقع پر ہونے والی گفتگو مسائل کے تعین اور ان کے حل کی جانب ایک مثبت اور سنجیدہ پیش قدمی ہے۔

انڈین گورنمنٹ نے بہتر تعلقات کے تناظر میں اپنی طرف سے منافقت سے کام نہیں لیا جو ان کے دل میں تھا وہ لبوں پر لے آئے وہ صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ نواز گورنمنٹ کو کرنا بھی ہے اور یہ بھی باور کرانا ہے کہ یہ سب غلط فہمی کا نتیجہ ہے مودی گورنمنٹ کا اپنے تحفظات کا اظہار کرنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے تحفظات کو دور کیے بغیر پاکستان سے بہتر تعلق کے خواہاں نہیں ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نواز گورنمنٹ اگر واقعی امن کی آشا کی خواہش مند ہے اور انڈین گورنمنٹ سے سماجی و معاشی اور کاروباری روابط مستحکم کرنا چاہتی ہے تو اس حوالے سے اس کے اقدمات کیا ہونے چاہیں کس طرح سے پڑوسی ملک کے خدشات و تحفظات دور ہونے چاہیں۔ خیر سگالی کے جذبات کو کیسے پروان چڑھایا جاسکتا ہے آیا کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں۔ یا صرف ہم ہی امن کی آشا کا ڈھول پیٹتے رہیں گے۔ نواز شریف گورنمنٹ کو مودی گورنمنٹ سے ایک اور چیز ضرور سیکھ لینی چاہیے کہ ملک مفادات اور عوامی فلاح وبہود کی خاطر منافقانہ پالیسی ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے امریکہ افغانستان ودیگر ممالک سے کھل کر بات کرنے میں ہی بھلائی اور بقا ہے۔ نواز شریف کو 28 مئی والہ حوصلہ دوبارہ سے پیدا کرنا پڑے گا نواز گورنمنٹ کو بھی چاہئے کہ وہ

انڈیا کو اس کا اصل چہرہ دکھائیں اور بتائیں کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔

موت فروش

ہر طرف چیخ وپکار تھی۔دھول اور گرد میں کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ایک بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ بچاؤ۔ نکالو۔ پانی ڈالو کا ایک بے ہنگم شور تھا۔ لوگ جمع تھے ۔ہر شخص اپنے تئیں کوشش میں تھا کہ کسی طرح ملبے تلے دبے بچے نکال لیے جائیں۔ان کی معصوم زندگیوں کو بچالیا جائے مگر دھماکے کی شدت ،آگ کی حدت کی وجہ سے لوگ بے یقینی کا شکار تھے۔ایک طویل صبر آزما مشقت اور محنت کے بعد انکو نکال لیا گیا۔لیکن ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ان بچوں کے والدین کو بھی شدید زخمی حالت میں نکالا گیا۔ یہ واقعہ کہروڑپکا کی ایک گلی کے ایک گھر میں شب بارات کیلئے جمع کیے گئے آتش بازی کے سامان میں آگ لگنے سے پیش آیا۔جیسے ہی بارود نے آگ پکڑی لمحو ں ہی لمحوں ایسا پریشر بنا کہ مکان کی چھت زمین پر آگری اور اس میں رہائش پذیر مکین بالخصوص بچوں کو اپنی جانیں بچانے کا کوئی لمحہ اور موقع میسر نہ آسکا۔اس طرح آتش بازی کے اس غیر قانونی سٹاک نے 4 معصوم بچوں کے ساتھ ماں باپ کو بھی نگل لیا۔ اسی طرح چاندنی چوک کے قریب ایک پختہ مکان کی چھت ایک زوردار دھماکے سے اڑ گئی قرب وجوار میں دہشت پھیل گئی انتظامیہ پولیس نفری موقع پر پہنچ گئی کیونکہ دھماکہ اتنا زوردار اور شدید تھا کہ گمان ہوتا تھا کہ بم بلاسٹ ہوگیا ہے یہاں پر بھی شب بارات کیلئے آتش بازی

کا سامان تیار کیا جار ہا ہے کہ جس میں آگ لگنے سے لنٹر والی چھت اڑ کر دور جا گری۔مالک مکان موقع پر جاں بحق ہو گیا جبکہ ہمسایہ کے مکانوں کو نقصان پہنچا۔ سٹی چوک میں متعدد بار آتش باز کے مکان اور دکان کو آگ لگی اور انسانی جانوں کا ضیاع بھی ہوا۔ ریلوے چوک ، گلشن مصطفیٰ میں بھی لوگ جھلسے یہ تو صرف ایک شہر کی بات ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں بارود کے بیوپاری اور ڈھیر کئی بیگناہ اور معصوم جانوں کو لقمہ بنا چکے ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی جاتی۔ ہر سال یکم شعبان سے شب بارات تک مختلف گلی محلوں میں خفیہ اور کھلے عام آتش گیر اور دھماکہ خیز مواد کی خرید وفروخت کی جاتی ہے ۔یہ لوگ اپنے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگائے ہوئے ہوتے ہیں بچوں کے جھلسنے کے اکثر واقعات تاریخ کا حصہبن چکے ہیں ۔ کہیں پر کوئی بچہ ہاتھ جلا بیٹھتا ہے تو کہیں ہاتھ کی انگلیاں غائب ہوتی ہیں ۔ کہیں پر چہرے کے زخمی ہونے کی اطلاع ہوتی ہے تو کہیں پر جسم کے جھلسنے کی بات بتائی جاتی ہے بعض اوقات بچوں کی لاپرواہی سے کئی گھر بھی نذر آتش ہو چکے ہیں اور لاکھوں کروڑوں روپے کے نقصان تک بات جا پہنچی۔لیکن ان سارے عوامل کو روکنے، ان کے سد باب اور مرتکب افراد کو کیفر کردار تک Threat نقصانات اور، پہنچانے میں پولیس اور انتظامیہ کا کردار ہمیشہ سوالیہ نشان رہا ہے۔شاذ ونادر ہی ایسے

موقع بنا ہو کہ کسی آتش باز کو کوئی سزا ہوئی ہو۔ کسی کو کوئی جرمانہ ہوا ہو کہ جس کی بنا پر وہ توبہ تائب ہوا ہو۔اوپر سے زیادہ دباؤ آجائے تو اکا دکا افراد کو پکڑ کر نذر حوالات کرایا جاتا ہے اور اگلے ہی روز وہ پھر اسی کام میں لگا دکھائی دیتا ہے بلکہ اب زیادہ کھلے انداز میں وہ خطرناک کھیل کھیل رہا ہوتا ہے۔ کوئی سدھار دکھائی نہیں دیتا۔ شب بارات کی آمد آمد ہے۔ تمام شہروں میں آتش باز، بارود کے سمگلر اور جانوں کے دشمن سرگرم ہو چکے ہیں۔ٹڈے، پٹاخے، شرلی، گولہ بم،انار اور پھل جھڑی وغیرہ مارکیٹ میں نظر آنا شروع ہو چکی ہے۔ غیر محسوسانہ انداز میں آتش بازوں نے اپنا سامان مارکیٹ میں پھیلانا شروع کر دیا اور گاہے بگاہے دن رات میں پٹاخوں کی آوازیں بھی سماعت سے ٹکرانا شروع ہو چکی ہیں۔ جس طرح سے پتنگ بازوں اور ان کی خرید وفروخت کرنے والے پر سختی سے پابندی عائد کی گئی اس پر کاربند رہا گیا۔اسی طرح ان تمام افراد کے خلاف سخت ایکشن لیا جانا چاہیے ان کے سامان کو ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف سخت قانونی کاروائی عمل میں لائی جانی چاہیے۔یہ موت فروش افراد جو ان پندرہ دنوں میں موت بانٹتے ہیں اس سے معاشرے کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ شور شرابہ جہاں ذہنی کوفت کا باعث بنتا ہے وہیں پر جسمانی اذیت بھی دیتا ہے۔ تمام ڈی پی اوز کو چاہئے کہ اس سلسلے میں سپیشل اقدامات کرتے ہوئے ان موت فروشوں کو کیفر کردار تک

پہنچانے کیلیے مخصوص ٹیمیں تشکیل دیں تاکہ امن وسکون کو تباہ ہونے سے بچانے کے علاوہ انسانی جانوں کی بھی بچایا جاسکے۔اس سلسلے میں تحصیل کہروڑپکا ہمیشہ سے حساس رہا ہے اور پے درپے واقعات نے اسکی حساسیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ڈی پی او لودہراں گوہر مشتاق بھٹہ کو اس طرف بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

موت فروش

ہر طرف چیخ وپکار تھی۔دھول اور گرد میں کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ایک بھگڈڑ مچی ہوئی تھی۔ بچاؤ۔ نکالو۔ پانی ڈالو کا ایک بے ہنگم شور تھا۔ لوگ جمع تھے۔ہر شخص اپنے تئیں کوشش میں تھا کہ کسی طرح ملبے تلے دبے بچے نکال لیے جائیں۔ان کی معصوم زندگیوں کو بچالیاجائے مگر دھماکے کی شدت ،آگ کی حدت کی وجہ سے لوگ بے یقینی کا شکار تھے۔ایک طویل صبر آزما مشقت اور محنت کے بعد انکو نکال لیا گیا۔لیکن ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ان بچوں کے والدین کو بھی شدید زخمی حالت میں نکالا گیا۔یہ واقعہ کہروڑپکا کی ایک گلی کے ایک گھر میں شب بارات کیلئے جمع کیے گئے آتش بازی کے سامان میں آگ لگنے سے پیش آیا۔جیسے ہی بارود نے آگ پکڑی لمحو ں ہی لمحوں ایسا پریشر بنا کہ مکان کی چھت زمین پر آگری اور اس میں رہائش پذیر مکین بالخصوص بچوں کو اپنی جانیں بچانے کا کوئی لمحہ اور موقع میسر نہ آسکا۔اس طرح آتش بازی کے اس غیر قانونی سٹاک نے 4 معصوم بچوں کے ساتھ ماں باپ کو بھی نگل لیا۔ اسی طرح چاندنی چوک کے قریب ایک پختہ مکان کی چھت ایک زوردار دھماکے سے اڑ گئی قرب وجوار میں دہشت پھیل گئی انتظامیہ پولیس نفری موقع پر پہنچ گئی کیونکہ دھماکہ اتنا زور دار اور شدید تھا کہ گمان ہوتا تھا کہ بم بلاسٹ ہوگیا ہے یہاں پر بھی شب بارات کیلئے آتش بازی

کا سامان تیار کیا جارہا ہے کہ جس میں آگ لگنے سے لنٹر والی چھت اڑ کر دور جا گری۔مالک مکان موقع پر جاں بحق ہوگیا جبکہ ہمسایہ کے مکانوں کو نقصان پہنچا۔ سٹی چوک میں متعدد بار آتش باز کے مکان اور دکان کو آگ لگی اور انسانی جانوں کا ضیاع بھی ہوا۔ ریلوے چوک، گلشن مصطفیٰ میں بھی لوگ جھلسے یہ تو صرف ایک شہر کی بات ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں بارود کے بیوپاری اور ڈھیر کئی بیگناہ اور معصوم جانوں کو لقمہ بنا چکے ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی جاتی۔ ہر سال یکم شعبان سے شب بارات تک مختلف گلی محلوں میں خفیہ اور کھلے عام آتش گیر اور دھماکہ خیز مواد کی خرید وفروخت کی جاتی ہے۔یہ لوگ اپنے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگائے ہوئے ہوتے ہیں بچوں کے جھلسنے کے اکثر واقعات تاریخ کا حصہبن چکے ہیں۔ کہیں پر کوئی بچہ ہاتھ جلا بیٹھتا ہے تو کہیں ہاتھ کی انگلیاں غائب ہوتی ہیں۔ کہیں پر چہرے کے زخمی ہونے کی اطلاع ہوتی ہے تو کہیں پر جسم کے جھلسنے کی بات بتائی جاتی ہے بعض اوقات بچوں کی لاپرواہی سے کئی گھر بھی نذر آتش ہو چکے ہیں اور لاکھوں کروڑوں روپے کے نقصان تک بات جا پہنچی۔لیکن ان سارے عوامل کو روکنے، ان کے سدباب اور مرتکب افراد کو کیفر کردار تک Threat نقصانات اور، پہنچانے میں پولیس اور انتظامیہ کا کردار ہمیشہ سوالیہ نشان رہا ہے۔شاذونادر ہی ایسے

موقع بنا ہو کہ کسی آتش باز کو کوئی سزا ہوئی ہو۔ کسی کو کوئی جرمانہ ہوا ہو کہ جس کی بنا پر وہ توبہ تائب ہوا ہو۔اوپر سے زیادہ دباؤ آجائے تو اکا دکا افراد کو پکڑ کر نذر حوالات کرایا جاتا ہے اور اگلے ہی روز وہ پھر اسی کام میں لگا دکھائی دیتا ہے بلکہ اب زیادہ کھلے انداز میں وہ خطرناک کھیل کھیل رہا ہوتا ہے۔ کوئی سدھار دکھائی نہیں دیتا۔ شب بارات کی آمد آمد ہے۔ تمام شہروں میں آتش باز، بارود کے سمگلر اور جانوں کے دشمن سرگرم ہو چکے ہیں ۔ٹڈے، پٹاخے، شرلی، گولہ بم،انار اور پھل جھڑی وغیرہ مارکیٹ میں نظر آنا شروع ہو چکی ہے۔ غیر محسوسانہ انداز میں آتش بازوں نے اپنا سامان مارکیٹ میں پھیلانا شروع کر دیا اور گاہے بگاہے دن رات میں پٹاخوں کی آوازیں بھی سماعت سے ٹکرانا شروع ہو چکی ہیں۔ جس طرح سے پتنگ بازوں اور ان کی خرید وفروخت کرنے والے پر سختی سے پابندی عائد کی گئی اس پر کاربند رہا گیا۔اسی طرح ان تمام افراد کے خلاف سخت ایکشن لیا جانا چاہیے ان کے سامان کو ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف سخت قانونی کاروائی عمل میں لائی جانی چاہیے۔یہ موت فروش افراد جو ان پندرہ دنوں میں موت بانٹتے ہیں اس سے معاشرے کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے۔ شور شرابہ جہاں ذہنی کوفت کا باعث بنتا ہے وہیں پر جسمانی اذیت بھی دیتا ہے۔ تمام ڈی پی اوز کو چاہئے کہ اس سلسلے میں سپیشل اقدامات کرتے ہوئے ان موت فروشوں کو کیفر کردار تک

پہنچانے کیلئے مخصوص ٹیمیں تشکیل دیں تاکہ امن وسکون کو تباہ ہونے سے بچانے کے علاوہ انسانی جانوں کی بھی بچایا جاسکے۔اس سلسلے میں تحصیل کہروڑپکا ہمیشہ سے حساس رہا ہے اور پے درپے واقعات نے اسکی حساسیت میں اضافہ کردیا ہے۔ڈی پی او لودہراں گوہر مشتاق بھٹہ کو اس طرف بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

کتب بینی قصہ پارینہ بن چکی

اکثر شہروں کا یہی حال ہے جو لائبریریاں تھیں وہ یکے بعد دیگرے بند ہوتی چلی گئیں جو اکا دکا بچ گئیں وہ بھی آج نہیں تو کل انتہائی خاموشی کے ساتھ بند کردی جائیں گی۔ کیونکہ آثار کچھ ایسا ہی پتہ دے رہے ہیں۔ طلبا تو دور اساتذہ میں بھی مطالعے کا شوق مفقود ہوتا جارہا ہے۔ یقین نہ آئے تو کوئی بھی شخص اس بارے معلومات کرے تحقیق کرے یا طلبہ واساتذہ سے دریافت کرلیا جائے توانہیں صورت حال کا اچھی طرح سے ادراک ہوجائیگا۔ان سے یہ پوچھ لیاجائے کہ حال ہی میں انہوں نے کون سی نئی یا پرانی کتاب دیکھی یاپڑھی ہے تو صورت حال بہت آسانی سے دماغ میں بیٹھ جائیگی۔ اکثر سے یہی جواب ملے گا کہ عرصہ دراز ہوگیاکتاب کو چھوئے یا دیکھے۔ لوگ اول تو اب کچھ پڑھتے ہی نہیں ہیں اور اگر کوئی تھوڑا بہت باذوق مل بھی گیا تواس کی دلچپی ڈائجسٹ یا رسالوں کی حدتک ہی مقید ہو کر رہ گئی ہے۔ایک وہ بھی وقت تھا کہ جب بہت سے لوگ شاکی تھے کہ اردو والے تو مانگ کرپڑھنے کے عادی ہیں لیکن اب کتابیں مانگنے والی وہ بے چاری مخلوق بھی عنقا ہوچکی ہے۔ جو ارباب علم ودانش اپنے پاس کتابوں کا ذخیرہ محفوظ رکھتے ہیں ان سے کوئی اس بابت گفتگو کرے تو وہ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اب توکتابیں مانگنے کا

سلسلہ بھی قریب الاختتام ہے۔ کل تک جن لوگوں کو دیکھ کر کتابوں کا چھپانے کا جی کرتا تھا انہیں کتاب نہ دینے کے سو سو بہانے کرتے پڑتے تھے آج نگاہیں ان لوگوں کو کھوجتی ہیں ان کی منتظر رہتی ہیں۔ دل میں خواہش ابھرتی ہے کہ کاش وہ سابقہ وقت لوٹ آئے وہ لوگ آئیں اور کتابوں کی ڈیمانڈ کریں۔ بلکہ دل و دماغ اس حد تک راضی بہ رضا ہیں کہ وہ اگر ایک مانگیں تو ہم انہیں دس کتابیں دینے کو تیار ہیں کیونکہ اہل علم و دانش کے نزدیک اس مانگنے اور دینے میں حصول علم کا قابل قدر جذبہ شامل ہوا کرتا تھا۔

بات صرف اردو ادب یا لٹریچر تک ہی محدود نہیں ہے معیاری کتابیں پڑھنے کا ذوق و شوق دوسری زبانوں میں بھی قصہ پارینہ بنتا جا رہا ہے۔ کتب بینی کے شوق کے فقدان کی کئی وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں۔ دیگر زبانوں کے لوگ جنہیں ہم ادب دوست اور حساس طبع کہہ سکتے ہیں کتب بینوں کو متوجہ کرنے کیلئے مختلف عوامل سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ لوگوں بالخصوص طلبا و طالبات کو راغب کرنے اور اس کو احساس زیاں مانتے ہوئے وہ نقصان کی تلافی میں مصروف عمل بھی ہیں۔ مگر ہمارے یہاں اس حوالے سے دور دور تک بے حسی نظر آتی ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ گھر آئے مہمان بھی جو کبھی کسی کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیتے تھے یا وقت گزاری کیلئے کتاب کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے اب تو وہ بھی اس پر آمادہ نہیں ہوتے۔ چونکہ زمانہ بدل رہا ہے انداز بدل رہے ہیں اطوار و افکار تبدیلی

کی جانب مائل ہیں طلبہ کتاب نہیں پڑھ سکتے کہ یہ دور جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ کمپیوٹر لیپ ٹاپ سی ڈی اور تھری جی فورجی کا دور ہے۔ لہذا کاغذی کتابوں کی بجائے انہیں ebook دی جائیں تو شاید وہ راغب ہو جائیں۔ لیکن یہ سب بھی محال نظر آتا ہے ہماری ترجیحات تبدیل ہو چکی ہیں۔ ہم تو اس بات کو بھی ماننے کو تیار نہیں کہ زمانہ اس حد تک بدل چکا ہے۔ وجہ یہ کہ آج بھی ملک خداداد میں کمپیوٹرز تو کجا ایسے علاقے بھی ہیں جن میں بجلی کی سہولت تک موجود نہیں تعلیمی کی سہولیات کا فقدان حکومتی غیر التفاتی کا مذاق اڑاتا ہے۔ اور بالفرض اگر مان لیا جائے کہ ہر گھر میں کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ مہیا کر دیا جائے تو کیا یہ نئی نسل ebooks کو پڑھے گی؟ نہیں ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو نقشہ ہمارے سامنے ہیں اس میں بھی کمپیوٹر کتابیں پڑھنے کیلئے نہیں بلکہ کئی دوسرے مقاصد کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

جب اس قسم کی صورت حال ہے تو پھر ہمیں اصل مرض کیطرف توجہ دینی چاہئے۔ جڑ کو پکڑنا چاہئے۔ کل تک تو یہ ہوتا تھا کہ بچے جب لکھنے پڑھنے کے لائق ہو جاتے تھے تو ماں باپ انہیں اچھی اچھی کتابیں لا کر دیتے تھے کہ انہیں پڑھو ان کے مطالعے سے دل و دماغ روشن ہونگے اب اکثریت ماں باپ خود اس طرف توجہ دینے سے قاصر اور بے بہرہ نظر آتے ہیں وہ خود جب ٹی وی اور کمپیوٹر سے دل بہلاتے ہیں تو بچوں کو کیونکر کتابوں کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ کیونکر اس

سوغات سے انہیں متعارف کرا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی گھر میں اقبال کی شاعری، شہاب نامہ، زاویہ جیسی پر مغز کتب زیر بحث نہیں لائی جاتیں بلکہ ساس بہو اور ان رشتوں میں موجود سازشوں کو ان کم سنوں کے ذہنوں میں پختہ کرنے کی سازش کی جارہی ہے انڈین اور یورپین کلچر کو راسخ کیا جارہا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو بیچارے والدین کا بھی اتنا قصور نہیں کیوں کو ہماری تقریبا دو نسلیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اردو کی عدم توجہ کی بنا پر کتابوں سے دوستی نہیں کی۔ اب یہ والدین، اہل علم، اہل ادب اور بالخصوص حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اردو کتب اور اردو ادب کے فروغ کیلئے اپنی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔ لائبریریوں کو اپ ٹو ڈیٹ کیا جائے انہیں آباد کیا جائے۔ ان کی خستہ سالی اور خستہ حالی کو فوری بنیادوں پر دور کرکے لاکھوں کروڑوں روپے کی کتب کو محفوظ کیا جائے۔ نئی نسل کو کتب بینی کی ترغیب دی جائے یہ بہت ضروری ہے۔

ذہنی بیمار! ملک کیلئے زہر قاتل ہیں

پہلے تولو پھر بولو! اس ایک محاورے کی اہمیت و حقیقت ایک کائناتی سچائی (universal truth) ہے کہ انسان اس وقت معتبر اور معزز رہتا ہے جب تک خاموش رہتا ہے یا جب تک اپنی حیثیت اور اوقات سے بڑھ کر بات نہیں کرتا اس کا امیج بنا رہتا ہے لیکن جیسے ہی بولتا ہے اس کی قابلیت ،لیاقت اور حیثیت عیاں ہوجاتی ہے زبان کو قابو میں رکھنا اور بوقت ضرورت اس کا صحیح استعمال کرنا ایک فن ہے۔ جو کہ سب کو نہیں ملتا۔ ہمارے ہاں بھی آج کل ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنے، ریمارکس پاس کرنے حتیٰ کہ اخلاقیات سے گری ہوئی باتیں کرنے کا ایک طوفان بدتمیزی امڈ آیا ہے۔ دین، آئین، عدلیہ، مقننہ ، فوج، سیاست، صحافت غرض یہ کہ کوئی میدان یا شعبہ ایسا نہیں جس میں ہم ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھال رہے ہوں۔وہ تمام سیاستدان جو تقریر یا گفتگو کے دوران اپنی زبان قابو میں نہیں رکھ سکتے انہیں ہوش میں آجانا چاہیے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکا دینے والے گمراہ کن، تحقیر وتذلیل آمیز، دل آزاری کا سبب بننے والے ،خلاف آئین و قانون بیانات کے ذریعے سے عوام کے اپنا ہم نوا بنا لینگے تو یہ ان کی بھول ہے اور نہایت احمقانہ اور بے وقوفانہ سوچ ہے کیونکہ عوام اتنی بھی بے شعور نہیں ہے کہ ان لغویات اور فضولیات کا ادراک نہ کرسکے۔ ان بیانات کا فائدہ

ہو نہ ہو نقصانات ضرور ہیں .مثلاً: بیان دینے والا اپنے بیان کے ذریعے خود آئینے میں آجاتا ہے کہ اس کی اخلاقیات کیا ہیں اور وہ ظرف کی کونسی منزل کا راہی ہے۔ دوسرا یہ کہ پرنٹ میڈیا اور ٹی وی چینلز نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ عوام سننے اور پڑھنے کے بعد فیصلے کر سکیں کہ کوئی کیا بول رہا ہے کیوں بول رہا ہے کس لئے بول رہا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ عوام اب اسے ہی سنتے ہیں جسے وہ معقول جانتے اور گردانتے ہیں ۔ تیسرا یہ کہ بیان در بیان کے جواب میں بیان کے ذریعے سے نا صرف سیاسی اور ملکی ماحول آلودہ ہو رہا ہے بلکہ ادب اور احترام اور عزت و لحاظ کی تمام حدیں کراس ہوتی جا رہی ہیں اور اگر اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ کل کو آنے والی نسلیں ایسے تاثرات دیدیں کہ ان حدِ ادب آفراد کو تکلیف پہنچے اور وہ سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہ کر سکیں کیونکہ جو بویا جاتا ہے وہ ہی کاٹا جاتا ہے۔اس لئے ہمارے حکمران وسیاستدان اور قلم کار ومقررین اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر ملک و قوم کو ان تمام کثافتوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو بیان دے کر بہت سوں کو متوجہ تو کر لیتے ہیں لیکن پھر وہ اپنا بیان بھی واپس لیتے دکھائی دیتے ہیں اور یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ ان کا بیان توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے حالانکہ انہیں اس بات کو اب تک جان لینا چاہئے کہ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے اس دور میں کسی بھی بات کا چھپا رہنا بہت ہی مشکل بلکہ نا ممکنات میں سے ہے۔ اب بیان دینے والا رانا ثناء

اللہ ہو کہ شرمیلا فاروقی ، شیخ رشید ہو کہ خواجہ سعد رفیق ، نواز وشہباز شریف ہوں کہ عمران خان، میڈیا پرسن ہوں کہ علماء کرام ، بلاول بھٹو ہو کہ حمزہ شہباز یہ اور اسی طرح کے تمام افراد و بیانات قابل مذمت ہیں ۔ان سے نہ تو بیان دینے والے کا قد اونچا ہوتا ہے اور نہ ہی سننے والوں پر کوئی اچھا اثر پڑتا ہے سیاسی بیانات اور تقاریر کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن بغیر سوچے سمجھے منفی جذبات کے تحت کسی کی تذلیل ومزاح یا پھر معاشرے میں تفرقہ اور انتشار پھیلانے والے بیانات ملک کی نام نہاد جمہوری اقدار اوراخلاقیات سے گرنے کے مترادف گردانے جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے بیانات کے دوران سیاستدانوں کا محتاط رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے نزدیک سیاسی فائدہ حاصل کرنا ہے۔

ایک طرف اکیسویں صدی کو ہم ترقی کی معراج گردانتے ہیں اور ترقیات کے موضوع کو اہم ترین موضوع قرار دیتے ہیں دوسروں طرف سطحی ،اخلاقیات سے عارضی ، گمراہ کن اورخلاف قانون وآئین اور مذہب بیان بازی سے ہم یہ ثابت کر رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا ترقی کانعرہ سراسر دھوکہ اور سراب ہے۔ حکومتیں ماضی میں بھی آتی جاتی رہی ہیں اور اس دوران میں سارے موضوعات ،بیانات ،نعرے اور بحث ومباحثے بہت حد تک اخلاقی معیار لئے ہوئے ہوتے تھے ۔اس معیار سے گر کراب محض سیاسی مفادات کیلئے ہونے والی بیان بازی کے بارے بہت احتیاط اور الفاظ کے

محتاط چناؤ کے ساتھ کچھ کہنا ہو تو بھی یہی کیا جاسکے گا کہ یہ ذہنی پستی بلکہ ذہنی بیماری کی علامت ہے اس سے اجتناب از حد ضروری ہے۔اور اب نوبت زبان درازی سے بڑھ کر دست درازی تک آن پہنچی ہے۔سانحہ ماڈل ٹاؤن لاہور کا وقوع پذیر ہوناحکومتی ارباب کی ذہنی و جسمانی پستی کی واضح علامت ہے کہ جس میں اس حدتک شرمناک انداز میں نہتے اور پرامن شہریوں پر شیلنگ، لاٹھی چارج، فائرنگ کی گئی اور جو مناظر دیکھنے کو ملے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید کشمیر یا فلسطین کا کوئی علاقہ ہے جہاں پر غیر مسلم فورسز مسلمانوں کو نفرت انگیز انداز میں صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔کہیں سے محسوس ہی ہوتا تھا کہ یہ مملکت خداداد کی وہ پولیس فورس ہے جو کہ کسی غنڈے یا بدمعاش کے اسلحہ لہرانے پر گٹروں میں منہ چھپائے پھرتی ہے۔یہاں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گلو بٹ کی فورس ہے جس میں ڈی آئی جی سے لیکر کانسٹیبل اور پوشیدہ و بھیس بدلے جیالوں تک گلو کے اشارہ ابرو کے منتظر ہیں کہ ادھر سے اشارہ ہو ادھر نہتے اور معصوم مرد و خواتین اور بچوں کو ادھیڑ کر رکھ دیں۔میڈیا میں ایکسپوز ہونے کے بعد اب بالکل اسی طرح ہو رہا ہے کہ جب بھی وہ اپنے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں مزید سامنے آجاتے ہیں۔جیسا کہ ہسپتال میں پوسٹ مارٹم رپورٹس کو بمطابق مرضی کرانے کیلئے پولیس افسران اور ڈی ایم جی گروپ کے لوگوں کی بھاگ دوڑ کا ایکسپوز ہوجانا۔گلو بٹ کا منظر عام پر آنا۔شہباز شریف اور رانا ثناء اللہ کا لاعلم ہونا جب کہ وزیر اعلی کے بارے

میں دعوی کیا جاتا ہے کہ تمام کام ان کی مرضی سے ہوتا ہے۔ بہرحال جو ہوا بہت برا ہوا ملکی و قومی حالات اس بھیانک عمل کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں لہذا اب زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو بھی کنٹرول کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شر کی چنگاری کسی بہت بڑے الاؤ میں تبدیل ہو جائے اور اس پر قابو پایا بس سے باہر ہو جائے۔

سستے رمضان بازار ! موثر اقدام کی ضرورت ہے

ماہ مقدس آ پہنچا۔ خوش نصیب اور خوش قسمت مسلمان سحر و افطار کا اہتمام کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ نماز،تلاوت و تراویح بھی ادا کی جائیگی۔ ماہ مبارک میں ہر نیکی کو ستر سے ضرب دے دی جاتی ہے یعنی ایک نیکی پر ستر گنا ثواب باری تعالی عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح ایک نماز کا ستر نمازوں، نفل نماز کا فرض نماز کے برابر اجر و ثواب ودیعت کیا جاتا ہے اور جو لوگ خشوع و خضوع کے ساتھ اس کا اہتمام کرتے ہیں یقینا وہ بھی ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ کا مستحق قرار پاتے ہونگے۔ واللہ علم باالصواب کہ کس کو کتنا، کیوں اور کیسے ثواب عطا فرماتا ہے۔ لیکن ایک طبقہ اور بھی ہے جو کہ دو کے چار اور چار کے سولہ کرنے کے چکر میں سر گرداں ہوتا ہے۔یعنی کے تاجر طبقہ ۔ماہ رمضان کی آمد سے قبل ہی یہ طبقہ متحرک ہو جاتا ہے۔ اشیائے خورد و نوش سبزی و پھل وغیرہ کی قیمتیں آسمان پر چڑھادیتا ہے اور پاکستانی غریب عوام سحر و افطار کیلئے اشیائے ضروریہ بھی خرید نہیں سکتی۔اب جبکہ گورنمنٹ نے ستا بازاروں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جو کہ پچھلے سال بھی لگایا تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ستا رمضان بازار ایک قابل تحسین اور شاندار منصوبہ ہے جس کی بدولت روزہ داروں کو تمام اشیائے ضروریہ ایک ہی مقام سے مل جاتی ہیں جو نسبتا سستی بھی ہوتی ہیں تاہم سابقہ سال کی

طرح اس سال بھی ستار رمضان بازار کے ثمرات اور فوائد عوام الناس کو پہنچتے دکھائی نہیں دیتے جہاں مہنگائی نے عوام کی قوت خرید سلب کرتی ہے وہاں بعد بھی کچھ ایسے مسائل ہیں جن کو ذہن نشین کرنا اور کرانا بھی ضروری ہے اگر ان مسائل پر حکومت قابو پا لیتی ہے اور نگرانی پر موجود 14 وزراء اور متعلقہ عملہ ایمانداری اور تندہی سے اپنا فرائض انجام دیتا ہے تو پھر امید کی جا سکتی ہے کہ یہ بازار عام آدمی کو فائدہ بھی دیں گے اور رمضان کریم کی خوشی بھی ماند نہیں پڑے گی رمضان بازاروں کے دوران اکثر یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ ان بازاروں میں ناقص اشیاء اور سامان فروخت کیا جاتا ہے اور نرخ بھی چیک اینڈ بیلنس نہ ہونے کی بنا پر من مرضی کے مقرر کیے جاتے ہیں بعض دکانداروں نے اپنی کیٹاگری بنا رکھی ہوتی ہے ناقص اور غیر معیاری اشیاء کے نرخ حکومت کے مہیا کردہ ہوتے ہیں جبکہ معیاری اور بہتر کوالٹی کی اشیائے کے نرخ تقریبا دوگنا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اکثر اوقات دکاندار اور گاہک کے مابین تلخ کلامی اور جھگڑے تک کی نوبت آجاتی ہے ۔

یوٹیلٹی سٹور پر بھی اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں 5 سے 10 فیصد تک کمی کا اعلان کیا گیا ہے 23 جون سے ان پر عمل درآمد کا عندیہ بھی دیا گیا ہے ہوتا یہ ہے کہ ان دنوں میں چونکہ کھپت اور استعمال زیادہ ہوتا ہے اور کچھ قیمتوں کی کمی بھی ہوتا ہے تو یوٹیلٹی سٹورز پر اکثر عام استعمال کی اشیائے خوردونوش

مثلاً چینی گھی آئل آٹا وغیرہ غائب ہوتی ہے یا انہیں دوسری اشیاء کے ساتھ مشروط فروخت کیا جاتا ہے اب جو شخص چینی آٹا خریدنے کیلئے ترلے کرتا ہو وہ شیمپو کولڈ ڈرنکس، دالیں وغیرہ کیسے خرید سکتا ہے لہٰذا اس پر کٹس کو ختم ہونا چاہیے مذکورہ، اشیاء کے غائب ہونے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اکثر بڑے دکاندار سٹور انچارج سے میں فروخت کر (bulk) ساز باز اور ملی بھگت کرکے آف ٹائم میں ان اشیاء کو بلک دیتے ہیں جس بنا پر یوٹیلٹی سٹورز پر یہ اشیاء ناپید ہو جاتی ہیں اور دکاندار ان کو رٹین کے ریٹ میں بیچ کر کئی گنا منافع سمیٹ لیتے ہیں۔ لہٰذا یوٹیلٹی سٹورز پر چیک اینڈ بیلنس کا انتظام نافذ ہونا چاہیے تمام افراد کو بلا تفریق و تمیز تمام اشیاء ملنی چاہیے اور گڑبڑ کرنے والے سٹور انچارج کے خلاف ضابطہ کاروائی ہونی چاہیے جبکہ وہ دکاندار جو کہ یوٹیلٹی سٹورز کی اشیاء کے پرائیویٹ طور پر فروخت کر رہے ہیں اور ان کو بھی قانون کی گرفت میں آنا چاہیے مصنوئی قلت اور خود ساختہ مہنگائی کا سبب بننے والے افراد سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جانا چاہیے اب یہ انتظامیہ اور سٹاف پر منحصر ہے کہ وہ کب اور کیسے حرکت میں آتی ہے لیکن اب تو کب کا سوال بھی چہ معنی دارد۔ کیونکہ اس وقت بھی اگر انتظامیہ متحرک نہیں ہوتی تو پھر یہ سلسلہ روزافزوں بڑھتا ہی چلا جائے گا انتظامیہ کو چاہیے کہ تمام دکانداروں سٹالز، ریڑھی، پھٹے، ٹھیلے وغیرہ پر فروخت ہونے والی اشیاء کے نرخ نامے واضع انداز میں آویزاں کیے جانے چاہیے شکایت سیل کو موثر انداز میں فعال ہونا

چاہیے س ٹال فری نمبرز کے بینرز آویزاں کیے جانے چاہیں، ذخیرہ اندازوں پر چھاپے مارنے چاہیے اور ذخیرہ شدہ اشیاء قبضے میں لے کر روٹین ریٹس پر فروخت کی جانی چاہئیں۔ بازاروں میں صفائی کے مناسب انتظام سیکورٹی کے موثر انتظامات کے ساتھ ساتھ ٹریفک کو بھی کنٹرول کیا جانا ضروری ہے اور جن وزراء کی ڈیوٹیز لگائی گئی ہے ان کی نگرانی بھی ہونی چاہیے کیونکہ سابقہ تلخ تجربات کی روشنی میں یہ ڈیوٹیاں کا غذات کی حدتک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے ضروری ہے کہ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور ان تمام مسائل کا حل کیا جائے تاکہ ایک عوام دوست اور غریب دوست اقدام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے اور کم از کم رمضان المبارک توسکون سے گزارا جاسکے۔

تحفظ پاکستان بل.....کالا قانون؟

کچھ عرصہ قبل دراب سپیشل آڈیٹوریم میں انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کے زیر اہتمام ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں تحریک انصاف ،ایم کیو ایم، اے این پی، جماعت اسلامی ، بلوچ قوم پرست جماعتیں اور سول سوسائٹی کے ارکان شامل تھے۔ سیمینار کا مقصد یہ تھا کہ تحفظ پاکستان بل کو نا صرف سختی سے رد کیا جائیگا بلکہ ہر سٹیج پر اس کی مخالفت کی جائے گی ۔ سیمینار میں انسانی حقوق کی علمبردار عاصمہ جہانگیر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر پارلیمنٹ نے تحفظ پاکستان بل منظور کیا تو سیاسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ سول سوسائٹی کے لوگ بھی سڑکوں پر ہوں گے بندوق کا قانون کسی صورت میں لاگو نہیں ہونے دیں گے۔ فاروق ستار نے فرمایا کہ یہ کالا قانون ہے اگر دہشت گردوں پر بھی بنایا گیا تو اس کی مخالفت کریں گے ہم ماورائے عدالت قتل کو نہیں مانتے ۔ سیکیورٹی اداروں کو گولی مارنے، بغیر ورانٹ چھاپے اور گرفتاری وجہ بتائے بغیر وراشت میں رکھنے جیسے قوانین انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہیں آج ہمارے ساتھ یہ ہو رہا ہے تو کل خواجہ سعد رفیق اور خواجہ آصف کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اے این پی کے راہنما حاجی عدیل نے کہا کہ اگر یہ قانون قبائلی علاقوں اور وزیرستان میں نافذ نہیں ہو گا کہ یہ قانون بے معنی ہے بے کار ہے جماعت اسلامی کے رہنما

لیاقت حسین بلوچ نے کہا کہ محض معلومات کی بنیاد پر کسی کو گولی نہیں ماری جا سکتی کیونکہ معلومات غلط بھی ہو سکتی ہے اور اسی طرح اس قانون کا استعمال بھی غلط ہو سکتا ہے جیسے کہ اس قانون کو فوجداری قانون پر ترجیح دی گئی اس کے لئے نئی عدالتیں قائم ہوں گی جس کا مقصد یہ ہے کہ من پسند ججز کو تعینات کیا جائے گا اور اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کیے جائیں گے لہٰذا ہم ان کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔ تحریک انصاف کے شفقت محمود نے کہا تھا کہ ہم نے اصولوں کی بنیاد پر اس کو رد کیا ہے اور اس کی مخالفت میں ہر حد کو جانے کیلئے تیار ہیں۔ میں یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ماضی میں نواز شریف نے انسداد دہشت گردی کا قانون بنایا تھا جس پر صحیح معنوں میں درآمد نا ہو سکا اور بالآخر اس کا اطلاق خود نواز شریف پر ہوا۔ بلوچ رہنماؤں کے مطابق یہ جبر واستبداد کا قانون ہے اور انسانی حقوق سے متصادم ہے لہٰذا اس کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے۔

یہ تمام باتیں اور بیانات دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل جو لوگ اور جماعتیں تحفظ پاکستان بل کی شدومد کے ساتھ مخالفت کر رہی تھیں۔ اسے کالا قانون قرار دے رہی تھیں انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی گردان رہی تھیں ان میں سے اکثر بل کے منظور ہونے کے وقت اس کے حق میں فیصلے دیتی رہیں یا خاموشی اختیار کرلی اور خاموشی بھی نیم رضامندی سمجھی جاتی ہے۔ سب سے

زیادہ شور مچانے والے فاروق ستار نے بھی اس کے حق میں فیصلہ دیا جبکہ الطاف حسین اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ رہے ہیں کہ دوستوں نے مشاورت کے بغیر فیصلہ کیا ہے۔

بہر حال ان تمام باتوں سے قطع نظر اس قانون کے تحت ملک میں تھوڑی بہت بچی کچی قانون کی عملداری ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی پولیس جو کہ بے لگام گھوڑے کا روپ دھار چکی تھی سیاستدانوں کے گھر کی باندی بن چکی تھی اب بدمست ہاتھی بن جائے گی سیاستدان اور انکے گرگے کسی بھی شخص کو پولیس مقابلے میں پار کراویں گے اور مرنے والے تک کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ مجھ پر دہشت گرد غدار وطن مخالف یا ملک دشمن عناصر ہونے کا الزام تھا اور اس حوالے سے یہ کبھی بھی ثابت نہ کرپائیں گے کہ مرنے والا ان کا عزیز ایک شریف النفس اور محب وطن شہری تھا اسکا جرم اتنا تھا کہ اس نے اپنے حق کیلیۓ آواز اٹھائی تھی ارباب اختیار وا قتدار کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی تھی کس جاگیردار، وڈیرے یا رسہ گیر کا ناجائز حکم ماننے سے انکار کردیا تھا اور پولیس کو گناہگار ثابت کرنا تو اونٹ کو رکشے میں بٹھانے کے مترادف ہے سابقہ تاریخ واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ کتنے ہی جعلی پولیس مقابلوں میں بے گناہ اور گناہگاروں کو پار کرایا گیا تھا اور آج تک کسی پولیس والے، کسی سرپرستی کرنے والے کسی حکم دینے والے کا واضح ثبوت کے باوجود کچھ نہ بگڑا۔ ہاں ایسی مثالیں موجود

ہیں کہ ان جعلی مقابلوں کو کنڈکٹ کرنے والوں کو ترقیاں دے کر ان کی ”خدمات“ کو سراہا گیا۔ حکومتی رٹ کو چیلنج کرنا ملک دشمنی گردانا جائے گا۔ بالکل صحیح! حکومت کچھ بھی کرتی رہی وہ ٹھیک ہے اور اگر اس کے ناجائز غلط اور خلاف قانون افعال و اعمال کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی تو اس کا گلا گھونٹ دیا جائے گا یہ کونسا انصاف ہے اور کونسا عدل ہے؟ یعنی چند ہاتھوں میں اکثریت کو یرغمال بنانے کی مزید کوشش کی جا رہی ہے۔ ملک کو پولیس سٹیٹ بنایا جا رہا ہے۔ تحفظ پاکستان بل کا نفاذ اور اس پر عمل درآمد کا جتنا بھی عرصہ گزرے گا وہ پاکستانی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہوگا۔ اس کے نافذ کرنے والوں اس کی حمایت کرنے والوں اور اس پر خاموش رہنے والوں کو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

ابابیل کب آئیں گی؟

ہفتہ کے مسلسل جاری اسرائیلی جارحیت اور سفاکانہ کاروائی پر مسلم و غیر مسلم کی آواز گنگ ہے آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں اور کان بہرے ہو چکے ہیں کسی میں بھی بولنے کی سکت اور طاقت نہیں۔ بالخصوص مسلمان تو اس طبقے سے بھی نیچے چلے گئے کہ جہاں پر ظلم کے خلاف اسے دل میں ہی برا خیال کر لیا جاتا ہے اس کی مذمت کر لی جاتی ہے۔
اسرائیلی جیٹ طیاروں کی بمباری نے ظلم و بربریت کی تاریخ رقم کر دی ہے۔ بلا امتیاز معصوم بچوں، عورتوں بوڑھے اور جوانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے 160 سے زائد شہید اور 1000 کے قریب زخمی واپاہج ہو چکے ہیں۔ کم وبیش 60 کے قریب چھوٹے بڑے اسلامی مخالفت ہیں۔ لیکن کوئی بھی اسرائیلی اور یہودی لابی کو روکنے ٹوکنے کیلئے تیار ہیں۔ 50 سال سے زائد عرصہ ہو چکاہے۔ اسرائیل کی نہتے فلسطینی مسلمانوں پر جارحیت کے خلاف کوئی مظبوط اور موثر پلیٹ فارم نہ بن سکا پاکستان سعودی عرب متحدہ عرب امارات، شام، ایران، عراق و دیگر کوئی بھی ایسا نہیں جو اس خونخواری کو روکے۔ اس آگ و خون کے کھیل کی مذمت کرے۔
فلسطین بیٹیاں آج بھی صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہی ہیں لیکن انہیں اپنے چاروں جانب بے حسی، خود غرضی، چاپلوسی اور خالی خولی جہادی نعروں کے سوا

کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔ وہ صرف اور صرف ان کی بے حسی پر ماتم کناں ہیں اور اپنے باپ، بھائی، شوہر اور بیٹوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے مرتا اور سسکتا دیکھ کر اب صرف خدائے واحد سے سوال کر رہی ہیں کہ اے مولا کریم یہ مقتل گاہ کب بند ہوگی ؟ کون ان ظالموں کے ہاتھوں کو توڑے گا؟ کون ان ناپاک نگاہوں کو پھوڑے گا ؟کب صلاح الدین ایوبی آئے گا؟ کب یہ ہوس کے پجاری نام نہاد مسلمان ملکوں کے بادشاہ، شہنشاہ، صدور اور وزراء اعظم اپنے اندر جذبہ ایمانی پیدا کریں گے ؟ یا الٰہی کب یہ خونچکاں منظر بدلے گا۔ اب تو صرف تیرا ہی آسرا ہے۔ دنیا میں کوئی نہیں جو ہماری مدد کرے تو ہی غیب سے ابابیل نازل فرمادے۔ ہمیں وہ وقت بھی یاد ہے جب تیرے گھر کو گرانے کے ناپاک ارادے سے ابرہہ کی فیل کشی کی تھی اور اس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں سکت و ہمت نہ تھی تو تو نے دنیا کو دکھا دیا ابرہہ اور اس قماش کے جتنے بھی فرعون اور ظالم ہیں ان کو ننھے منے ابابیل سے کیسے بھس میں تبدیل کرواسکتا ہے۔ کیسے تو نے ابرہہ کو اور اس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملایا تھا۔ آج بھی کوئی ایسا ہی معجزہ رونما کر کرے ہم بے گناہ ظلم کا شکار ہیں۔ الٰہی رحم فرما۔ رحم فرما بس اسی قسم کی فریادیں اور آہ بکا گولیوں اور جیٹ کی آوازیں میں گونج رہی ہیں۔

اسرائیل دنیا کے کسی قاعدے قانون کی پاسداری نہیں کر رہا۔ کھلم کھلا اقوام

متحدہ کی قرار دادوں کو روند رہا ہے اور وہ ایسے کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے کیونکہ اقوام متحدہ خود بھی ان کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے اسے تو بس مسلمان ہی دہشت گرد دیکھائی دیتے ہیں وہ اگر کسی یہودی یا عیسائی یا کسی بھی غیر مسلم کو کوئی تکلیف پہنچادیں تو پورا اقوام متحدہ اور اس کے بے غیرت اتحادی اور حواری پوری دنیا کو سر پر اٹھالیتے ہیں لیکن ان بے شرموں کو یہ کھلی بربریت اور سفاکی نظر نہیں آتی۔انکی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔زبانوں پر تالے پڑ چکے ہیں۔ او آئی سی مردے کا روپ دھار چکی ہے اسرائیل ہلاکت خیز کیمیائی، جوہری اور جراثیمی ہتھیاروں سے جدید ٹیکنالوجی کے سہارے فلسطین کے شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کرتا جارہے ہیں۔چار سو خون کی ندیاں بہارہا ہے۔کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کہاں گئے وہ جہادی، جہاد کے نام پر اینٹ سے اینٹ بجانے والے۔کیا شام کو اسرائیل کی سفاکی نظر نہیں آتی شام بھی تو اسرائیل سے متصل ہے کیا تمھارا جہاد صرف یہی ہے کی تم انبیا کرام، صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کے مزرات کو مسمار کردو۔ کہاں گیا وہ امیر المومنین کا دعوی کرنے والا بے شرم بغدادی جو کہ مسلمانوں کا خلیفہ بننے دعویدار ہے۔ اس اندھے بہرے اور گونگے کو یہ ظلم دکھائی سنائی دیتا ہے ؟کیا صرف مسلم امہ کو قتل و شہید کرنا تمہارا وطیرہ ہے ؟کیا خود کش حملے ہی تمھارے جہاد کا حصہ اور بنیاد ہیں؟ ابھی تک تمھاری طرف سے کوئی گولی راکٹ اور بالخصوص خود کش حملہ نہ ہو سکا۔ ہاں ہاں تم وہ لوگ ہو جن کے بارے میں آقائے نامدار محمد عربیؐ

اور صحابہ فرما گئے تھے ”خوارج کافروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام کریں گے" یہ خوارج دراصل ان خبیثوں کا گروہ ہے جو کہ مسلمانوں کے اندر فتنہ ہیں اور آپؐ کا "فرمان ہے" اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد وثمود کی طرح قتل کروں

ترک وزیراعظم کے سوا پاکستان اور پوری دنیا میں اسرائیل کے خلاف احتجاج کا ٹوپی ڈرامہ رچایا جارہا ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر کسی کو اپنی پڑی ہے کوئی بھی امریکا صاحب سے اپنے تعلقات خراب کرنے کا خواہاں نہیں ہے۔اور ویسے بھی ان لوگوں کے احتجاج کا ان پر کوئی اثر ہونے والا نہیں۔ جنھوں نے احتجاج کرنا ہے وہ بے شرمی کی چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس، اقوام متحدہ او آئی سی و دیگر کا کہیں کوئی کردار نظر نہیں آتا لہٰذا اگر آج بھی مسلمان نہ جاگے اسرائیل لعنتی جیسے منہ زور گھوڑے کو لگام نہ ڈالی اور نکیل نہ کسی تو پھر تمہاری داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ اب بھی وقت ہے کہ تمام مسلم امہ بالخصوص مسلم ممالک متحد ہوکر اور باآواز بلند اس کی مذمت کریں اور اگر نہیں مانتا تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں کوئی عار محسوس نہ کریں ہی انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام ہوگا

آئی ایم ایف یا برکس ! پاکستان کیلئے سود مند کون؟

آئی ایم ایف جو کہ ایک عرصہ سے دنیا بالخصوص ترقی پذیر ممالک کو اپنے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہے اپنی جائز ناجائز خواہشات، شرائط اور مطالبات منوانے کیلئے کسی حد تک جاسکتا ہے۔ اور اس کی بہت سی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ کسی اور کی بات کیا کیجئے۔ خود مملکت خداداد میں ہر شعبے میں آئی ایم ایف کا ظالمانہ کردار واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ کس طرح طوفان بد تمیزی برپا ہے کہ لوگ بھوک وافلاس کی وجہ سے اپنے بچوں کو بیچ رہے ہیں۔ خود ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر رہے ہیں کہ یہ پل پل کا مرنا ان سے دیکھا نہیں جاتا ہے۔ لیکن اب کہیں پر روشنی کا نقطہ ہو چکا ہے جو رفتہ رفتہ ظلمت کے ان اندھیروں کو خیرہ کردے گا اور آئی ایم ایف کی اجارہ داری کا جلد از جلد خاتمہ ہو جائیگا یا کم از کم ترقی پذیر ممالک مزید اس کی ہوس ناکیوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے۔ وہ روشنی کا نقطہ دنیا کی پانچ ابھرتی ہوئی طاقتوں کی تنظیم برکس (brics) ہے جو کہ پانچ ممالک برازیل، روس، انڈیا، چائنا اور ساؤتھ افریقہ پر مشتمل ہیں۔ جنہوں نے ترقیاتی اور حادثاتی فنڈ کیلئے ایک بنک قائم کیا ہے، جس کا مقصد رکن ممالک میں انفراسٹرکچر اور ترقیاتی منصوبوں کیلئے آسان شرائط پر قرضہ فراہم کرنا ہے۔ ان پانچ ممالک نے ابتدائی طور پر 50 ارب ڈالر کی مدد سے اسے قائم کرنے

کا فیصلہ کیا جس کا مجموعی حجم 200 عرب ڈالر پر مشتمل ہوگا جس کا مرکزی دفتر چین میں ہوگا اور چیف ایگزیکٹو بھارت ہوگا جبکہ ایک علاقائی دفتر جنوبی افریقہ میں کام کریگا۔اس میں چین نے 41 ارب ڈالر بھارت ،برازیل،روس نے 18,18 ارب ڈالر مختص کیے ہیں اور جنوبی افریقہ نے اپنا حصہ 5 ارب ڈالر دیا ہے۔

برکس میں اہم کردار چائنا اور بھارت ادا کر رہا ہے بھارتی سابقہ وزیراعظم ڈاکٹر من موہن سنگ کا کردار نہایت ہی قابل تحسین ہے جنھوں نے اس گروپ کی تشکیل میں قابل قدر کردار ادا کیا ہے یہ پانچوں ممالک دنیا کی آبادی کا 40 فیصد ہیں یعنی 3 ارب کی آبادی کو اس سے مستفید کیا جائیگا اور آئی ایم ایف کی ظالمانہ شرائط سے چھٹکارا حاصل کیا جائیگا جس کی واضح مثال چین کے صدر ہوجن تاؤ کے یہ الفاظ ہیں" ہم ترقی پزیر ممالک کے محافظ اور ساتھی ہیں عالمی امن کے فروغ میں موثر قوت کے طور پر اپنا کردار کریں گے" ۔اسی صورت حال پر ورلڈ بنک اور اس کے کرتا دھرتا یہ کبھی بھی برداشت نہیں کریں گے کہ عالمی سطح پر ان کی اجارہ داری اور مناپلی ختم ہوجائے یا کم ہوجائے اور اس مقصد کیلئے وہ کسی بھی حدتک جا سکتے ہیں۔لیکن اگر آئی ایم ایف اور برکس کے درمیان معاشی و اقتصادی مقابلہ کی دوڑ شروع ہوتی ہے تو اس کا فائدہ ترقی پذیر ممالک کو لازمی پہنچے گا اور پھر دونوں ادارے اپنی اپنی بالادستی اور

اہمیت کو قائم رکھنے کیلئے آسان شرائط پر قرضے دینگے تاکہ ان کی مقبولیت کا گراف بڑھتا جائے۔

ان تمام حالات کے پیش نظر پاکستان کو بھی اپنی اقتصادی و معاشی پالیسیز کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا اور اس تناظر میں بالخصوص یہ دیکھنا ہوگا کہ آئی ایم ایف اور برکس میں سے کون کتنا مناسب ہے اور یہ سب کام اپنے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں کرنا ہوگا پاکستان کے حکمران اور معاشی ماہرین کو اپنی روایتی ہٹ دھرمی اور پالیسیوں کو چھوڑ کر انقلابی پالیسیوں کو اپنانا ہوگا۔ روایتی پالیسیوں کو نظر انداز کرکے یا ان کے حالات کے مطابق تبدیلی کرکے خطے میں ہونی والی اقتصادی و معاشی ترقی سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہوگا ورنہ پاکستان ہمیشہ کی طرح پھر سے پیچھے رہ جائیگا کیونکہ جس طرح سے پاکستان آئی ایم ایف سے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے اس سے ہماری معیشت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے ہماری عوام کا بھی دیوالیہ نکل چکا ہے۔ آئے روز کی مہنگائی، پٹرول، گیس، ڈیزل کی قیمتوں میں اضافہ، بجلی کی بلوں میں ہوشربا اضافہ، اشیاء خورد نوش کا نایاب ہوجانا سب آئی ایم ایف کے اشاروں اور ہدایت پر ہوتا ہے "کوئی مرے نہ مرے ساڈے پنج کھرے" کے مترادف ابتر حالات کے باوجود روزافزوں اضافہ نے عوام کا سانس لینا بھی دوبھر کر دیا ہے۔ اور یقینا اس میں سارا قصور آئی ایم ایف کا بھی

نہیں ہے بلکہ ہماری تمام سیاسی جمہوریت کے رکھوالوں کا ہے جن کے بے بہا اخراجات بے مقصد کے وزٹ، سستے رمضان بازاروں کا ٹوپی ڈرامہ، عوام کو ریلیف دینے کے کھوکھلے نعروں، رمضان بازاروں کے دوروں پر اٹھنے والے لاحاصل اخراجات نے ان کو تو یقینا فوائد اور ثمرات دیے ہونگے لیکن عوام تاحال ترسی ہوئی ہے۔

ایک بات اور ! جس طرح ان پانچ ممالک نے بلاک بنا کر امریکہ کی مت ماردی ہے آئی ایم ایف کا گراف نیچے کر دیا ہے تو کیا 62 مسلم ممالک مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر متحد نہیں ہو سکتے کیا ان ممالک کے پاس وسائل کی کمی ہے جو ان کو ایک مٹھی بھر یہودیوں کا غلام بننے پر مجبور کرتی ہے ان تمام مسلم ممالک کو بھی برکس کی طرز پر اپنی طاقت کو دکھانا ہوگا۔ ان کو یہ باور کرانا ہوگا کہ کتنا زور بازوئے مسلم میں ہے۔اسرائیل نے انسانی اخلاقی اصول و قواعد کی تمام حدیں عبور کرلیں ہیں۔ یورپ بالخصوص امریکہ بہادر اس کی مخالفت کسی صورت مول لینے کا روادار نہیں۔اور اب تو اسرائیل میں خود یہودی بھی اسرائیلی بربریت کے خلاف نکل آئے ہیں۔اب یہی وقت ہے ضرب کاری لگانے کا۔اگر یہ وقت بھی ہاتھ سے گنوادیا گیا تو پھر دنیا بھر میں موجود مسلمانوں کو ذلت و رسوائی سے کوئی بچا سکے۔

مارشل لاء نہیں تو پھر کیا.....؟

مارشل لاء جو کہ پاکستان میں اب تک چار مرتبہ نافذ ہو چکا ہے بظاہر تو اس کے نفاذ کے حالات واقعات کچھ ہوتے ہیں لیکن در حقیقت اس کے اسباب تا حال معمہ ہیں جو کہ آج تک واضح نہیں ہو سکے۔ لیکن ہر مرتبہ ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ جن کی وجہ سے فوج کو حکومت کی باگ دوڑ سنبھالنا پڑی اب یہ کام فوج نے اپنی خوشی اور رضا مندی سے کیا یا کسی ایک جنرل کی اپنی خواہش تھی یا کہ دوسرے افسران کی معاونت و رضا بھی شامل تھی یا یہ ملک و قوم کے مفاد میں با امر مجبوری نافذ کیا گیا۔ یہ ایک الگ بحث ہے مگر بظاہر حالات ایسے ہوئے کہ فوج کو آنا پڑا۔ مملکت خداداد میں پہلا ماشل لاء جنرل ایوب خان نے 1958 میں لگایا اور آئین پاکستان کو منسوخ کر دیا۔ اس طرح یحییٰ خان نے 1969 میں دوسرا مارشل لاء نافذ کیا جس کا موجب بھی جنرل ایوب اور ان کے تحریر کردہ خط کو گردانا جاتا ہے جبکہ تیسرا مارشل لاء جنرل ضیاء الحق نے 1977 میں لگایا جس میں آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ معطل کر دیا گیا تھا اور آخری مارشل لاء جنرل پرویز مشرف نے 1999 میں لگایا جس میں انھوں نے ایک نیا عہدہ تخلیق کیا اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی بجائے چیف ایگزیکٹو کے طور پر اپنی ذمہ داریاں سرانجام دی۔

اب موجودہ حالات جس ڈگر پر گامزن ہیں ان میں کیا ہو سکتا ہے ؟مارشل لاء لگ سکتا ہے یا نہیں ؟کیا ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ فوج کو میدان میں اترنا پڑ سکتا ہے وغیرہ ان تمام باتوں کو سمجھنے کیلئے ہمیں سابقہ لگائے جانے والے مارشل لاز کا جائزہ لینا ہوگا تجزیہ کاروں اور مبصرین کی آرا کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا کہ کن حالات و واقعات کی بنا پر ملک میں نافذ آئین کو منسوخ یا معطل کرنا پڑا۔اگر ہم 1969 اور 1977 کا مارشل لاء کے حوالے سے واقعات و حالات کا بنظر غایت تجزیہ اور مشاہدہ کریں تو ہم بخوبی اس کا ادراک حاصل کر سکتے ہیں ان ادوار میں حالات بہت کشیدہ تھے ملک کے کئی بڑے شہروں میں معمولات زندگی مفلوج ہو چکے تھے اور روز مرہ کے معاملات معطل تھے جلسے جلوس ہڑتالیں احتجاجی مظاہرے اور کئی مقامات پر توڑ پھوڑ کرنے کے واقعات بھی رونما ہو چکے تھے صنعتیں بند ہونے جارہی تھی سول اور فوجی انتظامیہ کی پابندی کے باوجود مظاہرے جلسے اور جلوس جاری تھے۔ معاملات حکومت کی رٹ سے باہر ہو چکے تھے۔ملک میں افرا تفری اور انتشار کی فضا پرورش پا رہی تھی۔ مہنگائی سرابھار رہی تھی لوگوں کا زندگی گزارنا اجیرن بنتا جارہا تھا یہ تھے ملکی کے حالات۔ جبکہ 1999 کے مارشل لاء کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ قواعد و ضوابط کی دھجیاں اڑاتے ہوتے فوج کے سربراہ کو تبدیل کیا جارہا تھا جو کہ ایک بھیانک زندگی ہے حالانکہ پرویز مشرف کو ہوا میں ہی فوج کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ جنرل عثمانی ، جنرل محمود و دیگر افسران پرویز مشرف کی

سپورٹ میں اپنی فوجی کاروائی میں مصروف تھے اور پھر وہی ہوا کہ وقت کے وزیراعظم کو خمیازہ بھگتنا پڑا اور شاید وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے بھیانک غلطی تسلیم کرتے ہیں اور انہیں کرنا بھی چاہیے ۔اور اب جو حالات ہیں وہ 1999 سے کئی زیادہ بدتر ہیں مختصر یہ ہے کہ مارشل لاء کو، اس کے نافذ کرنے والے بھی برا خیال کرتے ہیں ان کے مطابق مارشل لاء کسی بھی ملک و قوم کی ترقی اور خوش حالی کے لئے انتہائی مہلک ہے۔ بعض نے اسے غیر فائدہ مند اور بے سود قرار دیا اور کچھ نے اس بات کا دفاع بھی کیا کہ ملکی حالات و واقعات اور ملکی سلامتی کیلئے اس کی ضرورت پیش آئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں مارشل لاز کے نفاذ کے باوجود اسکی وجوہات کو ختم یا کم کرنے کی کوشش کی گئی ۔کیا ہمارے سیاستدان جو جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ جمہوریت کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے ہیں آمریت کو اپنی موت گردانتے ہیں ان لوگوں نے ایسے کیا اقدامات کیے کہ ملک میں مارشل لاء کی نوبت ہی نا آئے ۔جی ہاں ! انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ گذشتہ کئی ہفتوں سے ایسی کئی فاش غلطیاں کی اور بیانات جاری کیے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مارشل لاء اب لگا کہ تب لگا۔ لیکن بھلا ہو جنرل راحیل شریف اور ان کی ٹیم کا کہ جنہوں نے تحمل و برداشت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کچھ لوگ اسے این آر او کا شاخسانہ بھی قرار دیتے ہیں کہ 3 انتخابات تک مارشل لاء نہیں لگے

گا۔ جمہوریت جمہوریت کھیلنے والوں کو صرف اپنے مفادات کیلئے ہی جمہوریت نظر آتی ہے۔ سابق چیف جسٹس آف پاکستان تصدق حسین جیلانی نے ریٹائرمنٹ کے موقع پر کہا کہ ” ایسی جمہوریت نہیں چل سکتی جو زندگی میں مثبت تبدیلی نہ لا سکے“۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی جمہوریت سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے اور پھر اہل اقتدار سیاستدانوں کا بار بار یہ گردان کرنا کہ جمہوریت کو خطرہ ہے اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ وہ جسے جمہوریت مانتے ہیں اور جس میں انہیں بے لگام لوٹ مار کی آزادی کے موقع حاصل ہیں وہ ختم نہ ہو جائے۔ بہرحال پاکستان حالت جنگ میں ہے۔ پاکستان ملکی غیر ملکی دہشت گردی سے مختلف محاذ پر نبرد آزما ہے ضرب عضب آپریشن کی بنا پر جہاں دہشت گردی کے مسئلے سے چھٹکارا مل رہا ہے وہیں پر آئی ڈی پیز کی ایڈجسٹ منٹ اور ان کا واپسی مسئلہ منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑا ہے۔ ان حالات میں اگر پاکستان آرمی کے لئے آرٹیکل 245 کو جواز بنا کر مختلف شہروں میں جلسے جلوس کو کنٹرول کرنے کیلئے ڈیپوٹ کیا جائے۔ شہر اقتدار کو 3 ماہ کیلئے فوج کی تحویل میں دے دیا جائے تو یہ حکومت کی ناکامی اور نااہلی کا ثبوت ہے اور نااہل حکومت ملک و قوم کے مفاد میں کسی بھی طرح قبول نہیں۔ اگر سیاست دان ملک و قوم کے لئے اور بالخصوص اپنے لئے مخلص ہیں تو پھر انہیں ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ آرمی کو اس طرف دیکھنا ہی نہ پڑے۔ اور یہ بھی سمجھایا جائے کہ مارشل لاء تو پھر کیا اقدامات ملک و قوم کے بہترین مفاد میں ہیں۔

انقلاب، آزادی اور جمہوریت کی کھچڑی

جب مغرب نے جمہوریت کو خوبصورت اور دل فریب پری کی صورت میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تو اس کی جو تھوڑی بہت خوبیاں تھیں اسے لوگوں کے سامنے نہایت ہی بڑھا چڑھا کر پیش کیا سرمایہ دارانہ نظام کی تلخیوں اور بے ہودگیوں کو جمہوریت کے خوبصورت لبادے میں ملفوف کرکے چھپانے کی بھرپور کوشش کی گئی تاکہ لوگ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کو بھول جائیں اور یہ لوگ بھولی عوام کو دونوں ہاتھوں سے انہیں لوٹتے رہیں اور اس میں تقریبا دو صدی تک کامیاب بھی رہے۔ پھر اشتراکی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کے مدمقابل پیش کیا گیا۔ چونکہ یہ بھی ایک غیر فطری نظام تھا اس لئے اس کا خاتمہ بھی روس کے حصے بکھرے ہونے پر ہوگیا۔ مغربی جمہوریت پر بھی اب آوازیں اٹھنے لگی ہیں اور ناکامی اور پسپائی نے اس کا راستہ بھی دیکھ لیا ہے۔ مشہور جرنلسٹ کلدیپ نیئرؔ کہتے ہیں کہ ”بدنصیبی سے پورے جنوبی ایشیا میں جمہوریت ناکام ہوچکی ہے“ انہوں نے صرف جنوبی ایشیا کی بات کی ہے حالانکہ عالمی سطح پر اس کو ناکام طرز حکومت قرار دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نظام کی وجہ سے عوام الناس غربت و افلاس، جہالت و بے شعوری کی دلدل میں دھکیلے جارہے ہیں۔ 85 فیصد سے زیادہ وسائل صرف 10 فیصد امراو خواص

کی عیاشیوں اور اللے تللوں پر صرف ہو رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کیپٹل ازم اور ڈیموکریسی دونوں ایکدوسرے کو کور دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن اب ان کا خاتمہ بھی بعید از قیاس نہیں کیونکہ مغربی جمہوریت کا نام نہاد لبادہ اب اترنے لگا ہے۔ ہاں ایک اور عنصر جس نے سرمایہ داران نظام اور مغربی جمہوریت کو ڈھال دی وہ ہے دہشت گردی کا خودساختہ عفریت۔یہ بھی چندلوگوں کی ایماپر مسلمانوں بالخصوص پاکستانیوں پر تھوپا گیا ہے تاکہ انسانیت اور انسانی حقوق کا مسئلہ پس منظر میں چھپا رہے اور لوگ بالخصوص مسلمان موجودہ نظام کی خامیوں اور خرابیوں کی طرف متوجہ نہ ہوسکیں اور متحد ہوکر اس کے خلاف برسرپیکار نہ ہوسکیں

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان تینوں نظاموں کےپنپنے اور پھلنے پھولنے کی وجہ صرف اور صرف مسلم حکومتوں کا یہودی نواز ہونا ہے حالانکہ کوئی بھی مسلم مملکت ایسی نہیں جو یہودیوں کی دست برد کا شکار نہ ہوئی ہو۔ مسلمانوں میں مسلک، فرقہ واریت اور لسانیت کا ناسور پھیلا کر یہودیوں اور غیر مسلم طاقتوں نے ہمیشہ سے تماشا دیکھا ہے تو دوسری طرف غدار قوم وملک اسلام کے مضبوط قلعوں میں دراڑیں ڈالنے میں مصروف عمل ہیں جن کے جدامجد میر جعفر و میر صادق جیسے غدار ہیں۔امریکہ اور اسرائیل ان کے سرپرست ہیں۔ان تمام صیہونی، عیسائی اور غیر مسلم باطل قوتوں سے نمٹنے کیلئے ،ان کی ریشہ

دوانیوں کو ختم کرنے اور ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کیلئے ایک ایسی طاقت قوت اور نظام کی ضرورت ہے جو کہ ان کے خلاف نا صرف سیسہ پلائی دیوار کا کام، دے بلکہ اپنے حامیوں کو جان و مال عزت و آبرو کا تحفظ بھی فراہم کر سکے اور مسلم امہ کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکے تو وہ نظام صرف اور صرف اسلامی حکومت کا قیام ہے کہ جسکی مدد سے آج کے حالات کے پیش نظر دنیا بالخصوص اسلامی دنیا میں بیداری کی لہر کو پیدا کیا جاسکے۔ خاندانی اور موروثی اجارہ داری سے بیزاری کا رجحان پیدا کیا جاسکے۔ اور اس کی لہر بھی چل نکلی ہے جس کی شروعات ایران کے اسلامی انقلاب سے ہو چکی ہے۔ایک وقفہ کے بعد اب طبل انقلاب بج چکا ہے جس کی مثال امریکہ کی افغانستان اور عراق میں پسپائی ہے مگر اس کیلئے لا تعداد انسانی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا گیا ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی انقلاب کشت و خون کے بغیر رونما نہیں ہو سکتا۔انقلاب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ انقلاب یا ارتقا ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے اور قوت ڈھل جانے کا نہیں" ڈھال لینے کا نام ہے۔ مڑ جانے کو قوت نہیں کہتے موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصد حیات، کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں۔ جو بلند مقصد کیلئے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں جن کو دنیا میں آسائش اور سہولیات مطلوب ہوں جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ سے دب جانے

والے ہوں ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ تاریخ انسانی میں نہیں پایا جاتا۔تاریخ بنانا صرف بہادروں کا کام ہے انہی نے اپنے جہاد اور اپنی قربانیوں سے زندگی کے دریا کا رخ پھیرا ہے۔دنیا کے خیالات بدلے ہیں۔ منہاج عمل انقلاب پیدا اور برپا کیا ہے۔ زمانے کے رنگ میں رنگ جانے کی بجائے زمانے کو خود اپنے رنگ میں رنگ کے چھوڑا ہے''۔ ہم سوشلسٹ انقلاب کی بات کرتے ہیں نہ کہ چین کے انقلاب کی۔ہم اتاترک کے سیکولر انقلاب کو زیر بحث لاتے ہیں نہ ہی کسی اور کے انقلاب کی کہ جس کو ایک بڑی آبادی نے مسترد کردیا ہو۔ہم بات کرتے ہیں اسلامی نظام حکومت کی اسلامی انقلاب کی ۔جس طرح سے مذکورہ بالا نظاموں کو آزمایا گیا یا جارہا ہے اگر صرف ایک بار دنیامیں نظام اسلام کا نفاذ کردیا جائے۔ اس کی تائید نہ ہو تو کم از کم اس کی مخالفت اور اس کے خلاف سازشیں نہ کی جائیں۔طاقت کو انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے صرف کیاجائے تو وہ نظام چار پانچ سالوں میں دنیا کو سو فیصد وہ سب کچھ دے گا جس کو آج تک مغربی جمہوریت، سوشلسٹ انقلاب، کمیونسٹ انقلاب ، سیکولر انقلاب سو اور دو سو سال میں نہ دے سکے۔ لیکن ایسا ہونے نہیں دیا جائیگا کیونکہ وہ خاص طبقہ انسانیت کی بھلائی چاہتا ہی نہیں۔ انہیں تو بے لگام آزادی چاہئے ۔مدر پدر آزادی معاشرہ چاہئے۔ آوارہ گردی بدکاری عیش و عشرت سے بھرپور زندگی چاہئے تاکہ دنیا میں ایک ایسی زہریلی فصل بو دی جائے جو ایڈز اور کینسر کی طرح پوری دنیا میں سرایت کرجائے۔

مملکت خداداد میں اسوقت بڑی عجیب سی کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ جمہوریت کی علمبر دار حکومت جمہوریت اور اقتدار کو بچانے کیلیئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ وہ انقلاب مارچ اور آزادی مارچ کرنے والوں سے اس قدر خوفزدہ ہوچکی ہے کہ افواج پاکستان کی خدمات لے چکی ہے جو کہ بذات خود انکی ناکامی اور پست حوصلگی کا ثبوت ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوچکی ہے کہ ان لوگوں کے نعروں سے انقلاب آگیا تو کیا ہوگا۔ ہمارے کھابے، عوام کی کمائی پر عیش و عشرت، گردنوں کے سریے، تنی طنابیں سب ختم ہوجائیگا۔ دوسری طرف انقلاب انقلاب کا نعرہ لگانے والے بھی خود اپنی جگہ پریشان ہیں کہ اگر انقلاب نہ آسکا تو ہمارا کیا بنے گا؟ حکمران اور عوام ہمارا ککھ نہیں چھوڑیں گے۔ اور ویسے بھی فی الوقت انقلاب کے حوالے سے اس کے پورے لوازمات غیر واضح اور دھندلاہٹ کا شکار ہیں۔ فی الحال یہ سب زبانی جمع خرچ دکھائی دیتا ہے۔ بہرحال اس کھد کھد کرتی کھچڑی میں اصل تڑکہ عوامی شمولیت کا ہی لگے گا ورنہ تو یہ کھچڑی پک پک کردم توڑ دے گی اور سوائے مالی، ذہنی اور جسمانی نقصان کے کچھ نہیں ملے گا۔ ابھی تک نہ تو حکومت نے ہی کوئی ایسی اصلاحات، سہولیات اور ریلیف عوام کو فراہم کیا ہے کہ جس سے عوام کو یقین آجائے کہ اہل اقتدار و اہل ثروت ہمارے خیر خواہ ہیں جس طرح ماضی و حال میں ہمیں سہولیات دیں ہمارے صحت تعلیم روزگار مہنگائی بجلی گیس پانی و آٹا کے مسائل حل کیئے ماضی میں بھی ایسا ہی

ہوگا یا اس سے بہتر ہوگا ایسی کوئی مثال کوئی اشارہ کوئی کلیہ دکھائی اور سجھائی نہیں دیتا۔ بعینہٖ حکومتی تختہ الٹنے والوں نے بھی ابھی تک کوئی لائحہ عمل بلکہ قابل عمل لائحہ عمل نہیں دیا کہ جس پر یقین اور اعتماد کرکے قوم ان کے ساتھ کھڑی ہوجائے۔ تمام راستے ماضی کی مشکوک اور غیر یقینی صورت حال سے دھندلائے ہوئے ہیں۔ عمران خان ہو کہ طاہر القادری یا پھر کوئی زید بکر جب تک عوام کو واضح اور غیر مبہم مستقبل، محفوظ و مامون پاکستان اور خوشحال عوام کی حقائق پر مبنی فلم نہیں دکھائی جائیگی اس وقت تک کوام ساتھ چلنے کیلئے تیار نہیں ہوگی۔ یہ بار بار کی ڈسی عوام یقینا بہت کچھ جان اور سمجھ چکی ہے۔ لالی پوپ دے کر انہیں اب بہلانا ذرا مشکل ہے

المختصر حکومت ہو کہ عوامی نمائندے یا پھر کوئی سیاسی مذہبی جماعتیں انقلاب و تبدیلی کا اصل سرچشمہ عوام ہیں۔ عوام کی طاقت کے بغیر، ان کی شمولیت کے بغیر، ان کے تعاون اور کوآپریشن کے بغیر نہ تو سسٹم تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے کیونکہ تن من دھن عوام کا ہی لٹنا ہے۔ لہٰذا اہل اقتدار اپنی حکومت کو بچانے کیلئے اور اہل انقلاب و اہل آزادی انقلاب و تبدیلی لانے کیلئے عوام کو رام کریں۔ پس جو جیتا وہی سکندر۔

عوام کا کیا قصور ہے؟

گورنمنٹ کے تمام مفروضوں اور سوچوں پر پانی پڑچکا ہے کہ طاہرالقادری اور عمران سرکس لگاکر عوام کو بے وقوف بنارہے ہیں اور ان کی ڈگڈی پر کوئی تماشہ دکھانے والے نہیں گورنمنٹ stable ہے اور انکے سرکس اور کرتبوں سے عوام سوائے محظوظ ہونے کے کوئی رسپانس نہیں دیں گے لیکن طاہرالقادری نے یوم شہدا منا کر انقلاب مارچ کا اعلان کردیا ہے کہ وہ 14 اگست کو عمران خان کے ساتھ اسلام آباد میں اپنا دھرنا دیں گے اور احتجاج ریکارڈ کرائیں گے اسی طرح عمراں خان نے گورنمنٹ کو لال جھنڈی دکھادی ہے کہ فی الحال مذاکرات اور بات چیت نہیں ہوسکتی۔ 14 اگست کے بعد ہی میں سنااور سنایا جائیگا۔ دل ،دماغ، آنکھ ،کان سب انقلاب مارچ اور آزادی مارچ کے شور میں کچھ بھی سوچنے، سمجھنے اور سننے سے قاصر ہیں۔ عمران خان اور طاہرالقادری کے لہجوں میں سختی اور رویوں میں شدت آتی جارہی ہے۔ اسی طرح دوسری طرف گورنمنٹ کے وزراکے آگ لگانے والے بیانات بھی جلتی پر تیل کا کام کررہے ہیں۔ اور معاملات میں حدت و شدت کی وجہ سے point of no return کی صورت پیدا ہوگی ہے۔ جس کی بناپر ملک میں بے چینی، تفکرات ، عدم اعتماد ، عدم تحفظ وعدم استحکام کی فضاپیدا ہو گئی ہے دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ جاری ہے درمیان میں بے بس عوام خوامخواہ مشق ستم بنی ہوئی ہے۔ ہر دو

فریقین کا دعوی ہے کہ وہ عوام الناس کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں لیکن موجودہ حالات اسکی شدت سے نفی کر رہے ہیں۔ معاملات کو ہمیشہ پیار اور محبت سے سدھار اور سلجھایا جاتا رہا ہے اور اب اس کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔ کیونکہ نفرت کا جذبہ صرف اور صرف ڈٹ جانے کا جذبہ ہے۔ انتقام کو پروان چڑھانے کا نام ہے۔
معاشرے میں عدم برداشت چڑچڑاپن اور بات بے بات قتل و غارت عام ہو جاتی ہے اور یہ منفی رویے انسانی معاشرے کو تباہ.برباد کردیتے ہیں بالخصوص نوجوان طبقہ اس کا سب سے زیادہ شکار ہوتا ہے اور قومی سطح پر بحیثیت قوم ان رویوں نے ملک و قوم کا ستیاناس کر دیا ہے۔ ہمارے یہ رویے غیر حقیقی اور غیر فطری ہیں۔ جنہوں نے ہماری بقا اور سالمیت کو خطرہ سے دو چار کیا ہوا ہے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں امن و سکون ہو جان و مال کا تحفظ ہو۔ برداشت کا مادہ ہو۔ ایک دوسرے کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت و طاقت ہو تو پھر محبت کو عام کرنا ہوگا ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو جاننا اور ماننا ہوگا قوم کے نوجوانوں میں جذبہ محبت و ایثار پروان چڑھانا ہوگا۔ عفوو درگزر، تحمل و.بردباری کا مظاہرہ کرنا ہوگا قنوطیت پسندی، شکوک و شبہادت کو دلوں سے نکالنا ہوگا۔ امرا، وزرا اور اہل اقتدار کو ملکی حالات کے پیش نظر اپنی اپنی زبانوں کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ ان کو اپنا طرز گفتگو۔ طرز عمل، طرز زندگی، طرز سیاست طرز حکومت اور طرز بادشاہت جو کہ عوام الناس کیلئے وجہ اشتعال بن جاتا ہے، بدلنا ہوگا۔ بے سروپا مفروضے گھڑ کر خود فریبی کی راہ اپنانے کا

طرز عمل چھوڑنا ہوگا۔ کیونکہ جب ان کے مفروضے مٹی کا ڈھیر ثابت ہوتے ہیں تو وہ عقل و حکمت سے بے پرواہ ہو کر اپنے لئے اور اپنے حکمرانوں کیلئے مشکلات پیدا کر لیتے ہیں ۔ نوازو شریف بھی ایسے ہی ٹولے میں گھرے ہوا ہے جنھوں نے ان سے انکی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی ہے اور بوکھلاہٹ پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں اٹھنے والا ہر قدم انہیں اور ملک و قوم کو عمیق گہرائی کی طرف لے کر جارہاہے۔ جمہوری اقدار کا پرچار کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنی توانائیاں لغویات میں ضائع کرنے کی بجائے ملک وقوم کی بھلائی اور ترقی کیلئے استعمال کریں ۔اپنے لئے اور حکمرانوں کیلئے گڑھا نہ کھودیں۔ اسکی ایک مثال سے وضاحت کرنا چاہوں گا کہ ایک شخص عرصہ دراز سے روزگار اور حالات سے بڑا دلبرداشتہ تھااور چاہتا تھا کہ زندگی کا خاتمہ کرلوں اسی سوچ کے تحت وہ جنگل کی جانب عزم سفر ہوا اللہ کے حکم سے راستے میں عزرائیلؑ انسان شکل میں اس سے ملے اور پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی اسے نے سارے حالات بتادے ۔ آپؑ نے اسے کہا کہ یوں کرو کہ تم حکمت کی دوکان کھول لو اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کردو۔ وہ شخص خوب ہنسا کہ مجھے تو حکمت کی ابجد سے واقف نہیں میں کیسے کسی کا علاج کرونگا؟ عزرائیلؑ نے فرمایا کہ جب تم کسی مریض کو دیکھنے جاؤ تو یہ دیکھنا کہ میں اس کے سرہانے کھڑا ہوں یا پاؤں کی جانب۔ اگر سرہانے کھڑا ہوں تو تم اسے جو بھی دوا دوگے اسے افاقہ ہوجائیگا اور اگر اس کے پاؤں کی جانب نظر آؤں تو کہ دینا کہ مریض کا آخری وقت ہے۔ چنانچہ حکمت شروع کردی

اور دنوں دنوں میں ہی اکی قابلیت اور صلاحیت کے چرچے زبان زدہو گئے۔ حکیم صاحب خوش حال ہو گئے۔ وقت گزرتا گیا حکیم صاحب کا وقت اجل آگیا۔ بستر علالت پر ڈھیر تھے کہ عزرائیل کو اپنے پاؤں کی جانب کھڑے پایاتو فوراًاٹھ کر دوسری طرف لیٹ گئے۔ عزرائیل پھر پاؤں کی جانب آ نمودار ہوئے۔ دوچار بار کی اس حرکات کی وجہ سے گھروالوں نے سمجھا کہ انہیں شدید بے چینی ہے۔ لہٰذا انہیں چارپائی پر باندھ دیا تاکہ حرکت نہ کر سکیں۔ عزرائیل پھر سے پاؤں کی جانب کھڑے مسکراتے نظر آئے ۔حکیم صاحب اٹھ نہ سکے۔ لہٰذا انھوں نے عزرائیل سے کہا کہ مجھے تو اپنوں نے مروادیا تم سے تو میں لیتا ہے۔ نواز شریف اور ان کی کابینہ کو سابقہ غلطیوں سے سبق لینا چاہئے ۔ عوام کو ذلیل وخوار نہ کریں ۔یہ تینوں فریقین عوام کو بتائیں کہ اس مقابلے میں عوام کو کیا ملا؟ دھکے، ڈنڈے، سوٹے، گولیاں، روڈ بلاک ۔ اسلام آباد میں ایک طرح کی ایمرجنسی نافذ ہے۔ 144 کا نفاذ ہے۔ پیٹرول پمپ بند ہیں ۔ موٹروے، لاہور اور اسلام آباد کے تمام راستے سیل ہیں۔ ماڈل ٹاؤن کا محاصرہ ہو چکا ہے مظاہرین کے ساتھ ساتھ مکین بھی محصور ہو کر رہ گئے ہیں جا بجا کھڑی روکاٹوں سے شہریوں کو آمدورفت میں شدید مشکلات ہیں۔ کاروبار زندگی مفلوج ہے۔ مریضوں کو ہسپتال پہنچنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ کچھ مریض طبّی امداد میں تاخیر پر راستے میں دم توڑ گئے۔ حتیٰ کہ دلہے اپنی دلہن لیے بغیر ہی واپس لوٹ گئے۔ کارکن مر رہے ہوں کہ پولیس والے یا پھر عوام۔ ان سب کا ذمہ دار کون ہے؟ حکمران، طاہرالقادری

یا عمران خان۔ چونکہ حکومت کا اپر ہینڈ ہے لہذا حکومت کو اب بھی فہم فراست سے ان معاملات کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دوراندیشی کا مظاہرہ کرے اور غیر دانشمندانہ اقدام سے گریز کرے اور جسٹس خالد محمود کی ہدایات کے مطابق نوازشریف کو عمران خان کے گھر جاکر بھی حل نکالنا پڑے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ملک کا مفاد ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔

تکون کو توڑنا ضروری ہے !

ملک کو آزاد ہوئے 68برس بیت چکے ہیں ۔اس ملک میں یوم آزادی اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی جوش وجذبے سے منانے کی کوشش کی جارہی ہے ۔گورنمنٹ کی اس امر میں دلچسپی بھی بہت سے سوالوں کو جنم دے رہی ہے۔ پہلے تواگست کا مہینہ شروع ہوتے ہی آزادی کے حوالے سے ہلہ گلہ شروع ہوجاتا تھا اور 14اگست کے بعد مکمل طور پر خاموشی چھاجاتی تھی لیکن اس مرتبہ حکومت پاکستان بالخصوص پنجاب حکومت نے سرکاری عمارتوں اور دفاترکے علاوہ نیم سرکاری اورغیر سرکاری عمارتوں اورلوگوں کواس سلسلے میں motivateکیااور اب یہ عالم ہے کہ آپ کو ہر ویگن ،رکشہ،بس ،بس سٹینڈز حتی کہ گدھاگاڑی اور بیل گاڑی پر بھی سبز ہلالی پرچم لہراتا نظرآتا ہے ۔نہایت ہی قابل تحسین کاوش اور اقدام ہے۔اور ہماری خواہش بھی ہے کہ یوم آزادی اور اس سے متعلقہ تقاریب کے علاوہ ہماری دوسری تقاریب بھی اس طرح زورشور سے منائی جائیں۔ہمارے مذہبی و قومی ہیروز کے یوم پیدائش و یوم وفات کو بھی پروجیکشن دی جائے۔تاکہ نئی پود کو معلوم ہوسکے کہ ہمارے آباء نے اس دنیا میں کیاکیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اب ہم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر ملک و قوم کے لئے کارآمد ثابت

ہو سکیں۔ لیکن اس بدنصیب ملک کے بدنصیب باشندے حیران و پریشان ہیں کہ اتنی خوشیاں کس خوشی میں منائی جارہی ہے کیونکہ ابھی تک حالات تو 1947 والے ہی ہیں کچھ بھی تو نہیں بدلا، وہی غربت وہی فاقہ مستی ،وہی ظلم و ستم ہے جبر و تشدد ہے بے روزگاری ہے ۔وہی آہ و فغاں وہی نالہ و شیون ہے۔ اس طرح مزدور پس رہاہے کسان مر رہاہے ۔تنزلی کا شکار ہے ۔ غریب غریب تر ہوتا جارہاہے اور امیر امیر تر۔ غریبوں کے مکان اور کپڑے تک بک چکے ہیں جبکہ امیروں کے بنگلوں اور کوٹھیوں میں وسعت آ گئی ہے ۔ہاں ان 68.برسوں میں اگر کچھ بدلا ہے تو وہ ہے چمڑی اور رنگت ۔ کہ سفید چمڑی اور گوری رنگت والوں کی جگہ گندمی اور کالی چمڑی والوں نے لے لی ہے۔ جو کہ جشن آزادی منارہے ہیں اور ہر طبقہ کو بذریعہ دھونس اور طاقت اس جشن میں شمولیت میں مجبور کر رہے ہیں انہیں صرف اور صرف اپنی کرسی اور اقتدار کی فکر ہے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ مملکت خداداد کے حصول کیلئے لاکھوں پاکستانیوں نے مصائب جھیلے۔ صعوبتیں.برادشت کیں۔ تازیانے سہے ۔ گولیوں کا نشانہ بنے تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ بستیوں کی بستیاں سنسان کروائی گئی ۔ یہ قربانیاں اس لئے دی گئی ہیں کہ ہم نہ صرف غیر ملکی،.برطانوی اور ہندو تسلط سے آزاد ہو جاہیں جبکہ ہمارا معاشرہ بھی ہر طرح کے استحصال سے کیا ہو۔ لیکن عملی طور پر کچھ نہیں بدلا جبکہ ہم براہ راست غلامی سے بالواسطہ غلامی میں جکڑ دیے گئے ہیں ۔ اگرچہ ملک بظاہر سیاسی طور پر

اور معروضی طور پر آزاد ہو گیا لیکن معاشی طور پر ابھی تک اسی نظام میں جکڑا ہوا ہے
۔ حکمران طبقہ کی وجہ سے ہم آزادی کا حقیقی مزہ نہ لے سکے

موجودہ نظام سامراجی قوتوں ، سرمایادارانہ دلالوں اور لٹیرے لینڈلارڈز
پر مشتمل ہے ہر طبقہ اور ادارہ ان کی گرفت میں (triangle) جاگیرداروں) کی تکون)
ہے ملک کی ساری دولت ان کی تجوریوں ور بنکوں میں جمع ہو رہی ہے۔ جب تک یہ
تکون (مثلث) نہیں ٹوٹے گی جب تک اس مثلث کے زاویے تبدیل نہ ہوں گے تو اس
وقت تک عوام حقیقی آزادی کے معنوں سے بے بہرہ ہونگے اور نہ ہی ترقی و خوشحالی ان
کا مقدر بن سکے گی اور اس کا خاتمہ پارلیمانی طریقے سے ہونا ممکن ہی نہیں ۔ یہ ایک تلخ
حقیقت ہے اور اس تلخ بیانی پر بہت سے احباب اقتدار سیخ پا بھی ہونگے لیکن حقیقت یہی
ہے ہر بار یہ تینوں طبقے چہرے بدل بدل کر سامنے آجاتے ہیں اور پھر لوٹ کھسوٹ کر
چلے جاتے ہیں ۔

اس وقت ملک میں جو صورت حال پیدا ہو چکی ہے طاہر القادری اور عمران خان انقلاب
کے نعرے اور آزادی دلوانے کیلیئے سرگرم عمل ہیں ۔ انہیں چاہیئے کہ عوام کے مسائل
مصائب مشکلات کے واضح اور قابل عمل حل دے کر عوام کو اپنا حامی بنائیں ۔ عام
جمہوریت اصل چہرہ عوام کے سامنے لائیں ۔ بے

پر کی نہ اڑائیں۔ سول نافرمانی جیسی تحریکیں فی الوقت نا قابل عمل ہیں ۔ان لوگوں کے متبادل پیش کریں ۔ اگر عوام پاکستان حسب سابق ان لٹیروں ، جاگیر داروں صنتکاروں اور سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنسی رہی تو اس کے بعد موجودہ قعر مذلت سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی اور سجھائی نہیں دے گی اگر عوام پاکستان یہ سمجھتی ہے کہ موجودہ حکمران ملک و قوم کے مفاد میں نہیں ہیں تو پھر پرامن طریقے سے اپنا احتجاج ضرور ریکارڈ کروائیں تاکہ حکمران ان کے بارے میں کوئی بہتری کی راہ نکال لیں اور ترقی و خوشحالی ان کا مقدر بن سکے اسی طرح انقلابی عناصر بھی متحد ہو کر عوام کی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھ کر صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں ۔احتجاج ، جلسے ،اور دھرنے سے بالفرض حکومت تبدیل نہیں بھی ہوتی تو نہ سہی لیکن کم از کم انکے رویوں میں، ان کی نخوتوں میں ، گردنوں میں موجود سریوں میں لچک اور تبدیلی ضرور آئے گی اور یہ پہلا قطرہ مستقبل میں آنے والے حکمران کو بہت کچھ سکھا اور سمجھا کر جائیگا

منزل مقصود بھی مل جائیگی لیکن اثر

آپ پہلے راہ چلنے کا ارادہ کیجئے

وزیراعظم کا ترقی کا سفر تیز کرنے کا عزم

پولیس اور عوام کے درمیان دوریاں، فاصلے، نفرت، بداعتمادی، خوف اور ڈر کے نام کی خلیجیں عرصہ دراز سے حائل ہیں اور بدستور بڑھتی جارہی ہیں اور ان فاصلوں کو ان نفرتوں اور اس بداعتمادی کو ختم کرنے کی کوششیں بھی اور منظم انداز میں ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں ہیں بالخصوص حکومتی حلقوں میں تو اس حوالے سے بالکل جمود طاری ہے۔ اس کی ایک وجہ یقیناً ان کی اپنی مرضی بھی یہی ہے کہ عوام جتنا زیادہ پولیس سے دور رہے گی، پولیس سے خوف زدہ ہوگی اتنا ہی ان کو اپنے کام نکلوانے میں آسانی رہے گی۔ اشرافیہ، امراء اور سیاسی گرگوں کی اجارہ داری بنی رہے گی۔ 1860 میں بنایا جانے والے پولیس کے نظام کا مقصد بھی یہی تھا کہ عوام میں حکمرانوں کا خوف و دبدبہ قائم رکھا جائے۔ عوام کو پولیس کے خوف میں مبتلا کرکے اپنی من مرضی کے کام کئے جاسکیں۔ انگریز نے عوام اور بالخصوص مسلم عوام کو دبانے کیلئے پولیس کو اس حد تک فعال اور طاقت ور بنادیا کہ وہ خوف کی علامت بن گئی۔ سندھ پولیس بھی اسی کا شاخسانہ تھی۔ پھر 1934 میں باقاعدہ طور پر پنجاب پولیس متعارف ہوئی اور جرم اور مجرموں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے مختلف diciplanary and administrative فنکشنز کا نفاذ ہوا۔ لیگل فریم ورک

کے تحت صوبے power of devolutionآف پولیس میں بڑی تبدیلیوں کے بعد سے ضلعی اختیارات منتقل کر دیئے گئے۔تاکہ عوام کے دلوں میں پولیس کے خلاف خوف وبداعتمادی کی فضا کو ختم کیا جاسکے۔ اور اس کو بھی مزید بہتر بنانے کیلئے Public accountability of police کا نظام متعارف کرایاگیا۔ اور پھر پبلک سیفٹی کمیشن کو تعارف کرایا جانا بھی پولیس کو عوام میں مقبولیت دلانا تھا۔ان بارہابار کی تبدیلیوں اور اصلاحات کا مقصد بھی پولیس سسٹم میں بہتری لانا اور اسے عوامی بنانا تھا،اب بھی ہے اور شاید رہے گا بھی۔

پولیس اور عوام کے درمیان تناؤ اور کھینچا تانی کو کم کرنے کے حوالے سے ملک اور خاص طور پر پنجاب میں کہیں کہیں سیمینار منعقد کرکے اس تناؤ اور ٹینشن کو کم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان میں کتنا اخلاص تھا یا ہے یہ اس کی مقبولیت اور اثر پذیری سے ثابت کیا جاسکتا ہے موجودہ حالات کے پیش نظر نتائج فی الحال صفر ہیں۔جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس محکمے کو سدھارنا جوئے شیر لانا کے مترادف نظر آتا ہے لیکن اگر اس بات کو مد نظر رکھ کر کام کیا جائے کہ " دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں بس اخلاص اور جہد مسلسل ہونا چاہئے" تو اس محکمے میں بھی سدھار لایا جاسکتا ہے اور عوام اور پولیس کے درمیان حائل خلیج کو پاٹا جاسکتا ہے۔اس کے لئے معاشرے میں ہر فرد کو اپنی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا کیونکہ جہاں ان کے حقوق ہیں وہاں ان

پر فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔ اور ان کے حقوق بہتر انداز میں اسی وقت مل سکتے ہیں جب وہ اپنے فرائض بھی بہتر انداز میں ادا کریں۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ اگر رشوت کے ساتھ ساتھ سیاسی اثر ورسوخ پولیس سے نکال دیا جائے، پولیس کو بطور محکمہ ٹریٹ کیا جائے اسے سیاسی رکھیل نہ بنایا جائے کسی بھی معاملہ کو میرٹ پر حل کرنے کی اجازت دی جائے ۔ مظلوم کی داد رسی ہو اور ظالم کی رسی کھینچی جائے ۔ علاوہ ازیں ختم کردیا جائے influence صحافتی سرگرمیوں کو اثر انداز نہ ہونے دیا جائے، محکمانہ اقرباپروری ، اپنی پسند و ناپسند کی ترجیح کو نکال دیا جائے پولیس میں زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھرتی کیا جائے ، انکی تربیت بھی جدید اور تعلیمی طریقوں پر کی جائے اور سب سے اہم بات کہ پولیس کو سہولیات کی فراہمی بہتر کی جائے جس میں نفری میں اضافہ، تنخواہ اور سہولیات میں اضافہ ، 24 گھنٹے ڈیوٹی میں کمی ، جدید آلات کا مہیا کیا جانا تویقینا پولیس کی کارکردگی اور پولیس کا عوام سے باہمی تعلق 75 فیصد تک خوشگوار اور بہتر ہوسکتا ہے ۔اور معاشرے سے پولیس کا خوف ، پولیس سے نفرت اور بداعتمادی کی فضا کو ختم کیا جاسکتا ہے

پولیس اور عوام کے درمیان خوشگوار تعلقات کو پروان چڑھانے کیلئے اصلاحی و تفریحی پروگرامز کی مدد سے اس خلا کو بہتر انداز میں ختم کیا جاسکتا ہے۔ عوام اور پولیس کے درمیان باہمی تعاون کے حوالے سے حکومتی سطح پر اور

پرائیویٹ طور پر ورکشاپ کا اہتمام ضروری ہے جس میں عوام اور پولیس کو ان کی اپنی اپنی ذمہ داریوں سے کے بارے میں بریف کیا جائے۔ اور آٹھ طبقات جس میں صحافت، آرمی، عدلیہ، وکلا، سیاستدان، ججز اور بیوروکریٹس شامل ہیں جن کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں کہ ان سے بچا جائے۔ جبکہ مذکورہ بالا تمام ادارہ جات کو بھی نہ Interferene چاہئے کہ وہ پولیس اور ان کے متعلقہ معاملات میں خواہ مخواہ کی کریں اور اپنی ذمہ داریاں اور فرائض کے مطابق مداخلت کو شعار بنائیں۔ اس حوالے سے گذشتہ ادوار میں کاوشیں بھی کی گئیں۔ اس امر کو قابل عمل بنانے کیلئے ورکشاپ کا انعقاد بھی کیا گیا۔ جس کا مقصد پولیس کا ''قبلہ درست'' کرنا مطلوب تھا کیونکہ اس بات کو یقیناً شدت سے محسوس گیا گیا کہ اس محکمے میں سدھار لانا از حد ضروری اور وقت کی ضرورت ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ عملہ گریجویٹ ہوگا اور محرر و ڈیوٹی افسر کمپیوٹر لٹریٹ رکھے جائیں گے۔ ان تھانوں میں کمیونٹی پولیسنگ کا نظام رائج کیا جائے گا یعنی روایتی انداز میں جھاڑ پلانے کی بجائے مشروبات سے عوام کی تواضع کی جائے گی اور گالی گلوچ اور بدتمیزی کلچر کی بجائے سب کو عزت و احترام دیا جائے گا۔ گشت کا نظام موثر بنانے کیلئے دو دو گاڑیاں اور دس دس موٹر سائیکلز دی جائیں گی۔ جناب کی سوچ اور پالیسی قابل ستائش ہے لیکن دیکھئے گا کہ ایسا نہ ہو جائے کہ ''کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا'' عملہ کی حد تک تو بات دل کو لگتی ہے کہ گریجویٹ ہوگا لیکن یہ مشروبات پلائے جائیں گے تو ان کی

کرنا ہونگے کہ '' جی pay کون کریگا یہ تو یقینا حسب سابق سائل کو ہی payment
جاندے ہوئے بوتلاں دا بل پے کرجانا تہانوں تے پتہ ای اے کہ اجکل خرچہ بوہتا ہو
جاندا اے۔ ویسے آپس کی بات ہے کہ اتنا تو حق بھی بنتا ہے کہ سائل عزت و آبرو کے
ساتھ تھانے سے واپس جارہا ہے۔ اسی طرح پولیس اور احترام یہ تو آگ اور پانی کو اکٹھا
کرنے والی بات ہو گئی۔ حلق سے نہیں اتر رہی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ماڈل تھانے کام
کر رہے ہیں لیکن معمول سے ہٹ کر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی دیکھا گیا
ہے کہ پولیس جتنی زیادہ متحرک دکھائی دیتی ہے کرائم کی شرح میں اضافہ بھی زیادہ
کیوں چلتے ہیں حالانکہ گراف تو parallel ہوجاتا ہے نہ جانے یہ ایک دوسرے کے
معکوس ہونا چاہیئے۔ لہٰذا تھانوں کو ماڈل بنانے کی بجائے ان ٹریننگ سنٹروں کو اس نہج
کیا جائے کہ جہاں سے یہ کانسٹیبل، اے ایس آئی، ایس آئی اور انسپکٹر establish پر
کے مترادف اگر Nip the evil in the bud وغیرہ تربیت حاصل کرتے ہیں یعنی
تربیت گاہ میں ہی ان کو بے گناہ اور گناہگار سے ڈیلنگ کے بارے میں روایتی انداز سے
ہٹ کر آگاہی دی جائے، تربیت دی اور تربیت دینے والے کو بھی تربیت یافتہ ہوں روایتی
حوالدار اور کمانڈر نہ ہوں تو پھر یہ ماڈل تھانے بنانے کی ضرورت ہرگز ہرگز پیش نہیں
آئے گی۔ پھر ایس ایچ او، تفتیشی یا کسی بھی رینک کے افسر کو جرات اور اجازت نہ
ہوگی کہ کسی شریف اور بیگناہ کی پگڑی کو اچھالیں اور گناہگاروں کو کرسی اور عزت
دیں۔ بہرحال ہم دعاگو ہیں کہ آپ اپنے اس

مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔اور پولیس کا قبلہ درست سمت اختیار کرلے۔

کنویں کے مینڈک !

ہمیں فرانس ، رومانیہ، مصر، عراق، ایران ، لیبیا کی مثالوں کو نہیں بھولنا چاہئے کہ جب وہاں پر انقلاب آیا تو بادشاہت اور شہنشاہت کی دھجیاں اڑادی گئی عوام کا پرامن احتجاج جب ایک بے ہنگم ہجوم کی شکل اختیار کرتا ہے تو پھر شاہ اور اس کے وفاداروں کو کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ پھر انکے جسموں اور لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹا جاتا ہے۔ انہیں نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے جب عوام اپنے حقوق کیلئے سنجیدگی کے ساتھ ٹی وی اسکرین سے سامنے بیٹھنے کی بجائے سڑکوں پر آکر بیٹھ جاتی ہے تو پھر مذکورہ بالاممالک میں ہونے والے واقعات کو رونما ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن اس میں ایک بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ یہ انقلابات صرف چند مخصوص افراد ،ٹولہ یا کسی ایک جماعت کے کارکن کے احتجاج سے ظہور پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ اس میں ہر طبقہ فکر کے لوگ موجود تھے یعنی کے عوام ۔وہی عوام جس کیلئے جمہوریت بنی اور جن سے جمہوریت بنی۔ موجودہ حکومت بھی اس بات کو ہوا دے رہی ہے اور ہٹ دھرمی پر اتری ہوئی ہے۔ بھئی کہ آپ ملک کی سب سے معزز اور پاور فل اتھارٹی ہو کر بھی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں اپنے قول و فعل سے مکر جاتے ہیں اور ایک باوقار اور قابل احترام ادارے اور اس کے سربراہ کی عزت داؤ پر لگانے پر تل جاتے ہو اس لئے کہ نام نہاد پارلیمانی

جماعتیں آپ سے سوال کرتی ہیں کہ ہم سے پوچھے بغیر کیسے اس عمل کا حصہ بن گئے ۔ان کو خوش کرنے کیلئے آپ اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ کر اپوزیشن لیڈر کی تیلی پر آگ لگانے پر اتارو نظر آتے ہو۔ ملک خداداد میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بحران میں شدت آئی جا رہی ہے حکومت ایک ایسی گلی میں بند ہو چکی ہے کہ اس میں تو تیلی گلی بھی موجود نہیں ۔لے دے کے ایک فوج کی مدد اور تعاون نظر آتا تھا لیکن میاں صاحب کی چست چالاکیوں نے اس پر بھی بہت سے سوالیہ نشان کھڑے کر دیئے ۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ شریف.برادران کی اولادوں میں بھی اس بات پر سخت مزاحمت سامنے آتی کہ شہباز شریف استعفی دیں ۔ بیٹے نے باپ کی وزارت بچانے کیلئے کہہ دیا ہے کہ ہر مرتبہ ہم ہی کیوں قربانی کا بکرا بنیں ؟اسی طرح ایم کیو ایم حکومت گرانے کیلئے مکمل طور پر تول چکی ہے استعفوں کی بات چل نکلی ہے جن پر تکیہ تھا وہی ہے پتے ہوا دے کر حکومت کو نمونیہ میں مبتلا کر رہے ہیں کیونکہ مسائل حل ہونے کی بجائے گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں گتھیاں الجھتی جا رہی ہیں ۔ محب وطن شہری پریشان ہیں ۔روزگار جو کہ اس ملک میں ویسے ہی نا پید ہے اب ملنا محال ہو چکا ہے۔

تمام سیاسی پارٹیاں اس بات پر متفق ہیں تو عمران خان اور طاہرالقادری صاحب کے الزمات سو فیصد نہیں تو نوے فیصد درست ہیں۔ان کے مطالبات بھی ایک مطالبہ کے علاوہ درست دکھائی دیتے ہیں۔ان میں سب سے اہم نکتہ انتخابی اصلاحات ہیں

جن کا ملک میں فی الفور نافذ کیا جانا از حد ضروری اور تقاضائے وقت ہے۔حکومت نے دباؤ میں آکر کمیٹی تو بنادی ہے لیکن ہمیشہ کی روایات پر سختی سے کاربند حکومت نے اس پر کوئی کام شروع نہیں کیا ہے صرف کاغذات کی حد تک نافذالعمل ہیں۔مسائل کو حل کرنے اور معاملات میں سدھار لانے کیلئے ضروری ہے کہ حکومت روایتی ہٹ دھرمی کو چھوڑتے ہوئے اسے قابل عمل بنائے مثلاً پارلیمنٹ کا ممبر بننے کیلئے قابلیت اور خاصیت کا ہونا ضروری ہے۔جبکہ تعلیم تو اس کا لازمی جزو ہونا چاہیے۔بی اے کی شرط بھی بہت سی قباحتوں کو ختم کر سکتی ہے سرمایہ دار، جاگیر دار جو کہ ہمیشہ پیسے کے بل کر پارلیمنٹ کا حصہ بنتے رہے ہیں تعلیم کی شرط ان کا بھی قلع قمع کر دے گی۔اس حوالے سے یہ ply لی جاتی ہے کہ ان نواردوں کو تو آئین کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہوتی وہ کیا قانون سازی کریں گے تو اس کا مدلل اور واضح جواب یہ ہے کہ آپ نے تیس تیس سال گزارنے کے باوجود رتی برابر بھی ملک و قوم کے مفاد میں کوئی قانون سازی نہیں کی سوائے اپنے پیٹ بھرنے اور حکومتی خزانے کو ہڑپنے کے۔ کیونکہ آپ کی سوچ کنویں کے اس مینڈک طرح ہے جو ناگہانی طور پر سمندر میں جانے کے باوجود کنویں میں ہی آنے کا سوچتا ہے۔لہٰذا نئی جنریشن اگر کچھ دے نہ سکی تو کم از کم کھائے گی بھی نہیں۔
مشاہدے کی بات ہے کہ پارلیمنٹ میں اپر پنجاب یا صوبائی دارلحکومت کی

نمائندگی کرنے والے چند افراد بولتے چیختے دکھائی دیتے ہیں جبکہ پسماندہ علاقے اور اضلاع کے ایم این ایز اور ایم پی ایز صرف ڈیسک بجانے کی حد تک اپنا فریضہ انجام دے کر اپنے علاقوں کی نمائندگی کرتے ہیں ان کو بھی اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ آئین و قانون کو کسی مقصد کیلئے بنایا جارہا ہے آیا کہ اس کا نفاذ قابل عمل بھی ہے کہ نہیں۔ یہ آئین عوام کے حق میں کتنا مناسب اور کارآمد ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کب بادشاہ کا مزاج خوش ہو کب ملاقات کی اجازت ملے اور کب ہم اپنے لئے کوٹہ اور صوابدیدی فنڈ لے کر اپنی خود کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کریں۔ یہ عمل بھی ختم ہونا چاہئے۔ اگر پڑھے لکھے اور سمجھ بوجھ رکھنے والے تو پارلیمنٹ کا حصہ بنیں گے تو بہت سی خرابیاں اور خامیاں اپنی موت آپ مر جائیں گی۔ امیدوار کی قابلیت اہلیت اور علاقے میں پسند و ناپسند کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام ووٹوں کا پچاس فیصد سے زیادہ حصل کریں علاوہ ازیں اس حلقہ کے انتخابات کو کالعدم قرار دے کر دوبارہ کرائے ہیں۔ ملک کا وزیراعظم دو مرتبہ سے زائد اس عہدہ پر فائز نہ ہو سکے۔ وزارتیں متعلقہ لوگوں کو دی جائیں۔ کسان مزدور، انجینئرز، ڈاکٹرز، اساتذہ، تاجر وغیرہ کے طبقات سے کم از کم 40 فیصد نمائندگی ہو۔ ان کیلئے کوئی مخصوص لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ مخصوص نشستوں پر بھی اہل اور قابلیت و لیاقت رکھنے والے افراد کو پسند ناپسند سے ہٹ کر انتخاب کیا جائے۔ وراثتی اور خاندانی سیاست کی حوصلہ شکنی کی جائے اور ایک

خاندان سے صرف ایک ہی فرد ممبر قومی یا صوبائی اسمبلی بن سکے ۔ آصف زرداری ، نواز شریف ، محمود اچکزئی ۔ چوہدری برادران کے رشتہ داروں اور عزیز داروں کی بڑی تعداد عوامی ٹیکس کو باپ کا حال سمجھ کر ہڑپ کرتے جا رہے ہیں یہ پریکٹس بند ہونا چاہیے۔ کسی بھی جرم میں سزا یافتہ کو نااہل قرار دیا جائے جبکہ ہمارے ہاں یہ علامت بن چکی ہے کہ جس نے جیل کاٹی ایم این اے یا ایم پی اے شپ پر اسکا پشتینی حق ہے ۔ شرابی ،زانی، جواری، بے ایمان، دھوکہ باز، نادہندہ وغیرہ کو الیکشن کیلیے اہل ہی قرار نہ دیا جائے۔ جب ہم تمام مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ملک و قوم کیلیے سوچیں گے تو یہی انقلاب ہے یہی تبدیلی ہے اور یہی جمہوری اور پارلیمانی نظام ہے۔ جس کے سب خواہاں ہیں۔

...... لیکن ! ایک طبقہ ایسا بھی ہے

1965 کی پاک بھارت جنگ کو 48 سال کا ایک عرصہ بیت چکا ہے 6 ستمبر کو بھارت نے اپنے ناپاک کی عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پاکستان پر حملہ کر دیا یہ وہ وقت تھا کہ جب پاک فوج کشمیر میں مصروف عمل تھی کہ ہڈیارہ کے مقام سے بھارتی مولوں نے ٹینک توپوں سے مسلح ہو کر حملہ کر دیا مقصد یہ تھا کہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر لاہور پر قبضہ کرلیا جائے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ پاکستانی شاہین ان مولوں کو دبوچنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی توپوں کے دھانے کھول دیئے اور بھارتی افواج کی ایک مکمل بریگیڈ کو پاکستانی فوج کی ایک کمپنی کے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا اور دنیا پر بھی واضح کردیا کہ پاکستانی شاہین ہر طرح کے حالات سے نبردآزما ہونے کیلئے پیدا ہوئے ہیں ۔یہ بات دنیا کی تاریخ میں ریکارڈ کے طور پر درج کرلی گئی کہ پاکستان فوج ایک ناقابل تسخیر فوج ہے میجر عزیز بھٹی شہید میجر حبیب شہید اور سینکڑوں افسروں اور جوانوں کے ساتھ ساتھ اہلیان لاہور اور گلوکاروں، شاعروں، اداکاروں نے بھی پاک آرمی کے شانہ بشانہ اپنی اپنی استطاعت و طاقت سے بڑھ کر کام کیا اور افواج پاکستان کا حوصلہ بڑھا۔

آج بھی ایک طرف پاک فوج شمالی وزیرستان میں دہشت گردوں اور ملک دشمن عناصر کے خلاف برسرپیکار ہے دہشت گردی کے عفریت نے ملک کے چپے چپے میں تباہی و بربادی کے پنجے گاڑ دیئے ہیں۔ افواج پاکستان، سرکاری تنصیبات، بازاروں، مساجد اور اجتماعات پر حملہ روز کا معمول بن چکا ہے۔ ترقی معکوس کا عمل جاری ہے۔ معیشت کو ہیرا پھیری اور لفظوں کی لفاظی سے مستحکم کرنے کی کوشش جاری ہے۔ حکومتی اور سول انتظامیہ کی بے بسی اور سیاسی مصلحتیں دہشت گردوں کے حوصلے مزید پختہ کئے دے رہی ہیں ایسے میں جنرل راحیل شریف نے ہماری قابل فخر فوج کے ساتھ آپریشن ضرب عضب شروع کیا تو دہشت گردوں پر خود دہشت طاری ہو گئی۔ اب وہ جائے پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہیں۔ مذاکرات کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ تقریبا 900 کے قریب دہشت گرد نشان عبرت بنا دیئے گئے۔ ان تمام معاملات میں فوج اور عوام پاکستان ایک ہی صفحے پر نظر آتے ہیں۔ جبکہ میڈیا بھی اس حوالے سے مثبت کردار ادا کر رہا ہے۔ آپریشن کا نتیجے میں تقریبا دس لاکھ کے قریب آئی ڈی پیز فی الوقت بے گھر ہو چکے ہیں۔ فوج اور حکومت ان کی بحالی کیلئے سرگرداں ہیں۔ ہر طرف سے افواج پاکستان پر شاباشی، تعریف و تحسین کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف سیلاب کی تباہ کاریوں سے پیدا ہونے والی گھمبیر صورت حال میں فوجی جوان شب و روز امدادی کاروائیوں میں مصروف ہیں اور متاثرین سیلاب کے جان و مال کو محفوظ بنانے کیلئے اپنے تمام ذرائع بروئے کار لا رہے ہیں تاکہ پاکستانی عوام کو زیادہ سے زیادہ ریلیف مل سکے۔

لیکن !لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے یہ سب ہضم نہیں ہو رہا ہے۔اسے یہ قطعی برداشت نہیں کہ افواج پاکستان کا مورال بلند ہو۔ان کا وقار،اہمیت،حیثیت اور افادیت واضح ہو۔ فوج کو appreciation ملے۔یہ وہ سیاسی ٹولہ ہے جو کہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی افواج پاکستان کو برا خیال کرتا ہے۔ان کے مطابق آپریشن ضرب عضب جرم و ظلم ہے۔ان کے مطابق فوج کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جیسے کہ ہماری پولیس ہے۔ ان کے مطابق فوج کو بھی پولیس کی طرح ان کا تابعدار ہونا چاہئے اگر وہ دن کو رات کہیں تو رات کہا جائے اور اگر سیاہ کو سفید کریں تو ان کا نہ روکا جائے۔یہ سیاسی ٹولہ عرصہ دراز سے اس پیٹ کے درد میں مبتلا ہے اور فوج کو نیچا دکھانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ محمود اچکزئی،ساجد میر،زاہد خان ،عبدالمالک،عبدالقادر بلوچ مولانا فضل الرحمٰن و دیگر اسی قماش اور ذہنیت رکھنے والے لوگ اور میڈیا کا ایک خاص گروپ نے افواج پاکستان کے خلاف محاذ کھولا ہوا ہے۔یہ جرگہ ٹائپ کے لوگ ہیں۔ان کی اپنی ترجیحات اور پسند ناپسند قانون سے بالا ہیں۔پاکستان کے آئین و قانون اور عدلیہ کے فیصلوں کو نہ ماننا ان کا احترام نہ کرنا ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جو ہم کہیں،ہم کریں صرف اور صرف اسی کو ہی سنا اور مانا جائے۔ان لوگوں کے سامنے پولیس کی حیثیت ایک وسدے یا غلام سے زیادہ نہیں ہوتی۔پولیس ان کے فیصلے کے سامنے چوں چراں کی جرات

نہیں کر سکتی، تو ان کا مطمع نظر بھی یہی ہے کہ افواج پاکستان بھی ان کے گھر کی باندی بن کر رہ جائے۔ان کی ڈکٹیشن پر عمل پیرا ہو۔چونکہ ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے وہ پارلیمنٹ میں دھونس دھاندلی کی بنا پر گھس آتے ہیں اور جمہوریت جمہوریت کے کھیل میں فوج کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔حالانکہ ان میں سے اکثر کے خلاف ملک دشمن عناصر کے ساتھ روابط بھی منظر عام پر آچکے ہیں کوئی بھارت سے پینگیں بڑھا رہا ہے تو کسی کے تعلقات افغانستان آرمی سے ہیں کوئی امریکہ کی ڈوری سے بندھا ہے تو کوئی برطانیہ کا حامی ہے۔کوئی الگ ملک کا حامی ہے تو کسی نے اپنی ہی فورس بنا رکھی ہے۔پاکستان کے بارے میں ان کے بیانات و خیالات بہت سے سوالیہ نشان کھڑے کرتے ہیں مگر ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں کیونکہ ان کے ساتھ جمہوریت کی فیت لگی ہوئی ہے۔لہٰذا اگر انہیں جمہوریت اور اپنے روابط اتنے ہی مرغوب ہیں تو پھر انہیں پاکستان آرمی کے بارے میں بھی ہرزہ سرائی کا کوئی حق نہیں پہنچتا اس لئے انہیں اپنی زبان کو کنٹرول کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

شہری دفاع کی تربیت

بچپن میں جب ہم سکول جاتے تھے تو اس وقت کمیٹی باغ میں مخصوص اوقات میں شہر کے نوجوانوں اور اڈھیر عمر کے لوگوں کو محکمہ شہری دفاع کی تربیت دی جاتی تھی کہ اگر خدانخواستہ کسی جگہ آگ لگ جائے تو فوری طور پر کون سے اقدامات کرنے چاہیۓ۔ کیسے کرنے چاہیے ؟اگر کوئی ڈوب رہا ہو تو اسے کیسے بچانا چاہیے ۔اگر سیلاب آ جائے تو کس طرح کے اقدامات کرکے خود کو اور اہل علاقہ کو محفوظ مقامات پر پہنچایا جائے۔ یہ اور اسی طرح کی دیگر حفاظتی تدابیر سکھائی جاتی تھیں ۔تاکہ شہری اور عوام اپنے آپکو نا گہانی اور قدرتی آفات سے جس حد تک ممکن ہو بچا سکیں ۔اس طرح سکولز کے طلبہ و طالبات کو سکاؤٹس کی تربیت دی جاتی تھی جس کا مقصد بھی نامساعد حالات میں خود اپنی اور لوگوں کی مدد اور حفاظت کرنا ہوتا تھا ۔کالجز میں پاکستان آرمی کی جانب سے NCCکی ٹریننگ دے کر طلبہ وطالبات کو منظم ،مددگار اور دفاعی طور پر موثر بنانا ہوتا تھا۔ اس طرح جانباز نامی فورس بناکر عوام الناس کو مضبوط ۔نڈر اور حوصلہ مند بنانا مقصود ہوتا تھا لیکن NCC، سکاؤٹس ٹریننگ وغیرہ تو تقریبا ختم ہو چکی ہیں صرف سول ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ اس وقت کہیں کہیں نظر آتا ہے مگر شہری دفاع کے حوالے سے اسکی سرگرمیاں Zero ہیں ۔اس عملے کے لوگ اب صرف اور صرف Vipsکے پرٹوکولز میں مصروف عمل نظر

آتے ہیں۔ جب کسی وزیر مشیر یا اعلی رینک شخصیت کی آمد ہو تو وہاں پر محکمہ سول ڈیفنس کے لوگ ہاتھوں میں میٹل ڈیٹکٹر تھامے گھومتے اور چکراتے نظر آتے ہیں کبھی کسی رمضان بازار میں یا پھر کسی جلسہ گاہ میں یا زیادہ سے زیادہ کسی شہر یا دیہات میں غیر قانونی تیل ایجنسیوں پٹرول پمپس، سوئی گیس کی ری فلنگ کی چیکینگ انکی ڈیوٹی میں شامل ہیں جو کہ اب مکمل طور پر کرپشن کی نذر ہو چکی ہے۔ ہر طرف غیر قانونی تیل کی ایجنسیاں، سوئی گیس کی ری فلنگ اس محکمے کی سرپرستی میں کھلے عام ہو رہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے عوام اور شہر ہر وقت بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے اور کسی بھی وقت کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔ لیکن ان سے کوئی پوچھ گچھ...... ندارد! کیونکہ ان کی منتھلیاں ہر ماہ ان کے گھر پہنچ جاتی ہیں یا ان کا نمائندہ آکر وصول کر لیتا ہے۔ جس بنا پر اس محکمے کا اصل مقصد جو تھا وہ فوت ہو چکا ہے۔ دیگر محکموں کی طرح یہ محکمہ بھی ڈی ٹریک ہو چکا ہے

ہماری نئی جنریشن کو اس حوالے سے بالکل بھی آگاہی اور شعور نہیں کہ سیلف ڈیفنس خود حفاظتی) کیا چیز ہوتی ہے۔ کیسے اپنے آپ کو مختلف حالات کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔)

آج کل کے سیلاب اور اسکی تباہ کاریوں کے حوالے سے بات کر لیجئے۔ پاکستان آرمی یا ریسکیو 1122 کے علاوہ کسی بھی محکمے میں ایسی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ سیلاب میں پھنسے لوگوں کی مدد کر سکیں۔ مذکورہ بالا

دو محکمے ہیں ہی جو کہ فزیکلی ریسکیو کے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دینے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ سول انتظامیہ متحرک ہونے کے باوجود بھی بے بس نظر آتی ہے سامان رسد اور خورد و نوش تو کسی نہ کسی طرح سیلاب متاثرین تک پہنچانے کی کوشش تو کرتے ہیں۔ مگر جسمانی طور پر سیلاب متاثرین کی مدد ندارد۔ پولیس اور دیگر دوسرے محکمہ جات سوائے زبانی جمع خرچ کے کچھ کرتے دکھائی نہیں دیتے۔ اگر سول ڈیفنس کا محکمہ اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھا رہا ہوتا تو آج سیلاب زدگان کے حوالے سے جو گھمبیر صورت حال پیدا ہو چکی ہے یکسر مختلف ہوتی۔ لوگ خود اپنی حفاظت بھی کرتے اور لوگوں کو بھی اپنی تربیت کی بنا پر تحفظ اور مدد فراہم کرتے۔ اور افواج پاکستان جو کہ اس وقت چومکھی لڑائی لڑ رہے ہیں ان کی توجہ صرف اور صرف املاک، پل اور بند کو بچانے پر مذکور ہوتی۔ لیکن ایک طرف وہ بندوں کی حفاظت کر رہے ہیں پشتوں کو مضبوط کر رہے ہیں تو دوسری طرف متاثرین کو ریسکیو بھی کر رہے ہیں۔ ایک وقت میں ان کی رہائش کا اہتمام کیا جا رہا ہے تو دوسرے وقت میں ان کے کھانے پینے اور صحت کے حوالے سے اقدامات بھی ان کی ڈیوٹی کا حصہ ہیں اس صورت حال میں شہری دفاع کی تربیت کے حامل افراد ان کے شانہ بشانہ موجود ہوتے اور بہت سے مسائل سے جان چھوٹ سکتی تھی۔ حکومت کو چاہیے کہ شہری دفاع کی تربیت کا سلسلہ پھر سے شروع کرے۔ سکولوں میں سکاؤٹس تیار کئے جائیں اور کالجز میں بھی NCC ٹریننگ کو دوبارہ سے شروع کیا جائے تاکہ نوجوانوں کو انتہائی حالات

سے نبرد آزما ہونے کی تربیت مل سکے اور وہ ملک و قوم کیلئے ثمر آور اور مفید ثابت ہو سکیں۔

محکمہ تعلیم اور صحت میں کرپشن عروج پر......وزیر اعلی کیلئے چیلنج

میں سب کو ٹھیک کرونگا۔ تمام ملازمین خود کو درست کرلیں۔ یہ بڑا پرانا تکیہ کلام ہے جناب خادم اعلی پنجاب شہباشریف کا۔ اس بات کو انھوں نے عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی لیکن ہر دفعہ کوئی نہ کوئی مصلحت ، کوئی مجبوری ، کوئی سفارش آڑے آ گئی یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں کے گھپلے کرنے والے محکمہ صحت اور تعلیم کے افسران اور ذمہ داران دندناتے پھر رہے ہیں۔ بجائے ندامت کے ان سے سر مزید تن گئے ہیں گردنوں میں سریہ وہ بھی اتفاق فاؤنڈری کا نظر آنے لگا ہے۔ قارئین ہمارے ملک میں دو بنیادی محکمے تعلیم اور صحت پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے لیکر آج تک زبوں حالی کا شکار ہیں۔ یہ وہ محکمے ہیں جو کسی بھی ملک کی ترقی و خوشحالی میں ریڑھ ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا کلیدی کردار ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ لیکن یہ بھی حقیت ہے یہ دونوں محکمے ہمیشہ سے حکومتی ارباب کی لاپرواہی ، غفلت اور افسران کی کرپشن کا شکار رہے ہیں جن کی ہزاروں مثالیں ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔ میں یہاں پرچند ایک کوڈ کرونگا جس کا مقصد یہ ہے کہ وزیر اعلی پنجاب جو کہ سب کو ٹھیک کرنے کے دعوایدار اور کرپشن کو ختم کرنے کا سہرا سجانے کے خواہش مند ہیں ان کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اگر سب کو ٹھیک کرنا ہے تو پھر مصلحتوں، مجبوریوں اور سفارشوں کو بالائے طاق

رکھو کر کام کرنا ہوگا۔

ساہیوال میں حال ہی میں ڈسٹرکٹ ٹیچنگ ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں 3 کروڑ لاکھ 83ہزار روپے کی کرپشن منظر عام پر آچکی ہے۔ اس سے پہلے بھی اس ہسپتال میں فرنیچر410 اور دوسری اشیائے کی خریداری میں گھپلے ثابت ہوئے لیکن مرتکب افراد کے خلاف سوائے انکوائری کے کوئی کاروائی عمل نہیں لائی تھی وہاڑی میں ڈاکٹروں اور عملہ کی غفلت اور آکسیجن کی غیر موجودگی کی بناپر 7 بچوں کی ہلاکت ہو جاتی ہے۔ جو کہ عملے اور ڈاکٹروں کی نااہلی اور غفلت کا واضح ثبوت ہے لیکن کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی جاتی ہے۔ کمیٹیوں اور انکوائریوں کے چکر میں الجھا کر معاملات کو اتنا پیچیدہ بنا دیا جاتا ہے کہ کسی پر فرد جرم عائد کرنا ناممکن ہو جاتی ہے۔ کیس کھوہ کھاتے اور آفسران صاف بچ نکلتے ہیں اور بالفرض کسی کو نامزد کرنا مجبوری بن جائے تو پھر نائب قاصد چپڑاسی وارڈ بوائے وغیرہ کو بلی کا بکرا بنا دیا جاتا ہے اللہ اللہ خیر سلی۔

لودھراں ہسپتال میں جناب وزیر اعلی خود مشاہدہ کرتے ہیں۔ انکوائری کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ انکوائری چلتی ہے ڈاکٹرز بھی گرفتار ہوتے ہیں پھر ڈاکٹروں کو بچانے کیلئے پیٹی بھائی "میدان جہاد"میں اترتے ہیں احتجاج ہوتے ہیں ہڑتال ہوتی ہے۔ ڈاکٹرز رہا ہو جاتے ہیں انکوائری پیٹی بھائیوں کو سونپ دی

جاتی ہیں اور معاملہ ٹائیں ٹائیں فش۔ کہروڑ پکا میں حکومت پنجاب کو جانب سے طلبا و طالبات کو مفت دی جانی والی درس کتب کے ٹرک کو ردی کے بھاؤ بیچ دیا جاتا ہے میڈیا کی نشاندہی پر چھاپہ لگتا ہے اور پھر چپڑاسی کو چند روز کیلئے معطل کر دیا جاتا ہے حالانکہ ڈپٹی ڈی ای او ایجوکیشن مبینہ طور پر ملوث ہوتا ہے۔

ایک اور انتہائی دلچسپ اور افسوسناک واقعہ کہ گورنمنٹ ڈگری بوائز کالج کہروڑ پکا میں پروفیسر طیب اقبال پرنسپل کالج ہذا 80 لاکھ روپے کی خریداری میں تقریبا 20 لاکھ روپے کی خرد برد کرتے ہیں میڈیا اسے منظر عام پر لاتا ہے انکوائری سٹینڈ ہو جاتی ہے محکمہ تعلیم والے روایتی انداز اپناتے ہوئے موصوف کو بے گناہ قرار دے دیتے ہیں اس پر سول سوسائٹی، میڈیا اور این جی اوز شور مچاتی ہیں۔ معاملہ انٹی کرپشن میں چلا جاتا ہے مک مکا کیلئے بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے کچھ جگہوں پر معاملات طے ہو جاتے ہیں لیکن انکوائری آفیسر مہر خالد اسسٹنٹ ڈائریکٹر انٹی کرپشن پروفیسر طیب اقبال کو گناہگار ڈکلیر کرتے ہیں اور طیب اقبال کو کہا جاتا ہے کہ وہ خرد برد کی رقم خزانہ سرکار میں جمع کرائے ۔ بار بار کی یاد دہانی کے باوجود موصوف ٹس سے مس نہیں ہوتا تو مہر خالد اپنی رپورٹ میں اس کے خلاف اندراج مقدمہ کی شفارش کرتا ہے اور منظوری کیلئے ڈائریکٹر انٹی کرپشن لاہور کو بھیج دی جاتی ہے جہاں سے وہ

فائل پیپوں کے وزن تلے ایسے دبتی ہے کہ تا حال نہیں نکلتی۔ ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے پرنسپل موصوف کی دیدہ دلیری مزید بڑھ چکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ستمبر 2014 میں ہونے والے سی ٹی آئیز CTIs کی بھرتی میں گھپلے اور بے ضابطگیاں پائی جاتی ہیں۔انٹرویو کے نمبروں والے خانے خالی چھوڑ دیئے جاتے ہیں بعد میں ٹمپرنگ کرکے اپنی مرضی کے امیدوار بھرتی کرنا مقصود تھا۔ڈپٹی ڈائریکٹر کالجز ریکارڈ کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔انکوائری شروع ہے تاحال کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ ذرائع کے مطابق پرنسپل موصوف حسب سابقہ بدنیتی کی بنا پر یہ کام کیا۔۔

یہ تمام معلومات شیئر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ وہ محکمہ جات ہیں جو ایک تو معمار قوم پیدا کرتے ہیں یعنی سکولز و کالجز اور اساتذہ ،دوسرا محکمہ صحت جو کہ مسیحائے قوم ہیں ہسپتال اور ڈاکٹرز۔ اب دونوں ہی محکمے کرپشن کی غلاظت میں لتھڑ چکے ہیں وزیراعلی شہباز شریف ان کا قبلہ درست کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو ایک ایسی ایماندار اور غیر جانبدار ٹیم تشکیل دینا ہوگی جو کہ صرف اور صرف میرٹ پر کام کرے اور ترجیحی بنیادوں پر کام کرے کمیٹیاں اور کمیشن بنانے سے،انکوائریز held کرانے سے آج تک کبھی بھی مسائل حل ہوئے ہیں نا ہونگے۔یہ کام وہ مخصوص ٹیم ہی کرے کیونکہ یہ آپ کا کام نہیں ہے کہ ہر جگہ آپ ہی موجود ہوں۔یہ جو لاکھوں روپے کی تنخواہ لینے والے اہلکار کسی مرض

کا علاج ہیں۔ بہر حال اگر آپ چاہتے ہیں کہ کرپشن اور کرپٹ مافیا کا قلع قمع ہو جائے تو
پھر یہ معاملات آپ کے لئے ٹرائل ہیں۔ پہلے ان معاملات کو جو کہ بالکل واضح اور
اوپن ہیں کو پایہ تکمیل کو پہنچائیں اور نشان عبرت بنائیں۔ دیکھئے گا کہ کس طرح اس کا
اثر ہوتا ہے عمل شرط اول ہے۔

عالمی یوم خوراک اور اسلامی تعلیمات

16 اکتوبر کو دنیا بھر میں عالمی یوم خوراک منایا جاتا ہے۔اقوام متحدہ کی بیسویں جنرل کانفرنس میں نومبر1945 میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس وقت کے ہنگری کے وزیر خوراک وزراعت پال رومنی نے یہ آئیڈیا دیا تھاکہ ”عالمی یوم خوراک“ ہر سال منایا جائے اس وقت سے لے کرآج تک یہ دن ہر سال اکتوبر کی سولہ تاریخ کو پوری دنیااور بالخصوص اقوام متحدہ کے رکن ممالک میں منایا جاتا ہے۔تاریخ انسانی کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ خوراک ہر دورانسانی میں بنیادی اور لازمی ضرورت رہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق کائنات نے بعض مصلحتوں کے تحت ہر انسان کی فطرت میں کچھ چیزوں کی احتیاج رکھ چھوڑی ہے ۔مثلا کھانا، پینا، پہننا،علاج معالجہ اور سر چھپانے کو چھت اور رہائش گاہ انسان کی وہ بنیادی اور فطری ضروریات ہیں کہ اگر وہ بقدر ضرورت میسر نہ ہوں تو انسان زیادہ دیر تک نہ تو زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی معاشرے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

آج کے دور میں بہت سے اہم مسائل میں سے انسانی خوراک ایک بہت بڑا مسئلہ ہے بڑے بڑے سماجی مفکرین اور ماہر معاشیات اور دانشور اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے مختلف ادوار میں سر جوڑ کر بیٹھتے رہے ہیں اور اپنی دانش اور

صلاحیتوں کا استعمال کرکے انسانی معاشرے کو اس سے نبرد آزما ہونے کا حل دیتے رہے ہیں۔ سوشلزم، کیپٹل ازم کمیونزم اور اسی طرح کے دوسرے معاشی نظاموں کا وجود بھی اس مسئلے کے حل کی ایک کڑی رہے ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ تاحال لاینحل رہا ہے۔ آج کا ترقی یافتہ اور مہذب معاشرہ بھی اس عفریت کے سامنے بے بس دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف امیر ممالک کے اصحاب ثروت یا غریب ممالک کے امیر حکمرانوں اور اشرافیہ کی بے حساب دولت کا تخمینہ لگانے کیلئے چھوٹے موٹے کیلکیولیٹر بھی جواب دے جاتے ہیں تو دوسری طرف اسی دھرتی پر افریقہ کے صحراؤں اور ریگزاروں میں اور ایشیاکے میدانوں میں بھوک اور افلاس کی تباہ کاریاں بھی اپنے عروج پر ہیں۔ بچے بوڑھے اور جوان دودھ پانی اور خوراک کیلئے بلبلا رہے ہیں۔ ان کے جسموں سے ماس غائب ہوچکا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہیں ہر روز مختلف الیکٹرانک و پرنٹ میڈیاکے ذریعے سے ان کی بے بسی اور لاچارگی کو دنیاکے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر مجال ہے کہ ترقی یافتہ تہذیب کے ان گندے انڈوں کا ضمیر بیدار ہوجائے۔ بلکہ ان کی شاہ خرچیاں اور اللے تللے ہیں کہ بڑھتے ہیں جارہے ہیں جو اس بات کا واضح اور مدلل ثبوت ہے کہ جدید ترین معاشی نظام اور نظریات انسانی بنیادوں پر بلا تفریق مذہب وملت کوئی معقول اور قابل قبول حل پیش نہیں کرسکے۔ بلکہ حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی ذہنی کاوشوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والے معاشی اور اقتصادی نظاموں نے انسانیت کے اس بنیادی مسئلہ کہ حل کرنے کی بجائے مزید

پیچیدہ کر دیا ہے اور وسائل زندگی سے محروم لوگوں میں احساس محرومی مزید بڑھا دیا ہے

آج ہم دیکھتے ہیں کہ امیر ممالک قومیت کی بنیاد پر اپنے شہریوں کو سہولیات باہم مہیا کرتے ہیں کیونکہ ان کے ووٹوں سے ہی انہیں منتخب ہونا ہوتا ہے مگر دوسری طرف متوسط اور غریب ممالک کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے قرضوں کے شکنجے میں پھنسا کر غلام بنایا جاتا ہے بجائے عوام الناس کو سہولیات پہنچانے کے حکمرانوں پر دباؤ ڈال کر لوگوں کو مزید مصائب اور آلام میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ہم نہ تو بچگانہ طرز کی کوئی ضد کرتے ہیں اور نہ ہی متعصب ہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس اپنے پرائے سب مانتے ہیں کہ غربت کے اس تشویشناک مسئلہ کا حقیقی حل اگر موجود ہے تو وہ اسلام کے معاشی اور فلاحی نظام میں ہے۔ تاریخ اسلام کے اوراق آج بھی شاہد ہیں کہ خلافت راشدہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دیگر اسلامی اکابرین اور ان کے ادوار میں جب ان اصولوں کو معاشرے پر نافذ کیا گیا تو لوگ اپنے عطیات و صدقات زکوۃ و عشر گلیوں میں لے لے کر پھرا کرتے تھے اور کوئی ایسا مستحق نہ ملتا تھا جو ان سے یہ عطیات و صدقات لے۔ بقول اقبال کہ اسلامی تعلیمات نکتہ اولین یہ ہے کہ اس جہان تگ و دو میں ہر انسان خودداری اور وقار کے ساتھ زندگی گزارے۔ کوئی شکلکول لئے کسی نے سامنے ذلیل و رسوانہ ہو رہا ہو اور نہ ہی بے بسی کے عالم میں کوئی

انسان کسی کا محتاج ہو۔ اسلام میں بیت المال کے ذریعے غرباء اور مساکین کی کفالت کا معقول اور قابل رشک اہتمام ہے صاحب ثروت لوگوں کے مال میں غریبوں کا حق رکھ دیا گیا اور کئی طرح کے مالی فرائض اور واجبات عائد کئے گئے تاکہ معاشرے سے غربت و افلاس، تنگدستی اور فاقہ کشی کا خاتمہ ہو سکے۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور بے رحم و بے حس اشرافیہ کے لئے مر مٹنے کا مقام ہے کہ آج بھی سویڈن میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات سے اخذ کردہ معاشی اور سماجی نظام رائج کر رکھا ہے۔ برطانیہ میں موجودہ سوشل سروسز کے نظام کی باضابطہ ترویج وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹ لی کے دور حکومت 1945-51 میں
ہوئی۔ غربت کو ختم کرنے کی پہلی اینٹ حضرت عمر فاروقؓ نے رکھی تھی۔ برطانیہ میں اس کا پہلا منصوبہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ٹیلر نے بتایا جو اس وقت کے وزیر اعظم کے معاشی مشیر تھے اور انہوں نے برملا اظہار و اعتراف کیا کہ انہوں نے یہ تخیل اور منصوبہ بندی حضرت عمر فاروق سے اخذ کی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سال میں صرف ایک دن نہیں بلکہ ہر دن ہی ''یوم خوراک'' ہے۔

ایبولا وائرس اور حکومتی اقدامات

پاکستان میں مختلف ادوار میں مختلف وباؤں کا شکار رہا ہے جس کی وجہ سے عوام پاکستان مشکلات اور مسائل میں گھری رہی۔ کبھی ملیریا نے بے حال کیا تو کبھی کانگو مسلط ہوگیا۔ ڈینگی سے جان نہ چھٹی تھی کہ پولیو کی وبا نے پھر سے سر اٹھا کر پاکستان میں صحت کی صورت حال پر بہت سے سوالیہ نشان لگا دیئے۔ اور اب ایبولا وائرس کا خوف دنیا بھر کی طرح پاکستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے کیلئے پر تول رہا ہے۔ اس کے بچاؤ اور حفاظتی تدابیر کے حوالے سے حکومت پاکستان نے فی الحال کوئی انتظام اور سدباب نہیں کیا ہے۔ ایئرپورٹ پر ریڈ الرٹ تو جاری کردیا گیا ہے لیکن بخار کو چیک کرنے والے تھرمل سکینرز چالو حالت میں نہیں ہیں۔ ایئرپورٹ حکام نے حکومت سے 10 لاکھ روپے گرانٹ کی ڈیمانڈ کی ہے تاکہ ان خراب پڑے ہوئے سکینرز کو ٹھیک کرکے باہر بالخصوص افریقی ممالک سے آنے والے مسافروں کو چیک کیا جاسکے اور متاثرہ شخص کے بارے میں پتہ لگایا جاسکے۔ ایبولا وائرس کی شدت اور مہلک پن کی وجہ سے اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے پوری دنیا سے فنڈ جنریٹ کرنے کی درخواست کی تاکہ اس فنڈ کو متاثرہ لوگوں اور ممالک پر خرچ کرکے اس مہلک وائرس کے پھیلاؤ کو روکا جاسکے۔

ایبولا وائرس کا جائزہ اور چند حقائق کہ یہ مہلک وباء کیسے پھیلی ؟ مارچ 2014 میں مغربی افریقہ کی ریاست گینیا میں پہلی بار اس وبا کی ابتدا ہوئی اور یکے بعد دیگرے ہمسایہ ممالک لائبیریا، سیرالیون اور نائیجیریا میں پھیلنے کی رپورٹس درج کی گئیں۔ اگست میں عالمی ادارہ صحت نے اسے ہنگامی اور بین الاقوامی وبا قرار دیا۔ امریکا اور یورپ سے کئی امدادی کارکن مغربی افریقہ روانہ ہوئے۔ اگست کے آخر میں سینیگال میں اس وبا کی پہلی رپورٹ درج ہوئی۔ عالمی ادارہ صحت نے اب تک ڈھائی ہزار افراد کی اموات اور پانچ ہزار سے زائد افراد کے ایفیکٹڈ ہونے کی تصدیق کی ہے یہ اعداد شمار اوفیشل رجسٹر ہوئے ،اندازے کے مطابق نان رجسٹرڈ افراد کی اموات اور اس وبا میں مبتلاافراد کی تعداد کئی گنا زیادہ ہونے کا امکان ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی حالیہ رپورٹ میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ ایبولا وبا پر قابو پانا مشکل ہوتا جارہا ہے ،مغربی افریقہ میں گزشتہ دنوں چار سوافراد کی اموات ہوئیں، ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے یہ وبا گھانا میں بھی پھیل رہی ہے، امریکا میں بیماریوں کو کنٹرول کرنے والے ایک ادارے کے ڈائیریکٹر نے پریس کانفرس میں بتایا کہ یہ وبا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے اور اگر اسے فوری کنٹرول نہ کیا گیا تو علاج کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس وبا پر قابو پانے کیلئے بین الاقوامی برادری کو فوری طور پر اپنا کردار ادا کرنے کی اپیل کی ہے محققین کا کہنا ہے اس وباکے پھیلاؤ کی روکنے کیلئے جلد از جلد اقدامات نہ کئے تو ممکن ہے اس

ماہ کے آخر تک اموات کی تعداد دس ہزار تک ہو سکتی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق ریاست لائبیریا اس وائرس سے زیادہ متاثر ہے لیکن خوفناک سیچوئیشن نائیجریا کے شہر لاگوس کی ہے جہاں 20 جولائی کو ایک شخص لائبیریا سے آیا وہ ایبولا میں مبتلا تھا اس کی جسمانی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے ائیر پورٹ حکام نے اسے ایک مخصوص مقام پر رکھا اور ڈاکٹر سے رجوع کیا لیکن وہ وہاں سے فرار ہونے کے بعد پورٹ ہیر کورٹ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور ایک ہوٹل میں شفٹ ہونے کے بعد مقامی ڈاکٹر سے رجوع کیا ڈاکٹر کے علاج سے مریض کی حالت قدرے بہتر ہوئی لیکن گیارہ اگست کو مریض کے جسم پر نئی علامات ظاہر ہونے پر اسے مقامی ہوسپٹل کے مخصوص وارڈ میں منتقل کیا گیا، علاج جاری رہا لیکن کوئی دوا راس نہ آئی اور وہ چھ دن بعد انتقال کرگیا، دو سو سے زائد افراد جانتے ہیں کہ دوران علاج اس ڈاکٹر کا سوائے ہوسپٹل کے عملے کہ کن کن قریبی افراد سے رابطہ رہا مثلاً اس کا خاندان ،دوست وغیرہ اور ڈاکٹر نے کن افراد کو چھوا، ادارے کا کہنا ہے جن افراد کو ڈاکٹر نے چھوا وہ سب ممکنہ طور پر اس بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت نے یہ واقعہ رونما ہونے کے فوراً بعد اپنی ٹیم پورٹ ہیر کورٹ بھیجی تاکہ ان لوگوں کا سراغ لگائیں جن سے ڈاکٹر کا رابطہ رہا اور کامیابی حاصل ہونے پر ایک ،مخصوص انسٹیٹیوٹ پہنچانے کے بعد علاج کیا جائے

جرمنی کی وائرس پر قابو پانے والی ایک تربیت یافتہ ٹیم بھی ہیمبرگ سے پورٹ ہیر کورٹ روانہ ہو چکی ہے جہاں تشخیصی لیبارٹیریز قائم کرے گی۔ جرمن محققین کا کہنا ہے ایبولا وبا آزادی سے ایک وسیع پیانے پر پھیل چکی ہے، نظریاتی طور پر اس پر قابو پانا مشکل نہیں ہے اس پر قابو پانے کے لئے ایفیکٹڈ افراد کی ایک الگ تھلگ مقام اور مخصوص وارڈز کی تشکیل لازمی ہے دوران علاج ان افراد پر کڑی نظر رکھی جائے جن کا مریضوں سے رابطہ ہو، ماضی میں بھی کئی وائرس پر اسی طرح قابو پایا گیا تھا لیکن اس بار ایک زیادہ خطرناک وائرس نے اٹیک کیا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا اس تباہ کن صورت حال میں میڈیسن بھی تبدیلی نہیں لا سکتیں۔ جینوا میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں عالمی ادارہ صحت اور دیگر ممالک کے دو سو سے زائد ایکسپرٹ نے اس وبا پر بات چیت بھی کی کہ ان حالات میں ڈاکٹر کون سا لائحہ عمل اختیار کریں، کون سی ادویات استعمال کی جائیں اور کون سے ایسے ٹیسٹ پر عمل درآمد کیا جائے جو اس سے پہلے انسانوں پر نہیں کئے گئے، ڈاکٹرز امید کرتے ہیں کہ عالمی ادارہ صحت ضرور ایسی ادویات استعمال کرنے کی اجازت دیں گے جن سے اس جان لیوا وبا میں کمی واقع ہو، لیکن اس بات کی بھی کوئی گارنٹی نہیں کہ ادویات کے استعمال کے بعد ایفیکٹڈ افراد کب تک زندہ رہتے ہیں۔ امریکن محققین کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ایبولا وائرس میں ہزاروں افراد ایفیکٹڈ ہیں ان کا کہنا ہے یہ وبا مغربی افریقہ میں تاریخی ،بدترین اور مہلک ثابت ہو رہی

ہے ،آنے والے بارہ سے اٹھارہ ماہ تک اس میں نمایاں اضافہ ہوگا اور مزید 25ہزار افراد میں پھیلنے کا خدشہ ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا کہ اس وبا پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے لیکن ادویات اور ویکسین پر منحصر ہے کہ وہ کہ کتنی جلدی اثر کرتی ہیں۔ دنیا بھر میں خوف کی ایک لہر پھیل چکی ہے مغربی ممالک کے تمام ایئرپورٹس ہائی الرٹ کردئے گئے ہیں اور براعظم افریقہ سے آنے والے افراد کی خاص چیکنگ کی جارہی ہے ،ساری دنیا اس بات سے آگاہ ہے کہ افریقی ممالک کی حالت کتنے نازک موڑ پر پہنچ چکی ہے، صحت کے عالمی ادارے ان ممالک کے افراد کی صحت کیلئے کوششوں میں مصروف ہیں ، امریکی محکمہ دفاع نے تیس ملین ڈالرز کا تشخیصی ساز وسامان، آلات اور فیلڈ ہوسپٹل ایکسپرٹ عملے سمیت مغربی افریقہ بھیج دیا ہے ان کا کہنا ہے ان کارروائیوں میں اضافہ کیلئے مزید پانچ سو ملین ڈالرز کی امداد افریقہ بھیجی جائے گی۔ حکومت پاکستان کو چاہئے کہ سابقہ سستی کی روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس مہلک وائرس کے پاکستان میں داخلے اوراس کے خاتمے کیلئے ہنگامی بنیادوں پر کام کرے اور انٹری پوائنٹس پرچیک کو فعال کیا جائے اور جدید مشینری کے استعمال سے متاثرہ افراد کو سپروائز کیا جائے۔

تھرپارکر اور تذلیل انسانیت

ایک دوست کی شادی میں ایک دیہات میں جانے کا اتفاق ہوا۔ کھانا شروع ہوا۔ پہلی شفٹ مکمل ہوئی اور بچا کھچا کھانا نہ واپس لے جایا گیا۔حسب معمول مانگنے والوں اور فقرا کی لائن لگ گئی ۔ انہوں نے ہاتھوں میں برتن اور شاپر اٹھا رکھے تھے ان کی خواہش تھی کہ جس طرح بن پڑے بچا ہوا کھانا سمیٹ لیا جائے تاکہ اپنے بچوں اور اپنے پیٹ کا ایندھن پورا کیا جاسکے۔ اب وہ لوگ صدائیں دینے لگے " اللہ کے نام پر دے بابا۔ کئی دنوں سے بھوکے ہیں "۔آخر صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور ان سے ایک عورت آگے بڑھی اور جہاں پر جھوٹی پلیٹس اور ڈشز رکھی تھی وہاں سے کھانا سمٹینا چاہا اور ابھی اس نے پہلی پلیٹ ہی اٹھائی تھی کہ اس کی کمر پر ایک زوردار لات پڑی اور وہ جوان عورت اوندھے منہ جا گری اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے جسم کے مختلف حصوں کو بھی لاتیں کھانا پڑی۔ گالیاں علاوہ ازیں تھیں ۔ وہ بیچاری بمشکل وہاں سے اٹھی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ مارنے والا اس علاقے کا زمیندار اور ڈیرہ تھا اس سے برداشت نہ ہوا کہ کوئی جھوٹا اور بچ جانے والا کھانا بھی اٹھالے۔ یہ واقعہ جنوبی پنجاب کے علاقے کا ہے جہاں پر شعور و آگہی، تعلیم و تدریس کسی حد تک عوام میں سرایت کر چکی ہیں۔ جہاں پر سکول اور کالج بھی ہیں جہاں پر جہالت کے

اندھیرے دور کرنے کی مقدور بھر کوششیں بھی جاری ہیں اور جاگیردارانہ اور سرمایا دارانہ نظام کے خلاف آواز بھی اٹھ جاتی ہے وہاں انسانیت کی تذلیل اس طرح ہوتی ہے تو پھر سندھ اور اس کے گردونواح میں کیا ہوتا ہوگا اس کا اندازہ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی سوچ عمل اور رویے سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ تھرپارکر کے بھوک اور پیاس سے بلکتے اور کپڑوں سے بے نیاز اپنے ووٹرز (رعایا) کے علاقے کا دورہ کرتے ہیں توانہیں پہلے تو وہاں نیند کی دیوی آجکڑتی ہے اور وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹتے ہیں ۔ اس کے بعد حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے متاثرین میں ایک ایک ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت بڑے فاخرانہ انداز میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ۔ وزیر اعلیٰ کیلئے انواع و اقسام کی ضیافت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جن میں دال چاول، مرغ کڑاہی اور دیگر ڈشز شامل ہوتی ہیں جنھیں 200 کلومیٹر دور مٹھی کے علاقے سے لایا جاتا ہے۔ متاثرین خوش تھے کہ انہیں پر تکلف ضیافت میں بھی شامل کیا جائیگا لیکن یہ کیا ہوا کہ متاثرین تھر کے لب اور پیٹ تو تھر کی خشک سالی کی مانند خشک ہی رہے لیکن پیپلز پارٹی کے جیالوں نے کھانے کے ساتھ خوب انصاف کیا۔ لیکن متاثرین میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ ان کے ساتھ کھڑا ہو کر ایک لقمہ میں پیٹ میں ڈال لے۔

نکتہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی جو عرصہ دارز سے کسی مسیحا اور امداد کے

منتظر تھے، مدد کی شکل میں ایک ایک ہزار روپے بھیک کی شکل میں تھما دیتے ہو۔ اور اپنی ذمہ داری سے خود کو بری الذمہ سمجھتے ہو۔ اگر اس بے فیض اور لا حاصل ضیافت پر اٹھنے والے لاکھوں روپے کے اخراجات کو ان غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا تو کسی کا کیا جاتا۔ مگر غریبوں کی چاندی ہو جاتی۔ لیکن اگر ہم ایسا نہ کریں تو پھر ہمیں حکمران کون کہے گا۔ اور قائم علی شاہ تو ویسے بھی "ان" ہونے کیلئے اس قسم کی حرکات کرنے میں مشہور ہیں۔ ان کا تازہ فرمان ہے کہ تھر میں اموات غذائی قلت سے نہیں ہوئی۔ واقعی بجا فرمایا۔ تھر میں تو خوراک وافر مقدار میں موجود ہے اور پانی کے فلٹریشن پلانٹ لگے ہوئے ہیں۔ لوگ ویسے ہی جھوٹ بولتے ہیں اور ڈرامہ کرتے ہیں۔ قائم علی شاہ! خدا کا خوف کرو۔ ویسے بھی آپ عمر کے اس حصے میں ہو جب انسان تمام لغویات چھوڑ کر اللہ اللہ کرنے کی فکر کرتا ہے۔ لہٰذا آپ بھی یہ تمام دھندے چھوڑ دیں اور کچھ آخرت کی فکر کریں۔ کیونکہ آپ کی زبان دماغ کا ساتھ نہیں دیتی۔ آپ کے دماغ میں کچھ ہوتا ہے اور زبان سے ادائیگی کچھ اور ہی ہو رہی ہوتی ہے۔ تقاضائے عمر یہ حالات سب کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بہت سی چیزیں اس عمر آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتی ہیں
۔

رہا تھر اور سندھ کا معاملہ تو وہاں انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے انڈیا کی طرح وہاں کے لوگوں کو شودر اور اچھوت سمجھا جاتا ہے

ان کی یاد اور اہمیت صرف الیکشن کی دنوں میں آتی اور محسوس ہوتی ہے۔علاوہ ازیں یہ لوگ اور علاقے ان وڈیروں اور جاگیرداروں کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ان کی یہ اچھوت رعایا ہیں۔بلکہ غلام ہیں۔زمانہ جاہلیت میں شاید غلاموں سے بھی ایسا سلوک روانہ رکھا جاتا ہو جو کہ سندھیوں کے ساتھ ان کے اپنے علاقوں میں برتا جاتا ہے ۔لاڑکانہ، اوباڑو، مٹھی، سکھر، ٹنڈو اللہ یار، نواب شاہ، گھوٹکی وغیرہ وغیرہ یہ وہ علاقے ہیں جن کو پیپلز پارٹی اپنا قلعہ گردانتی ہے وہاں پر عوام کو تعلیم، صحت اور خوراک کی بنیادی سہولتیں میسر نہیں۔کالج، سکول، ہسپتال بنیادی مرکز صحت کہیں دکھائی اور سنائی نہیں دیتے۔لوگوں کو یہ سہولیات لینے کیلئے سینکڑوں میل مسافت طے کرنا پڑتی ہے۔دوسری طرف بلاول ہاؤس بنائے جارہے ہیں۔ان کی تزئین و آرائش کی جارہی ہے روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگانے والوں کو صرف اپنے لئے یہ سہولیات درکار ہیں اور عوام ہے کہ پانی کی بوند اور روٹی کے نوالے کو ترسی ہوئی ہے۔ہاں شراب وہاں وافر مقدار میں دستیاب ہے کیونکہ وہاں پر شراب خانہ کھولنے کی 90 لائسنس پی پی کی گورنمنٹ نے جاری کئے ہیں۔المختصر بلاول کو اگر لیڈر بننا ہے تو پھر عوام کیلئے کچھ کرنا پڑے گا۔خالی تقریروں اور کھوکھلے نعروں سے کچھ نہیں ہونے والا۔یہ روایتی مشیر اور وزیر کبھی آپ کو پنپنے نہیں دے گے غیر واضح انداز میں لیگ پلنگ کا عمل جاری رہے گا۔سو عوام کو اپنے ہی علاقوں میں بنیادی سہولیات ہی فراہم کردی جائیں تاکہ یہ سسکتے بلکتے اور جنم جنم

کے پیاسے اور بھوکے اپنی جسمانی و روحانی بھوک مٹا سکیں۔

مارکنگ سسٹم کو بہتر بنا کر تعلیمی بورڈ طلبا کو خودکشی سے بچائیں

اس نے میٹرک میں 85 فیصد نمبر حاصل کئے تھے اور آج اس کا فرسٹ ایئر کا رزلٹ اناونس ہونا تھا ان کا رواں رواں بے چین تھا اور آج کا رزلٹ بھی کچھ تاخیر کا شکار تھا آخر کار رر رزلٹ انٹرنیٹ پر ڈسپلے ہونا شروع ہوا اور جب اس نے اپنا رولنمبر لکھ کر Submit کیا تو جو رزلٹ اس کے سامنے تھا وہ اس کی سوچوں تمناؤں اور خواہشوں کو تہہ و بالا کرنے کیلیئے کافی تھا اس نے دوبارہ رولنمبر چیک کیا لیکن رزلٹ وہی رہا یعنی کہ وہ تین مضامین میں فیل تھا۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ دنیا چکر کھاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہایت دل بر داشتہ تھا۔ اس کے دل ودماغ اس رزلٹ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھاتی دیتا تھا۔ کہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی کوئی راستہ منزل کوئی حل سجھائی نہ دیتا تھا آخر جو حل اسے قابل عمل لگا اس نے اس پر عمل کر ڈالا جی ہاں اس نے خود کشی کر لی۔ خود کو نظام تعلیم کی خامیوں ،بداعمالیوں اور ابے حسی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا کیونکہ اس کے پاس اسکے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ شہزاد احمد گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کا طالب علم تھا افسوس ناک اور دلچسپ بات یہ کہ جب ری چیکنگ کی گئی تو وہ پاس تھا مگر وہ اس دنیا میں نہیں تھا اور اسی طرح سے بیس سے زائد طالب علموں نے فیل

ہونے پر خود کشی کی تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی سٹوڈنٹ اس حد تک جاتا ہے تو اس میں ذمہ دار کون ہے؟ والدین، گھریلو ماحول، تعلیمی بورڈ، پیپر مارک کرنے والے استاتذہ یا پھر خود طلبہ۔اگر اس میں کہیں پر قصور طلبہ کا ہے تو لازمی طور تعلیمی بورڈز اور بالخصوص وہ پیپر چیک کرنے والے استاتذہ ہیں جو صرف بنڈل کو مکمل کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں کہ بنڈل جتنے زیادہ چیک ہونگے معاوضہ اتنا ہی زیادہ ملے گا اس سے کسی کا مستقبل تباہ ہوتا ہے تو ہو جائے کوئی جان سے جاتا ہے تو چلا جائے انہیں تو صرف اور صرف پیسے بنانے سے غرض ہے اور گذشتہ دو تین سالوں سے تو یہ پریکٹس عام ہو چکی ہے اور مارکنگ میں غلطیوں کی بھر مار اس قدر سامنے آئی ہے کہ رہے نام اللہ کا۔

قارئین کرام افسوناک بات یہ ہے کہ اگر سٹوڈنٹ ری چیکنگ (ری کاونٹنگ) کی درخواست دے تو فی مضمون 750 روپے بورڈ کی ادا کرنے پڑتے ہیں اور پھر ایک مخصوص فارمیٹ کا ایک لیٹر سب کے پاس جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا پیپر چیک کر لیا ہے اور اس میں کوئی کمی یا خامی نہ پائی گئی ہے پھر بھی اگر آپ خود آکر دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ کو بورڈ میں حاضر ہوں اس لیٹر کے بعد نوے فیصد طلبا اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور جو دس فیصد بورڈ کے دفتر جا دھمکتے ہیں ان میں سے 99 فیصد کو اپنے پیپرز میں غلطیوں سے واسطہ

پڑتا ہے اور کچھ کے نمبرز بھی بڑھ جاتے ہیں لیکن ! اس غلط مارکنگ کرنے والے استاد" سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی اور کیسے ہو کہ ایسے ہی لوگ تو بورڈ کے " ریونیو میں اضافے کا سبب بنتے ہیں یعنی خود بھی کھاتے ہیں اور بورڈ کو بھی مستفید کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں بیچارے غریب اور نادار طلبا اور والدین پرچوں کو چیکنگ اور ری چیکنگ کا معیار اور طریقہ کار طلبہ کیلئے اس قدر سنگین اور گھمبیر بن چکا ہے کہ اس معاملہ میں ان کی حالت اس شخص جیسی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور اپنے تئیں تمام ترکوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ خود کو موجوں کے حوالے کر دیتا ہے کہ اب قسمت میں بچنا ہوا تو بچ جائیں گے ورنہ موت تو مقدر ہو چکی ہے اس سارے عمل میں "دریا" اور مرکزی نقطہ پیپر چیک کرنے والا وہ ٹیچر ہے جو لاکھوں کروڑوں بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے لیکن افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک ایف اے، بی اے پاس کر کے بھرتی ہونے والا ٹیچر سائنس کے مضامین کی چیکنگ کر رہا ہوتا ہے جسے آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیت تک معلوم نہیں ہوتی کہ ان کے ملنے سے پانی بنتا ہے نتیجتاً وہ ٹیچر بہت سے بچوں کے فیل ہونے کا سبب بنتا ہے اور قانون وہی ہے کہ غلط ہو گیا تو ہو گیا اب کوئی چارہ نہیں۔

پاکستان میں آئے روز نت نئے تجربات نے تعلیم کے شعبے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ تعلیم جیسے حساس شعبے کو سیاستدانوں اور بیوروکریسی نے

تختہ مشق بنالیا ہے آئے روز نئے نئے تجربے کرکے تعلیم کو مذاق بنادیا گیا ہے۔ گذشتہ 65 سالوں میں پاکستان میں آنے والی ہر سیاسی و معاشی تبدیلیوں کے پیچھے جس طرح سے بیوروکریسی اپنی پالیسیاں تھوپتی ہے اسی طرح تعلیم کے معاملے میں بھی یہی حال ہے۔ اگر ہم ترقی یافتہ اقوام کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ ہوگا کہ آج جس مقام پر جنوبی کوریا اور ملائیشیا کھڑے ہیں وہ سب کا سب تعلیم کی ترقی و اہمیت کے سبب ہی ہے جبکہ پاکستان میں ہماری تعلیمی پالیسی آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کا منظر پیش کررہی ہے۔ آئے روز کے تجربات ہماری ناقص گرفت اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ ساری تمہید اور باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب پھر امتحانات کے نتائج آچکے ہیں اب بھی مسئلہ جوں کا توں ہے۔ طلبا و طالبات اپنے نتائج سے مطمئن نہیں۔ ری چیکنگ درخواستوں کی بھرمار ہے طلبا اور والدین کے ساتھ ساتھ خود بورڈ کے ممبران بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں اور طلبہ و طالبات کے ساتھ ساتھ والدین بھی پوری طرح سے اس میں involve نظر آتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ نت نئے تجربات کرنے کی بجائے پہلے سے موجود سسٹم کو بہتر بنایا جائے اور ایجوکیشن سیکٹر کو مزید تختہ مشق نہ بنایا جایے تاکہ مزید طالب علموں کو خودکشی سے بچایا جاسکے اور انہیں ملک و قوم کیلئے معاون و مددگار بنایا جاسکے علاوہ ازیں چیک اینڈ بیلنس کے ذریعے "استاد" کو بھی پابند کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں پر ان کی اہلیت کو مستقل ختم کرکے

نظام کو شفاف بنایا جائے۔

مارکنگ سسٹم کو بہتر بنا کر تعلیمی بورڈ طلبا کو خودکشی سے بچائیں

اس نے میٹرک میں 85 فیصد نمبر حاصل کئے تھے اور آج اس کا فرسٹ ایئر کا رزلٹ اناؤنس ہونا تھا ان کا رواں رواں بے چین تھا اور آج کا رزلٹ بھی کچھ تاخیر کا شکار تھا آخر کارر رزلٹ انٹرنیٹ پر ڈسپلے ہونا شروع ہوا اور جب اس نے اپنا رولنمبر لکھ کر Submit کیا تو جو رزلٹ اس کے سامنے تھا وہ اس کی سوچوں تمناؤں اور خواہشوں کو تہہ و بالا کرنے کیلیئے کافی تھا اس نے دوبارہ رولنمبر چیک کیا لیکن رزلٹ وہی رہا یعنی کہ وہ تین مضامین میں فیل تھا۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ دنیا چکر کھاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہایت دل بر داشتہ تھا۔ اس کے دل ودماغ اس رزلٹ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھاتی دیتا تھا۔ کہیں کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی کوئی راستہ منزل کوئی حل سجھائی نہ دیتا تھا آخر جو حل اسے قابل عمل لگا اس نے اس پر عمل کر ڈالا جی ہاں اس نے خود کشی کر لی۔ خود کو نظام تعلیم کی خامیوں ،بداعمالیوں اور ابے حسی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا کیونکہ اس کے پاس اسکے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ شہزاد احمد گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کا طالب علم تھا افسوس ناک اور دلچسپ بات یہ کہ جب ری چیکنگ کی گئی تو وہ پاس تھا مگر وہ اس دنیا میں نہیں تھا اور اسی طرح سے بیس سے زائد طالب علموں نے فیل

ہونے پر خودکشی کی تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی سٹوڈنٹ اس حد تک جاتا ہے تو اس میں ذمہ دار کون ہے؟ والدین، گھریلو ماحول، تعلیمی بورڈ، پیپر مارک کرنے والے استاتذہ یا پھر خود طلبہ۔اگر اس میں کہیں پر قصور طلبہ کا ہے تو لازمی طور تعلیمی بورڈز اور بالخصوص وہ پیپر چیک کرنے والے استاتذہ ہیں جو صرف بنڈل کو مکمل کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں کہ بنڈل جتنے زیادہ چیک ہونگے معاوضہ اتنا ہی زیادہ ملے گا اس سے کسی کا مستقبل تباہ ہوتا ہے تو ہو جائے کوئی جان سے جاتا ہے تو چلا جائے انہیں تو صرف اور صرف پیسے بنانے سے غرض ہے اور گذشتہ دو تین سالوں سے تو یہ پریکٹس عام ہو چکی ہے اور مارکنگ میں غلطیوں کی بھر مار اس قدر سامنے آئی ہے کہ رہے نام اللہ کا۔

قارئین کرام افسوناک بات یہ ہے کہ اگر سٹوڈنٹ ری چیکنگ (ری کاونٹنگ) کی درخواست دے تو فی مضمون 750 روپے بورڈ کی ادا کرنے پڑتے ہیں اور پھر ایک مخصوص فارمیٹ کا ایک لیٹر سب کے پاس جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا پیپر چیک کر لیا ہے اور اس میں کوئی کمی یا خامی نہ پائی گئی ہے پھر بھی اگر آپ خود آکر دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ کو بورڈ میں حاضر ہوں اس لیٹر کے بعد نوے فیصد طلبا اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور جو دس فیصد بورڈ کے دفتر جا دھمکتے ہیں ان میں سے 99 فیصد کو اپنے پیپرز میں غلطیوں سے واسطہ

پڑتا ہے اور کچھ کے نمبرز بھی بڑھ جاتے ہیں لیکن !اس غلط مارکنگ کرنے والے استاد" سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی اور کیسے ہو کہ ایسے ہی لوگ تو بورڈ کے " ریونیو میں اضافے کا سبب بنتے ہیں یعنی خود بھی کھاتے ہیں اور بورڈ کو بھی مستفید کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں بیچارے غریب اور نادار طلبا اور والدین پرچوں کو چیکنگ اور ری چیکنگ کا معیار اور طریقہ کار طلبہ کیلئے اس قدر سنگین اور گھمبیر بن چکا ہے کہ اس معاملہ میں ان کی حالت اس شخص جیسی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور اپنے تئیں تمام ترکوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکے تو پھر وہ خود کو موجوں کے حوالے کر دیتا ہے کہ اب قسمت میں بچنا ہوا تو بچ جائیں گے ورنہ موت تو مقدر ہو چکی ہے اس سارے عمل میں "دریا" اور مرکزی نقطہ پیپر چیک کرنے والا وہ ٹیچر ہے جو لاکھوں کروڑوں بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے لیکن افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک ایف اے، بی اے پاس کرکے بھرتی ہونے والا ٹیچر سائنس کے مضامین کی چیکنگ کر رہا ہوتا ہے جسے آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیت تک معلوم نہیں ہوتی کہ ان کے ملنے سے پانی بنتا ہے نتیجتاً وہ ٹیچر بہت سے بچوں کے فیل ہونے کا سبب بنتا ہے اور قانون وہی ہے کہ غلط ہو گیا تو ہو گیا اب کوئی چارہ نہیں۔

پاکستان میں آئے روز نت نئے تجربات نے تعلیم کے شعبے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ تعلیم جیسے حساس شعبے کو سیاستدانوں اور بیوروکریسی نے

تختہ مشق بنالیا ہے آئے روز نئے نئے تجربے کرکے تعلیم کو مذاق بنادیا گیا ہے۔ گذشتہ 65 سالوں میں پاکستان میں آنے والی ہر سیاسی و معاشی تبدیلیوں کے پیچھے جس طرح سے بیوروکریسی اپنی پالیسیاں تھوپتی ہے اسی طرح تعلیم کے معاملے میں بھی یہی حال ہے ۔اگر ہم ترقی یافتہ اقوام کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ ہوگا کہ آج جس مقام پر جنوبی کوریا اور ملائیشیا کھڑے ہیں وہ سب کا سب تعلیم کی ترقی و اہمیت کے سبب ہی ہے جبکہ پاکستان میں ہماری تعلیمی پالیسی آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کا منظر پیش کررہی ہے ۔آئے روز کے تجربات ہماری ناقص گرفت اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔یہ ساری تمہید اور باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب پھر امتحانات کے نتائج آچکے ہیں اب بھی مسئلہ جوں کا توں ہے۔ طلبا و طالبات اپنے نتائج سے مطمئن نہیں۔ری چیکنگ درخواستوں کی بھرمار ہے طلبا اور والدین کے ساتھ ساتھ خود بورڈ کے ممبران بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں اور طلبہ و طالبات کے ساتھ ساتھ والدین بھی پوری طرح سے اس میں involve نظر آتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام کے ساتھ ساتھ نت نئے تجربات کرنے کی بجائے پہلے سے موجود سسٹم کو بہتر بنایا جائے اور ایجوکیشن سیکٹر کو مزید تختہ مشق نہ بنایا جایے تاکہ مزید طالب علموں کو خودکشی سے بچایا جاسکے اور انہیں ملک وقوم کیلئے معاون و مددگار بنایا جاسکے علاوہ ازیں چیک اینڈ بیلنس کے ذریعے "استاد" کو بھی پابند کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں پر ان کی اہلیت کو مستقل

ختم کر کے نظام کو شفاف بنایا جائے۔

اتفاقیہ لیڈر" درکار ہے"

اتفاقات، حادثات، سانحات و واقعات انسانی زندگی کو نہایت حد تک متاثر کرتے ہیں اور معاشرتی اقدار اور حالات کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی قدر و منزلت کو بڑھانے اور کم کرنے میں سنگ میل ثابت ہوتے ہیں۔ کچھ اتفاقات ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے قوموں کی ہیئت ہی تبدیل ہو جاتی ہے اور ان کو زمین سے اٹھا کر بام عروج تک پہنچا دیتے ہیں اور کچھ اتفاقات و سانحات ایسے ہوتے ہیں کہ انسانوں کی بے حسی اور مادی پرستی کی بدولت قوموں کو ذلت و پستی کی عمیق گہرائی دھکیل دیتی ہے۔ آج ہم دنیا اور پاکستان میں ہونے والے اتفاقات کے حوالے سے بات کریں گے۔

16 سال کی عمر میں ہی والد کی وفات کے بعد حالات کی تنگی کے پیش نظر تعلیم کو خیر باد کہہ کر ایک جہاز بنانے والی کمپنی میں ملازمت کر لی ۔ لیکن اس دوران کھیل اور تیراکی جو کہ اس کا شوق تھا، کو نہ چھوڑا۔ ان کے گھر کے سامنے ایک تالاب تھا۔ وہاں پر اکثر دو بہن بھائی تیراکی کی غرض سے آتے تھے ہر روز مقابلے میں بھائی سبقت لے جاتا۔ ایک روز بہن آگے نکل گئی اور وننگ پوائنٹ پر پہنچ کر خوشی کے مارے جب اس پیچھے مڑ کر دیکھا تو پریشان ہو گئی کہ اس کا

بھائی پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور تیر نہیں پا رہا تھا۔ لڑکی نے فورا شور مچانا شروع کر دیا ۔ اتفاق سے وہ وہاں موجود تھا اس نے فورا تالاب میں چھلانگ لگائی اور ڈوبتے ہوئے لڑکے کو باہر نکال لایا۔ لڑکا بے ہوش ہوچکا تھا اس نے لڑکے کو زمین پر سیدھا کیا اور آہستہ آہستہ اس کے سینے پر مالش کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد لڑکے کے منہ سے پانی باہر نکلا اور اسے ہوش آگیا۔ اسی اثنا میں لڑکے کے والد بھی وہاں پہنچ چکے تھے ۔ وہ اس کی کارکردگی پر بہت خوش تھے۔ والد کے اس سے اس کی خواہش پوچھی تو اس نے کہا کہ ''میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں'' لڑکے کے والد نے اس کی مدد کی حامی بھر لی اور اس کی پڑھائی میں مدد کی۔ بلآخر 1906 میں وہ ڈاکٹر بن گیا۔ یہ ڈاکٹر بننے والا لڑکا الیگزینڈر فلیمنگ تھا اور ڈوبنے والا لڑکا سر ونسٹن چرچل تھا جو کہ بڑا ہو کر انگلینڈ کا وزیر اعظم بنا۔ ایک اتفاق ایک حادثے نے ایک غریب لڑکے (الیگزینڈر فلیمنگ) کی زندگی بدل ڈالی۔ انہوں نے اس پر اکتفاہی نہیں کیا۔ پیسے کو مطمع نظر نہیں بنایا اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھا اور جراثیم پر کئی دریافتیں کر لی ڈالیں۔ درحقیقت اس کے پیش نظر قوم اور انسانیت کی فلاح و بہبود تھی۔ فلیمنگ نے انسانی خون کو طاقتور بنانے کا منصوبہ بنایا تاکہ جراثیم کے خلاف قوت مدافعت پیدا کی جاسکے۔ اتفاق دیکھئے کہ دریافت کے مکمل ہونے کے بعد ان کو زکام ہوگیا انہوں نے ناک سے بہنے والے پانی (رطوبت) پر جراثیم پالے۔ ایک خیال کے تحت ہی زکام کے پانی کا ایک قطرہ ان

جراثیموں پر ڈالا جہاں قطرہ گرایا وہاں پر موجود تمام جراثیم ہلاک ہوگئے اس تجربے کو انہوں نے بار بار دہرایا ہر بار یہی نتیجہ سامنے آیا۔ یہی جراثیم کش خصوصیات انسانی آنسو، تھوک اور جانوروں کے دودھ میں بھی موجود پائی۔ ایک اور اتفاق دیکھئے کہ 1928 میں پھوڑے پھنسیاں پیدا کرنے والے جراثیم پر تجربات کررہے تھے کہ وہ برتن جس میں جراثیم موجود تھے اس کو ڈھانپنا بھول گئے ہوا میں موجود ایک پھپھوندی (فنجی) ان پر گری اور وہ سارے جراثیم مرگئے۔ ثبوت کرنے کیلئے انہوں نے پھپھوندی کو پانی پر اگایا اور ہر مرتبہ تجربہ کامیاب ہوا اور مزے کی بات یہ کہ پھپھوندی میں کوئی زہریلا پن بھی نہ تھا اور اسی بناپر Penicilline بنائی گئی۔

انگریزوں کا ہندوستان میں آنا بھی اتفاق تھا۔ شاہجہاں اپنی بیٹی جہاں آرا سے بڑی محبت کرتا تھا ایک روز باپ سے ملنے کے بعد اپنے کمرے میں جارہی تھی کہ اسکا ریشمی لباس اچانک شمع کے ساتھ جالگا اور اس نے فوراآگ پکڑلی اور اس بری طرح پکڑی کہ کوشش کے باوجود شہزادی بری طرح سے جھلس گئی۔ علاج صدقات خیرات دعائیں سب بے اثر تھیں اور زخم ٹھیک ہونے کا نام نہ لے رہے تھے۔ ایک روز کسی درباری نے ایک فرنگی ڈاکٹر کی بہت تعریف کی۔ اسے بلایا گیا۔ اس نے علاج شروع کیا اور شہزادی صحت یاب ہوگئی۔ جشن منایا گیا اور بادشاہ نے ڈاکٹر بارٹن سے اس کی خواہش معلوم کی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ بادشاہ سلامت " اگر مجھے

کچھ دینا چاہتے ہیں تو میری قوم کو یہاں تجارت کی وہ سہولیات دی جائیں جو پرتگیزیوں کو دی ہوئی تھیں" بادشاہ نے اس کے قومی جذبے کی قدر کی۔ اس طرح انگریزوں کو ہر طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہوگیا اور ہماری سیاست عبادت تعلیمی رسومات بلکہ رگ و پے میں رچی بسی مغربیت واضح دکھائی دیتی ہے۔ شاید یہ بھی اتفاق ہے

اب اور اتفاقات بھی دیکھتے جایئے۔ بھٹو کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بنگلہ دیش ہم سے اتفاقیہ الگ ہوگیا۔ ضیاء الحق کو مارشل لا لگانے کا "اتفاق" ہوا۔ ضیاء الحق کی شہادت کے بعد اتفاقات و حادثات نے شریف برادران کو اس ملک کا all in all بنادیا۔ ہیوی مینڈیٹ کے زعم میں پرویز مشرف سے پنگا لیا اسے قید کرنے کی کوشش کی مگر اتفاقا پرویز مشرف ملک کے آرمی چیف تھے۔ آرمی کا ڈنڈا چلا اور اس اتفاق کی بناپر شریف برادران کو دھر لیا گیا۔ اور عرصہ دراز تک جلاوطنی کی زندگی گزارنا پڑی۔ پرویز مشرف ملک کے کرتا دھرتا بن گئے۔ پھر اتفاقات نے زور پکڑا ایک ٹی وی چینل پر حملہ کرایا گیا اس وقت سے وہ ٹی وی چینل پاپولر ہوگیا۔ چیف جسٹس آف پاکستان کو نظر بند کرنے کا اتفاق ہوا اور اتفاق دیکھئے کہ ملک کا بچہ بچہ چیف جسٹس کو جانتا ہے اور اسی وجہ سے عدلیہ "آزاد" ہوگئی۔ اب اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ طاہر القادری نے جلسہ کیا لوگوں کا جم غفیر تھا بارش ہونے کا اتفاق ہوا اور قادری صاحب کی پاپولیریٹی دو چند

ہو گئی۔بے نظیر کی موت کا حادثہ ہوا اور صدر زرداری کو ملک کا صدر بننے کا اتفاق ہوا۔ لال مسجد والہ سانحہ ہوا اور ان سب اتفاقات حادثات اور سانحات نے مل کر پرویز مشرف کیلئے پھندہ تیار کیا اور پھر پرویز مشرف کی وردی جو کہ ان کی کھال تھی، کو کا اتفاق ہوا اور شریف.برادران کو NRO اتار دیا گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ سے مملکت خداداد کی ہوا نصیب ہوئی۔ سوئس بنک کو خط والہ واقعہ ہوا۔وزیر اعظم کو حادثاتی طور پر مستعفی ہونا پڑا۔ پرویز اشرف نے رینٹل پاور کا ڈرامہ رچایا۔ایفی ڈرین کیس بنا یہ اور دوسرے بہت سے حوادث نے مل کر پاکستان پیپلز پارٹی کا گراف گرادیا اور پھر وہ خود لوگوں اور عوام کی نظروں میں گر گئے۔یہ بھی ایک حادثہ گردانا جارہا ہے کیونکہ ان کے بقول تمام معاملات ''ٹھیک ٹھاک'' تھے بس بجلی کا بحران، گیس کی قلت، مہنگائی کا طوفان، دہشت گردی کا عفریت، ریلوے کی تباہی، پی آئی اے کی ناقص کارکردگی،الیکشن اور الیکشن کمیشن پر سوالیہ نشانات وغیرہ وغیرہ کچھ چھوٹے موٹے''ایشوز ہیں جو کہ قوم کو پریشان کئے دے رہے ہیں۔ حالانکہ قوم کو تو'' اب تک ان چیزوں کا عادی ہو جانا چاہئے کیونکہ اب جو حالات و واقعات درپیش ہیں مزید ابتری کی جانب گامزن ہیں کہیں کوئی بہتری کی امید نظر نہیں آتی۔ہر طرف سراب ہی سراب ہے۔دھوکہ ہے فریب ہے ۔حکومت کی رٹ دکھائی نہیں دیتی۔سب کا اتفاقیہ چل رہے ہیں۔مسائل کے حل کا کوئی بھی عمل سجھائی نہیں دے رہا۔ تجربات کئے جارہے ہیں کہ کہیں کوئی تکا (اتفاق) لگ ہی جائے ۔بس باری

تعالٰی سے دعا ہے کہ کوئی ایسا اتفاق کردے کہ الیگزینڈر فلیمنگ یا ڈاکٹر بارٹن جیسا قوم سے مخلص لیڈر پاکستانی قوم کو دستیاب ہوجائے اور ملک و قوم کی حالت میں سدھار آجائے۔ ورنہ تو.........!

انتظامی یونٹس کیوں ضروری ہیں؟

پہلے 4 صوبوں کو تو کنٹرول کرکے چلا جائے 30,40 صوبوں کا انتظام و انصرام کیسے چلے گا؟ یہ بیان مولانا سراج الحق امیر جماعت اسلامی نے دیا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ فی الحال ملک میں صوبے بنانے کی بات نہ کی جائے جو صوبے پہلے سے موجود ہیں اگر ان میں ہی حکومتی رٹ اور آئین و قانون کی بالادستی قائم کر لی جائے تو بہت بڑی کامیابی ہو گی ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا کی بات وزن رکھتی ہے کہ چار صوبوں کو بد نظمی، بد عملی، کرپشن، دہشت گردی، منگائی جیسے عفریت منہ کھولے سب کو نگلنے کو تیار ہیں۔ جہاں پر بنیادی سہولتیں صرف بڑے شہروں تک محدود ہیں۔ دور دراز کے علاقوں اور چھوٹے شہروں کو سوتیلی اولاد کی طرح نظرانداز کیا جارہا ہے۔ یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ پنجاب کو مسلم لیگ تقسیم نہیں کرنا چاہتی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب چاہتے ہیں کہ سارا کام میرے ذریعے سے ہوں۔ میں ہر جگہ "جن" کی مانند حاضر ہو جاؤں تو پھر یہ حکومتی مشینری کس ''کھیت کی مولی'' ہے۔ کہ جب سارے کام اور معاملات خادم اعلیٰ نے دیکھنے ہیں۔ پنجاب کا رقبہ وسیع ہے اور چونکہ وزیر اعلیٰ انسان ہیں اس لئے مشینری کو ہی فعال کرنا ہوگا۔ منظم کرنا ہو گا۔ سٹرکچر بنانا ہوگا۔ اسی طرح وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ تو کو معلوم ہی نہیں کہ انکی jurisbiction میں کون کونسے

علاقے آتے ہیں۔ وہاں کتنے لوگ بستے ہیں۔ ان کی ضروریات اور مسائل کیا ہیں۔ انہیں دعوتیں اڑانے، نیند کرنے اور چٹکلے چھوڑنے کے علاوہ کوئی فکر نہیں۔ کہ سندھ میں کیا ہو رہا ہے۔ سندھ کے عوامی نمائندوں بالخصوص سپیکر آغا سراج درانی کی مس کمیونیکشن کا یہ حال ہے کہ جب طرف شور مچا رہا ہوا تھا کہ نیلوفر طوفان سے بڑی تباہی کا اندیشہ ہے پوری انتظامیہ ہائی الرٹ ہے تو موصوف پوچھتے ہیں کہ نیلوفر کیا ہے ؟کچھ تو خدا کا خوف کریں دعوی بڑے بڑے ہیں مگر کام صفر۔اس طرح خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں بھی صورت حال کچھ مختلف نہیں ہے اس لئے بڑے صوبے کو انتظامی یونٹس میں تقسیم کرنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ تمام معاملات کو احسن طریقے سے چلایا جاسکے۔

جب ہم طالب علم ہوا کرتے تھے تو کمپیوٹر سائنس میں ایک مضمون زبانوں (languages) کے حوالے سے بھی تھا جس میں ہمیں یہ بتایا اور سمجھایا گیا کہ اگر آپ ایک اچھے پروگرام بنانا چاہتے ہیں تو پھر آپ بڑے پروگرام کو یونٹ (modules) میں تقسیم کریں۔ پھر ان یونٹس پر کام کریں۔ جب تمام یونٹس اپنی اپنی جگہ صحیح اور درست کام کرنے لگیں تو پھر انہیں یکے بعد دیگرے جوڑتے جائیں اس طرح سے آپ ایک بہتر اور بڑے پروگرام کو ترتیب دے سکتے ہیں۔ اور اس کی مدد سے اپنے مسائل حل اور ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یونٹس بنانے سے ایک تو پروگرام کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے دوسرا یہ کہ بڑے پروگرام کو کنٹرول کرنے

میں سہولت اور آسانی میسر آجاتی ہے۔غلطیوں اور کوتاہی کی گنجائش کم ہوجاتی ہے ۔مسائل کوتلاشنا اور اسے دور کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

یہ تو ایک پروگرام کی بات ہے ہم تو ملک چلانے کی بات کررہے ہیں اتنے بڑے ملک کا نظام وانصرام جواب نہایت حد تک بگڑ چکا ہے تو اسے کنٹرول کرنے ،درست کرنے اور عوام کی فلاح میں استعمال کرنے کیلئے ضروری ہے کہ صوبوں کو انتظامی یونٹس میں تبدیل کردیا جائے تاکہ کم رقبہ، کم لوگ ،کم مسائل کو مناسب افرادی قوت اور مشینری کی مدد سے آسانی کے ساتھ ڈیل کیا جاسکے ۔اور بالفرض جو سہولیات اور مراعات آپ عوام کو ان کی دہلیز پر دینا چاہتے ہیں انکی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا چاہتے ہیں انہیں روٹی ،کپڑا اور مکان دینا چاہتے ہیں ۔انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں مزدور کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے آپ کا، حکومتی و سرکاری افراد و مشینری کا ان کے قریب ترین ہونا ضروری ہے ۔جتنی زیادہ رسائی آسان ہوگی اتنا ہی مسائل کے حل میں آسانی ہوگی۔ مسائل پر توجہ کا ارتکاز بڑھے گا ۔ان کے حل کیلئے کوششیں تیز ہونگی۔مثال کے طور آپ ایک شہر (تحصیل) میں امن وامان کو کنٹرول کرنے کیلئے پولیس کو یونٹس میں تقسیم کرتے ہیں ۔سٹی پولیس ،صدر پولیس جبکہ ڈی ایس پی الگ سے سپروائزر کرتا ہے تاکہ مسائل اور امن وامان کے حوالے سے بہتر نتائج آسکیں ۔علاوہ ازیں 20 سے 50 کلومیٹر کے دائرے میں ڈی پی او ان سب کو

سپروائز کرتا ہے اس کے باوجود چوری ڈکیتی ،امن وامان اور تحفظ کے مسائل برقرار رہتے ہیں۔ کیونکہ وسائل اور افرادی قوت کا فقدان ہے۔اب اگر ان چند لوگوں کو ڈویژن دے دیا جائے تو ہر طرف مسائل ہی مسائل نظر آئیں گے اور صورتحال مخدوش ہوتی جائیگی۔ بعینہٖ اگر حکومت اس نہج پر سوچے اور عمل کرتے ہوئے کہ جس کی آئین و قانون بھی اجازت دیتا ہے اگر ملک میں نئے صوبے (انتظامی یونٹس) بنادے جائیں تو بہت سے مسائل اپنی موت آپ مرجائیں گے آپ بھی سرفراز ہو جائیں گے۔ اورویسے بھی وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے بھی اس بات کی تائید و حمایت کردی ہے کہ آئین و قانون میں اسکی گنجائش موجود ہے اور ہم اس پر سوچ رہے ہیں رسم دنیا بھی موقع بھی دستور بھی ہے اور بالفرض اس کی گنجائش نہ بھی ہو تو نظریہ ضرورت کے تحت اس کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے تاکہ عوام کی مستفید کیا جاسکے۔ اور عوام کی دہلیز تک سہولیات اور انصاف کو پہنچانے کا آپ کا دعوی پورا ہوسکے۔

اخلاقی انحطاط ! کیوں؟

وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا۔ ہاتھوں میں سیب کا شاپر لئے وہ وہیل چیئر بیٹھا ٹریفک سگنلز کے بند ہونے کا منتظر تھا تاکہ سڑک کو کراس کر سکے۔ کچھ دیر کے بعد اس کے طرف والی لائٹس ریڈ (سرخ) ہو گئی اس نے جلدی سے زیبرا کراسنگ پر اپنی وہیل چیئر چلانے شروع کی ابھی درمیان میں ہی تھا کہ اس کے ہاتھ سے سیبوں والا شاپر چھوٹ گیا اور سیب سڑک کے چاروں طرف بکھر گئے۔ اس نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا دور دور تک گاڑیوں کی لمبی لائنز بتی سبز ہونیکی منتظر تھی۔ اس نے ماحول اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہی بہتر جانا کہ سیب اٹھائے بغیر، ٹریفک کو ڈسٹرب کئے بغیر اور عوام کو پریشانی میں ڈالے بغیر چپ چاپ سڑک کراس کر لے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بکھرے سیب سمیٹنے کیلئے اسے کم از کم 5 منٹ درکار تھے اور اتنی دیر تک ٹریفک نہیں رک سکتی تھی۔ پس اس نے چشم نم سے بکھرے سیبوں کو دیکھا اور بقیہ ماندہ سڑک کراس کرنا شروع کی۔ ڈیجیٹل ٹریفک سگنلز پر لگی گھڑی سے سیکنڈز تیزی گر رہے تھے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ٹریفک کے رواں ہونے پر سیبوں کی کیا حالت ہونا تھی مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ چل دیا۔

اسی دوران آس پاس کی گاڑیوں میں بیٹھے جو لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے ان میں

سے چند اپنی گاڑیوں سے نکلے۔انہوں نے چاروں طرف بکھرے سیب چنے شاپر میں ڈالے اور پھر وہ شاپر اس بوڑھے شخص کے حوالے کر دیا جو کہ اب تک سڑک کراس کرچکا تھا۔اب اس کی آنکھیں میں موجود آنسوؤں میں خوشی کی چمک تھی۔ بات یہیں پر موقوف نہیں یہ سب منظر سگنلز ڈیوٹی پر موجود ٹریفک کانسٹیبل بھی دیکھ رہا تھا۔اسی دوران نیلی بتی جل چکی تھی۔اس نے بتی کے سبز ہونے سے پہلے ہی بٹن دبادیا تاکہ سبز بتی نہ جل سکے اور سیب چننے والے لوگ سیب سمیٹ کر بوڑھے کے حوالے کر دیں۔ یہ سب تقریباایک منٹ میں وقوع پذیر ہوا۔مذکورہ بالا تحریر ایک سٹوری دکھائی دیتی ہے تاہم اس میں ہر شخص نے انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ بوڑھے شخص نے یہ سوچتے ہوئے اپنے سیبوں کی قربانی دی کہ میری وجہ سے عوام مسافر اور ٹریفک اہلکار پریشان نہ ہوں۔ ٹریفک کی روانی میں رکاوٹ نہ آئے۔ دوسری طرف مسافروں نے ایک معذور بے بس اور مجبور شخص کی لاچاری دیکھ کر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سیبوں کو چننے میں اپنا حصہ ڈالا اور تیسری جانب ٹریفک اہلکار نے انسانیت اور اخلاقیات کو مقدم رکھتے ہوئے چند سیکنڈز کیلئے ٹریفک کو روک کر اپنا حصہ ڈال دیا

یہ واقعی کہانی معلوم ہوتی ہے لیکن ایسی کہانیاں ہمارے معاشرے میں، پاکستانی معاشرے میں کیوں دکھائی نہیں دیتیں۔یہاں تو انسان کو انسان سمجھنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف بنتا جارہا ہے ہر شخص دوسرے کے کپڑے پھاڑنے

اور اتارنے پر تیار بیٹھا ہے کوئی ایک کسی دوسرے کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔تو پھر یہ کونسے معاشرے ہیں جہاں انسانی احساسات کو انسانیت کی کسوٹی پرپرکھا جاتا ہے ہمارے معاشرے میں انسان جانوروں سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہیں کہ کبھی معصوم کلیوں کو مسل ڈالتے ہیں تو کبھی بیگناہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے کبھی مسیحی جوڑے کو بٹھے میں زندہ جلادینے والا اندوہ ناک اور غیر انسانی واقعہ پیش آتا ہے تو کبھی اقربا پروری اور کرپشن کی بنا پر ایسے نااہل اور اناڑی ڈرائیورز کو انسان کو مارنے کے لائسنس جاری کردیئے جاتے ہیں اور پھر خیرپور میں 60 کے قریب انسانی جانوں کو بے حسی کی بھینٹ چڑھادیا جاتا ہے۔ہائی وے والے اپنے مفادات کی خاطر اور ٹھیکیدار اپنے بنک بیلنس کو بڑھانے کی خاطر ناقص میٹریل استعمال کرتے اور کرواتے ہیں جس سے روڈ ابتری کا شکار ہوجاتے ہیں اور پھر حادثات کا سبب بنتے ہیں لیکن یہاں پر کوئی بھی ایسا نہیں جو ان سے پوچھ سکے تحقیق کرکے بازپرس اور سرزنش کرکے گناہ گار کو گناہ گار ٹھہراسکے اور اسے کیفر کردار تک پہنچاسکے۔سب مصلحتوں میں قید ایک دوسرے کے کانے ہیں۔معاشرہ بے حسی بے راہ روی کا شکار ہوچکاہے ۔اخلاقیات اور اخلاص ہمارے اعمال و کردار سے غائب ہوچکاہے۔اخلاقی انحطاط روز بروز ہم پر غالب آتا جارہا ہے۔نجانے کیوں ہم میں وہ شعور و آگہی نہ آسکی کہ جس کی بنا پر ہم پوری کائنات میں مشہور و معروف تھے۔متعدد غیر مسلم مفکروں اور دانشوروں نے بھی اسلام اور ہماری تعلیمات کو دنیا کی بہترین تعلیمات

قرار دیا ہے۔ انہیں قابل ستائش اور ترقی کا زینہ کہا گیا۔ اس بات کی بھی تائید کی گئی کہ اسلامی تعلیمات اور باعمل مسلم معاشرہ اخلاقیات اور انسانی اقدار کی بہترین شکل ہے اور اس کے پیروکار کا اخلاقی مورال نہایت ہی حدتک بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں وہی عروج حاصل کرنے کیلئے اپنی صفوں کو سدھارنے کی ضرورت ہے اور صفیں اس وقت سدھرتی ہیں جب انسان خود اپنے کندھوں کو دوسرے کے کندھوں سے ملاتا اور جوڑتا ہے۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ معاشرے میں سدھار لانے کیلئے ہر شخص کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا تبھی ہمارا معاشرہ ایک انسان دوست اور اخلاقی اقدار سے مزین معاشرہ بن سکتا ہے اور ہماری شناخت باقی رہ سکتی ہے۔

احتجاجی قوم..... شناخت پاکستان

دنیا میں تمام قومیں کسی نہ کسی خصوصیت کی بنا پر مشہور ہیں اور جانی جاتی ہیں اور ان خصوصیات کی بنا پر ہی چہار دانگ عالم میں ان کا ڈنکا بجتا ہے۔ کوئی قوم اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے مشہور ہے تو کوئی منافقانہ پالیسیوں کی بنا پر جانی جاتی ہے۔ کسی کا نام مہمان نوازی کی بنا پر جانا جاتا ہے تو کوئی اپنی زبان کی مٹھاس کی کھٹی کھا رہی ہے۔ کسی کا پرچار ان کی محنت کی بنا پر کیا جاتا ہے تو کوئی اپنی عیاری و مکاری کی بنا پر نام کیش کرا رہی ہیں کسی نے اپنی افرادی قوت کا لوہا منوایا ہے تو کسی نے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا ہے۔ زبان کی پاسداری کسی کا شیوہ ہے تو کوئی اپنی بے وقوفیوں کی بنا پر لوگوں کیلئے مزاح و تسکین قلب کا باعث بنتی ہے کوئی نفاست کی پروردہ ہے تو کوئی اندھیروں کی باسی۔ کسی کا ڈیل ڈول اس کی شناخت ہے تو کسی کا بونا پن ان کی تعریف بن جاتا ہے۔ کہیں پر کامیابیوں کا تسلسل ہے تو کہیں ناکامیاں منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑی ہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں نے جب سے وہ معرض وجود میں آئی ہیں ترقی کی منازل طے کی ہیں پستی کے اندھیروں سے نکل کر عروج کی کرنوں کو چھوا ہے۔ کوئی قوم تیز رفتاری سے دنیا میں سرفراز ہوتی گئی تو کسی نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بام عروج تک پہنچایا اور اس افراتفری کے دور میں

رکھنے کیلئے ان ملکوں کے حکمران و عوام چھوٹے بڑے سب maintain اپنے آپ کو اپنے اپنے تئیں تن من دھن کے ساتھ شامل ترقی ہیں لیکن یہاں پر ایک اور قوم کا ذکر کرنا بھی چاہوں گا کہ جس نے اپنی ترقیوں کامرانیوں اور کامیابیوں کا تسلسل شروع کیا اور دنیا کی بڑی اقوام میں اپنے ہونے کا، اپنے نام کا لوہا منوایا لیکن وہ لوہا شاید خام ثابت ہوا۔ وہ قوم جس کی عظمت کے گن گائے جانے لگے تھے۔ جن کی بہادری و شجاعت ان کی پہچان تھی جن کی محنت و حوصلے کا طوطی بولتا تھا شاید اس کو کسی کی نظر بد لگ گئی یا پھر حکمرانوں اور عوام کی بداعمالیوں کا شکار ہو گئی کہ دن بدن اس کی ترقی کا گراف گرتا گیا، ترقی معکوس ہوتی گئی تنزلی بڑھتی گئی۔ خوشحالی خواب بن گئی غربت لباس بن گئی۔ خوشیاں سراب بن گئیں اور ناخلف حکمرانوں اور نو دولتیوں کی اولادیں نواب بن گئیں۔ملک کا دیوالیہ نکلتا گیا۔ جڑیں کمزور ہوتی گئیں تنے (ادارے) کھوکھلے ہوتے گئے کہ جس پر تھوڑا سا بوجھ ڈالا گیا وہ تڑاخ سے زمین بوس ہوگیا

جی ہاں قارئین آپ یقینا سمجھ گئے ہونگے میں قوم پاکستان کی بات کررہا ہوں ملک پاکستان کی بات کررہا ہوں۔ دنیا کا واحد ملک ہے جو اس تیز رفتار اور کمپیوٹر کے دور جدید میں تنزلی و پستی کا شکار ہے۔نا اہل حکمران ملک کو ہاتھوں پیروں سے لوٹ رہے ہیں عوام سدا کی طرح خاموش تماشائی بنی اپنے آپ کو

لٹوا کر بھی خوش ہے اور بہتری کی امید میں نا امیدیوں کی گہرائیوں میں گرتی جا رہی ہے۔یعنی اپنے حق کی خاطر پہلے تو اٹھتی ہی نہیں کیونکہ ان کو اپنے حقوق کا ادراک ہی نہیں اور اگر قسمت سے ادراک ہو جائے تو اس کا واحد حل احتجاج کی صورت نکلتا ہے۔ روڈز بلاک کر دیئے جاتے ہیں سرکاری و غیر سرکاری عمارتوں اور املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے گاڑیوں اور دکانوں کو آگ لگائی جاتی ہے یعنی کہ دوسری اقوام کی طرح پاکستانی قوم کی بھی ایک شناخت بن گئی ہے کہ ''احتجاجی قوم'' نشان پاکستان

حکمرانوں اور اقتدار کے رسیا لوگوں سے کام نکلوانے اور بات منوانے کا ایک اور واحد حل احتجاج کو مان لیا گیا ہے اور پاکستان کی حالیہ پانچ سے سات سالہ ہسٹری کو دیکھ لیں کہ ہر شخص ہر شعبہ احتجاج ہڑتال بائیکاٹ کی نظر ہو گیا۔ بچے بوڑھے نوجوان مرد و عورت سب کسی نہ کسی انداز میں احتجاج کر رہے ہوتے ہیں۔پہلے جب کبھی کوئی احتجاج یا ہڑتال کرتا تھا تو اس کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ لیکن یہ احتجاج احتجاج کھیل کر عوام نے احتجاج کا تاثر ہی ختم کر دیا ہے۔دوسری طرف یہ عمل اب عوام سے منتقل ہو کر محکموں کی جانب چلا گیا ہے۔ مزدور ہو کہ ٹیکسٹائل مل اونر۔ ملازم ہو کہ افسران بالا۔ اساتذہ ہو ں کہ طالب علم۔ دکاندار ہوں کہ ریڑھی بان۔تاجر ہوں کہ صنعت کار۔ پٹرول پمپس مالکان اور سی این جی مالکان ہو کہ ٹرانسپورٹرز ،ڈاکٹرز ہوں کہ مریض، وکلا

ہوں کہ سائل، انسانی حقوق کے علمبر دار ہوں کہ حقوق نسواں کے متوالے غرض صحافی سیاستدان ججز بیوروکریٹس سب نے احتجاج کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ غضب خدا کہ وہ لوگ جو مسیحائی کا دعوی کرتے ہیں ان کے سامنے مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں لیکن یہ سنگدل اور کھٹور دل نام نہاد مسیحا چند روپوں کی خاطر انسان کو راہی عدم کا راستہ دکھادیتے ہیں آپریشن نہ ہونے کی بنا پر کتنی ہی جانیں جان آفریں کو لبیک کہہ جاتی ہیں لیکن مسیحائے قوم کو اپنی تنخواہ بڑھوانے کی فکر کھائے جارہی ہوتی ہے اپنے الاؤنسز کی وصولی ان کا سب سے اولین مطمع نظر بن جاتا ہے۔ننھے ننھے معصوم بچے ان بے حسوں کی بے حسی پر دنیا سے عدم سدھا جاتے ہیں کہیں کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی۔

ایمرجنسی، ان ڈور، آؤٹ ڈور میں مریض درد کی شدت سے بلبلا رہے ہوتے ہیں زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن مسیحا زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے زخموں پر نمک پاشی کرتے نظر آتے ہیں۔ بھئی اگر ہڑتال وکلا کریں صحافی یا اساتذہ کریں، بیوروکریٹس کریں یا انسانی حقوق والے احتجاج کریں تو قابل برداشت ہے کہ اس سے کسی کی جان جانے کا احتمال نہیں ہوتا اور ان کی ہڑتال کے دوران بھی یہ ہدایت عام طور پر ہوتی ہے کہ میڈیکل سٹورز اور ہسپتالوں کو نہ چھیڑا جائے نہ بند کرایا جائے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں طبی امداد دی جاسکے لیکن جب ڈاکٹرز اور ان سے متعلقہ عملہ نرس پیرامیڈیکس وغیرہ بھی بائیکاٹ کردیں تو پھر......؟ پھر تو اللہ ہی حافظ ہے۔

یہ واقعی حقیقت ہے کہ ہمارے کرتا دھرتاؤں نے ملک کے نام نہاد و نااہل لیڈرز نے عوام کو اتنا زچ کر دیا ہے کہ انہیں بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ لیکن معاملات و معمولات پھر بھی جوں کے توں ہیں۔ کہیں کوئی اصلاح یا فلاح کی صورت دکھائی و سجھائی نہیں پڑتی دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ احتجاج کرنے والا اپنے آپ کو درست سمجھتا ہے اور جس کے خلاف احتجاج کیا جارہا ہے وہ بھی حاجی ثناء اللہ ہے۔ کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں۔ اپنے آپ کو سدھارنے کو تیار نہیں۔ شاید اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے کہ ان کیلئے ہدایت کا راستہ بند ہوگیا ہے اب ان سے اچھائی کی امید سوائے بیوقوفی کے اور کچھ نہیں اسی لئے لگے رہو بھائیو میرے ملک کے معمار و میرے وطن کے جوانوں میری دھرتی کی ماؤں بہنو اور بیٹیو لگے رہو لگے رہو شاید کہ کوئی تمہاری تقدیر کا سنوارنے والا آجائے!

خواہش اور کامیابی لازم ملزوم ہیں

دنیا کا کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو کامیابی کی خواہش نہ رکھتا ہو یہ اس کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے لیکن دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو کامیابی کیلئے ضروری کوشش بھی کرتے ہیں کیونکہ کامیابی اور ناکامی کے درمیان دراصل کوشش اور خواہش ہی کا فرق ہے۔ خواہش کے بغیر کامیابی مل سکتی ہے لیکن کوشش کے بغیر کامیابی کا حصول ناممکن ہے اور اگر ہم تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کامیابی کی یہ نعمت جہد مسلسل اور کوشش کے ہی مرہون منت ہے۔ ملک ریاض حسین کی مثال پاکستان میں موجود ہے جس کا شمار پاکستان کے چند امیر اور کامیاب ترین افراد میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے سفیدی کرنے کام کرنے کی ابتدا کی اس بے حس اور ظالم معاشرے میں حسب روایت کام کے حصول کیلئے دفتروں کے چکر کاٹے۔ بھوک وافلاس کو انتہائی قریب سے دیکھا اور پھر محنت، کوشش، جہد مسلسل، اخلاص نیت اور نصرت ایزدی نے آج ملک ریاض حسین کو بام عروج پر پہنچادیا۔کامیابیاں ان کے قدم چومتی ہیں۔اسی طرح اسٹیفن کنگ انگریزی ادب کا ایک معتبر نام ہے انہوں نے جو پہلا ناول لکھا کوئی پبلشر اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا کسی نے اسے چھاپنے کی حامی نہ بھری۔ وہ ایک تسلسل کے ساتھ پبلشروں کے چکر کاٹتے رہے اور اسی تسلسل کے ساتھ انہیں مسترد کیا جاتا رہا۔برداشت بے عزتی کی حد ختم

ہوئی ضبط ٹوٹ گیا اور اسٹیفن نے اپنے ناول کا مسودہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ ان کی بیوی جب کوڑے دان کے قریب سے گزری اور مسودے کو ٹوکری میں پڑے دیکھا تو اسے اٹھالیا اور شوہر سے دریافت کیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اسٹیفن نے اسے دو ٹوک لہجے میں بتایا کہ وہ آئندہ کوئی ناول نہ لکھے گا اور نہ ہی کسی پبلشر کے دروازے پر اشاعت کی بھیک مانگے گا۔ اس کی بیوی نے انہیں یہ سمجھا کر کہ آخری مرتبہ اور کوشش کرلی جائے۔ بادل نخواستہ بیوی کے کہنے پر وہ ایک پبلشر کے پاس گئے اس نے ناول چھاپنے کا عندیہ دیا ناول چھپا اور اس کی بدولت اسٹیفن کنگ کا نام دنیا میں چھاگیا۔

دنیا کی مشہور کمپنی ہنڈا کے مالک سوشیر و کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ ٹیوٹا گاڑیوں کی کمپنی میں ملازمت کیلئے درخواست دی۔ لیکن وہاں سے اسے یہ کہہ کر معذرت کرلی گئی کہ وہ اس کمپنی میں ملازمت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس بات نے اس کے دل پر گہرا اثر ڈالا اور اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ بھی ایک روز ایسی ہی ایک کمپنی قائم کریگا جس کا بنیادی مقصد ٹیوٹا سے مقابلہ ہوگا۔ اس نے ہنڈا کی بنیادی ڈالی اور پھر اس کی محنت اور لگن کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ ایک اور مثال لیجیے جنوری 2014 میں ممبئی کے ایک ریلوے سٹیشن پر مونیکا نامی طالبہ گرپڑی اور اپنے دونوں ہاتھ کٹوا بیٹھی۔ اس صدمے سے اس نے حوصلہ لیا اور ہمت نہ ہاری اور اپنے لئے مصنوعی ہاتھ

لگوالئے۔اب وہ اپنے تمام کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی ہے حتی کہ لکھ بھی سکتی ہے۔اسی طرح بل گیٹس۔وارن بفٹ، نیلسن منڈیلا، مائیکل جیکسن، سٹیو جابز، ہیلن کیلر، قائداعظم، بل کلنٹن وغیرہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف اور صرف محنت اور لگاتار کوشش کے بعد اپنا لوہامنوایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم سیلف میڈ کہتے ہیں ان لوگوں نے اپنے انتہائی قلیل وسائل بلکہ وسائل کے نہ ہوتے ہوئے بھی صرف کوشش اوراللہ کی مدد سے اپنے آپ کو ترقی کی منازل کا راہی بنایا۔

مملکت خداداد میں ہمارا مزاج اور شیوہ بن چکا ہے کہ خود بھی کچھ نہیں کرنا اور دوسرے لوگوں کی ٹانگیں کھینچنا۔ کسی کی ترقی وکامیابی ہمیں ہضم نہیں ہوتی۔ ہم شارٹ کٹ کے چکر میں اندھیروں کے مسافر بن جاتے ہیں لانگ ٹرم صبر آزما ضرور ہے لیکن آپ کو رفعت کی بلندیوں اور اجالوں کی جانب گامزن کرتا ہے۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوشش، جدوجہد اور محنت ہی کامیابی وکامرانی کی کلید ہے جو لوگ کوشش کو اپنا شعار بنالیتے ہیں کامیابیوں کی انتہا کو چھولیتے ہیں اور جو لوگ کوشش کی بجائے محض خواہشات کے محل بناتے ہیں اور کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب خواہش ان کا منہ چڑا رہی ہوتی ہے اور کامیابی کا دور دور تک نشان نہیں ملتا۔ انسان کا خواب دیکھنا اور خواہشات پالنا کوئی بری بات نہیں کیونکہ خواہش اور خواب ہی تو بنیاد بنتے ہیں لیکن ان کی تعبیر صرف اور صرف کوشش سے ہی شرمندہ ہو سکتی ہے۔بقول شاعر

فرہاد کے مرقد سے آتی ہیں صدائیں
کہ محنت کسی شخص کی برباد نہیں جاتی

خواتین اور 16 دن

25 نومبر سے 10 دسمبر تک کے سولہ دنوں کو عورتوں پر تشدد کے خلاف عالمی طور پر منایا جاتا ہے۔10 دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن ہے۔ سولہ دنوں کا یہ تسلسل اور ربط اس لئے ہے چونکہ عورت کے حقوق بھی انسانی حقوق کے زمرے میں آتے ہیں۔اس تحریک کا آغاز 1981 میں کولیمبیا کے شہر بوگاٹا میں ہوا جس میں عورتوں پر جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ زبانی تشدد، گالی گلوچ تہمت وغیرہ کو بھی تشدد کے زمرے میں شامل کرلیا گیا۔ یہ دن دراصل تین میرابل بہنوں پر آمرانہ تشدد کے خلاف آواز ہے جنھیں بے پناہ غیر انسانی تشدد کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔اسی تناظر میں دنیا بھر میں ان 16 دنوں میں عورتوں کے حقوق کی تنظیمیں گروہ اور جماعتیں عورتوں کے مسائل کے حل کے حوالے سے اپنا کردار، عمل اور جدوجہد کا سلسلہ مرتب کرتی ہیں۔پاکستان جیسے اسلامی روایات کے حامل ملک میں صنفی تشدد کار کرائم کا گراف بہت حد تک بڑھا ہوا ہے۔تیزاب گردی کیس، عورت تحفظ بل تشدد بل وغیرہ کے پاس ہونے کے باوجود حوا کی بیٹیاں اس بے لگام معاشرے میں کسی بھی لحاظ محفوظ و مامون نہیں ہیں۔اگر ہم صرف جنوبی پنجاب کو ہی فوکس کرلیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ قتل، غیرت کے نام پر قتل، اغوا، جنسی زیادتی، تیزاب گردی، آگ میں جلانا، خودکشی، ونی جیسے قبیح کرائم سے گذشتہ

سال تقریبا1920 خواتین متاثر ہوئیں اور ان میں سے اکثریت کو انصاف نہ مل سکا۔

خواتین کے ساتھ زیادتی اور اجتماعی زیادتی کے واقعات دنیا بھریں ایک بڑے المیے کا روپ دھار چکے ہیں اور پاکستان جیسے اسلامی ملک میں امریکہ جیسے سیکولر اور بھارت جیسے مشرقی ملک میں خواتین بالخصوص ملازمت کرنے والی خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔پاکستان میں ہر روز خواتین کے ساتھ زیادتی کے بہت سے واقعات میڈیا کے ذریعے سے عوام الناس تک پہنچ پاتے ہیں مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ بہت سی وجوہات کی بناپر رپورٹ ہی نہیں کئے جاتے جس فزیکل، domestic voilation کی وجہ سے بھی عورتوں کا استحصال بڑھتا جارہا ہے ٹارچر، مینٹل ٹارچر، جنسی زیادتی ، جنسی ہراسمنٹ وغیرہ جیسے واقعات عام ہیں۔عورتوں پر تشدد در حقیقت مردوں اور عورتوں کے درمیان طاقت کے عدم توازن کا واضح اظہار ہے۔جو کہ زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات حتی کہ گھر کی چار دیواری میں نمایاں طور پر موجود ہے۔جس میں مرد اپنے آپ کو برتر اعلی اور طاقتور تصور کرتا ہے۔چونکہ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے تو دوسری طرف انہی خیالات تصورات اور نظریات کی لت عورتوں پر بھی انتہائی حد تک اپنا تاثر چھوڑ چکی ہے۔اور وہ اپنے آپ کو مردوں کے مقابلے میں کم تر اور کمزور تصور کرتی ہیں اور تمام شعبوں میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔جنوبی ایشیا میں

ہر دو منٹ میں ایک عورت تشدد کا شکار بنتی ہے جو کہ الارمنگ صورت حال ہے۔ اس میں سدھار اور کمی کیلئے اپنی کمیونٹی کی اقدار اور نظریات کو تبدیل کرنا ہوگا یہ ایک صبر آزما، طویل اور مشکل کام ہے اور اسے کسی ایک عمل واقعے یا سرگرمی سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کیلئے طویل مدتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات اس قدر عام کیوں ہوتے جارہے ہیں ملزموں کی اس قسم کے جرائم کرنے کی ہمت کیونکر ہوتی ہے پاکستان میں اس قسم کے واقعات کو روکنے کیلئے کن اقدامات کی ضرورت ہے کہ خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات کو روکا جاسکے۔ مندرجہ ذیل عوامل بھی ان واقعات کے رونما ہونے کے ذمہ دار ہیں۔

☆پاکستان میں خواتین پولیس اہلکاروں کی تعداد نہایت کم ہے جس کی وجہ سے خواتین کے معاملات کو تھانہ تک لے جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پولیس اہلکاروں کی نفری نہ ہونے کی بنا پر خواتین کے مقدمہ جات کے اندراج نہیں ہو پاتے جو کہ ملزمان کو آشیرباد دینے کے زمرے میں آتا ہے

☆عوامی و تفریحی مقامات پر پبلک سیفٹی کی کمی بھی ایک اہم ایشو ہے جس کی وجہ سے گھر سے باہر عورت کو تحفظ حاصل نہیں

☆ہمارا سست عدالتی نظام بھی ان جرائم کے اضافے کا ایک اہم حصہ ہے جو کہ ججوں کی کمی اور عدالتوں میں کیسز کی بھرمار کی بنا پر تاخیر کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں اور متاثرہ فریق اس سست روی کا شکار ہو کر اپنی جان چھڑانا ہی غنیمت جانتا ہے

☆خواتین کے ساتھ روزمرہ کے واقعات میں چھیڑ چھاڑ شامل ہیں جن کے بارے میں کوئی پراپر قانون یا لائحہ عمل موجود نہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملزمان کا حوصلہ بڑھتا ہے اور ریپ کے واقعات کا رجحان بھی بڑھتا ہے

☆ہمارے معاشرے میں خواتین کے سٹیٹس کے حوالے سے بھی بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں جن میں ایک اہم مسئلہ عورت کو کم تر سمجھنا ہے لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو نظرانداز کردیا جاتا ہے اور عورت کی اہمیت میں کمی بھی خواتین کی بے عزتی و رسوائی کا سبب ہیں۔ حالانکہ عورت ہر شعبے میں مردوں میں آگے نکلتی جارہی ہے۔

☆ جنسی زیادتی کا شکار خواتین کو مجرم سمجھنے کا وطیرہ بھی شروع سے ہی کارفرما ہونے کی بنا پر عورت کو ہی موردالزام ٹھہرادیا جاتا ہے اس بدنامی سے بچنے کیلئے عورت ایسے معاملے کو پوشیدہ رکھنے پر ہی اکتفا کرتی ہے کیونکہ معاشرے میں اسے بھی برابر کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور ملزمان کو شک کی بنا پر رعایت ملنے پر جرم کرنے کی ہمت دوچند ہوجاتی ہے

☆زیادتی کے بعد صلح کرنا یا کروانا ہمارے معاشرے میں عام ہوتا جارہا ہے ملزم

کو معلوم ہوتا ہے کہ ہوس مٹانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ معافی، تلافی اور صلح نامے سے کام چل جائے گا اور اکثر واقعات کی تاریخ بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ شادی کر دینا اس معاملے کا مناسب اور بہتر حل مانا جاتا ہے

☆ لباس کی نامناسبت اور بے ڈھنگا پن بھی جنسی زیادتی کی وجوہات کی ایک بڑی وجہ ہے فیشن اور ماڈرن ازم کے ماری خواتین ایسے بھڑکیلے اور جذبات کو ابھارنے والے لباس استعمال کرتی ہیں جس سے دیکھنے والے کو ترغیب ملتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں پینٹ شرٹ اور سکرٹ وغیرہ پہننے کی وجہ سے بھی ریپ کے واقعات عام ہوتے جا رہے ہیں

یہ تمام وجوہات اپنی جگہ اور زیادتی کے واقعات اپنی جگہ۔ اگر یہ قبیح عمل ایک عام فرد کرتا ہے تو اس سے ایک عورت یا ایک خاندان متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ وپورا معاشرہ اس بھیانک اور لرزہ خیز عمل کا شکار ہوتا ہے۔ اس لئے حکومتی مشینری کے ساتھ ساتھ غیر حکومتی اور غیر سرکاری تنظیموں کو بھی اپنا فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ فرسودہ عقائد اور رسومات جیسا کہ ونی، سوارہ، بدل، قرآن سے شادی وغیرہ کو پس پشت ڈال کر جنس مخالف کیلئے دوستانہ ماحول مہیا کرنا ہوگا۔ عورتوں کی ضروریات حقوق اور ترجیحات کو سمجھنا ہوگا تعلیم، شعور و آگہی کے متعلق سیمینارز اور تقریبات کے، ذریعے سے عورتوں کے ساتھ

ساتھ مردوں کو بھی انکے فرائض بارے آگاہی دینا ہوگی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت عورت کا استحصال کرتی ہے لیکن ان تمام خرابیوں میں مرد کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔اس لئے مرد کو اس سلسلے میں شعور و آگہی روشناس کرانا نہایت ضروری ہے۔

عوامی نمائندوں کی ترجیحات

کسی بھی جمہوریت پسند معاشرے میں کسی بھی سیاسی جماعت یا شخصیت کی مقبولیت اور گرفت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ وہ الیکشن میں کتنی سیٹ حاصل کرتی ہیں یا کتنے ووٹ لیکر کامیاب ہوتی ہے۔ ان کے نتائج ان کی عوام پسندی جانچنے کا واحد پیمانہ ہوا کرتے ہیں انتخابی نتائج ان کی پذیرائی اور عوامی نمائندگی کا آئینہ شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ نتائج اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون سی جماعت گروہ یا شخصیت کی سیاسی، بصیرت، رویے، عوام دوست پالیسیاں اور منشور کس حدتک لوگوں کے دل و دماغ میں گھر کر رہا ہے اور یہ انتخابی نتائج ہی ہوا کرتے ہیں جو کسی بھی سیاسی جماعت کی پالیسیوں اور منشور کو مسترد کرکے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عوام کے یہ فیصلے خود ان کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ عوام اپنے فیصلوں پر پچھتاتے اور کف افسوس ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر یہ سب اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب الیکشن اور اس کے نتائج فیئر اور شفافیت پر مبنی ہوں۔ کچھ ایسا ہی پاکستان میں بھی ہوتا رہا ہے اور فی الوقت بھی ہو رہا ہے کہ وہ تمام عوامی نمائندے جو بظاہر عوامی طاقت سے منتخب ہوئے ہیں ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ عوام کے اعتماد پر پورا اترتے ہیں ان کے مسائل کے حل کیلئے کوشش کریں مزید پذیرائی اور مقبولیت

کیلئے عوام ریلیف دیں ان کو تعلیم، صحت، روزگار، ٹرانسپورٹیشن، سینی ٹیشن جیسی بنیادی سہولیات کو مستقل بنیادوں پر مہیا کریں مگر ایسا شاذو نادر ہی ہوتا ہے۔ جیتنے کے بعد ان کے دعوی اور وعدے خواب ہو جاتے ہیں ان کی ترجیحات تبدیل ہو جاتی ہیں انہیں سکولز اور کالجز میں پڑھانے والے اساتذہ اور تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و طالبات سے کوئی سروکار نہیں ان کا مطمع نظر وہ فنڈز ہوتے ہیں جن کو ان کی صوابدید پر استعمال کرنا ہوتا ہے۔ان کی کبھی بھی خواہش نہیں رہی ہوتی کہ کسی غریب ،مزدور، دہقان ،کاشتکار یا مزارعہ کا بیٹا بیٹی زیور تعلیم سے آراستہ ہو اور انہیں آنکھیں دکھائے ان کی ڈیرہ داری اور اجارہ داری کو تعلیم کی تلوار سے کاٹ دے۔ان کی حتی الوسع کوشش ہوتی ہے کہ اہل علاقہ کو جتنا زیادہ ناخواندہ، تنگ دست اور پست رکھا جائیگا اتنا ہی ہمارا معیار اقتدار طویل ہوگا۔ ان کو کبھی کو خلش محسوس نہیں ہوتی کہ کسی ہاری کا بیٹا باپ بھائی بہن ہسپتال میں ڈاکٹرز کی کمی اور ادویات کی عدم فراہمی کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گیا ہے۔ عوامی نمائندوں کو کبھی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی کہ ان کے علاقے تعلیم صحت صفائی اور ذرائع آمد و رفت کی سہولیات سے عاری ہیں۔

ہاں ! انہیں اس وقت شدید کوفت، شرمندگی اور تذلیل محسوس ہوتی ہے کہ جس کسی تھانے کا ایس ایچ او ان کی تابعداری نہ کرے ان کی چوکھٹ پر ناک نہ رگڑے۔ ان

کی ڈیرے کے چکر نہ لگائے۔ ان کے جائز و ناجائز کام نہ کرے بیگناہوں کو گرفتار نہ کرے انہیں بہت برا لگتا ہے جب ایک تھانیدار میرٹ پر فیصلے کی بات کرے۔ جب کوئی ایس ایچ او ان کی مرضی اور منشا کے مطابق نہ ہو تو بہت بے چینی اور بے سکونی محسوس ہوتی ہے ان کی رات کی نینداور دن کا سکون برباد ہو جاتا ہے ان کی ترجیحات میں تھانہ کلچر پر گرفت سرفہرست ہوتی ہے کہ پہلے تو ڈی پی اوز اور ایس ڈی پی اوز ان کے من پسند ہوں یا کم از کم ایس ایچ اوز کو تو ان کا تابع فرمان ہونا چاہئے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے اس کی معتبر ذرائع سے بھی تصدیق ہو گئی۔ ہمارے علاقے میں معاملات کچھ ایسے ہوئے کہ اوپر تلے ڈی ایس پی اور ایس ایچ اوز آئی جی پنجاب کی ہدایات کی روشنی میں تبدیل ہو گئے اور جو تعینات ہوئے وہ تمام کے تمام نئے اور غیر مانوس آ گئے۔ ٹیلی فون اور رقعہ پر کام ہونا بند ہو گئے سرداری ختم ہوتی محسوس ہوئی۔ ڈی پی او کو گوش گزار کیا کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ خفت اور سبکی بڑھتی جارہی تھی آخر کار وزیر اعلیٰ تک رسائی حاصل کی گئی۔ وہاں پر اپنی اوقات کا رونا رویا گیا کہ ڈی پی او ہماری نہیں سنتا اس کو تبدیل کیا جائے وزیر اعلیٰ نے اس معاملے پر جھنڈی کرادی۔ بات ڈی ایس پی کے تبادلے کی ہوئی وہاں پر بھی معاملہ جوں کا توں رہا۔ آخر کار بات یہاں پر ختم ہوئی کہ چلو ایک ایس ایچ او ہی تبدیل کرادیں۔ وزیر اعلیٰ نے بھی محسوس کیا کہ اتنا تو ان کا حق بنتا ہی ہے لہٰذا ایس ایچ او تبدیل کر دیا گیا۔ گردنوں کا سریہ مزید تن گیا۔ رعونت چہروں پر پھیل گئی

اور پھر بڑی نخوت سے اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا کہ ''دیکھا کیسے چٹکی میں ایس ایچ او تبدیل کرادیا'' علاقے کے جاگیرداروں اور رسہ گیروں پر رعب بیٹھ گیا کہ ''جی بڑی پہنچ ہے'' منٹوں میں ایس ایچ او تبدیل ہو گیا۔

یہ ہیں ہمارے عوامی نمائندے، ان کی سوچ اور ترجیحات۔ جو کہتے ہیں کہ کچھ ہو جائے جمہوریت ڈی ریل نہیں ہونی چاہیے۔ ملک کا دیوالیہ نکل جائے جمہوریت ڈی ریل نہیں ہونی چاہیے۔ بجلی آئے نہ آئے گیس ملے نہ ملے جمہوریت ڈی ریل نہیں ہونا چاہیے۔ تاجر اور آجیر بھوکے مریں۔ عوام مہنگائی کے طوفان بدتمیزی سے بے حال ہو جائیں جمہوریت ڈی ریل نہیں ہونی چاہیے۔ صحت ملتی ہے نہیں ملتی۔ صاف پانی میسر ہو یا نہ ہو، قحط سالی اور خشک سالی سے 160 بچے مرتے ہیں تو مر جائیں مگر جمہوریت کا طبل بجتا رہے۔ پی آئی اے، واپڈا، ریلوے، تعلیمی محکمے تنزلی کا شکار ہو جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ان کے کرتا دھرتا ہمارے رشتہ دار اور اقربا ہی ہونے چاہئیں ۔ ہمارا الو سیدھا ہو تاکہ جمہوری عمل جاری و ساری رہے کیونکہ اسی جمہوری عمل نے ہی تو ان کے سیاہ و سفید کو پروٹیکشن دینی ہے۔اس لئے کہیں کچھ بھی ہو جائے جمہوریت ڈی ریل نہ ہونا چاہیے۔ لیکن عوام کیلئے ان کی خواہشات کے مطابق حالات بھی تبدیل ہونگے صرف اور صرف صحیح وقت کا انتظار کریں کیونکہ سویڈش فلاسفر کے مطابق ہماری زندگی ٹریفک سنگل کی طرح ہے کیونکہ ہمارا ہر مسئلہ سرخ سنگل کی طرح ہے ہمیں صبر

کے ساتھ انتظار کرنا ہوگا اور بالآخر وہ سبز ہو جائیگا۔

بابا! مجھ کو ڈر لگتا ہے

16 دسمبر 1971 کی سیاہی اور تلخیاں ابھی مٹنے اور ختم ہونے بھی نہ پائیں تھیں جو کہ سیاسی زعما کی نااہلیوں اور اقتدار کی ہوس نے پاکستانی قوم کے منہ پر مل دی تھی اور رگوں میں گھول دی تھیں کہ 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں وارسک روڈ پر آرمی پبلک سکول میں انسانیت دشمن ظالموں نے اس سیاہی کو مزید گہرا اور کثیف کر دیا۔ اتنا گہرا کر دیا کہ جس طرح سقوط ڈھاکہ ہمیں پل پل کچوکے لگاتا ہے اسی طرح 132 طالب علموں اور 12 سٹاف ممبران کے ساتھ کھیلی گئی خون کی ہولی ہمیں لحہ لحہ سسکنے پر مجبور کرتی رہے گی۔ وہ سکول جہاں پر معماران قوم کو تربیت دے کہ ملک و قوم کے مستقبل کو سنوارنا تھا محفوظ بنانا تھا ان کو اسی سکول کے کمروں اور برآمدوں میں خون سے نہلا دیا گیا اس گھناؤنے عمل کو انجام دینے والے ننگ انسانیت تھے ان کا کسی دین مذہب مسلک اور فرقے تو کیا انسانیت سے بھی دور تک کا تعلق نہ تھا۔ وہ انسانوں کے روپ میں جنگلی درندے تھے جن کا مطمع نظر صرف اور صرف بہانا تھا پاک فوج کے جوانوں نے انہیں جہنم واصل بھی کر دیا لیکن اس اندوہناک واقعے کی وحشت ابھی تک سکو کے درودیوار سے ٹپک رہی ہے۔ معصوم جانوں کی معصومانہ ہنسی اور خون کی مہک اسی سکول کے در و دیوار میں رچ بس گئی ہے۔ یہ وحشت آج نہیں تو کل ختم ہو ہی جائیگی لیکن ان شہدا کے

خون سے جو عبارت رقم کی جائیگی انہیں دہشت گردوں کی نسلیں بھی تاحیات یاد رکھیں گی

سانحہ پشاور کے بعد پاکستانی قوم بالخصوص سیاسی قیادت نے ایک ٹرن لیا ہے تمام سیاسی مذہبی اور سماجی جماعتیں بشمول افواج پاکستان ایک صفحہ پر دکھائی دیتی ہیں۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ دہشت گرد افغانی طالبان ہوں کہ پاکستانی طالبان کسی کالعدم تنظیم سے متعلق ہوں کہ کسی ملک سے وابستہ انہیں بلا تفریق تختہ دار پر لٹکادیا جائے۔ مملکت خداداد میں .بر.ریت کا جو مظاہرہ کیا گیا اس بات کا متقاضی ہے کہ سیاسی و عسکری قیادت ہم آہنگ اور یکسو ہو کر ایک مربوط پالیسی کے تحت انسداد دہشت گردی کے حوالے سے سرگرم ہو جائے۔ تمام قوتیں ملک و قوم مخالف قوتوں کے خلاف .بر سرپیکار ہو جائیں۔ باہم شیر وشکر ہو کر عزم صمیم، حقیقی اتحاد اعتماد اور عمل پیہم کے ذریعے ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کریں ایکشن کمیٹی جو کہ اسی مقصد کی خاطر بنائی گئی تھی اور جس کا تاحال کوئی اقدام سامنے نہیں اسے بھی فی الفور ایکشن میں آنا چاہیۓ۔ ایک جامع اور قابل عمل پلان مرتب کرکے اسے عملی جامہ پہنانا چاہیۓ تاکہ پاکستانی شہریوں اور نونہالان وطن کے تحفظات، خدشات اور خوف کو دور کیا جاسکے بقول اس شاعر کے

بابا مجھ کو ڈر لگتا ہے

،بابا میری مس کہتی ہیں
،کل سے سب بچوں کو اپنے گھر رہنا ہے
،گھر پڑھنا ہے
.....میں نے سنا ہے
،ایک بڑی سی کالی مونچھوں والے انکل
بم لگا کر آئیں گے
.....سب بچے مر جائیں گے
.....بھول گئی میں،، نام بھلا تھا
امم ..... شائد دہشت گرد کہا تھا
بابا کیوں ماریں گے ہم کو؟؟؟
ہم سے کوئی بھول ہوئی کیا ؟؟؟
ہم سے کیوں ناراض ہیں انکل؟؟؟
!!! بابا
ان کو گڑیا دے دوں ؟؟؟
یا پھر میری رنگوں والی ..... یاد ہے ناں وہ نیلی ڈبیا؟؟
میری پچھلی سالگرہ پر مجھ کو آپ نے لا کر دی تھی
اور میری وہ پیاری پونی..... ریڈ کلر کی تتلی والی
وہ بھی دے دوں ؟؟؟

پھر تو نہ ماریں گے مجھ کو؟؟؟

بابا!!! مجھ کو ڈر لگتا ہے

بابا!!! مجھ کو ڈر لگتا ہے

یہ خوف ہراس اور بے یقینی کی فضا جو کہ یکدم پروان چڑھی ہے دل و دماغ کو جامد کر رہی ہے اس سے نکلا جاسکے اور پاکستانی قوم نے اس بات کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔ قوم یک جہت اور متحد ہو چکی ہے۔ دہشت گردوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں۔ سونے پر سہاگہ وزیر اعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا دلیرانہ، بے باکانہ اور جرات مندانہ فیصلہ دہشت گردوں کیلئے ننگی تلوار اور ملک و قوم کیلئے ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگا13 سال سے مسلط دہشت گردی کے عفریت جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے انتہا پسندی، بدامنی و انتشار، تعصب پسندی اور تنگ نظری کو اعتدال، امن و آشتی، اتحاد و یگانگت اور وسیع القلبی سے مات دینا ہوگی۔ ماضی کی غلطیوں کو دہرانے کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ دہشت گردوں سے مذاکرات کی اب کوئی بات نہیں ہونا چاہئے۔ تمام ادارے اپنے اپنے فرائض ایمانداری اور خلوص نیت سے سرانجام دیں۔ لا اینڈ انفورس منٹ ایجنسیاں وی آئی پیز اور سیاسی اشرافیہ کو پروٹوکول دینے کی بجائے عوام کے تحفظ اور جرائم کی بیخ کنی کیلئے کام کریں۔ اشرافیہ کو بھی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر تمام ادارے اور سیکیورٹیز ایجنسیز اپنے اپنے کام تندہی سے کریں گی تو دہشت

گردی کا خاتمہ ہو جائے گا اور پھر کسی وزیر مشیر ایم این اے ایم پی اے کو سیکیورٹی کی ضرورت نہیں پڑے گی بشرطیکہ عوام ان سے خوش ہوں۔ اسی طرح عالمی دباؤ خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولڈ سٹیپ اٹھاتے ہوئے اپنی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے شہدا، جوانان رعنا اور جگر گوشوں کے خون کو رائیگاں ہونے سے بچا سکتے 150 ہیں۔ زندہ پائندہ اور تابندہ قوم ہونے کا اعزاز حاصل کر سکتے ہیں اور بات کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ سانحہ پشاور نے ہمیں خواب غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہے اور یہ بیداری ہی ہمارے لئے طرہ امتیاز اور مشعل راہ ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق اب حکومت پاکستان کو دہشت گردوں کے خلاف جنگ کو جاری رکھنا ہوگا۔

ڈٹے رہو! قوم آپ کے ساتھ ہے

ایک آرٹسٹ نے ایک نہایت ہی خوبصورت اور بے عیب تصویر بنائی اور اسے شہر کے عین وسط میں چوراہے پر نصب کر دیا اور اس کے نیچے ایک تحریر لکھ دی کہ "اگر کہیں کوئی خامی ہو تو اس پر دائرہ لگائیں" چونکہ اسے اپنی مہارت اور قابلیت پر اعتماد تھا اس لئے اسے یقین تھا کہ کہیں پر کوئی نشان یا دائرہ نہ لگا ہوگا۔ اگلے دن وہ اسی جگہ پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کا سر چکرا گیا کہ تصویر پر جابجا دائرے لگے ہوئے ہیں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں پر دائرہ نہ لگا ہو۔ اسے بہت افسوس اور دکھ ہوا اور اپنے کام کی مہارت پر شک بھی۔ اسی سلسلے میں وہ ایک دن اپنے استاد کے پاس گیا اور اسے ساری روداد سنائی۔ استاد کو بھی اس کی قابلیت پر یقین تھا۔ استاد نے اس سے کہا کہ وہ دوبارہ ویسی ہی ایک تصویر بنائے اور اسے اسی جگہ پر نصب کرے اور اس پر تحریر کرے کہ "جہاں غلطی ہو اسے درست کر دیں"۔ آرٹسٹ نے ایسا ہی کیا۔ تصویر بنا کر وہاں پر نصب کرا دی اور تحریر بھی لکھ دی۔ کئی عرصہ وہ تصویر وہاں لگی رہی لیکن کہیں پر کوئی درستگی کی کارروائی نظر نہ آئی۔

مطلب یہ ہوا کہ تنقید کرنا اور خامیاں تلاش کرنا ہمارے مزاج کا حصہ بن چکا

ہے۔اور پہلی تصویر کے ساتھ ہونے والا سلوک ہمارے مزاج کا حصہ تھا۔ لیکن جب خامیوں کو دور کرنے اور درست کرنے کی بات آتی ہے تو سب بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ بعینہ پاکستان میں فوجی خصوصی عدالتوں کا قیام اور دہشت گردوں کی پھانسی کے حوالے سے ہورہا ہے ہر شخص دہشت گردی اور لاقانونیت کا رونا روتا دکھائی دیتا تھا، مر گئے لٹ گئے کی دہائی سنائی دیتی تھی۔حکومت، قانون اور عدالتیں بے بس نظر آتی تھیں۔ جان و مال کا تحفظ عنقا تھا۔ مرد و خواتین بچے بوڑھے سب اس عفریت کا شکار تھے ایسے میں آرمی اور حکومتی حلقوں نے ایک صحیح اور متناسب اقدام اٹھاتے ہوئے ایک طرف ضرب عضب اور خیبرون شروع کیا اور دوسری طرف دہشت گردی میں سزا پانے والوں کو پھانسی پر لٹکانے کا فیصلہ کیا اس پر عمل درآمد کیا اور ملک میں کسی حدتک سکون ہوگیا۔ بم بلاسٹ خود کش حملے کم ہوگئے اور یہ بھی پاکستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ تمام جماعتیں ،خواہ مذہبی ہوں کہ سیاسی، سماجی ہوں کہ کاروباری تمام کے تمام عسکری اور حکومتی اقدامات کے معاملے پر ایک صفحے پر نظر آئیں۔وزیر اعظم نواز شریف ،آرمی چیف راحیل شریف اور پارلیمانی رہنماؤں نے دس سے بارہ گھنٹے کے اجلاس میں جو فیصلے کئے ان کے مطابق سیاسی ، عسکری اور قومی قیادت پر عزم دکھائی دیتی ہیں۔ دوسالہ مدت پر محیط قائم کی جانیوالی آرمی کی زیر نگرانی کورٹس کا قیام خوش آئند ہے۔ترمیم شدہ آئین پر مبنی عدالتوں کی مدد سے دہشت گردوں کو اور ان کے معاونین کو کم سے کم مدت میں فیصلے کرکے انہیں سزادیں

گی بالخصوص پھانسی اور دہشت گردی سے متعلقہ معاملات دیکھیں گیں سنیں گیں اور فیصلوں کا اطلاق کر کے ان پر عمل درآمد کرائیں گیں کیونکہ ہمارا موجودہ سست روی کا شکار عدالتی نظام ،اور اثرورسوخ کی گنجائش بھی کہیں نہ کہیں انصاف کے حصول اور فیصلوں میں تاخیر اور رکاوٹ کا سبب بھی رہا ہے اور justice delaid and justice denied کا مقولہ صادق آتا ہے۔ جبکہ فوجی عدالتیں اس سے ماورا ہوتی ہیں۔ایوب کے دور سے شروع ہونے والی یہ کورٹ پہلے تو صرف مارشل لا دور میں ہی لگتی تھیں لیکن اس مرتبہ جمہوریت کے باہمی تعاون سے ان کا نفاد کیا جانا یقینا برمحل اور برمصلحت ہے اور اس کے نتائج بہت اچھے اور دوررس ہونگے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمیشہ کی طرح چند لوگ جس کی عادت ثانیہ بلکہ اولین عادت بن چکی ہے کہ کسی بھی مسئلے کو سلجھاؤ کی نہج پر نہیں جانے دینا۔بس اسے الجھانا ہے۔ایک محترمہ عاصمہ جہانگیر صاحبہ ہیں جن کا وطیرہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اسلام مخالف اور مغرب زدہ بات کرنی ہے وہ ان کورٹس کے بننے اور دہشت گردوں کو پھانسی دینے پر بڑا مایوس دکھائی دیتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ دو عدالتی نظام متوازی نہیں چل سکتے ان کو چیلنج کیا جائیگا۔ ویسے بھی ظاہر ہے ان کورٹس کی بناپر بہت سوں کا بستر گول ہوجائیگا کاروبار ماند پڑ جائیگا۔آقاؤں کی رٹ چیلنج ہوجائیگی ان کے عزائم پر زد پڑے گی۔

پاکستان عوام کو

انصاف اور سکون ملنا انہیں نہیں بھا رہا۔ فضل عباسی، عابد حسن منٹو، جسٹس ریٹائرڈ وجیہہ الدین، حبیب الوہاب الخیری، کامران مرتضی، آصف چیمہ چودھری رمضان سلمان اکرم راجہ شفقت چوہان و دیگر سب قانون دان کہتے ہیں کہ یہ عمل غیر آئینی اور غیر قانونی ہے۔ ہمیں اپنے موجودہ عدالتی نظام کو بہتر اور موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ میرے محترم قانون دان بھائیو! آج سے پہلے موجودہ عدالتی نظام کو بہتر بنانے کا خیال کیوں نہ آیا، اب جبکہ فوجی کورٹس بننے جارہی ہیں تو سب کو آئین و قانون کی پاسداری اور رکھوالی کا خیال ستانے لگا۔ سیدھی سی بات ہے جب مارکیٹ میں ایک دکاندار ہوتا ہے تو اس کی مناپلی ہوتی ہے جب اس کے سامنے دوسرا آجاتا ہے تو اس کی مناپلی ختم ہوجاتی ہے گردن کا سریہ نرم ہوجاتا ہے، عوام کو ریلیف ملتا ہے اسی طرح جب فوجی عدالتیں تیز رفتاری سے کام کریں گی تو اس کا لامحالہ اثر ہمارے اس ست عدالتی نظام پر بھی پڑے گا اس کی مثال آپ خود ہیں کہ فوجی کورٹس کا ذکر آتے ہی آپ کو نظام بہتر موثر اور تبدیل کرنے کا خیال آگیا۔ ایسے آئین کو عوام نے چاٹنا ہے کہ جو آج تک روبہ عمل نہ ہوسکا۔ عوام کو جان و مال کا تحفظ اور مہنگائی و غربت سے چھٹکارا نہ دلاسکا۔ اسی طرح مذہبی جماعتوں کی جانب سے بھی دبے دبے الفاظ میں اس کی مخالفت میں آوازیں اٹھنا شروع ہوگئی ہیں مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سراج الحق و دیگر اپنی اپنی مصلحتوں کے تحت آمادگی ظاہر کررہے ہیں مولانا عبدالعزیز و دیگر اسی قماش و قبیلے کے لوگ اسے حرام اور غلط قرار دے

رہے ہیں

رہے سیاستدان ! فوجی عدالتوں کا قیام ان کے حلق میں بھی چھچھوندر کی طرح اٹک گیا ہے نہ اگل سکتے ہیں اور نہ نگل سکتے ہیں کیونکہ ان کی اپنی ہسٹری میں کوئی بھی ایسا کارہائے نمایاں نہیں کہ جس کی بنیاد پر وہ اس کو انکار کر سکیں انہیں ماضی میں دور دور تک دکھائی نہیں دیتا کہیں انہوں نے سوائے ملک کو کھانے، عوام کو مروانے، غریب کو پسوانے اور مزدور کو روندنے کے کوئی بھی کام کیا ہو چونکہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اس لئے وہ بھی اسے بادل نخواستہ قبول کر رہے ہیں لیکن ان کے دلوں پر چھریاں چل رہی ہیں وہ اسے مارشل لا سے تشبیہ دے رہے ہیں۔یقینا بہت سے بڑوں بڑوں کو دموں پر پاؤں بھی آئیگا۔ دل بھی بھاری ہونگے دماغ پر غشی بھی طاری ہو گی۔ threats بھی آئیں گے ۔وہ غیر ملکی جو کہ اپنے ملک و قوم کیلئے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں عورتوں کو انسانیت کیلئے عبرت بنادیتے ہیں ملک کے دشمنوں کو پھانسی چڑھادیتے ہیں وہ بھی پاکستان میں پھانسی دینے کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں، یہ خود انسانیت کے ننگ ہیں ان کی باتوں کو بھی خاطر میں نہیں لانا چاہئے ۔بہر حال کوئی کچھ بھی کہے حکومت کو اپنے ان بہترین اور عوام دوست فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہئے۔اور قافلوں کو اپنی منزل پر پہنچانے کیلئے ضروری ہے کہ ارد گرد کی آوازوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے۔ منزل کھٹن ضرور ہے لیکن اس کے بعد آسانیاں

ہی آسانیاں ہیں کیونکہ ہماری عادت تنقید برائے تنقید ہے اصلاح کا کام تو ہم نے کرنا ہی نہیں۔ لہذا وزیراعظم نواز شریف اور راحیل شریف keep it up عوام آپ کے ساتھ ہے۔

وزراء اعلی ! آپ کے لئے

کھانے کی دعوت چل رہی تھی لوگ کھانا کھانے میں مشغول تھے اتنے میں شور اٹھا کہ پکڑلو جانے نہ پائے یہ دہشت گرد ہیں۔ یہ مشکوک لوگ ہیں ہم نے انہیں مدعو نہیں کیا۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے ڈرتے جھجھکتے انہیں گھیر لیا ان کی تلاشی لی گئی ان سے کچھ برآمد نہ ہوا اور چونکہ وہ ان کے ہاتھ لگ گئے تھے تو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی تھی لہٰذا خفت مٹانے کیلئے ان دونوں کی پٹائی اور دھنائی شروع ہو گئی۔ اپنی ''تسلی'' کرنے کے بعد پولیس کو بلایا گیا۔ کہروڑ پکا تھانہ سٹی پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ تھانے لے جا کر وہاں پر بھی روایتی انداز میں ''پوچھ گچھ'' کی گئی۔ جس پر معلوم ہوا کہ یہ بیچارے غریب لوگ ہیں اور اکثر دعوتوں میں بن بلائے چلے جاتے ہیں اور اپنے پیٹ کا جہنم بھر لیتے ہیں۔ آج بھی اسی نیت اور بھوک مٹانے کی غرض سے اس دعوت میں شامل ہوئے لیکن شومئی قسمت کہ دہشت گرد بن گئے۔ ورثا و لواحقین کو مطلع کیا گیا اور شنید کے مطابق ایس ایچ او نے ان کے ورثا سے 10 ہزار روپے نذرانہ لے کر چھوڑ ''دہشت گردوں'' کو چھوڑ دیا۔ یہ ہیں ہمارے ملک کے حالات۔

سانحہ پشاور اور دوسرے دہشت گردی کے واقعات نے ہم پر جو سنسنی اور خوف و

ہراس مسلط کیا ہے وہ تو ہے ہی۔ ہماری حکومت نے بھی عوام کو خوفزدہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔اس کی اتنی بے جا تشہیر کی جارہی ہے کہ لوگ خوامخواہ وحشت و دہشت کا شکار ہیں۔دہشت گرد اور ملک دشمن عناصر کے جو عزائم تھے کہ ملک میں لوگوں خوفزدہ کردیا جائے تو وہ تو پورے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔سانحہ پشاور کی وجہ سے حکومت پاکستان نے سکولز اور کالجز بند کردیئے ہیں ملک دشمن عناصر کا مقصد پورا ہوگیا۔اب والدین اپنے بچوں کو ان حالات میں اداروں میں بھیجنے کے حوالے سے تحفظات کا شکار ہیں اوپر سے تعلیمی اداروں میں سیکیورٹی کے نام پر جو اصلاحات کی جارہی ہیں ان میں سوائے خانہ پری اور high ups کو سب اوکے کی رپورٹ دے کر خوش کیا جارہا ہے۔اس کی ایک مثال جنوبی پنجاب کا ایک ضلع لودہراں ہے،30 دسمبر کو ای ڈی او تعلیم نے ضلع بھر کے تعلیمی پرائیویٹ اداروں کے سربراہان کی ایک میٹنگ سکیورٹی انتظامات کے حوالے سے بلائی۔سربراہان ادارہ کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے گارڈز اور چوکیدار کو ہمراہ لے کر پہنچیں۔سربراہان ادارہ بمع لاؤ لشکر میٹنگ میں پہنچ گئے۔میٹنگ شروع ہوئی لیکن میزبان ای ڈی او تعلیم غلام نازک شہزاد غائب تھے۔ڈی ای او ایلیمنٹری نے میٹنگ کی کارروائی شروع کی ۔پہلے تو سیٹنگ ارینج منٹ انتہائی ناقص تھا سیکیورٹی کا کوئی انتظام نہ تھا حتی کہ سنگل گارڈ بھی موجود نہ تھا۔نہ میٹل ڈیٹکیٹر تھے اور نہ ہی واک تھرو گیٹس۔ساؤنڈ سسٹم بوجہ ربیع الاول کی تقریبات ناپید تھا۔ڈی ای او نے سیکیورٹی کے حوالے سے

حکومتی ہدایات کو سربراہان اداروں پر تھوپ دیا گیا۔اور ہدایات اس انداز میں جاری کی گئیں جیسے کہ تمام سسٹم آلات اور متعلقہ لوازمات انہیں مہیا کر دیا گیا ہے پرائیویٹ سکول مالکان نے انہیں صرف نصب کرنا ہے۔ حالانکہ میٹل ڈیٹیکٹر جو کہ 1900 روپے کا تھا اس وقت 4500 میں فروخت کیا جارہا ہے خار دار تار اور سی سی ٹی وی کیمروں کے ریٹ آسمان کو چھو رہے ہیں۔اس پر حکومت کوئی کارروائی نہیں کر رہی ۔ بہر حال اسی طرح ریسکیو1122 کے افسر کے خیالات کے بعد سول ڈیفنس کے ضلعی افسر نے سمجھانا شروع کیا کہ سب آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھیں۔ مشکوک افراد کے بارے میں متعلقہ اداروں کو مطلع کریں ۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا اب انہوں نے مزید فرمایا کہ اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کی بلڈنگ میں بم ہے تو کوشش کریں کہ تمام دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں، بجلی اور گیس کے کنکشن منقطع کر دیں تاکہ دھماکے کی وجہ سے بلڈنگ کو کم سے کم نقصان ہو۔

واہ جی واہ کیا بات ہے۔ او میرے بھائی جب کسی پرنسپل یا ٹیچر کو یہ پتہ چلے گا کہ اس بلڈنگ میں بم ہے تو کیا وہ ان تمام باتوں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے وہاں رکے گا۔ بھئی اسے تو اپنی جان کے لالے پڑے ہونگے وہ تو اس بلڈنگ سے دس کلومیٹر دور جاکر کھڑا ہوگا کہ جان ہے تو جہان ہے بلڈنگ تو پھر بھی بن جائے گی۔اب وہ اگر دروازے کھڑکیاں کھولتا پھرے تو اسے کیا پتہ اس بم نے

ایک منٹ میں بلاسٹ ہونا ہے ایک گھنٹے میں کہ ایک دن میں۔ یہ تو بم ڈسپوزل کے سٹاف کا کام ہے جو کہ حفاظتی لباس اور آلات سے مزین ہو کر یہ کارروائی کرتے ہیں۔ وزراء اعلی صاحبان! جس طرح سے یہ کارروائیاں کی جارہی ہیں یہ صرف اور صرف گونگلوؤں سے مٹی اتارنے کے مترادف ہے چونکہ ہدایات ''اوپر'' سے ہیں اس لئے افسران بالا کو سب اوکے کی رپورٹ کرنا ہے حالانکہ کچھ بھی اوکے نہ ہے بس ان ای کروڑ روپے کے فنڈز کا استعمال دکھانا ہے جو کہ پنجاب حکومت نے محکمہ تعلیم کیلئے جاری کئے ہیں بس کاغذی کارروائی پوری کرنے پر زور ہے تاکہ فنڈ کا استعمال دکھا کر انہیں ہڑپ لیا جائے جبکہ معلومات یہ ہیں کہ ابھی تک کسی بھی سرکاری سکول میں ان فنڈز کا کوئی بھی حصہ نہیں پہنچا ہے۔پرائیویٹ سیکٹر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے ایک تو آلات اور لوازمات میسر نہیں اور اگر مل بھی رہے ہیں تو انتہائی مہنگے داموں اور بلیک میں مل رہے ہیں جبکہ ان کو تو کسی بھی طرح سے کوئی سہولیات نہیں دی جارہی ہیں صرف impose کیا جارہا ہے اسی طرح والدین کی بھی خواہش ہے کہ اگر سکول 5 ہدایات کو جنوری کو نہیں کھولنے دیئے جارہے ہیں تو کم از کم بارہ جنوری کو لازمی طور پر کھل جانے چاہئیں کیونکہ یہ دن پڑھائی کے حوالے سے انتہائی peak پر ہوتے ہیں اس ٹائم security measures کے کو الٹے تللو میں برباد نہ کیا جائے کیونکہ جس قسم کے جارہے

ہیں دہشت گردوں کو ان سے نہیں روکا جا سکتا۔ بلکہ جو خفیہ ادارے اس حوالے سے رپورٹ کر رہے ہیں ان کو چاہئے کہ خوف و ہراس پھیلانے کی بجائے ملک دشمنوں اور تخریب کاروں کی سرکوبی کے لئے اپنے فرائض سرانجام دیں۔ اور سکول کے مالکان اور سربراہان زیادہ سے زیادہ ریلیکس کریں تاکہ وہ دہشت گردوں اور تخریب کاروں کی بجائے نونہال وطن اور معماران قوم کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دے سکیں

انسانی چڑیا گھر اور مسلم امہ

چڑیا گھر تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا جس میں پنجروں ،ڈربوں اور جنگلوں میں درند،چرند اور پرند وغیرہ اور دوسری زمینی و آبی حیات کو رکھا جاتا ہے جس کا مقصد لوگوں بالخصوص بچوں کو معلوماتی تفریح فراہم کرنا ہے۔زیر آب سمندر کی تہوں میں خداوند کریم نے سینکڑوں انواع و اقسام کو پیدا کرکے ان کی پرورش کی ہے جن میں سے اکثر کے بارے میں دنیا لاعلم ہے وہ بھی ایک سمندری چڑیا گھر ہے جس میں صرف آبی حیاتی ہی اپنے اپنے مداروں میں مقید ہے۔ایک چڑیا گھر آسمانوں کی وسعتوں میں خلا میں بھی موجود ہے جو کہ زمین کے مدار میں اپنے مخصوص انداز میں محو گردش ہے لیکن اس میں زمینی چڑیا گھروں کی مانند قسم قسم کے جانوروں موجود نہیں ہیں بلکہ اس چڑیا گھر میں خوردبینی حیات ،بیکٹیریا فنجائی اور آرتھوپوڈز کی کم و بیش 50 اقسام کو رکھا۔یہ آہنی بکس (خلائی چڑیا گھر) بین الاقوامی خلائی سٹیشن کے ساتھ کرہ ارض سے 340 کلومیٹر کے فاصلے پر منسلک ہے۔یہ عارضی چڑیا گھر ایک تحقیقی منصوبے کا حصہ ہے جس میں خوردبینی جانداروں کو مختلف درجہ حرارت سے گزار کر ان کی زندگی کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا ہے۔

اب آتے ہیں انسانی چڑیا گھر کی طرف۔جی ہاں دنیا میں ایک انسانی چڑیا گھر بھی ہے اور یہ دنیا کا سب سے بڑا انسانی چڑیا گھر ہے جس میں انسانوں بالخصوص ہم سب مسلمانوں کو جانوروں کی طرح رکھا گیا ہے انسانوں کو ایک پنجرے میں مقید کردیا گیا ہے ہمیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہم سب الحمداللہ مسلمان ہیں اور شاید انسان بھی ہیں ۔لوگ باہر سے آکر ہمیں دیکھتے ہیں حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اکثر لطف اندوز بھی ہوتے ہیں ۔آزادی کے وقت سے لیکر آج تک 3 کلومیٹر کی حدود میں ہمیں رکھا گیا ہے دونوں جانب انکلیو ہے جہاں پر ہم تقریبا 65 سالوں سے پانی بجلی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات سے محروم زندگی گزارنے پر مجبور ہیں ہماری شناخت ختم ہوچکی ہے۔ یہ علاقہ ریاست مغربی بنگال کے کچھ گاؤں پر مشتمل ہے جن کو ابھی تک نہ تو شہریت مل سکی ہے اور نہ کسی نے ان سے الحاق کرنے کی کوشش کی۔1947 میں تقسیم ہندکے وقت بنگال کی تقسیم ہی کچھ اس طرح ہوئی کہ سو سے زیادہ گاؤں کسی بھی ملک کا حصہ نہ بن سکے۔یہ گاؤں اسی نسبت سے سیت محل یا انکلیو کہلاتے ہیں۔ یہ ہندوستان اور بنگلہ دیش کی سرحد پر واقع ہیں اور اسے صرف انکلیو کہا جاتا ہے یہ باتیں ایجنیز کو دھوبال گڑھی کے جمشید علی نے بتائیں اسی طرح ابوالحسن مشعل ڈنگا گاؤں کا رہائشی ہے نے بتایا کہ یہاں نہ روڈ ہے نہ راستہ۔بنیادی مرکز صحت اور تعلیم تو دور کی بات ہے یہاں پر پینے کو صاف پانی تک میسر نہیں ہے اور اگر کسی مصیبت یا ایمرجنسی سے واسطہ پڑ جائے تو کسی مدد کی کوئی

امید نہیں ہوتی انسانی حقوق کی علمبردار دیپتی مان سین گپتا جو کہ سال ہا سال سے ان بے شناخت اور احساس محرومی کا شکار مسلم باشندوں کیلئے کام کر رہی ہیں کہتی ہیں کہ ان تمام مسلمانوں کی زندگی انتہائی غربت میں گزرتی ہے اور بعض اوقات تو صورت حال غیرانسانی و غیر اخلاقی ہو جاتی ہے کہ بیان سے باہر ہے لیکن ان کی طرف توجہ کرنے اور مسائل حل کرنے کی کبھی کسی نے کوشش نہیں کی۔

یہی صورت حال انڈیا کی جیلوں میں بے گناہ قید مسلمانوں کی ہے کہ جنہیں مقدمات چلائے بغیر ان پر جرم ثابت کئے بغیر مختلف جیلوں میں قید کیا گیا ہے 10 ہزار کے قریب ان لوگوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے جن کو جرم بتائے بغیر چارج لگائے بغیر عرصہ دراز سے گجرات ممبئی دہلی آندھرا پردیش جے پور کوچی بنگلور گوہاٹی و دیگر جیلوں میں قید کر دیا گیا ہے کوئی ان کا پرسان حال نہیں ان قیدیوں کی اکثریت اعلی تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل ہے جن میں ڈاکٹرز انجینئرز چارٹرڈ اکاؤنٹنس کمپیوٹر پروگرامر اور دیگر پیشہ ورانہ تعلیم کے فارغ التحصیل شامل ہیں۔ مختلف فورمز پر متعدد بار اس مسئلے کو پوائنٹ آوٹ کیا گیا لیکن ہر بار تعصب کی تلوار اس کو کاٹی ہوئی نکل گئی۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کے خلاف کوئی بھی ثبوت نہ مل سکے اس کے باوجود قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں آل

انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس بھی ہوا جس میں بے قصور حراست میں رکھے گئے مسلمانوں کی رہائی سے متعلق بحث کی گئی اور کہا گیا کہ بے قصور محروسین کو یا تو رہا کر دیا جائے یا پھر ان پر جرم ثابت کرنے کیلئے مقدمات چلائے جائیں۔ مگر پروگریس زیرو ہے چونکہ معاملہ مسلمانوں کا ہے۔

امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو جس طرح سے پابند سلاسل کیا گیا۔ اس کو مختلف انداز میں ٹارچر کیا گیا اوور گذشتہ دنوں پھر سے حملہ کرکے زخمی کرنے کی جو مکروہ اور گھناؤنی حرکت کی گئی اور پھر دو دن بعد اسے باامر مجبوری وکیل کی مداخلت پر ٹریٹمنٹ دی گئی یہ سب معاملات امریکہ بہادر کی انسانی حقوق سے محبت اور لگاؤ کا پول کھولنے اور مسلمانوں سے نفرت کے اظہار کا منہ بولتا اور واضح ثبوت ہے۔ لیکن ہمارے بے حس ایوانوں سے کوئی آواز نہیں اٹھی کہ ایوانوں میں گونگے اور بہروں کا راج ہے

.برما میں مسلمانوں کی نسل کشی کیجارہی ہے گاؤں کے گاؤں نذر آتش کرکے مسلمانوں زندہ جلایا جارہا ہے لیکن کہیں پر کوئی انسانی حقوق کے علمبردار اپنی آواز اونچی کرنے اور اپنا علم بلند کرتے دکھائی نہیں پڑتے۔ فلسطین بوسینیا شام عراق و دیگر میں مسلمانوں کو اسلام کے پیروکار ہونے کی سزا دی جارہی ہے اسی طرح بنگلہ دیش میں حسینہ واجد کی چیرہ دستیاں بھی واضح طور مسلم

کش بالخصوص پاکستانی لورز کش ہیں اس پر بھی بے حسی طاری ہے۔
حل طلب بات یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ ممالک اور علاقوں میں صرف اور صرف مسلمانوں کو ہی اذیت ظلم و بربریت تشدد و انتہا پسندی کا نشانہ کیوں بنایا جارا ہے تو بات سیدھی سی ہے کہ آج کا مسلمان اتحاد و یگانگت ،اخلاص واخلاق، محبت و بھائی چارہ جذبات و احساسات سے عاری ہو چکا ہے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کی مثال پر، عمل کرنا خواب معلوم ہوتا ہے۔ غیروں کی ریشہ دوانیوں کو مہربانیاں جان کر ان کے دام پھنس چکا ہے۔ اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر غیر کی رسی کو تھام رہا ہے تو ذلت و رسوائی نے تو اس کا مقدر بننا ہی ہے۔
دوسری طرف غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر برسرپیکار ہے۔ کہیں پر کسی ایک یہودی عیسائی ہندو بدھ یا کسی بھی غیر مسلم کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو غیر ملکی تنظیموں میڈیا اور حکمران تک چیخ پڑتے ہیں اور اس کے مدوا اور ازالے کیلئے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور ہم مسلمان بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر مسلمانوں کو سینکڑوں کی تعداد میں زندہ جلادیا جائے ان کی شناخت کو مٹادیا جائے بیگناہ قید میں ڈال دیئے جائیں ڈرون کی مدد سے ماردیا جائے تو ہمارے حکمرانوں کی زبانیں

گنگ ہو جاتی ہیں ان کی آواز تک نہیں نکلتی کہ انہیں اللہ کا نہیں کسی اور کا ڈر مارے جاتا ہے۔ لہٰذا ایسا طرز عمل چھوڑ کر تمام مسلم امہ بالخصوص پاکستان اور اس کے حامی ممالک اسلامی تنظیموں کو اپنا کردار فعال ہو کر مثبت انداز میں ادا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم مسلمان امن پسند قوم ہیں تو اس کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ ہ کمزور ہیں ہم تو وہ ہیں کہ جب اپنی پر آتے ہیں تو اپنے سے دس گنا کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پس اب آنکھیں دکھانے کی ضرورت ہے نہ کہ آنکھیں چرانے کی۔ ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے اور سوائے لکیر پیٹنے کے کچھ حاصل نہ ہو۔

مسلمان مسجد اور رانگ نمبر والے !

وہ روزانہ عصر کی نماز کے لیے وضو میں ہمارے ساتھ شامل ہوتا اور ہم سب جب باجماعت نماز پڑھ چکے ہوتے تو پھر وہ اپنی نیت باندھ لیتا اور اکیلا نماز ادا کرتا۔ کافی عرصہ سے اس کا یہ معمول تھا۔ پہلے تو میں اسے اتفاق سمجھتا رہا لیکن جب یہ معمول بن گیا تو ایک دن میں نے اسے بلایا وہ کالج میں میرا شاگرد رہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ تم اکثر جماعت قضا کر دیتے ہو حالانکہ ہمارے ساتھ ہی وضو کرنا شروع کرتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے ایک بڑا تعجب خیز جواب دیا جسے سن کر بہت سے سوالات میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ اس نے کہا کہ ہمارے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس امام کے پیچھے تمہاری نماز نہیں ہوگی کیونکہ ان کا مسلک الگ ہے اور ہمارا مسلک الگ ہے اور اگر بامر مجبوری اس مسجد میں نماز پڑھنا پڑے تو پھر اکیلا ہی پڑھا کرو بلکہ کوشش کیا کرو کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھو۔ اللہ یہ کس قسم کی سوچ ہم develop کر رہے ہیں۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہم لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ ہم اپنے بچوں کو کیا بنا رہے ہیں؟ کیا سکھا رہے ہیں؟ کس بات کی تربیت دے رہے ہیں؟ اسلام اور دین کے حوالے سے ان کے ذہنوں کو پراگندہ کر رہے ہیں میں نے اسے سمجھایا کہ بیٹا ایسا نہیں ہے تم باجماعت نماز کا ثواب خواہ مخواہ میں گنوا دیتے ہو۔ جس کی

بہت بڑی نوید و سعید ہے یہ تمام باتیں فضول ہیں مسلمانوں کی کوئی بھی مسجد ایسی نہیں ہے کہ جس میں کسی دوسرے مسلمان کی نماز ادا نہ ہو سکتی ہو چاہے وہ مسجد کسی بھی مسلک کی ہو۔ ہمیں تو اپنی عبادت اور نماز سے غرض ہونی چاہئے اپنی نیت میں صرف اور صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی اور اپنی فلاح پیش نظر ہونی چاہئے نا کہ مولوی کی بات۔ اس قسم کے لوگ نہیں چاہتے کہ تمام مسلمان ایک چھت کے نیچے ایک ہی امام کی اقتدا میں اپنے فرض اولین کو سرانجام دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی دکانداری ختم ہوتی ہے ان کی اجارہ داری خطرے میں پڑتی ہے۔اس قسم کے تمام ملاں رانگ نمبر ملا رہے ہیں۔ اسلام کو دین کو سہل و آسان بنانے کی بجائے اسے مشکل بنا کر پیش کر رہے ہیں یہ خود ساختہ مذہبی ٹھیکیدار ہر معاشرے اور کمیونٹی میں پائے جاتے ہیں یہ حقیقی دینی تعلیمات سے نابلد قلیل تعداد میں ہوتے ہیں لیکن اپنی لچھے دار گفتگو اور انسانی نفسیات کا فائدہ اٹھا کر سادہ لوح انسانوں کو صحیح راستے سے بھٹکاتے رہتے ہیں،ایسے نام نہاد ملاں اسلامی معاشرے کا نا صرف ناسور ہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنے میں ہراول دستے کا کام کرتے ہیں۔ ان کا مطمع نظر صرف اور صرف مال و شہرت ہوتا ہے ان کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں کو آپس کے مسائل اور غیر ضروری معاملات پر الجھایا جائے۔ ڈی ٹریک کیا جائے تاکہ ان کی دکانداری چمکتی رہی۔ ان کی توند مزید موٹی اور بھاری ہوتی رہے۔انہی کا سہارا اور شیلٹر لے کر جگہ جگہ پیر و فقیر کے آستانے بنا کر سادہ لوح اور

پریشان حال لوگوں کو مسلمانیت اور ایمانیات سے دور کر رہے ہیں۔اور ان کے درباروں اور آستانوں پر ایسے ایسے لرزہ خیز اور بھیانک واقعات تاریخ کا حصہ بنتے ہیں کہ جان کر انسانیت بھی منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ان خود ساختہ ملاں پیرو فقیر کی جھانسے میں آنے کی بجائے رب حقیقی سے ڈائریکٹ رابطہ کیجئے رب باری تعالی کی ہاٹ لائن ہمہ وقت بغیر اور نیٹ ورک پرابلم کے کھلی ہے۔جہاں پر کبھی رانگ نمبر disconnection کسی نہیں لگتا۔بس ڈائل کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء کرام بھی اس سلسلے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں ملاں کے کردار کو لوگوں کے سامنے لائیں ان کی ہر مرحلہ پر مذمت کریں لوگوں بالخصوص سادہ لوح اور پریشان حال مسلمانوں کو ڈائریکٹ ڈائلنگ کی ترغیب دیں اس کی اشد ضرورت ہے

محترم قارئین ! میں نے سنا کہ ایک مسجد ایسی بھی ہے کہ جہاں پر تمام مکاتب فکر کے مسلمان ایک ہی امام کی اقتدا میں باجماعت میں نمازپنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ ضلع لودہراں کی اس مسجد کے بارے میں مشہور ہے کہ بہت سی مساجد کے.برعکس اس مسجد میں دیوبند،.بریلوی، اہل حدیث حتی کہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور کبھی بھی آج تک اس میں کسی بھی قسم کا نکتہ اعتراض بلند نہ ہوااور خدا کرے نہ کبھی ہو۔ مجھے بھی کبھی کبھی لودہراں کی اس فیصل مسجد میں نماز ادا کرنے کی اللہ تعالی نے توفیق دی

تو میں نے اس بات کو بغور دیکھا کہ تقریبا تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے نمازی موجود ہیں اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہیں اور ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔مجھے اشتیاق ہوا کہ اس مسجد کی انتظامیہ کون ہے۔کون اس کا انتظام وانصرام اس خوبصورتی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ٹیم کے سرکردہ شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ مرزا سلیم اختر ہیں جو اس کے روح رواں ہیں۔مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مرزا صاحب میرے جاننے والوں میں سے ہیں میرے مہربان ہیں ان سے ملکر پہلے تو انہیں ایسی بیمثال روایت اور سعادت پر مبارکباد دی اور ان سے پوچھا کہ یہ کیسے manage کرتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہماری مسجد کمیٹی نے پہلے روز ہی اس بات کا فیصلہ اور عہد کرلیا تھا کہ اس مسجد پر کسی بھی مخصوص مسلک کی چھاپ نہیں لگنے دیں گے اور کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ مسجد میں فرقہ واریت کے حوالے سے کوئی بات کرے سب آئیں اپنی نماز باجماعت ادا کریں بیان و تقریر کا سلسلہ کریں کسی مسلک کو مت چھیڑیں اور الحمداللہ مسجد کو بنے عرصہ دراز بیت چکا ہے آج تک اس مسجد میں کسی کی نہ تو دل آزاری کی گئی اور نہ ہی کسی مخصوص مسلک کی چھاپ لگی ہے اس کمیٹی میں سنی شیعہ تمام مکاتب فکر کے لوگ شامل ہیں اور انشاءاللہ جب تک زندگی ہے یہ سلسلہ اور مسجد اسی طرح آباد رہے گی۔میرے منہ سے بے ساختہ نکلا یہ تو پھر مسلمان مسجد ہوئی نا اور مرزا صاحب نے بھی میری تائید میں بے ساختہ سر ہلادیا۔

ہم لوگ تو پہلے ہی ہر معاملے میں انتشار کا شکار ہیں اور ہماری تنزلی اور پستی کا سبب بھی یہی ہے کہ ہم کسی بھی مسئلے پر اکٹھا نہیں ہوتے اور اگر ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں منتشر کر دیا کیونکہ یہ رانگ نمبر والے لوگ جانتے ہیں کہ اگر مسلمان اکٹھے ہوگئے تو انہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی اور انہیں پیس کر رکھ دیا جائے گا اور دنیا سے ان کا نام و نشان تک مٹ جائیگا۔ اور انشاءاللہ عنقریب ایسا ہی ہوگا۔

پولیس کھلی کچہریاں.....! کیا ہوئیں؟

انسان کو سدھارنے کیلئے خود احتسابی ایک ایسا عمل ہے جو انسانی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اگر انسان اس عمل سے وقتاً فوقتاً گزرتا رہے تو بہت سی قباحتیوں سے بچ سکتا ہے۔ انسان کی بہت سی ایسی خامیاں، کوتاہیاں جو صرف یا تو وہ خود جانتا ہے یا پھر اللہ تعالی اس کا جاننے والا ہوتا ہے اسی عمل سے انہیں ختم کرنے یا کم کرنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ انسان کا ضمیر کسی بھی غلط فعل سے ایک مرتبہ دستک ضرور دیتا ہے اس کے بعد اپنے آپ کو احتساب اور جوابدہی کیلئے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے اور سوچ اور سمجھ لینی چاہئے کہ تاریخ کے خلاف کبھی جنگ نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی کرتا ہے تو اسے شرم ناک ترین شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تاریخ بالخصوص اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ہمارے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰؐ سے لیکر صحابہؓ تک، تابعی سے لیکر ولی اللہؒ اور حکمرانوں تک سب نے اپنے آپ کو احتساب کیلئے پیش کیا۔طاقت، اقتدار، حکومت واختیار میں رہتے ہوئے بھی ان شخصیات نے کبھی بھی اپنے آپ کو احتساب سے مبرا نہیں سمجھا۔ اپنی اصلاح اور عوام کی فلاح کیلئے دربار (کورٹس) لگائے تاکہ ہر

شخص بلاامتیاز اپنی بات اور مدعا بیان کر سکے۔ان کچہریوں میں دراصل حکمران اپنے آپ کواور اداروں کو عوام کی عدالت میں پیش کرتے ہیں جو کہ بڑے حوصلے اور دل گردے کا کام ہے۔اسی سلسلے کی ایک کڑی خادم اعلی پنجاب شہباز شریف نے کھلی کچہریوں بالخصوص پولیس کھلی کچہریوں کا انعقاد تھا جس کا مقصد عوام کی دہلیز پر انصاف پہنچانا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ کھلی کچہریاں لگتی رہیں اور کسی نہ کسی سطح پر غریب عوام کی دادرسی ہوتی رہی۔اب طویل عرصہ سے یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

جنوبی پنجاب بالعموم اور ضلع لودہراں میں بالخصوص پولیس کی کھلی کچہریاں قصہ پارینہ ہو چکی ہیں۔سائل اور مظلوم عوام کی دادرسی کیلئے کوئی اوپن ریلیف فورم نہیں دیا گیا کہ وہ لوگ جن کو افسران بالا اور ''صاحب'' تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی انہیں بلا روک ٹوک اپنا مسئلہ بیان کرنے کی آزادی مل سکے۔کیونکہ اول تو غریب لوگ وسائل اور آگاہی نہ ہونے کی بنا پر اپنے مسائل اور ہونے والی زیادتی پر لب سی لیتے ہیں کہ اس ملک میں انصاف کا ملنا ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے کیونکہ پسینے سے شرابور جسم اور بدبودار کپڑے والے کو ''صاحب'' کے آفس تک جانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔جبکہ پرفیوم لگائے معطر کلف لگے مجرم کو سیلیوٹ کے ساتھ ساتھ کرسی بھی پیش کی جاتی ہے۔کوئی سرپھرا مظلوم اتمام حجت کیلئے کسی ''صاحب'' سے ملنے جا دھمکتا ہے تو باہر موجود

اہلکار اسے صاحب سے ملنے سے پہلے ہی کیچ کرلیتا ہے اور زندگی بھر پھر اسے صاحب سے ملنے کا یارا نہیں رہتا۔ یہ سب محکموں کا روٹین ورک ہے کیونکہ خود کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا اور جواب دہ ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ پولیس کے افسران جن میں ایس ایچ اوز، تفتیشی افسران کی خواہش ہوتی ہے کہ لے دے کے حل ہو جائے صاحب'' کو بھنک بھی نہ پڑے اور ہماری دال روٹی کا انتظام بھی ہو جائے۔''

اگر کھلی کچہریوں کا انعقاد وقتاً فوقتاً ہوتا رہے تو تمام مسائل نہ سہی کچھ نہ کچھ تو صاحب'' کی ٹیبل تک پہنچ ہی جائیں گے اور اس کے حل کا کچھ نہ کچھ وسیلہ بھی بن'' جائے گا کھلی کچہریوں کی ضرورت وافادیت کے حوالے سے چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں۔ ☆ کھلی کچہریاں خود احتسابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ☆مظلوم اور سائل کو ارباب اختیار (ڈی سی او اور ڈی پی او) تک آسان رسائی دیتی ہیں۔ ☆ان کچہریوں کی مدد سے سائل اپنی آواز ایوان بالا تک پہنچا سکتا ہے۔ ☆ کھلی کچہری سے کسی حد تک مظلوم کی داد رسی ہو سکتی ہے۔ ☆ کھلی کچہری فرعون بنے افسران کے کرتوت کو منظر عام پر لانے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ☆ کھلی کچہری میں عوام اور افسران کے سامنے ''ننگا'' ہونے کا خوف بھی گردن کا سریہ توڑ دیتا ہے۔ ☆ کھلی کچہریاں عوام کو انصاف کی فراہمی کا پہلا زینہ ثابت ہوتی ہیں۔ ☆ کرپشن اور رشوت کو کم کرنے میں کھلی کچہری اہم سنگ میل ہوتی ہے۔ ☆ کھلی

کچہری سے مظلوم اور سائل دھکے کھانے سے بچ جاتا ہے۔ ☆ٹاؤٹ مافیا کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ☆مڈل مین کا کردار پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ لہذا کھلی کچہریاں ڈی پی اوز، ڈی سی اوز اسسٹنٹ کمشنرز اور ڈی ایس پیز لیول تک لازمی طور پر منعقد کی جانی چاہئیں تاکہ عوام کو ریلیف مل سکے جبکہ افسران اور اداروں کا احتساب ہو سکے۔

قومی ڈرگ پالیسی اور اتائیت کا ناسور

اہل وطن ! مبارک ہو۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قومی ڈرگ پالیسی بنائی گئ ہے جس میں دوائیوں کی قیمتوں میں کمی کی جائیگی جو کہ تین سال تک لاگو ہوگی۔مزید یہ کہ کمی کی شرح10 فیصد تک ہوگی جو کہ 2016 تک.برقرار رہے گی۔ قیمتوں کا تعین بھی ڈرگ پالیسی بورڈ جو کہ پندرہ ممبران پر مشتمل ہے، کریگا۔ اور اس میں ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کو قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر کوئی اختیار نہ ہوگا۔ ان.برانڈڈ ادویات پر ہر سال 10 فیصد کمی ہوگی اور مسلسل تین سال تک ہوتی رہے گی یعنی کہ تین سال بعد یہ ادویات تیس فیصد سستی ہو جائینگی۔ جبکہ نئ بنائے جاتے والی ادویات کی شرح قیمت بھارت اور بنگلہ دیش کی خوردہ قیمت کی بنیاد پر طے کی جائیگی۔ سستی ادویات بنانے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائیگی جبکہ ادویات اور متعلقہ آلات کی فراہمی اور فروخت کو بھی یقینی بنایا جائے گا۔ پالیسی کے برعکس چلنے والوں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائیگی۔ اور صوبائی حکومتوں اور ضلعی انتظامیہ کی مدد سے خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف بلا امتیاز کارروائی بھی عمل میں لائی جائیگی۔ یہ سارے بیانات وزیر مملکت سارہ افضل تارڑ اور وزارت صحت کی جانب سے جاری کردہ ہیں

یہ بات مبنی برحقیقت ہے کہ پاکستان میں ڈرگ کے حوالے سے کبھی بھی کوئی خوش آئند قدم نہیں اٹھایا گیا۔ جعلی ادویات کی بھرمار، زائد المعیاد ادویات کی فروخت،استعمال شدہ آلات کا استعمال، اتائیت کے موت بانٹتے مراکز، ناقص اور غیر معیاری اجزا کی آمیزش، قوت خرید سے باہر قیمتوں کے لیبل، ڈاکٹرز کا من پسند اور مراعات دینے والی کمپنیوں کی غیر موثر اور مہنگی ادویات کا لکھنا۔ غریبوں سے ڈاکٹرز کا غیرانسانی و غیر اخلاقی رویہ اور اسی طرح کے دیگر معاملات لمحہ بہ لمحہ لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ تمام مسائل عفریت کا روپ دھار چکے ہیں اور غریب و لاچار عوام کو نگلے جارہے ہیں۔ آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں غریب سے لیکر امیر تک ہر پہلا شخص ذہنی جسمانی اخلاقی اور روحانی بیمار دکھائی دیتا ہے۔ کوئی ڈپریشن کا شکار ہے تو کسی کو بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق ہے۔ کوئی شوگر سے متاثر ہے تو کوئی یرقان زدہ ہے۔ کوئی عملا کوڑھ زدہ ہے تو کوئی دماغی خلل مبتلا ہے کوئی فرعونیت کے لبادے میں الجھا ہے تو کوئی نمرودیت کی کھال میں گھسنے پر تلا ہے۔ایسے میں دوا دارو کی ضرورت ایک لازمی امر ہے لیکن دوائیں (راہ راست) اور شفا ہیں کہ ہم کافی دور ہیں۔ ایسے میں حکومت کا ادویات کے حوالے سے ریلیف فراہم کرنے کا اعلان ہوا کاایک خوشگوار جھونکا محسوس ہوتا ہے لیکن ڈرگ مافیا اتناڑا طاقتور اور منظم ہے کہ اسکے خلاف کچھ ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ سینکڑوں مثالیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں جعلی ،ناقص اور زائد المعیاد ادویات کے حوالے سے

متعدد کیس پکڑے گئے لیکن کسی کو کوئی سزا نہیں ہوئی۔ان میں بہت سی وجوہات کے ساتھ ساتھ خاص وجہ واضح قوانین کا نہ ہونا اور اگر کوئی ہیں تو ان میں اتنے سقم موجود ہیں کہ ان کے خلاف کارروائی ممکن نظر نہیں آتی۔اتائیت کے حوالے سے کوئی لائحہ عمل نہیں بن سکا۔گلی گلی محلے محلے اور دیہاتوں میں جگہ جگہ یہ موت بانٹتے ناسور ہمارے معاشرے کو انسانوں کو اخلاقی اقدار کو داغدار کر رہے ہیں ان کو کوئی پکڑنے والا نہیں۔انہوں نے بندے مارنے کا لائسنس لیا ہوا ہے جب تک کوئی ذی روح داعی اجل کو لبیک نہیں کہہ لیتا ہماری حکومت اور انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔انسانی جان کی بھینٹ کے بعد بے بس ارباب اختیار واقتدار حرکت میں آتے ہیں۔اس میں بھی پہلے تو ملزم پکڑا نہیں جاتا بالفرض اگر پکڑ لیا جائے تو وہ جو،ایک یا زائد انسانی جانوں سے کھیل چکا ہے،اس کو پکڑنے پر سوائے جرمانہ کے کوئی تکلیف نہیں دی جاتی۔جرمانہ بھی ایسا کہ وہ بآسانی اور بخوشی ادا کرکے پھر سے موت بانٹنے کا لائسنس ایشو کروالیتا ہے۔

پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن کے افسران سے ملنے کا اتفاق ہوا اور ان سے اتائیت اور اس کے خلاف نافذالعمل کی جانیوالی سزاؤں بابت بات چیت ہوئی تو بڑی حیرانی اور افسوس ہوا کہ اس محکمے میں بھی اتائیت کے خلاف کوئی واضح قوانین موجود نہیں اس کمیشن کے کرتادھرتاؤں کا کہنا ہے کہ ہمارے اختیار میں زیادہ

سے زیادہ یہ ہے کہ ہم اس ہسپتال یا کلینک کو سیل کر دیں اور مرتکب شخص کو زیادہ سے زیادہ 20 ہزار روپے جرمانہ کر دیں۔ ملوث و مرتکب افراد کے خلاف کیا کارروائی کی جائے گی۔ کس حد تک کیجائے گی۔ کس کس دفعہ کے تحت کی جائے گی کوئی قانون موجود نہیں اس کی وضاحت موجود نہیں اور جو دفعات ہیں وہ اتنی ہلکی (minor) ہیں کہ جس سے مرتکب افراد پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ اس سزا کو بغیر حیل و حجت قبول کر لیتے ہیں

یہ ساری تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ گورنمنٹ پالیسی بھی بنائے اس پر عمل بھی کرائے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں واضح اور قابل گرفت قوانین بھی وضع کرے تاکہ یہ ادویات جعلی ہیں کہ ناقص، مہنگی ہیں کہ زائدالمعیاد ان کے پھیلاؤ کو کنٹرول کیا جاسکے اور مرتکب افراد کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جاسکے۔ اسی طرح نیم حکیم نیم ڈاکٹر اور اتائیت کے ان پروردہ ناسوروں کو جڑ سے اکھاڑا جائے ان کی سرپرستی کرنے والے ڈاکٹرز کے لائسنس منسوخ کئے جائیں ان کی پریکٹس ضبط کی جائے اور انہیں نشان عبرت بنایا جائے تاکہ قومی ڈرگ پالیسی بنانے کا مقصد پورا ہوسکے اور اس کے ثمرات سے عوام کو مستفید کیا جاسکے۔ نہ کہ یہ بھی پنجاب ہیلتھ کیئر کمیشن کی طرح ربڑ سٹیمپ بن کر رہ جائے۔

سیاست زدہ پولیس کی تطہیر ضروری ہے

حکومت پولیس میں بھرتیوں کا سلسلہ شروع کرنے جارہی ہے اس سے قبل بھی سریع الحرکت فورس بنائی گئی، کاؤنٹر ٹیرزارم (انسداد دہشت گردی) فورس بنائی گئی علاوہ ازیں کئی دوسری لا اینڈ انفورسمنٹ فورسز ملک بھر میں مصروف عمل ہیں لیکن کہیں پر کوئی حوصلہ افزا بہتری اور تبدیلی دکھائی اور سنائی نہیں دیتی۔امن وامان کی صورت حال ہے کہ دن بدن ابتر ہوتی جارہی ہے۔ عوام کے جان و مال کا تحفظ ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔اتنی فورسز کے مصروف بہ عمل ہونے کے باوجود مثبت اور من چاہے نتائج کا نہ ملنا ان کی کارکردگی پر لگے سوالیہ نشان کو بڑا کرتا جارہاہے۔اس میں جہاں پر پولیس کی نااہلی غفلت اور ناقص کارکردگی کا عمل دخل ہے وہیں پر حکومت کی نااہلی اور ناقص پالیسی بھی اس کی ہمدم ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ پولیس ریاست کے شہریوں کے جان و مال کیلئے establish کی گئی اور جب سے وجود میں آئی ہے اسے ہمیشہ سے تنقید،برے الفاظ اور حوالوں کا سامنا رہاہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ پولیس نے شہریوں کے جان ومال کے حوالے سے قربانیاں بھی دی ہیں ان کی قربانیوں کو سراہا جانا چاہئے لیکن یہاں بھی افسران بالا کی عدم دلچسپی ان کو منظر سے غائب کرتی رہی۔

پولیس میں 24 گھنٹے کی ڈیوٹیاں بہت سے مسائل کو جنم دے رہی ہیں اگر ڈیوٹی آورز فکس کردیئے جائیں تو بہت سی قباحتیں کم ہوجائیں گی پولیس کا روایتی رویہ اور چڑچڑا پن کم ہوجائیگا۔ اسی طرح نفری اور سامان کی کمی ناساعد حالات بھی ان کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگانے کا موجب بنتے ہیں۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کا غلط اور غیر ضروری مقامات پر miss use بھی اسے ڈی ویلیو کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ وی وی آئی پی کلچر اور وی آئی پی موومنٹ کے ساتھ ساتھ کوٹھیوں ڈیروں لاجز اور بنگلوں پر تعیناتی پولیس ڈیپارٹمنٹ کو ڈی ٹریک اور غیر فعال بنانے کی بڑی وجوہات میں سے ایک ہیں۔ ہماری ایف سی (FC) کو لے لیجئے جسے سرحدی علاقوں کیلئے خصوصی طور پر ٹرینڈ کیا گیا تھا لیکن اب اسے اسلام آباد وغیرہ میں وی وی آئی پی پروٹوکول پر لگادیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سرحدی علاقوں میں جرائم میں اضافہ، امن وامان کی صورت حال مخدوش اور دہشت گردی و لاقانونیت بھرپور انداز میں سر ابھار چکی ہے۔

محترم قارئین! مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ ایک سب سے بڑی اور اہم وجہ پولیس میں سیاست کا عمل دخل ہے جس کا برملا اظہار آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کراچی میں وزیراعظم کی زیر صدارت ہونے والی تقریب میں کیا انہوں نے پولیس کو depoliticise یعنی سیاست سے پاک کرنے کی بات کی ہے۔ ان کی بات مکمل طور پر نہایت ہی باوزن اور حقائق پر مبنی ہے کیونکہ پولیس میں اگر تقرر اور

تبادلے میرٹ پر کیئے جائیں تقرری اور تبادلوں میں سیاست رشوت اور سفارش کے عنصر کو ختم کردیا جائے۔ دوستوں اقربا اور سیاسی زعما کو نوازنے کا عمل ختم کردیا جائے تو بہت سے مسائل اپنی موت آپ مرجائیں گے اس حقیقت سے قطعی انکار ممکن نہیں کہ ہمارے وزرا، ایم این ایز اور ایم پی ایز کی پہلی اور پہلی ترجیح تھانوں میں اپنے چہیتے، من پسند اور ''وفادار'' افسران و اہلکاران کی تعیناتی ہے۔ہمارے منتخب عوامی نمائندوں کی تان یہیں پر ٹوٹتی ہے کہ ڈی پی او، ڈی ایس پیز، ایس ایچ اوز حتی کہ محرر تک کی تقرری اور تبادلے ان کی مرضی و منشا کے مطابق کیئے جاتے ہیں۔اور پھر وزیر اعلی پنجاب پولیس کا قبلہ درست کرنے کا رونا روتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔اور ''میں سب کو ٹھیک کردونگا'' کی گردان بھی الاپتے ہیں لیکن اگر وہ ان پولیس کے متوالے ایم این ایز اور ایم پی ایز کو سمجھائیں کہ پولیس کے علاوہ اور بھی محکمے ہیں جن میں ان کی توجہ درکار ہے۔ محکمہ تعلیم، صحت ٹرانسپورٹ خوراک و دیگر بنیادی محکمہ جات کی بابت کوئی بات نہیں کرتا۔ہاں اگر فنڈز کا کوئی معاملہ ہو تو یہ قانون بنانے والے '' ٹھیکیدار'' بن کر سیوریج نالیاں گٹر اور گلیاں بنوانے کے ٹھیکے لے رہے ہوتے ہیں۔ بہر حال افسوس ! کہ ابھی تک تھانہ کچہری اور پٹواری کلچر کی تکون سے باہر ہی نہیں نکلا جاسکا۔جب ان سیاستدانوں کا عمل دخل اس محکمے سے ختم یا کم کردیا جائیگا تو پولیس کو آزادی سے کھل کر کام کرنے کا موقع ملے گا جس سے نتائج بہتر ہونگے اور مسائل کم ہوجائیں گے اور اگر پولیس سیاست زدہ رہے

گی تو بھرتیاں کرنے نئی فورسز بنانے سے مسائل حل نہیں ہونگے۔اور سابقہ بھرتیوں میں کہیں پر ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ جرائم کے پروردہ لوگوں اور مجرمانہ عمل و ذہن رکھنے والے افراد کو بھی پولیس میں شامل کیا گیا جس کا مقصد سوائے پولیس کے اختیارات کا غلط استعمال کے سوا کچھ نہیں تھا۔اس عمل کی حوصلہ شکنی بھی ضروری ہے۔ جنرل راحیل شریف نے اگر پولیس میں تطہیر کی بات کی ہے سیاست زدہ پولیس کو محب وطن فرض شناس اور عوام دوست بنانے کا مشورہ دیا ہے تو اس پر عمل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جانا چاہئے کسی حیلے کو رکاوٹ نہیں بنانا چاہئے کوئی بہانہ درپیش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ سیاست سے پاک اور مداخلت سے آزاد پولیس ہی معاشرے میں قانون کی بالادستی امن وامان کی بہتری اور دہشت گردی کے خاتمے کا آزمودہ اور حقیقی نسخہ بن سکتی ہے۔ سیاستدانوں بلکہ ان کے کارندے جو کہ سیاستدان سے بھی زیادہ دخل اندازی کا مرتکب ہوتے ہیں ،کا پولیس میں بے جا مداخلت، بے جا سفارش رخنہ اندازی اور دباؤ پولیس کو دیوار سے لگا دیتا ہے جس سے انصاف کے تقاضے پورا کرنے میں بہت سی مشکلات حائل ہوجاتی ہیں۔اور پولیس ہی کیا اگر کسی بھی محکمے سے بے جا سیاسی مداخلت اور دباؤ کو ختم کردیا جائے تو اس محکمہ کی کارکردگی کو اسی فیصد تک بہتر اور عوام دوست بنایا جاسکتا ہے۔اگر حکومت وقت چاہتی ہے کہ ان کے عوام کو انصاف

اور سہولیات دینے کے دعوے پورے ہو سکیں تو پھر اوپر سے تبدیلی کا یہ عمل شروع کرنا ہوگا اور اس کے مثبت اثرات یقینا نچلی سطح پر بھی ضرور پہنچیں گے۔ افسران کے قبلے صحیح سمت میں ہونگے تو لامحالہ اہلکار بھی اسی رخ اپنا قبلہ درست کرلیں گے۔ المختصر کسی بھی محکمے بالخصوص پولیس کو فعال اور عوام دوست بنانے کیلئے ضروری ہے کہ سیاست کے عنصر کو اس سے دور رکھا جائے اور ملک کو سیاست سے پاک پولیس مہیا کی جائے۔ علاوہ ازیں نئے اور قابل عمل قوانین بنائے جائیں فرسودہ اور کہن سالہ قوانین میں ترمیم کی جائے نہ کہ وردی کا کلر تبدیل کرنے پر زور دیا جائے۔ تربیت کے دوران اخلاقی تربیت بھی کی جائے۔ اور سب سے آخر میں یہ کہوں گا کہ اگر سیاست سے بھی سیاست کو نکال دیا جائے تو ملک میں خوشحالی ترقی اور امن وامان کو کوئی نہیں روک سکتا۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

پاکستانی عورت ! جہاں پر گھریلو تشدد کا شکار ہے وہیں منفی رویوں ،امتیازی سلوک اور بد ترین صنفی تعصبات کا شکار بھی ہے آئے روز کے واقعات میں یہ عورت کہیں تیزاب گردی کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے تو کہیں اجتماعی عصمت دری سے اس کی روح کو گھائل کیا جاتا ہے۔ کہیں پر گھر کی چاردیواری میں مقید کر کے اس کا استحصال ہو رہا ہے تو کہیں سرعام عزت نیلام کی جارہی ہیں۔ کہیں پر جہیز کی لعنت نے اس سے جینے کا حق چھین لیا ہے تو کہیں کالی ،کاروکاری جیسی قبیح رسومات اسے زندہ درگور کیے دے رہی ہیں۔اسے تعلیم سے دور رکھ کر ان کے بنیادی حقوق کو سلب کیا جارہا ہے تو کہیں ان کو جسمانی طور پر غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔پاکستان میں 95 فیصد خواتین بہمانہ گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔پاکستان کی آدھی آبادی خواتین پر مشتمل ہے۔ جس کے 75 فیصد کو دیہی علاقوں میں قبائلی سسٹم ،جاگیردارنہ نظام ،سرمایہ دارانہ نظام،وڈیرہ ازم کے تحت تعلیم سے دوری،ظالمانہ رسوم ورواج، جنسی تشدد، ذہنی وجسمانی تشدد اور معاشی استحصال جیسے عوامل میں پھنسا دیا جاتا ہے۔اس پر ستم یہ کہ مذہب اور پردہ کے نام پر بھی عورت کو ہی نشانہ بنایا جارہا ہے۔حالانکہ اسلام عورت کو برابری کے حقوق دیتا ہے اور اس کی عزت وتکریم کواولیت دیتا ہے،دین اسلام جس کی بنیاد ہی اقراء پر ہے

اس کے پیروکاروں کو پڑھنے لکھنے سے دور رکھنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔یعنی کہ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی حد دیکھئے کہ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ جہاں بھی صنفی برابری ہے جس جگہ بھی عورت کو مساوی مقام حاصل ہے وہاں پر ترقی ،معاشی خوشحالی، تعلیمی بہتری ، غربت میں کمی واضح طور پر محسوس کی اور دیکھی جاسکتی ہے لیکن پاکستان میں صرف کہنے کی حدتک عمل کیا جارہا ہے سیڈا کنونشن کو مانا جارہا ہے۔ مگر اس پر حقیقی معنوں میں عمل درآمد نہیں کرایا جارہا ہے جمہوریت کا راگ الاپنے والے ممالک میں بھی صنفی استحصال جاری ہے جب اس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں تو پھر 1908 جیسی تحریکیں پیدا ہوتی ہے کہ جب عورت اپنے حقوق لینے کیلئے اور اپنے خلاف ظلم وتشدد جبر واستبداد کے خاتمے کیلئے سڑکوں پر نکل آتی ہے پھر یہ سیل بے کراں اس طرح بڑھتا اور پھیلتا ہے کہ راہ میں حائل رکاوٹیں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں اور اقوام متحدہ کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ " وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"۔

8 مارچ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے جو کہ خواتین بالخصوص ورکرز خواتین کیلئے نئی جہت ،نیا حوصلہ، تجدید عزم اور اوریقین محکم کا پیغام لے کرآتا ہے یہ دن خواتین کی جہد مسلسل کی علامت ہے آج کے دن خواتین کی صدائے احتجاج کو سنتے ہوئے قانون سازی کے عمل کا آغاز ہوا اور اس بات کو

تسلیم کیا گیا کہ خواتین منفی رویوں ،امتیازی سلوک اور صنفی تعصبات کا شکار ہے۔ اسے ماں، بہن، بیٹی ، بیوی کا مقام تو دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے مطابق تکریم اور احترام نہیں دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لاقانونیت ، کرپشن، تعصب فرقہ بندی کا ایک طوفان بد تمیز ی ہے جو کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ جہاں ان مسائل نے ملک و عوام کو گھیرا ہوا اس میں عورت کی تذلیل اور اسکی حیثیت کو نہ ماننے کے فیکٹر کو واضح طور پر انوالو ہیں ۔ گھریلو تشدد ، بے جا سختیاں ، بد اعتمادی ، قید و بند، غربت وافلاس نے بھی عورت کے مقام کو گہنا دیا ہے۔

دین اسلام کی روح اور انسانی حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر عورت کے ساتھ انصاف کیا جائے تو پھر وہ اپنے لخت جگر کو گلا گھونٹ کر نہیں مارتی، پانی میں ڈبو کر یا پھر کھانے میں زہر دے کر ہلاک نہیں کرتی۔ مغربی ممالک ، پاکستان اور بالخصوص انڈیا میں عورت گھریلو مسائل اور غربت کے ہاتھوں اتنا تنگ ہے کہ اپنی کوکھ کو مستعار دے دیتی ہے۔ اپنی کوکھ میں کسی اور کیلئے بچے کی پرورش کرتی ہے اور بچے کو پیدا کرنے کے بعد اسے اتنا حق بھی نہیں ہوتا کہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ لے ۔ کیا یہ انسانیت ہے؟ اس میں جمہوریت کہاں سو گئی ہے ؟ حقوق انسانی کے علمبردار کہاں گم ہو گئے۔ کیا عافیہ صدیقی عورت نہیں ؟ نام نہاد امریکی دعوے کھوکھلی دیوار ثابت ہو چکے۔ انسانیت کے حقوق کی پاسداری کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ امریکہ ہو کہ انڈیا ۔ چائنا ہو کہ بنگلا دیش ملائشیا،

ہو کہ افغانستان یا کہ پاکستان ہر ملک ہر خطہ ہر علاقے کی عورت ہی ہوتی ہے۔اس کی تکریم ،احترام اور برابری کی حیثیت دینا سب پر لازم ہے۔ صرف ڈے منانے سے یہ کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچیں گے۔ان کو ان کے حقوق ودیعت کرنا ہونگے۔2015 میں اس مرتبہ حکومت پاکستان نے بھی این جی اوز کی طرح 8 مارچ کو فوکس کیا ہوا ہے اور ان کے حقوق کی بات کر رہی ہے حکومت کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے حکومت پاکستان کو اس بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کر عورت کیلئے بھی بنانا چاہئے ان کی نمائندگی ہر طبقہ فکر اور شعبہ جات کے political spaces ساتھ ساتھ سیاست میں بھی اوپن ہونا چاہئے کوٹہ سسٹم اور مخصوص نشستوں کی بجائے اسے برابری کے حقوق ملنے چاہئے۔ کیونکہ یہی جمہوریت کا حسن ہے کہ بلا تفریق جنس، رنگ و نسل سب کو نمائندگی دی جائے۔

انسان نہ سہی..... گدھ کیلئے ہی قانون سازی کرلی جائے!

میٹنگ جاری تھی ۔شرکاء میٹنگ میں بے چینی اوراضطراب کی کیفیت نمایاں تھی۔ان کی حرکات وسکنات کسی اہم ایشو کا عندیہ دے رہی تھیں۔کچھ نوجوانوں میں جذبات کی گرمی زیادہ تھی تووہ اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔کچھ دھیمے لہجے میں اپنا مدعا بیان کررہے تھے اورکچھ جو عمر رسیدہ اورجہاندیدہ تھے وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔اتنے میں ایک مخصوص آواز سنائی دی اور سب خاموش ہوگئے۔پھر ان کا سربراہ گویا ہوا۔ میرے دوستو! ایک وقت تھا کہ ہم سب خوشحال تھے۔ کھانے پینے کی کوئی فکر نہ تھی۔ ہمہ وقت نت نئے کھانے اور خوراک ہمارے منہ کاذائقہ اورپیٹ کاایندھن بھرنے کیلئے موجودرہتی تھی۔ہرعلاقے میں کہیں نہ کہیں سے غذاکاملنا روزکا معمول تھا۔اس وقت کے لوگ بھی اتنے مہذب نہیں کہلاتے تھے۔اس وقت بھی غربت تھی۔لیکن ہمیں کبھی بھوکا نہیں سونا پڑاتھامگرآج کے موجودہ دور میں ہمیں پیٹ کا جہنم بھرنے کیلئے معقول خوراک نہیں ملتی۔ہمارے حصے میں آنے والی غذااور خوراک آج کا مہذب کہلوانے والاانسان نہیں چھوڑتا۔ مرے ہوئے حلال جانور گائے بھینس بکری بھیڑاور مرغیاں تواستعمال میں تولاہی رہاہے حرام جانوروں گدھوں اور کتوں کا گوشت بھی ان کی ڈشزکی زینت بنایا جارہاہے۔یہ ہمارے حصے کی خوراک تھی جسے آج کا مہذب انسان اپنے ہی انسان

بھائیوں کو حلال بنا کر فروخت کر رہا ہے۔ مردار اور حرام جانوروں کا گوشت کوڑا گھروں اور ویرانوں میں پھینکنے کی بجائے ہوٹلوں کے دستر خوانوں پر سجایا جائے گا تو غذا کی قلت ہمارا مقدر بنا ہی ہے۔ آج کی میٹنگ بلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم کیسے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں اس کیلیے احتجاج کرنے کے علاوہ اور کیا حکمت عملی اپنائی جا سکتی ہے ہم کمزور ہوتے جا رہے ہیں ہماری نسل معدوم ہوتی جا رہی ہے بھوک کا وبال ہماری آدھی سے زیادہ نسل کو ہڑپ کر چکا ہے کیا صورت اختیار کی جائے کس سے بات کی جائے کہ اس اشرف مخلوق کو سمجھائے کہ وہ مردار جانوروں کو ذبح کرنے سے باز آ جائے۔ قارئین یہ میٹنگ گدھ جاتی کی میٹنگ تھی جس میں تمام چھوٹے۔بڑے گدھ سردار اور ان کی قوم نے شرکت کی تھی۔ وہ سب مضطرب اور پریشان تھے اور ان کی پریشانی جائز بھی تھی کہ ان کی خوراک کو ایک دوسری نسل ہڑپ کر رہی تھی۔

معزز قارئین اگر ہم پندرہ بیس سال ماضی میں جھانکیں تو ہم دیکھ رہے ہوتے تھے کہ کسی ایک جگہ پر بہت سے گدھ اور اسی نسل سے تعلق رکھنے والے مردار خور فضا میں منڈلا رہے ہوتے تھے جو اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ کہیں قریب ہی کوئی مرا ہوا جاندار موجود ہے اور ان کی خوراک بننے والا ہے لیکن اب اگر غور کریں تو آپ کو ان گدھوں چیل کوؤں کے غول فضا میں منڈلاتے دکھائی نہیں دیتے اس کی وجہ یہی ہے کہ جب بھی کوئی جانور مرتا ہے تو اسے کہیں پھینکا

نہیں جاتا بلکہ اسے کم قیمت پر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایسا بھی ہوتا تھا کہ چڑیا گھر والے یہ مردہ جانور خرید لیتے تھے اور پالتو درندوں شیر بھیڑیا لومڑ ریچھ و دیگر کو کھلا دیا جاتا تھا اب چڑیا گھر میں جانوروں کی کمی کی وجہ سے کھپت کم ہے اس لئے انسانوں کیلئے زیادہ تر ہوٹلز پر فروخت کر دیا جاتا ہے اور باقاعدہ جوڑ توڑ کیا جاتا ہے بعد ازاں یہ گوشت اور اس کے بنائی گئی مختلف الانواع ڈششز امیر سے لے کر غریب تک کو کھلا دی جاتی ہے۔ یہ چٹخارے دار ڈششز کھا کر انسان جہاں بہت سے قباحتوں میں گھر جاتا ہے وہاں پر اس کے کھانے سے انسانی دماغ کند آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں اور وبائی و موذی امراض کے غلبہ کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کا جنازہ بھی نکل جاتا ہے کیونکہ جب حرام کی آمیزش جسم و جان میں سرایت کرے گی تو اس کے نتائج بھی بھیانک ہی ہونگے۔

پچھلے دنوں کہروڑپکا میں چار من کا ایک مردہ جانور فروخت کیلئے ذبح کیا گیا مخبری پر صحافی دوستوں کے ہمراہ راقم بھی موقع پر گیا پولیس اور وٹرنری ڈاکٹر کی مدد سے گوشت اور اس کے خریدار کو تحویل میں لے لیا گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ قصائی موصوف ہیں جو کہ متعدد مرتبہ اس جرم میں پکڑے جا چکے ہیں لیکن موثر قانون نہ ہونے کی بنا پر دوسرے روز ہی پھر ڈنکے کی چوٹ پر رہا ہو کر حرام کھلا رہا ہوتا ہے اس روز اسے لعن طعن کیا تو وہ

شرمندہ یا خوفزدہ ہونے کی بجائے ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ میرا کچھ نہیں بگڑے گا جرمانہ بھر کے جان بخشی ہو جائیگی۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ڈاکٹر اور پولیس سے پوچھا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سزا کیا ہوگی کوئی ایسا قانون کوئی شق ہے جو اس کی بدمعاشی کو لگام ڈال سکے تو یہاں پر اس حوالے سے کوئی قانون موجود نہ تھا۔ یہ اور اس قسم کے دسویں واقعات ہر روز اخبارات میڈ شائع ہوتے ہیں لیکن آج تک کسی حرام اور ملاوٹ شدہ اشیا بیچنے والے ناسوروں کو کوئی سزا نہ ہو سکی۔ حکومت وقت کو اس کے حوالے سے کوئی ایسا قانون بنانا چاہئے کہ ایسے ناسوروں کو پھانسی یا کم از کم عمر قید کی سزا کا تعین کیا جائے۔ گذشتہ دنوں وفاقی وزیر نیشنل فوڈ سکیورٹی اینڈ ریسرچ سکندر بوسن چوتھی بین الاقوامی حلال کانفرنس اور نمائش 2015 سے خطاب کر رہے تھے جس میں انہوں نے حلال پروڈکٹس کی سرٹیفکیشن اور اسکی ریگولیٹری کی بات کی حرام پروڈکٹس کے روک تھام کی بابت کوششوں کی بات کی۔ سب ٹھیک! حرام پروڈکٹس پر تو لکھا ہوتا ہے کہ اس کے اجزا کیا کیا ہیں لیکن ہمیں جو حلال کے لبادے میں مردار اور حرام کھلایا جا رہا ہے اس کی بھی تو کوئی بات کی جانی چاہیے۔ اور حکومت وقت کو چاہئے کہ اسے اگر انسانوں کا خیال نہیں تو کم از کم گدھ اور اسی قبیل کے مردار خوروں کے بارے ہی کچھ سوچ لے اور ان کے حصے پر ڈاکہ ڈالنے والے مہذب انسانوں کو نکیل ڈال دے اور قانون سازی کر لے۔

دونوں واقعات غیر انسانی ہیں

اس معاملے پر کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ یوحنا آباد چرچز میں ہونے والے خود کش حملے پندرہ افراد کی اموات اور 80 کے قریب افراد کا زخمی ہونا ایک ظالمانہ اور سفاکانہ عمل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اور ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچانا حکومت وقت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ بلا تفریق رنگ و نسل بطور پاکستانی کے ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہوں لیکن دہشت گردی کی اس بہیمانہ کارروائی کے بعد مشتعل مسیحی مظاہرین کا دو بے گناہوں کو پکڑ کر تشدد کرنا اور پھر انہیں نذر آتش کر دینا بذات خود بھی سفاکانہ اور غیر انسانی رویہ اور کھلی دہشت ہے گورنمنٹ کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اس سے پہلے بھی خود کش حملے ہوئے مساجد پر بھی ہوئے سکول اور مدارس میں بھی دہشت گردوں نے اپنے ناکام عزائم کا پرچار کیا۔ امام بارگاہوں میں بھی خون کی ہولی کھیلی گئی بازاروں کو معصوم شہریوں کے خون میں نہلایا گیا۔ اس سے پہلے بھی خود کش بمبار اور دہشت گرد زندہ یا مردہ عوام اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہتھے چڑھے تھے لیکن ان کے ساتھ مذکورہ بالا ایسا کوئی سلوک نہیں کیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کو بھی سولی پر لٹکایا جاتا۔ سر عام بازاروں میں گھسیٹا جاتا سروں کو کھمبوں اور دیواروں پر لٹکا دیا جاتا کہ وہ تو واضح

طور پر ملک دشمن عناصر تھے لیکن آئین و قانون اور انسانیت کا تقاضا اور معیار یہ سب کرنے سے منع کرتا ہے اور اگر ایسے ہی ہوتا رہے تو پھر عدالتوں اور لا اینڈ انفورسمنٹ ڈیپارٹمنٹس کا وجود بے معنی ہو کر رہ جائے حکومت کی رٹ ختم ہو جائے ملک میں افرا تفری انتشار اور لاقانونیت کا سیل بے کراں ہوتا جو تمام لوگوں کو خش و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا اور انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل دیئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ظلم کا بدلہ اور انصاف کے تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنا ہوتا ہے۔ جن دو لوگوں کے ساتھ یہ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا اس میں سے ایک کی شناخت ہو چکی ہے کہ وہ حافظ نعیم ہے اور اپنے شہر سے شیشہ خریدنے لاہور آیا تھا اور بلوے کی نذر ہو گیا جبکہ دوسرے کے بارے میں تحقیقات سے معلوم ہوا۔ اس کا نام نعمان بابر ہے اور وہ قریب ہی کا رہائشی ہے اور بلوے کے وقت وہ کہتا رہا کہ یہ مجھے جانتا ہے وہ مجھے جانتا ہے لیکن خوف کی وجہ سے کوئی اس کا شناسا نہ بنا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ دونوں دہشت گردوں کے ساتھی تھے یوحنا آباد کے واقعے میں ملوث تھے تو انہیں قانون کے حوالے کیا جانا چاہئے تھا ان سے انٹیروگیشن کی جانی چاہئے تھی ان کے دوسرے ساتھیوں، منصوبوں اور کارناموں کے بارے میں پوچھ پڑتال کی جانی چاہئے تھی جس کی وجہ سے بہت سے مسائل اور قباحتوں سے بچا جا سکتا تھا۔ اب انہیں مار دیا گیا اور تمام ثبوت ان کے ساتھ

ہی دفن ہوگئے ۔یہ بہت بڑا نقصان ہوا۔ حالانکہ ان کے پاس کو اس قسم کی کوئی بھی مشکوک شے برآمد نہ ہو سکی تھی۔اب چلتے ہیں دوسری طرف کہ اگر یہ دونوں اس واقعے میں ملوث نہیں ان کا اس سانحے سے دور تک کا کوئی تعلق نہ تھا تو ان بے گناہوں کے جو بے جا خون بہایا گیا اس کا حساب کون دے گا۔ غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویہ اپنایا گیا قانون کی دھجیاں بکھیری گئیں۔یا ان کا قصور صرف یہ تھا کہ ان کے منہ پر داڑھی تھی ۔پھر یہ معاملہ یہیں پر نہیں رکا دوسرے دن مشتعل مظاہرین ایک خاتون کی کار پر چڑھ دوڑے۔ جان بچانے کی خواہش اور مرنے کے خوف نے اس کو اتنا خوفزدہ کردیا کہ وہ گاڑی پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھی اور پانچ چھ راہ گیروں کو کچل دیا جن میں سے تین جان ہار گئے۔ حالات کو کنٹرول کرنے کیلئے آخر کار رینجرز کو ڈیپیوٹ کرنا پڑا۔
اگر آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو پاکستان سمیت جہاں جہاں یہ کشت و خون کا بازار گرم ہے اسکا ایندھن صرف مسلمانوں کو بنایا جا رہا ہے اور انکی اموات میں زیادہ تر ہاتھ غیر مسلموں کا ہے اسی طرح پاکستان میں بھی زیادہ تر مسلمان شہری ہی ان بربریت کا شکار ہوئے ہیں ان کو دہشت گردی کی بھینٹ چڑھا گیا ہے۔ مسجد مدرسہ سکول امام بارگاہ پولیس اور حتی کے افواج پاکستان کے بھی کئی یونٹس پر حملے کئے گئے۔ محرم الحرام کے جلوسوں کو تہہ و تیغ کیا گیا جس میں غیر مسلم اور غیر ملکی قوتوں کے ساتھ ساتھ نام نہاد مسلمان بھی

ملوث پائے گئے۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی کسی غیر مسلم کو اس بنیاد پر تشدد کا نشانہ بنایا اور نہ ہی کسی کو قتل کیا۔قرآن کریم کی بے حرمتی اور شان نبیؐ میں گستاخی کے کئی واقعات صفحہ ہستی کی تاریخ کو داغدار کر گئے مسلمانوں نے ان کو مارنے اور قتل کرنے کی بات کی نشان عبرت بنانے کی خواہش کا اظہار کیا حکومتوں سے مطالبہ کیا لیکن خود کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھایا۔ قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ نقصان صرف اور صرف مسلم کمیونٹی کا ہوا۔ایک بات اور کہ اکثر اس بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں۔حکومتی سپورٹ کا فقدان ہے ان کے حقوق پامال کئے جاتے ہیں تو یوحنا آباد کے واقعے کے بعد دو افراد کو نذر آتش کرنے کے باوجود ابھی تک مسلم کمیونٹی کی طرف سے کوئی کارروائی نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو حقوق دیئے جاتے ہیں ان کی پاسداری کی جاتی ہے لیکن ان کا مطلب یہ بھی نہ لیا جائے کہ پھر اقلیتیں اپنی من مانیاں کرتی پھریں اور قانون کو ہاتھ میں لیں۔ لہٰذا مسیحی برادری سے ایک مرتبہ پھر عرض ہے کہ یوحنا آباد گرجا گھروں پر حملہ قابل مذمت عمل قابل گرفت فعل اور انسانیت کی تذلیل ہے لیکن خدارا اس پر صبر کے دامن کو ہاتھ سے مت چھوٹنے دیں اور دشمن کو خوش ہونے کا موقع مت فراہم کریں۔ اسی طرح حکومت وقت کا بھی اپنے فرائض کو سمجھتے ہوئے جلد از جلد دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے ختم کرنے کیلئے عملی اقدامات اٹھائے۔اپنی رٹ قائم کرے ایسا نہ ہو کہ یہ واقعات

کسی اور نہج پر چل پڑیں اس لئے صرف بیانات پر اکتفا ہی نہ کیا جائے اور دونوں واقعات میں ملوث و مرتکب افراد اور عناصر جو کہ کافی حد تک واضح ہیں، کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

تختی اور سلیٹ

تحریر انسان کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے اس کی شخصیت اس کی فطرت اور عادات کو نمایاں کرتی ہے اس کی ذہنی کیفیات اور دلی جذبات کا اظہار ہوتی ہے۔ اچھی لکھائی اور خوش خطی سے انسانی پہلوؤں سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک کے محکمہ تعلیم کو بھی اس بات کا ادراک ہوچلا ہے یہی وجہ ہے کہ یکم اپریل 2015 سے پنجاب بھر کے تعلیمی اداروں بالخصوص سکولز میں پہلی سے تیسری جماعت تک کے طلبا و طالبات کیلیئے اردو اور انگریزی کی لکھائی کو کلاسز کو لازمی قرار دے دیا گیا اور اس کے احکامات بھی جاری کر دیئے گئے ہیں اس حوالے سے ایک پیریڈ بھی مخصوص کرنے کے احکامات صادر فرمادیئے۔ واضح رہے کہ 2005 محکمہ تعلیم نے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا و طالبات کو تختی اور سلیٹ کے استعمال سے روک دیا تھا اور ہاتھوں میں پین اور کاپی تھمادی تھی جس کی وجہ سے خوش خطی اور خوش نویسی کا فقدان نظر آرہاہے اور والدین بالخصوص غریب والدین پر ایک اضافی بوجھ بھی ڈال دیا گیا تھا اور اس بوجھ سے بچنے کیلیئے بہت سے بچے تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے سے محروم رہ گئے تھے۔اس بات کو ماہرین تعلیم (حقیقی) نے تشویش اور تحفظات کا اظہار کیا تھا ان کے مطابق جس طرح سے انسان کا پہناوااور اس کی گفتگو کرنے کے انداز سے اس کی شخصیت کو

جانچا جاسکتا ہے اسی طرح سے تحریر اور خوش نویسی انسان کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے۔ قلم (لکھائی) کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں علم بالقلم (قلم کی مدد سے انسان کو سکھایا)۔یعنی کہ جب سکھانے کی بات کی تو اس میں قلم کا ذکر ہوا۔ حضور اکرمؐ نے لکھنے پڑھنے کے حوالے سے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیدی لوگ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ لکھنا سکھا کر قید سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ حضرت علی کرم وجہہ کا قول ہے کہ اپنی اولاد کو خوش خطی سکھاؤ کہ یہ رزق کی چابیوں میں سے ہے۔ اب آگے چلتے ہیں مغلیہ دور میں ڈرائنگ اور خطاطی کیلئے بہت کام کیا گیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے خطاطی کو فروغ دیا اور اس کی اہمیت اور افادیت یوں بیان کی کہ خطاطی علم کا زیور ہے اس کے بغیر علم ادھورا ہے۔.برصغیر میں حکومت .برطانیہ نے امام ویردی سے تختیاں لکھوائیں اور انہیں انگلینڈ بھیج کر ان کی بہت سے نقول بنوائیں اور پھر انہیں لوگوں میں تقسیم کروادیا تاکہ لوگ اپنی تحریر کو خوش خط اور قابل دید بناسکیں۔ تحریر کی خوبصورتی اور خوش نویسی کی افادیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ایران میں طالب علم کو میٹرک کی سند اس وقت تک جاری نہیں کی جاتی جب تک کہ طالب علم خوش نویسی کی سند حاصل نہ کرلے۔ چائنا میں اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ 2004

ججز کی تقرری اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے پاس خوش خطی کی کوئی سند نہ ہو۔ مختلف ادوار میں عدالتوں بادشاہوں کے درباروں دفاتر اور دوسرے محکمہ جات میں الگ الگ انداز کے رسم الخط رائج تھے۔ جس کی وجہ سے بھی خوش نویسی اور خوش خطی کو فروغ ملا۔ صادقین بہت بڑے مصور گزرے ہیں پینٹنگ کے بعد جب انہیں تحریر لکھنا ہوتی تھی جو وہ خطاط لوگوں کی خدمات حاصل کرتے تھے لیکن وہ لوگ ان سے تعاون نہ کرتے اس بات سے تنگ آکر انہوں نے اپنے انداز میں آزادانہ خط جو کہ روایات کے زیر اثر تھا ایجاد کیا۔ اور وہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ اگر مجھے خط کے بارے میں معلومات نہ ہوتیں تو شاید میں مصوراور خطاط نہ بن پاتا کیونکہ خط ہی ابتدائی سیڑھی ہے خوش نویسی کی۔

جب سے پین کاپی اور کمپیوٹر نے ڈیرہ جمایا ہے اس وقت سے عجیب سی صورت حال پیدا ہو گئی ہے ہم لوگ آدھا تیتر آدھا بیٹر کی سی کیفیات کا شکار ہیں اب نہ ہی تو ہمیں خط (قلم اور سیاہی) پر دسترس حاصل ہے اور نہ ہی ہم لوگ کمپیوٹر کو پوری طرح سے اپنے روزمرہ کے معمولات استعمال کرنے کے قابل ہو سکیں ہیں۔ ہماری گورنمنٹ اور ارباب اختیار جب جی چاہتا ہے ایک آرڈر پاس کرتے ہیں کہ یوں کردو اور یوں کرنے کے چکر میں سارا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ انگلش اور اردو میڈیم کی تکرار نے ہمارے طلباکے ساتھ ساتھ اساتذہ کو بھی گھن چکر بنا کر رکھ دیا ہے۔ سال گزرتا ہے تو ہم پر انگریز بننے کا بھوت سوار ہو جاتا ہے

اور پرائمری سے ہی انگریزی کو لازمی قرار دے دیتے ہیں لیکن اساتذہ اور پڑھانے کے ماہر ندارد۔ پھر کبھی ہم میں قومی زبان سے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے اور ہم اردو دانی کہ رائج کرنے پر تل جاتے ہیں لیکن وہی ڈھاک کے تین پات کے مصداق کچھ نہیں بن پڑتا۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ ایک سال میں دو دو مرتبہ سلیبس کو تبدیل کیا گیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس ڈانواں ڈول والی کیفیت سے نکلنا ہوگا واضح اور غیر مبہم فیصلے مکمل اور جامع منصوبہ بندی کے تحت کرنا ہونگے۔اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ہر سکول میں گورنمنٹ ہو کہ پرائیویٹ اس کا نفاذ کرانا ہوگا۔ مانیٹرنگ روایات سے ہٹ کر کرنا ہوگا صرف کاغذات کی خانہ پری ہمارے اہداف نہیں ہونا چاہئیں۔اس عمل سے تحریر کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والی 40 فیصد آبادی کو بھی اپنے بچوں کے پڑھانے کا موقع میسر آسکے گا کیونکہ پین پنسل اور کاپی کا اضافی بوجھ اس میں بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ہمیں امید واثق ہے کہ اساتذہ ان کی یونینز ان فیصلے کی تائید وحمایت بھی کریں گے اور اس پر عمل درآمد میں اپنی کاوشوں کو شامل کریں گے تاکہ ایک بہتر طالب علم بہتر معمار قوم تیار کرنے میں آسانی میسر آسکے۔

سوچتی لکیریں بولتے رنگ

دیوار پر ایک پنجرہ بنا ہوا تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فضا میں پرندے (فاختہ) اڑ رہے تھے پنجرے کو سرخ رنگ سے بنایا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی مسجد کا خاکہ بنایا گیا تھا جبکہ اس کے دوسری طرف دنیا کے نقشے کو گلوب کی شکل میں پینٹ کیا گیا تھا اور اس کے گرداگرد مختلف رنگوں میں انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنائی گئ تھی۔ یہ تصاویر ایک وال پینٹنگ کے مقابلہ کی تھی جو کہ آواز فورم کہروڑپکا کے زیر اہتمام تحصیل بھر کے سکولز کے طلباو طالبات کے مابین منعقد کیا گیا تھا۔ سوچتی لکیریں اور بولتے رنگوں میں دنیا میں امن کے خواب کے حوالے سے طالب علموں نے اپنے احساسات و جذبات کی عکاسی کی تھی۔اس تصویر کے تخلیق کاروں سے جب میں نے اس بابت دریافت کیا کہ اس تصویر میں کھینچی گئ لکیریں اور بکھیرے گئے رنگ کیا پیغام دے رہے ہیں ان کا تھیم (theme) کیا ہے تو انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا پنجرہ اور اس کا سرخ رنگ جبر و استبداد،آمریت دھونس دھاندلی ،ناانصافی اور سخت گیری کا پر دلالت کرتا ہے۔ کھلا ہوا پنجرہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اب جبر و استبداد، عدم تحفظ اور ظلم ختم ہونے کو ہے۔لوگ آزاد فضا میں سانس لینے کے خواہاں ہیں۔ ظلم وزیادتی سے تنگ آ چکے ہیں پرامن ماحول کی آزاد فضا میں

پرندوں کی مانند بلا روک ٹوک اور بلا خوف و خطر گھومنے چاہتے ہیں۔ جہاں پر ان کی زندگیاں محفوظ و مامون ہوں۔آسمان کی وسعتوں کی طرح پوری دنیا ان کے لئے جائے پناہ ہو۔

مسجد مسلم معاشرے میں ایک ایسی جگہ ہے جسے خانہ خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حدیث مبارکہؐ کے مطابق" زمین (کائنات) میرے لئے (میری امت کیلئے) ایک مسجد کی طرح ہے (عبادت کی جگہ) اور پاک ہے اور میری امت کا کوئی بھی شخص اوقات نماز میں نماز ادا کر سکتا ہے"۔ اس حدیث کے حوالے سے اگر مسجد کے وسیع تر معانی اور گہرائی میں جایا جائے تو سکالرز اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں ایک ایسی جگہ جو امن و اخوت بھائی چارہ کی علامت ہو جہاں پر محمود و ایاز، کمزور اور طاقتور، غریب اور امیر شاہ و گدا سب برابر ہوں جہاں پر سب لوگ امن ، انصاف تحفظ، عوامی امنگوں اور نیک اعمال پر فوکس رکھتے ہوں۔ جہاں پر حکمران اعلی خصوصیات کا حامل قابل اعتماد ، قابل یقین اور اہل علم ہو۔ ان کا خواب ہے کہ جس طرح مسجد میں تمام اچھے اعمال اور اخلاقیات کا پرچار کیا جاتا ہے اسی طرح مسجد کی باہر کی دنیا کو بھی مسجد کی طرح سمجھتے ہوئے تمام برے اعمال سے پہلو تہی برتیں۔ جھوٹ بولنا، دھوکہ دہی، غیبت، لڑائی جھگڑا اور اسی قماش کے تمام برے اعمال و افعال کے رکنا چاہیئے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے دشمنان اسلام کیلئے واضح اعلان کر دیا تھا کہ مسجد نبوی میں

پناہ لینے والوں سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔جو اس بات کی واضح مثال ہے کہ مسجد امن کے حوالے سے اولین مقام رکھتی ہے۔بدامنی بدنظمی اور لاقانونیت اس دنیاکے ناسور ہیں۔آج ہم منبر و محراب کی تعلیمات کو بھلا کر ایکدوسرے کے خون کے پیاسے ہیں مسلک مذہب فرقے طالبان ازم کے نام پر ایکدوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں۔اگر ہم تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان جانی و مالی مسلمانوں نے ہی پہنچایا ہے غیر مسلم کا نقصان اس کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے جو کہ لمحہ فکریہ ہے

دنیاکے چاروں طرف انسانی ہاتھوں کی زنجیر کائناتی امن (Universal Peace) کی نمائندگی کرتی ہے کرہ ارض جہاں پر ہم اپنے معمولات زندگی گزار رہے ہیں اس کے امن کو سب سے زیادہ خطرات انسانوں سے ہی لاحق ہیں اور اگر یہ تمام انسان رنگ و نسل مذہب و مسلک کی تفریق کو بھلا کر صرف اور صرف امن کیلئے باہم دست بند ہوجائیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔طاقتور ممالک اپنے جبر دھونس دھاندلی اور تعصب کو مٹا کر کمزور اور غریب ملکوں اور ان کے باشندوں کو اپنے ساتھ لے کر چلیں تو یہ دہشت گردی بم بلاسٹنگ کا ناسور اپنی موت آپ مر جائیگا۔ان طالب علموں کا خواب ہے کہ مسلم امہ اپنے فروعی مسائل کو نظرانداز کرتے باہم شیر و شکر ہوجائیں۔ ہمارے لیڈنگ ممالک بالحاظ دین سعودی عرب اور اس کے خطے کے دوسرے ممالک یمن شام ایران عراق کویت مصر اپنے مضبوط

ہاتھوں کا ایک ایسا حصار قائم کرلیں جو غیر مسلم قوتیں تو دور کی بات خود ہم بھی نہ توڑ سکیں۔ اسی میں امن پوشیدہ ہے اور ہماری بقا بھی اسی میں مضمر ہے۔ میری بھی خدائے بزرگ و برتر سے عاجزانہ دعا ہے کہ ان نونہالانان وطن اور معماران قوم کا خواب شرمندہ تعبیر ہوجائے۔ پوری دنیا بالخصوص مملکت خداداد میں پیار محبت اخوت وبھائی چارہ، امن وآشتی کی فضا قائم ہوجائے۔ میرا بھی خواب ہے کہ

خدا کرے مری ارض پاک پہ اترے
(وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو (آمین

دیہی روڈز پروگرام! حد درجہ احتیاط لازم ہے

بڑا شور شرابہ تھا پھولوں کے ہار تالیاں گلدستے تھے فیتے کاٹے جا رہے تھے۔ پورے پنجاب میں منتخب عوامی نمائندے ایم این ایز اور ایم پی ایز لوگوں کو اکٹھا کر کے اس بات کی تصدیق کروا رہے تھے کہ وہ بھی 150 ارب روپے میں حصہ دار ہیں اور اپنی دھواں دار تقاریر میں اس بات کا اعادہ کر رہے تھے کہ یہ پاکستان کی تاریخ میں روڈز (سڑکیں) بچھانے کا سب سے بڑا منصوبہ ہے جس میں آئندہ تین سالوں میں ڈیڑھ سو ارب روپے کی خطیر رقم سے پورے پنجاب میں سڑکوں کا جال بچھایا جائے گا۔ اور اس سال دو ہزار کلومیٹر لمبی سڑکات 15 ارب روپے سے تیار کی جائیں گیں اور دیہی علاقوں میں یہ کام خصوصی طور پر شروع کیا جا رہا ہے جس میں ہر ضلع کے دیہات میں سڑکیں بنانے بلکہ بچھانے کا عندیہ دیا گیا ہے۔ فوائد اور مقاصد کے زمرے میں بتایا جا رہا ہے کہ اس سے دیہی علاقوں کی معیشت مضبوط و مستحکم ہو گی۔ ان علاقوں میں روزگار کے بہتر مواقع میسر آسکیں گے دیہی انقلاب برپا ہو گا۔ زرعی ترقی میں اضافہ سے معاشی ترقی بھی آسمان سے جا لگے گی۔ کسانوں کیلئے ان کے دیہات پیرس بن جائیں گے سڑکیں بننے سے کسانوں کو اچھا معاوضہ ملے گا (کیونکہ زرعی اجناس جو کہ دھکے لگنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے سے نڈھال ہو جاتی تھیں اب فریش رہیں گی اور اچھا معاوضہ ملے

گا)اسی طرح دیہات میں بسنے والے طلبا و طالبات کو سکول و کالجز میں جانے کی آرام دہ سہولیات میسر آسکیں گی جبکہ تیز رفتاری کے باعث مریضوں کو ''جلد ہسپتال پہنچانے میں آسانی'' میسر ہوگی۔دیہی روڈز پروگرام ستر فیصد آبادی کیلئے ترقی و خوشحالی کا سنگ میل ثابت ہوگا۔

وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف صاحب! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا منصوبہ نہایت ہی شاندار اور جاندار ہے اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ دیہی علاقوں میں بسنے والی 70 فیصد ان تمام ثمرات سے یقینا مستفید بھی ہوگی۔آپ کی نیت پر بھی شک نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کو ریلیف مل سکے لیکن چونکہ آپ بھی گوشت وپوشت کے انسان ہیں اور بتقاضائے بشر کوئی بھی انسان تمام اعمال وافعال تن تنہا نہیں کرسکتا۔اس کیلئے اسے دوسروں پر تکیہ کرنا پڑتا ہے لیکن اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ جن پہ تکیہ ہوتا ہے وہ پتے ہوا دے (نکال) دیتے ہیں اور پھر یہ ہوا آندھی کی صورت اختیار کرلیتی ہے جس سے وزیر اعلی کے بہت سے منصوبے ان کے اپنے درہم برہم کردیتے ہیں اور سہنا جناب وزیر اعلی کو پڑتا ہے۔یہ اسی طرح ہے کہ جیسے لڑے فوج نام سرکار کا ہوتا ہے بالکل اسی طرح سارا ملبہ وزیر اعلی پر گرتا ہے۔اس پروگرام کے حوالے سے وزیر اعلی نے فرمایا کہ ایک پائی کی کرپشن برداشت نہیں کرونگا اسی لئے یار غار آپ کی ناراضگی سے بچنے کیلئے کروڑوں روپے کی کرپشن کرتے

ہیں۔میٹریل اور کام کے معیار کو چیک کرنے کیلئے بھی کمیٹیاں تشکیل دے دی ہیں۔وہ بھی چونکہ روایتی سرکاری و سیاسی لوگٹ ہوئے ہیں اس لئے بھی معاملہ جوں کا توں رہنے کا امکان ہے

مملکت خداداد میں کوئی بھی ایسا کام نہیں جس میں کمیشن مافیا کرپشن مافیا کو کرپشن پر راغب نہ کرتا ہو جب آپ کمیشن دیں گے تو لامحالہ کریشن بھی کریں گے کیونکہ آفسز میں 10 سے 15 فیصد کمیشن دینے سے مراد کام کی ابتدا ہے ورنہ تو کام شروع ہی نہ ہوسکے گا کہ اس میں بہت سے کیڑے نکل آئیں گے بہت سے امر مانع رہ جائیں گے۔چلیں یہ کڑوا گھونٹ بھی بھرا جاسکتا ہے۔لیکن اب ہوتا کیا ہے کہ سڑکیں صرف وہ بنیں گی جنھیں ایم این ایز، ایم پی ایز یا ان کے خاص کارندے اور گرگے کریں گے۔جو ان کے ڈیرے زمینوں رہائش گاہوں کو جاتی ہونگی یا recommened پھر ان سڑکوں کو ٹینڈرز میں شامل کردیا جاتا ہے جو کہ پہلے سے بنی ہوتی ہیں مزید ظلم یہ ہوتا ہے کہ صرف چند مخصوص افراد کو نوازنے اور خوش کرنے کی خاطر بنوادی جاتی ہیں۔جبکہ جہاں پر درحقیقت ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بننے سے حقیقتاً کسان اور دیہاتی لوگوں کو سہولیات مل سکتی ہیں ان عوامی نمائندوں کی ''نظر کرم'' ہی نہیں پڑتی۔ستم در ستم یہ ہوتا رہا ہے کہ ایک ہی سڑک کو دو سے تین بار بھی بنادیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ضیاء الحق مرحوم کے دور کی کوڈ کرونگا جس میں محمد خان جونیجو وزیر اعظم پاکستان تھے ان

کے دور میں غیر ملکی امداد سے کاشتکاروں کی قسمت بدلنے کیلئے اورانہیں ٹرانسپورٹیشن کی سہولیات باہم پہنچانے کیلئے ''گاؤں سے منڈی تک'' کا پروگرام بھی انہی اللے تللوں کی نذر ہوگیا تھا۔ عوام کی بدنصیبی اور خرابی قسمت کہ وہ منصوبہ بھی نااہل لوگوں کی نااہلی کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ کوئی شبہ aftereffects کی بھینٹ چڑھ گیااور آج تک اس کے نہیں کہ اس تیز رفتاری کے دور میں ٹوٹے پھوٹے ناہموار اور غیر پختہ راستے تیز رفتاری میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ وقت کاضیاع، وہیکل کا نقصان بھی عذاب دکھائی دیتا ہے۔ وزیر اعلی پنجاب کا یہ احسن اقدام قابل ستائش ہے لیکن کمند پھروہیں پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ اگر یہ اتنابڑا منصوبہ ہے تواس میں روایتی عناصر اور عوامل کو دور رکھتے ہوئے کام کیا جائے قوم کا پیسہ قوم پر ہی لگایاجائے ،اسے ضائع ہونے سے بچایا جائے اور خاندانی ٹھیکیداروں کے دسترس سے دور رکھا جائے تواسکے ثمرات اچھے ہونگے اور وزیر اعلی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے گا

پٹواری ! دہقان کو پستی میں دھکیل رہا ہے

پٹواری بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ محکوم رعایا پٹواری (بادشاہ) کے انتظار میں بے چین تھی۔ اتنے میں بادشاہ کی آمد ہوئی رعایا میں ہل چل مچی۔ کچھ لمحوں کے بعد بادشاہ سلامت اپنی نشست خاص پر جلوہ افروز ہو گئے۔ ایک اچٹتی سی نگاہ سب پر ڈالنے کے بعد بادشاہ (پٹواری) نے اپنے اپنے مقدمات پیش کرنے کا حکم دیا اور پھر جب مقدمات سامنے لائے گئے۔ تو بادشاہ کے تیور دیکھنے والے تھے انہوں نے اپنے چیلان خاص (منشیوں) سے ان کے بارے دریافت فرمایا اور حکم صادر فرمایا جسے سن کر رعایا میں سے کچھ لوگ پہلو بدلنے لگے اور آخرکار جب نہ رہا گیا تو وہ بول اٹھے۔ ظل الٰہی یہ کیسی تقسیم ہے یہ تو سراسر ناانصافی ہے ظلم ہے زمین میری ہے۔ کاشت میری ہے فصل تیار کھڑی ہے اور آپ نے باردانہ کسی اور کو الاٹ فرمادیا اور جسے الاٹ کیا گیا ہے وہ تو سرے سے کاشت کار ہے نہ ہی زمیندار۔ براہ کرم انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ہم پر رحم فرمایا جاوے۔ یہ سن کر بادشاہ (پٹواری) جلال میں آ گئے اور فرمایا۔ حدادب نا معقول جانتے نہیں کس کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہے ہو۔ یہ شہنشاہ جناب (تحصیلدار) کا بندہ خاص ہے اور باردانہ میں ان کا حصہ ضروری ہے اور فکر نہ کرو تمہیں بھی سو پچاس بوری مل جائیگی۔ دو تین بعد پھر حاضری دینا۔

اس قسم کے سین اکثر و بیشتر وقت کے سب سے بااثر شخص پٹواری کے دفتر میں فلمائے جاتے ہیں جہاں پر کسی کی زمین پر قابض کوئی ہے تو مالک کوئی ہے۔ ملکیت اللہ بچایا کی ہے تو کاشتکار اللہ رکھے کی اور باردانہ مل رہاہےاللہ بخش کو۔ اور جب شور حد سے بڑھ جاتا ہے اور مجبور و بے بس اور سرپھرا بولتا ہے تو اسے مختلف انداز میں ڈرا دھمکا کر چپ کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب کوئی آپے سے باہر ہوتا ہے یا پھر اکڑ جاتا ہے تو بادشاہ کا پاجامہ گیلا ہوجاتاہے اور نوبت منت ترلے تک پہنچ جاتی ہے لیکن ایسا نوازا جاتاہے out of way شاذو نادر ہی ہوتاہے۔ عام طور پر چند مخصوص لوگوں کو کوئی بڑا زمیندار ہے تو کوئی وڈیرہ۔ کوئی بااثر شخصیت ہے تو کوئی باردانہ مافیا ٹاؤٹ یا کوئی بااثر صحافی۔ کہ جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ گندم کا خوشہ کیا ہوتا ہے ؟گندم کا بوٹا ہوتا ہے کہ درخت؟ انہیں تو صرف اس سے غرض ہے کہ باردانہ مل جائے تاکہ اسے بلیک میں بیچ کر اپنی اور بچوں کی روزی کو ''حلال'' کیا جاسکے۔

دوسری طرف وہ ہاری اور کسان جو دن رات فصل کی رکھوالی کرتا ہے کھیت میں بیج ڈالنے سے لیکر پودا بننے تک اور پھل کے خوشوں میں دودھ آنے سے لیکر فصل پکنے تک نہ جانے کتنی مشقت اور مصائب سے گزر کر وہ اس سٹیج پر پہنچتا ہے

کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ اب جب کہ فصل تیار ہو چکی اب اسے کاٹ کر بوریوں میں بھر کر مارکیٹ میں بھی فروخت کرونگا اور سال بھر کا راشن بھی ذخیرہ کرلونگا۔ اس پر بہت سے منصوبے بنے ہوتے behalf کی خوشی دیدنی ہوتی ہے اس نے اس فصل کے ہیں اپنے مستقبل کے حوالے سے پلاننگ کی ہوتی ہے بچوں کی خوشی و غمی کو جانچ کر معاملات سیٹ کئے ہوتے ہیں بڑے۔بڑے خواب سجائے ہوتے ہیں لیکن اس کے خوابوں اور امیدوں کی عمارت اس وقت زمین بوس ہوجاتی ہے جب وہ پہلی مرتبہ باردانہ کے حصول کی لسٹ میں نام نہ آنے پر بادشاہ سلامت (پٹواری) کے روبرو پیش ہوتا ہے پھر اس کی تمناؤں اور خواہشات کا خون جگہ جگہ ہوتا ہے پہلے تو کھاد سپرے اور پانی کی مد میں اسے قرض میں جکڑ دیا جاتا ہے اس قرض کو چکانے کی خاطر وہ نہایت ہی ذلت و رسوائی سے نبرد آزما رہتا ہے پھر جب فصل پک کر تیار ہوجاتی ہے تو حکومت وقت کی ناانصافی اس کی محنت کا گلہ گھونٹتی ہے ایسے دام مقرر کئے جاتے ہیں کہ سوائے نقصان کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پھر باردانہ کے حصول کیلئے پٹواری کے پیش ہوتا ہے تو اس کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں کہ زمین تو اس کے نام ہی نہیں۔ یا کاشت تو لکھوائی ہی نہیں گئی اور اس چکر میں یعنی ملکیت ثابت کرنے اور کاشت منظور کرنے میں وہ اہم وقت گزر چکا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے مناسب قیمت مل سکے۔ اس کے درمیان میں بھی حکومتی کارندے اپنے اپنے چہیتوں (افسر، فوڈانسپکٹر، ٹاؤٹ مافیا صحافی بااثر خریدار) کو خوش کرنے کی خاطر مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے کسان و

کاشتکار کو اس حد تک زچ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی فصل کو اونے پونے داموں بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور خریدار ان چھیتوں میں سے ہی کوئی بے حس و ضمیر ہوتا ہے جو اس کی بے بسی کو کیش کراتا ہے

اسی طرح تمام دوسری اجناس کے معاملے میں بھی ایسی ہی صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے کہ جب کسان اپنی فصل سبزی یا پھل اس کی چنائی اٹھوائی (لوڈنگ) کیرتج اور آڑھت کے کمیشن کے مراحل سے گزر ر نبرد آزما ہونے کے بعد اسے فروخت کرتا ہے تو اکثر اوقات ایسے ہوتا ہے کہ وہ اپنی جنس کے ساتھ ساتھ اپنی کوئی قیمتی شے بھی فروخت یا گروی رکھ کر جارہا ہوتا ہے یعنی نقصان۔حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے

یہ سارا کھیل اس لئے کھیلا جاتا ہے کہ اس کھیل میں اوپر سے لیکر نیچے تک تمام لوگ انسانیت کے سبق سے دور اخلاقیات سے عاری بے ضمیری و بے حسی کی چادر اوڑھ کر صرف اور صرف اپنے پیٹ کو ترجیح دے رہے ہوتے ہیں۔اس میں سارا قصور متعلقہ محکمہ جات اور گورنمنٹ کا ہوتا ہے وہ سپریم کورٹ کی طرح حکم تو صادر کر دیتے ہیں لیکن ان پر نفاذ کرانے میں بہت سی چیزیں مانع آجاتی ہیں یہ سسٹم کی خرابی.بڑی حد تک ہمارے ایگری کلچر سسٹم کو تباہی کے دہانے پر لے جاچکی ہے۔ دوسرے ممالک میں اوپر خود طے (buyer) بیان کردہ مراحل خریدار

کرتا ہے اور ڈائریکٹ سسٹم کے تحت کاشتکار اور خریدار لین دین کرتے ہیں کوئی کمیشن نہیں ہوتا ہے اور کسان خوشحالی کا سفر تیزی سے طے کرتا ہے جبکہ ہمارا involve مافیا کسان اور کاشتکار روز بروز حکومتی ناقص پالیسیوں اوور اہلکاروں کی کرپشن کی بناپر تنزلی اور بدحالی کا شکار ہے اور وہ آئندہ آنے والی فصل کو کاشت کرنے کے بارے میں سوچتا ہے کہ

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلادو

حکومت کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ اب چونکہ سسٹم کو کمپیوٹرائزڈ کیا گیا ہے اور اب بہت حدتک کرپشن اور مسائل کو حل کرلیاجائیگا اور کرپٹ مافیا کو لگام ڈال دی جائیگی لیکن شواہد اور تاریخ بتاتی ہے کہ معاملہ مزید بگڑنے کا احتمال سو فیصد بڑھ گیا ہے۔ جانے والے سائل کو کمپیوٹر سے ڈرایا جائیگا کہ جو کام کمپیوٹر کرتا ہے جو بالکل صحیح ہوتا ہے اور اسمیں غلطی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر اس آنے والے سائل کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کمپیوٹر پٹواری کے ہاتھ میں آکر پٹواری بن گیا ہے اور جو پٹواری (آپریٹر) چاہے گا وہ کمپیوٹر کریگا۔ مزید یہ کہ ہمارے ہاں ماشاء اللہ لوڈشیڈنگ کی جو صورت حال ہے اس میں سائل کو پہلے سے زیادہ دھکے اور چکر لگانے ہونگے اور جتنا زیادہ تنگ کیا جائیگا اتنے ہی کرپشن کی بھرمار ہوگی لہذا اس کا بھی سدباب کیا جانا

ضروری ہے

میں اتنی عرض کرونگا کہ اس نوبت پر پہنچانے والے اس بادشاہ (پٹواری) کو ہی کیوں نہ نشان عبرت بنایا جائے جو کہ اس مسئلے کی جڑ ہے۔ گندم کے سیزن کا آغاز ہوچکا ہے نگران حکومت کم از کم یہی کام اچھا کرجائے کہ غریب ہاری اور کسان خوشحال ہوجائے ۔اور پٹواری کو نکیل ڈال دی جائے۔آپ کا یہ کارنامہ سنہری حروف میں لکھا جائیگا کیونکہ ہماری معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے

انداز بیاں گرچہ مرا شوخ نہیں ہے

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

پولیس میں چلبل پانڈے کا کردار

پولیس نے قانون کی پاسداری نہیں کرنی تو رولز کو شاہراہ دستور پر آگ لگادیں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کیا ہورہا ہے؟ پولیس خود قوانین کی پاسداری نہیں کرتی خود کو قانون سے بالاتر سمجھتی ہے۔ پنجاب میں غریب ہونااول نمبر کا جرم گردانا جاتا ہے عورت ہونے کو جرم کے دوسرے درجے میں رکھا جاتا ہے جبکہ غریب کی بیٹی ہونے کو تیسرے نمبر میں شامل کیا جاتا ہے۔40 سال کی سروس اور پریکٹس کے دوران ایک بھی مقدمہ ایسا نہیں دیکھا جس میں پولیس نے درست تحقیقات کی ہوں یہاں موجود پولیس افسران کوئی ایک مثال دے دیں کہ جس میں انصاف کے تقاضے پورے کئے گئے ہوں افسران اپنے آفسز میں مست بیٹھے رہتے ہیں جبکہ اہلکار اپنی من مانیاں کرتے ہوئے قوانین کی دھجیاں اڑا رہے ہوتے ہیں، 1934 میں رعایا کو تحفظ دینے کیلئے قوانین بنائے گئے کہ روزانہ کی بنیاد پر ضمنی اور روزنامچے کی نقل ایس پی کے پاس جائے گی تاکہ کسی غریب کے ساتھ ظلم نہ ہوسکے لیکن یہ قاعدہ ختم ہوگیا۔یہ ریمارکس جسٹس جواد خواجہ کی معزز عدالت نے ایک فیصلہ کی سماعت کے دوران دیئے۔

ہمارے ملک میں کورٹ وہ واحد ادارہ ہے کہ جہاں پر جاتے ہوئے ایک کانسٹیبل سے

لے کر اعلی افسر تک کی پینٹ ڈھیلی ہوتی ہے کورٹ میں جاتے ہوئے پولیس والوں کی طبیعت بہت خراب ہوتی ہے کیونکہ وہاں cross questioning کے بغیر جوابدہ ہونا پڑتا ہے کسی مینگی چھینکی سے بھی اجتناب برتنا پڑتا ہے اسلئے پولیس اہلکار و افسران گھبراتے ہیں اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ جج جسٹس صاحبان ان کی کلاس بھی خوب لے رہے ہوتے ہیں مٹی پلید کر رہے ہوتے ہیں لیکن شاباش ہے اس کے ڈیپارٹمنٹ کے لوگوں پر کہ اتنے خوف، سبکی اور تذلیل اپنی روایتی روش بدلنے پر ذرا بھی مخلص دکھائی نہیں دیتے ان کی مستقل مزاجی قابل داد ہے۔ سپریم کورٹ پولیس کی ایذا رسانیوں کالے کرتوتوں غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ رویوں سے زچ ہو چکی ہے اور کتنا زچ ہے اس بات کا اندازہ ان ریمارکس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رولز کو شاہراہ دستور پر آگ لگانے کی بات کی جارہی ہے۔

پولیس کا یہ حال صرف پاکستان میں ہی نہیں ہے بلکہ گذشتہ دنوں امریکہ کے 30 سے زائد اہم شہروں جن میں واشنگٹن، لاس اینجلس، نیویارک سیٹل آوک لینڈ کیلی فورنیا سان فرانسسکو وسکانسن میں پولیس گردی کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ جن کا مقصد پولیس گردی کا خاتمہ تھا مظاہرین اس بات پر مشتعل تھے کہ 2014 میں پولیس نے 1149 شہریوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ جس میں 304 سیاہ فام تھے۔ لیکن اس مرتبہ کے پولیس کو لگام ڈالنے کے مطالبے کیلئے سیاہ فاموں کے ساتھ ساتھ

سفید فاموں نے ہر طبقہ فکر بالخصوص طلبا و طالبات نے احتجاج میں حصہ لیا۔ امریکی صدر باراک اوباما اور انتظامیہ سے پولیس کا قبلہ درست کرنے کا مطالبہ بھی کیا اس دوران پولیس نے روایتی انداز اپناتے ہوئے 300 کے قریب لوگوں کو گرفتار بھی کیا۔

تو جناب پولیس تو پولیس ہی ہوتی ہے پاکستانی ہو انڈین ہو کہ امریکن یا برٹش ہاں البتہ کرپشن اور قوانین کی پاسداری بہت حد تک ان کا شیوہ ہے لیکن یہ چیز ہماری پاکستانی پولیس میں ناپید ہو چکی ہے ان کو سدھارنے اور راہ راست پر لانے کی تمام کاوشیں بے سود ہو چکی ہیں ماضی میں پولیس افسران عوام اور پولیس کے مابین موجود خلیج کو ختم کرنے کی بھی کوششیں کرتے رہے ہیں اس سلسلے میں کھلی کچہریاں، عوام اور پولیس کے درمیان فاصلے کیوں؟ طرز کے پروگرام بھی منعقد ہوتے رہے جس کے مثبت نتائج بھی ملنا شروع ہوئے لیکن اس محکمے کے چلبل پانڈے ٹائپ پولیس اہلکار و افسران المعروف کالی بھیڑیں ہمیشہ سے ان پروگرام کو سبوتاژ کرتی رہیں۔ یہ کرپٹ، اخلاقیات سے عاری، انسانیت سے نابلد اہلکار اس ڈیپارٹمنٹ کو ہمیشہ مظلوم کا دشمن اور ظالم و مجرم کا دوست ادارہ ثابت کرنے پر اتارو نظر آئے۔ مزے کی بات یہ کہ محکمہ بھی باوجود شکایات ان کے خلاف کارروائی سے گریزاں ہوتا ہے کیونکہ یہ چلبل پانڈے جہاں خود کرپشن کنگ بنے ہوتے ہیں وہیں پر وہ ''اوپر کا حصہ'' بھی بقول ان کے

باقاعدگی سے ''ایمانداری'' کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ منہ کھاوے تے انکھ شرماوے کے مصداق افسران ان کماؤ پوتوں کے خلاف کارروائی سے پہلو تہی برتتے ہیں۔ جب میڈیا ان کے ''کارنامے'' چھاپتا ہے تو یہ بڑے شدومد اور غصے میں اس کی تردید کرتے ہیں مگر دوسرے روز ان جرائم پیشہ میں سے ایک دو کو گرفتار کرکے خبر لگوانے کیلئے پر تول رہے ہوتے ہیں۔

آج کل ایک اور روایت جڑ پکڑتی جارہی ہے کہ اوپر سے وائرلیس چلتی ہے کہ آج ہر تھانہ دس دس موٹر سائیکل بند کرکے رپورٹ کرے۔ وال چاکنگ کے حوالے سے دس افراد پر پرچہ دیں اور ساؤنڈ ایکٹ کی خلاف ورزی پر بھی لوگوں کو گرفتار کیا جائے۔ بس پھر کیا تھا تمام '' فضول کام'' (پولیس والوں کی ڈکشنری کے مطابق) چھوڑ کر اس حکم کو بجا لانے کی خاطر جائز و ناجائز گنتی پوری کرکے افسران بالا کو رپورٹ بھی کرنا ہوتی ہے اور حکام بالا بھی اس کارکردگی پر بڑے خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات پچھلے چند دنوں میں کثرت سے پیش آئے بالخصوص وال چاکنگ کے معاملے پر تو پولیس کے خلاف احتجاج بھی ریکارڈ کرائے گئے کہ اپنے ذاتی بورڈ لکھنے پر بھی پولیس کے شیر جوانوں نے پینٹرز اور سکول کے مالکان کے خلاف بھی پرچے دینے کی روش اختیار کی گئی تھی کہروڑپکا میں تو تھانہ صدر کے ایس ایچ او کے خلاف سینکڑوں طلبا اور اساتذہ نے روڈ بلاک کرکے احتجاج کیا مذاکرات کے دوران ایس ایچ او موصوف سے وال

چاکنگ کی تعریف پوچھی گئی تو ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا سوائے نو کمنٹس کے۔ پھر بتائی گئی کہ تشہیر کے لئے اپنی ذاتی جائیداد دکان definition انہیں وال چاکنگ کی مکان پر لکھنا یا لکھوانا وال چاکنگ کے زمرے میں نہیں آتا۔ہاں البتہ کسی کے جذبات مجروح کرنے مذہبی یا فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے یا حکومت کے خلاف کوئی تحریر اس زمرے میں آتی ہے لیکن موصوف ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہ اور اس قسم کے رویے عوام اور پولیس کو دور رکھنے کی سب سے بڑی وجوہات ہیں۔ غلط پرچے کا اندراج ڈیوٹی میں غفلت برتنے ، دفعات کا غلط استعمال اور غیر اخلاقی رویے پر سخت ایکشن لیا جائے تو کسی بہتری کی امید کی جاسکتی ہے ورنہ تو عوام کے دلوں اور ذہنوں میں پولیس کے خلاف نفرت الارمنگ ہے۔

سادہ لوح ماڈل ایان علی

ماڈل واداکارہ ایان علی کو کرنسی کی سمگلنگ کے جرم میں گرفتار کیا گیا جس پر عدالت میں کیس زیر سماعت ہے اور ملزمہ کو ایک مرتبہ پھر سے چالان مکمل نہ ہونے پر جج صابر سلطان نے چھٹی پیشی دے دی۔ دوسرے لفظوں میں ریمانڈ میں توسیع کردی گئی۔جس کی وجہ سے بہت سوں کے دلوں پر چھریاں چل گئیں۔ ریمانڈ کیا ہے جس کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ بہت ہی خوفناک پیریڈ ہوتا ہے ملزمان سے تفتیش کرنے اور معلومات حاصل کرنے کیلئے مختلف قسم کی ایذائیں دی جاتیں ہیں۔ فزیکل ٹارچر سے لیکر مینٹل ٹارچر تک ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ ملزم سے حقائق کو اگلوایا جاسکے۔ مشاہدے کی بات ہے کہ مسجد سے جوتے اور پانی کی ٹونٹیاں چرانے والے، تنور یا ہوٹل سے روٹی چرانے والے بھوکے کو پہلے تو عوام مار مار کر بھرکس نکال دیتی ہے اور رہی سہی کسر پولیس والے کردیتے ہیں۔وہ پکڑے جانیوالے اس مہاچور کواس طرح سے ایذااور تکلیف کے مراحل سے گزارتے ہیں کہ اگلی مرتبہ وہ بھوکا مرنا پسند کرلیتا ہے مگر روٹی چرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔لیکن جب ایان علی جیسے ملزمان چور لٹیرے دلال قاتل اور اسی قماش کے دوسرے مرد و خواتین ''بدقسمتی'' سے پولیس کے شکنجے میں آتے ہیں تو ان کو مذکورہ بالا تمام مراحل سے بالکل بھی نہیں گزرنا پڑتا بلکہ ان کیلئے تو

خصوصی پروٹوکول ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے کوئی کسی کے خوابوں کی شہزادی ہوتی ہے تو کوئی کسی کے خوابوں کا شہزادہ۔ کوئی سیاست دان کا لخت جگر ہوتا ہے تو کوئی وزیراعظم کا سپوت ہوتا ہے۔ کہیں کسی رئیس کی بگڑی ہوئی اولاد ہوتی ہے تو کہیں بیوروکریٹ کے عزیز و اقربا۔ اسی لئے ان کو بھی ریمانڈ کے پراسس کی ہوا تک چھو کر نہیں گزرتی۔ یہ لوگ اگر کسی طرح پھنس بھی جائیں اور جیل کی یاترا پر جانا پڑ جائے تو ان کے وہاں پہنچتے ہی ان کو میڈیکلی ان فٹ ڈکلیئر کرالیا جاتا ہے اور ہسپتال منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پر ان کو ہمہ قسم کی تعیشات مہیا کی جاتی ہیں۔شاہی ناشتہ امیری لنچ اور شہنشاہی ڈنر سے ان کی تواضع کی جاتی ہے ان کے علاوہ دوسرے تمام لوازمات کے ساتھ ساتھ واک اور ایکسرسائز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایسا ہی کچھ ایان علی ماڈل و اداکارہ کے معاملے میں بھی دہرایا جا رہا ہے ماڈل ایان علی کے والد راجہ حفیظ کے بقول ان کی بچی سادہ لوح ہے اور کیس کو کھوہ کھاتے ڈالنے کیلئے اس کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔زہر خورانی کا اندیشہ شدید ہے اس بنا پر ان کا کھانا تمام تر احتیاطی تدابیر کو مد نظر رکھتے ہوئے جیل سپرنٹنڈنٹ کے گھر سے آتا ہے جو کہ یقینا ملزمہ کی مرضی و منشا کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کے گھر سے کیوں آتا ہے اس کی لاجک تو جیل حکام ہی بتا سکتے ہیں۔ اسی طرح بیچاری ملزمہ کو جیل کے ماحول سے الرجی کی شکایات

ہو گئی ہے چونکہ اس کی ادویات جیل ہسپتال میں میسر نہیں اور ڈاکٹرز بھی اس کی الرجی کو سمجھنے سے الرجک ہیں اس لئے پرائیویٹ ڈاکٹرز کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ ریمانڈ پروٹوکول)کا ایک اور نمونہ جو کہ سب سے افسوس ناک بات ہے وہ یہ کہ موصوفہ کی) خدمت گزاری کیلئے تین خادمائیں متعین کی گئی ہیں جو کہ ہمہ وقت ان کی خدمت نگرانی) کریں گی۔ یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے کہ کس بنا پر اور کس قانون کے) تحت یہ پروٹوکول دیا گیا تو جیل حکام اس پروٹوکول کی لاجک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چونکہ ملزمہ دباؤ کا شکار ہے اور مایوسی بھی انتہا کی ہے (کیونکہ مجھے تو بتایا گیا تھا کہ دوسرے روز ہی تم باہر ہو نگی لیکن یہ سلسلہ تو شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہوتا جارہا ہے) اس لئے خدشہ ہے کہ اس دباؤ اور مایوسی کی بنا پر کہیں سادہ لوح موصوفہ خود کشی نہ کرلیں اس لئے تین خواتین کو ڈیوٹی لگائی گئی ہے تاکہ اس قسم کی کسی بھی غیر سنجیدہ صورت حال سے نمٹا جاسکے۔

واہ جی واہ! قربان اور واری ہونے کو جی چاہ رہا ہے جیل حکام کی بیچارگی اور سادہ لوحی پر۔ اب مایوسی کا عالم بھی ملاحظہ کیجئے۔ موصوفہ جب پیشی پر آتی ہیں تو چہرہ میک اپ سے دمک رہا ہوتا ہے تروتازگی وہشاشیت انگ انگ سے ٹپک رہی ہوتی ہے۔ لباس کی ساخت اور بناوٹ بھی ان کی ''مایوسی'' کی عکاسی کررہی ہوتی ہے۔ اٹکھیلیاں کرتی ہوئی عدالت میں پیش ہوتی ہے تو ہر انداز پر ماڈلنگ

کا سا گمان ہوتا ہے۔ اتنی بشاشیت تو اس کے ساتھ جانیوالوں کے چہروں پر نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے جیل حکام کی نظر کی عینک شاید کوئی دبیز تہہ چڑھ گئی ہے۔ تو جناب یہ ہے مایوسی کا عالم۔ جہاں پر مایوسی ویاسیت کا دور دور تک کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ماڈل موصوفہ کے جو تعلقات زبان زد عام ہیں یعنی اس کے سابقے اور لاحقے بڑے بڑے نام ہیں تو یہ پروٹوکول عجب نہیں ماننا چاہئے حالانکہ آزاد رہتے ہوئے گھر میں بھی شاید اتنی آو بھگت نہیں ہوتی جتنی کہ جیل میں ہو رہی ہے۔ ہاں اگر اس جگہ کسی غریب کی بیٹی ہوتی اور ایسا کرتی تو جیسا کہ درج بالا سطور میں عرض کرچکا ہوں اس کی کھال تک اڈھیر لی جاتی کیونکہ پاکستان میں غریب ہونا جرم ہے اور غریب کی بیٹی ہونا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ انہی سطور میں اسکی ایک واضح مثال موجود ہے موصوفہ ماڈل ایان کیلئے جن تین خواتین کو مقرر کیا گیا ہے وہ مملکت خداداد کی غریب مخلوق ہیں۔ فرق صاف ظاہر ہے کہ ایک ملک ایک ہی عدالت ایک ہی جرم ایک ہی جیل لیکن ایک خادمہ دوسری مخدومہ ایک نے کوئی روٹی کا ٹکڑا، کھیت سے سبزی یا کوڑے کے ڈھیر سے کوئی شے چرائی ہوگی جسے پابند سلاسل کر دیا گیا ہے اور دوسری ہے کہ جس نے ملک کو کروڑوں اربوں روپے کا نقصان پہنچایا ہے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔

تضادات کا یہ سلسلہ خدارا اب تو بند ہو ہی جانا چاہئے۔ اس طرح کی نظیر دے کر

قوم کو کیا پیغام دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اگر آپ کے پاس پیسہ ہے، بیک مضبوط ہے، کوئی طاقتور ہستی آپ کے ہمقدم ہے تو آپ کیلئے جیل کسی فارم ہاؤس یا ریسٹورنٹ سے کم نہیں۔اور اگر آپ میری طرح سفید پوش یا غریب ہیں تو ملک کے تمام تر قوانین کی پاسداری کرنا آپکا اولین فرض بن جاتا ہے۔اسی طرح آپ کیا میسج دینا چاہ رہے ہیں کہ مجرم صرف وہ ہوتا ہے جس کے پاس دھن، دولت اور وسیع تر تعلقات جیسے '' اعلی اوصاف'' نہ ہوں اگر آپ درج بالا اوصاف سے لیس ہیں تو پھر کوئی جرم آپ کیلئے جرم نہیں کوئی جیل ,جیل نہیں کوئی قانون آپ کیلئے قانون کا درجہ نہیں رکھتا۔بس اپنی من مانی کرتے جاؤ اور ملک میں انتشار بے چینی افراتفری پھیلتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ان اعمال سے قانون کی حیثیت واہمیت ختم ہوتی ہے تو ہو جائے۔لاقانونیت پروان چڑھتی ہے تو بلا سے آسمان پر چڑھ جائے۔انسانیت سے نفرت کا عفریت سر اٹھاتا ہے تو اٹھاتا رہے بس مجھے اور میرے چاہنے والوں کیلئے کوئی قانون نہیں ہونا چاہئے۔حکومت اور معزز عدالت کو بھی اس بارے نوٹس لینا چاہئے اور ملزم کو ملزم کی ہی حیثیت دینا چاہئے تاکہ جرم کرنے والا دوسروں کیلئے مقام عبرت بنے۔

پاکستان بطور ٹول پلازہ

دور حاضر میں ہر ملک کا طرز فکر اور طرز معیشت تبدیل ہو چکا ہے یا پھر تیزی سے تبدیلی کی طرف گامزن ہے اقدار، تہذیب و ثقافت سے قطع نظر ہر کوئی اپنے تئیں معاشی طور پر مضبوط اور خوش حال ہونا چاہتا ہے اس سے معاشرت میں کوئی بگاڑ یا تناؤ کا پیدا ہو جائے تو ان کیلئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سب سے اہم مسئلہ امن و امان، پر سکون، محفوظ اور آزادانہ زندگی گزارنے کا حق، کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی جس کا معاشرہ متقاضی ہے۔ سماجی طرز زندگی خواب و خیال ہوتی جا رہی ہے سب کا ایک ہی فوکس ہے ایک ہی تکرار ہے کہ معیشت مضبوط ہو معیشت پھلے پھولے۔ معیشت کا گھوڑا سرپٹ دوڑے اور اس دوڑ میں اگر ایک فرد، چند افراد حتی کہ ملک بھی متاثر ہوتا ہے تو بلا سے ہو جائے۔ بنظر غایت دیکھا جائے تو یہ خواہش، مطالبہ اور نظریہ بے جا بھی نہیں ہے چونکہ جب معیشت ہی شناخت بن چکی ہو کسوٹی کا معیار معیشت کے اتار چڑھاؤ سے بڑھتا اور کم ہوتا ہو تو پھر فہم و فراست اور عقل و دانش بھی یہی تقاضا کرتی ہے اسی رنگ میں رنگ لیا جائے اسی رو میں بہہ کر اپنی منزل مقصود تک پہنچا جائے مگر! وطن عزیز کی صورت حال کچھ بلکہ بہت حد تک دگرگوں ہے 60 کی دہائی ایوب

خان کا دور تھا اس دور میں بجلی پیدا کرنے کیلئے ڈیم بنائے گئے۔ زمینوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے اور زراعت کو عروج دینے کیلئے نہریں بنائی گئیں۔ پل بنائے گئے۔ اعلی تعلیم کو عام کرنے کیلئے کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ آمد و رفت کے ذرائع بہتر اور تیز بنانے کیلئے سڑکیں بچھائیں گئیں، ٹرینیں چلائی گئیں۔ ایئر لائنز کی ترغیب پر بیش بہا کام ہوا۔ معیشت کو بہتر بنانے کیلئے صنعتی یونٹس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ لوگ خوش حال ہونے لگے وہ دور پاکستان کی ترقی کا سب سے بہتر اور قابل تذکرہ دور تھا۔ اسکے بعد 70,60 کی دہائی میں 90,80۔ کی دہائی صنعتی انقلاب کا دور تھا ہم صنعتیں نہ لگا سکے۔ سرمایہ کاری عروج پر تھی جن ملکوں نے اس طرف توجہ دی بام عروج کو پہنچ گئے۔ ہم نے کوئی پیش رفت نہ کی۔ نتیجہ ابھی تک بھیک مانگ رہے ہیں۔ 2010,2000 کی دہائی سروسز کے میدان اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور کو بھی ہم نے اندھیروں اور توانائی کے بحرانوں کی نذر کر دیا۔ یعنی ہم تین سنہری مواقع گنوا بیٹھے۔ جب ہمیں صنعتیں لگانا اور لگوانا تھیں تو ہم حالت جنگ میں تھے اپنوں کی بداعمالیوں کا شکار تھے۔ جب سرمایہ کاری کا دور تھا تو ہمارے حکمران و سیاستدان سیاست میں کود گئے۔ یہ گندی اور گمراہ کن اندھیری گلی تھی جس نے ہمیں ترقی کی روشن راہ سے بھٹکا کر تنزلی کی گہری دلدل میں اتار دیا۔ بھٹو کی سیاست نے قومی پالیسی تبدیل کر دی۔ امریکا اور اتحادی ہم سے روٹھ گئے۔ متبادل کی تلاش میں امریکا نے متحدہ عرب امارات، ایران، انڈیا حتی کہ

چائنا سے بھی دوستی کی پینگیں بڑھالیں۔ پاکستان کو باہر دھکیل دیا گیا۔ دوبارہ موقع ملا تو افغان روس کی جنگ کا دور تھا ایران انقلاب میں تھا۔ چائنا اور انڈیا روس کے ساتھ تھے۔ لے دے کے پاکستان ہی تھا جو امریکا کی مدد کر سکتا تھا۔ اپنے قرضے معاف کروا سکتا تھا، سرمایہ کاری کا ایک سیل بے کراں ہو سکتا تھا جس کی وجہ سے پاکستان آج اس دوراہے پر کھڑا نہ ہوتا۔ لیکن ضیاء الحق کی پالیسیوں کی وجہ سے ہم نے یہ موقع بھی گنوا دیا بلکہ ملک میں بارود، خون اور ہیروئن کی بو ہر سو محسوس ہونے لگی۔ قدرت نے ہمیں ایک بار پھر موقع دیا۔ دہشت گردی کے عفریت نے دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑا اور پاکستان بھی اس سے شدید متاثر ہوا۔ امریکہ، روس، چائنا، بھارت، ترکی، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات حتیٰ کہ ایران بھی اس سنگین مسئلے پر ایک پیج پر تھے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم خود بھی اس عفریت سے بچتے اور دنیا کو بھی اس حوالے سے اپنے تعاون کا یقین دلاتے لیکن اس مرتبہ بھی ہمارے سیاستدانوں کی نااہلیوں کی بنا پر ہم نے پرویز مشرف کو باوردی صدر کی شکل میں دنیا کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ پھر ہم انڈسٹریل سٹیٹ بن سکے نہ اپنے قرضے معاف کروا سکے۔ سرمایہ کاروں کو تحفظ کا یقین دلا سکے نہ ہی غربت کے ناسور کو ختم کر سکے۔

اب ہمیں پھر سے موقع ملا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ شاید یہ آخری موقع ہو کیونکہ قدرت اتنی بار مواقع شاذ و نادر ہی مہیا کرتی ہے کہ اپنی عقل فہم اور

کرکے اپنے لئے بارآور کراسکیں۔ سینٹرل availفراست سے اس حصول شدہ موقع کو ایشیا، چین اور بھارت کے درمیان پاکستان واقع ہے میں جغرافیہ کا سٹوڈنٹ تو نہیں لیکن حاصل شدہ معلومات کی بناپر اس وقت پاکستان ان تینوں پاور فل قوتوں کے درمیان ٹول پلازہ کا کردار ادا کرے تو پاکستان کی معیشت کو چار چاند لگ سکتے ہیں۔ سینٹرل ایشیا قدرتی وسائل کے مالا مال خطہ ہے۔ تیل، گیس، معدنیات، پانی اور بجلی جیسے وسائل فروخت کرنا چاہتا ہے اس کے تین بڑے خریدادر امریکا چائنا اور انڈیا ہیں چنانچہ ان وسائل کی ترسیل کیلئے پائپ لائن بچھے یا پھر سڑکات بنیں ہم درمیان میں ہیں۔ چائنا اور انڈیا دنیا کی دو بڑی صنعتیں ہیں اور چائنا دنیا کا سب سے بڑا ایکسپورٹر ہے لیکن اپنی مصنوعات کی ترسیل کیلئے بحری جہاز کو سات ہزار چار سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے مڈل ایسٹ، سنٹرل ایشیا اور یورپ پہنچنا پڑتا ہے۔ پاکستان یہ فاصلہ کم کرنے کا سب سے بڑا اور سب سے اہم راستہ ہے۔ 1980 کی دہائی سے گوادر کاشغر روٹ بنانے کیلئے چائنا 132 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے پر تیار ہے لیکن روٹس کا تعین بھی اپنے لئے محفوظ چاہتا ہے۔ جو کہ ہمارے نام نہاد محب وطن لوگوں نے ایک مسئلہ اور انا کی جنگ بنا لیا ہے۔ بہرحال تین ممکنہ روٹس مشرقی روٹ، مغربی روٹ اور متبادل روٹ زیر بحث ہیں۔ چائنا کیلئے سب سے پسندیدہ اور محفوظ ترین روٹ مشرقی ہے جو کہ سندھ اور پنجاب سے گزرے گا۔ اب کالا باغ ڈیم کی طرح یہاں پر بھی روایتی عوام دشمنی کو بطور روڑے کے اٹکایا جارہا ہے کہ ہمارے علاقے

سے اس روٹ کو گزارا جائے۔ حالانکہ اگر روٹ بن جائے تو پاکستان میں فیکٹریوں انڈسٹریز اور گوداموں کی لائنیں لگ جائیں گی۔ لاکھوں افراد کو ملازمتیں ملیں گی، روزگار ملے گا خوش حالی امن سکون اور تحفظ کا ایک عظیم باب رقم ہوسکے گا تو اس کا فائدہ متعلقہ صوبوں ضلعوں، علاقوں اور شہریوں کے ساتھ ساتھ بلوچستان اور کے پی کے کی عوام کو بھی ہوگا۔ کیونکہ پہلے بھی تو این ایف سی ایوارڈ اور اسی طرز کی دوسری مراعات میں سے ان کو ان کا حصہ دیا جارہا ہے تو اب بھی مل ہی جائیگا۔ لیکن اگر یہ روٹ ہماری ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے پاکستان میں نہ بن سکا تو لامحالہ دوسرے ہمسایہ ممالک راستہ دینے کیلئے تیار ہیں۔ لہٰذا اب ملکی ترقی اور خوشحالی کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر آپشن کا انتخاب ضروری ہے۔ ورنہ ہم ترقی کا یہ آخری موقع بھی گنوا بیٹھیں گے۔

خراج کی جو گدا ہو ! وہ قیصری کیا ہے

ایک بادشاہ کا کسی علاقے سے گزر ہوا جہاں پر فقیروں اور عادی مانگنے والوں کے جھونپڑے اور رہائش تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے بادشاہ کی نگاہ ایک خوبصورت اور نوجوان فقیرنی پر پڑی جو ایک ہی آنکھ میں بادشاہ کو بھا گئی اور بادشاہ نے اس سے شادی کا قصد کیا۔ معاملات طے پانے کے بعد وہ فقیرنی بادشاہ کے حرم کی زینت بن گئی۔ بطور ملکہ اسے تمام سہولیات اور مراعات مہیا کر دی گئیں۔ نوکر چاکر، انواع واقسام کے مرغن کھانے زر و جواہرات کی ریل پیل۔ لیکن اکثر بادشاہ نے نوٹس کیا کہ ملکہ (فقیرنی) جب بھی بالکونی میں بیٹھی ہو تو اس کا ایک ہاتھ باہر کی طرف ہوتا ہے اور اس ہاتھ میں اکثر و بیشتر چند سکے بھی ہوتے ہیں۔ آخر کار ایک دن بادشاہ نے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھ لیا کہ اس بات کا مقصد کیا ہے تو فقیرنی نے جواب دیا کہ اس طرح ہاتھ باہر پھیلانے سے لوگ مجھے سکے دے جاتے ہیں اس بات پر بادشاہ کو غصہ آیا کہ ملکہ ہو کر رعایا سے بھیک مانگتی ہو جب کہ آپ کو ہر قسم کی مراعات و اختیارات ودیعت کر دیئے گئے ہیں ملکہ نے جواب دیا بادشاہ سلامت مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کا عمل ہمارے لئے فطری ہے ہماری گھٹی میں پڑا ہے ہمارے انگ انگ میں رچا بسا ہے جو ہاتھ میں ہے وہ تو ہمارا ہے ہی اور اگر کچھ اور مل جائے تو اس میں مضائقہ ہی کیا۔ پس فطرت سے مجبور ہوں

پاکستان کے حکمران جن کے اثاثے بے شمار ہیں اتنے ہیں کہ اگر شو کردیں تو دنیا کے امیر ترین لوگوں کی دوڑ میں یقینا اول نمبر پر ہوں۔ یہ لوگ جب بھی حکومت میں آتے ہیں مسند اقتدار سنبھالتے ہیں تو پھر ان کے کشکول انکے جیبوں سے نکل آتے ہیں دنیااور اپنے خود ساختہ آقاؤں کے سامنے اپنی غربت کا رونا روتے ہیں افلاس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور پھر ملک کے نام پر سود پر قرض حاصل کرکے اپنے اللے تللوں پر خرچ کردیتے ہیں اور اس کے عوض پاکستانی قوم ان کے اقدار، تہذیب اور روایات کو گروی رکھ دیتے ہیں۔اپنے دنیاوی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے عوام کش اور ملک دشمن کاروائیوں تک میں ملوث ہوجاتے ہیں۔ کوئی منی لانڈرنگ میں ملوث ہوتاہے تو کوئی ۔۔ کو بیچ دیتاہے۔ کوئی سٹیل مل کو بیچنے کے درپہ ہوتا ہے تو کوئی واپڈا اور پی ٹی سی ایل کی نجکاری کررہا ہوتا ہے ان میں سے کوئی مخلص عوام دوست اور ملک و قوم کا خیر خواہ دکھائی نہیں دیتا۔ بس زبانی جمع خرچ کی بات اور خالی خولی نعروں دعوؤں سے کام چلا رہے ہوتے ہیں اگر پاکستانی حکمران اور اشرافیہ کشکول توڑتے ہوئے اپنی رقوم ملک میں لے آئیں اور سرمایہ کاری کریں تو کیا وجہ ہے کہ ملک کو ترقی کی جانب گامزن ہونے سے روکا جاسکے۔ جب آپ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو all is ok کی رپورٹ دیتے ہیں انہیں سرمایہ کاری کی ترغیب دے رہے ہوتے ہیں۔ سنہری خواب دکھاتے ہیں اور پھر ان کی نا جائز شرائط بھی ماننے پر تیار ہوجاتے ہیں صرف اس وجہ

سے کہ آپ کو یقین ہوتا ہے کہ ان کا سرمایہ ڈوب جائیگا ملک میں ترقی و خوشحالی ہونا ممکن نہیں اس لئے اپنا روپیہ بچاؤ اور سب اچھا ہے سب ٹھیک ہے کا طبل بجاتے رہو اصل میں پاکستانی حکمران بیچارے بھولے بادشاہ ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم غیر ملکیوں، امریکا، چائنا، سعودی عرب اور آئی ایم ایف کو چونا لگا کر رقوم بٹور رہے ہیں ہماری چکنی چپڑی باتوں میں آکر وہ ہم پر کمال مہربانی فرماتے ہیں حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے کہ وہ ہماری باتوں اور حالات کی وجہ سے قرض نہیں دیتے بلکہ اس میں ان کے مفادات پوشیدہ ہوتے ہیں جو ہمیں بعد میں معلوم ہوتے ہیں اور پھر ہم بغلیں جھانکتے ہیں سو پیاز بھی کھاتے ہیں اور سو جوتے بھی۔ علامہ اقبال کا ایک شعر شدت سے یاد آرہا ہے کہ

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

الغرض اگر ہمارے حکمران جو کہ عوام کی فلاح کا علم اٹھائے پھر رہے ہیں جو اپنا جینا مرنا اوڑھنا بچھونا عوام کے ساتھ بتاتے ہیں اگر وہ صرف اپنی رقوم جو کہ انہوں نے غیر ممالک میں چھپا رکھی ہیں یا انویسٹ کر رکھی ہیں اسے واپس لاکر اپنے ملک میں انویسٹ کریں تو یقین کریں دہشت گردی ختم ہوجائیگی۔ آپ

سوچ رہے ہونگے کہ رقم انویسٹ کرنے سے دہشت گردی کے خاتمے کا کیا تعلق تو جناب
بڑا گہرا تعلق ہے کہ ان کی رقم جہاں پر لگی ہوگی تو وہ چاہیں کے یہاں ہر طرف سکون
اور امن ہو۔ ادارہ اس کے ملازمین اور کسٹمرز بلا خوف وخطر اپنے معمولات زندگی سر
انجام دیں تو پھر ان کی کوشش ہوگی کہ وہاں پر پولیس کا نظام بھی بہتر ہو سکیورٹی بھی
ٹائٹ ہو ڈاکہ زنی رہزنی بھی نہ ہونے پائے وغیرہ وغیرہ۔ بس لانڈرنگ کرنے والوں
کو غیر ممالک سے بھی اپنی رقم اپنے ملک میں لانڈری کرنا ہوگی۔ اپنے ذاتی مفادات کے
حصول کے ساتھ ساتھ ملکی و قومی مفاد کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ یہ سب ہے تو ذرا
مشکل لیکن......

اگر پولیس کا محکمہ ختم کر دیا جائے.....؟

وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کو ایک عشرے سے زیادہ ہو گیا ہے پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنے ہوئے۔اس طویل عرصہ میں وہ بے تاج بادشاہ کے طور پر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔بہت سے اداروں میں ریفارمز بھی کیں ان میں سدھار بھی لانے کی کوشش کی اور کہیں کہیں بہتری بھی نظر آئی لیکن ایک محکمہ ایسا بھی ہے جس میں اصلاحات لانے، قبلہ درست کرنے، کلچر تبدیل کرنے، ماڈل بنانے کے بلند و بانگ دعوے ہوتے رہے لیکن آج تک وہ محکمہ اپنی ڈگر پر قائم ہے۔بہتری کی بجائے ابتری کے خطوط پر رواں دواں ہے۔جی ہاں! وہ محکمہ ہے پولیس کا پنجاب پولیس کا،جس کا قبلہ درست کرتے کرتے وزیر اعلیٰ پنجاب اپنے سیاسی کیریئر کی ایک دہائی سے زیادہ مدت اس پر صرف کر چکے ہیں۔نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ اسے سدھار نہیں پائے۔کوئی تقریب یا اجلاس ایسا نہیں ہوتا جس میں وزیر اعلیٰ موصوف تھانہ کلچر تبدیل کرنے اور پولیس کا قبلہ درست کرنے کی بات نہ کرتے ہوں۔کہاوت کے مطابق کہ جتنا زور اور ٹائم وزیر اعلیٰ نے پولیس کو درست کرنے میں ضائع کیا اگر کسی دیوار کو بھی اتنا سخت سست،برا بھلا کہا جاتا تو وہ بھی یقینا اپنا قبلہ درست کر چکی ہوتی۔اب یہاں پر دو باتیں اخذ ہوتیں ہیں۔کہ عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے کے مصداق آپ اس محکمے کو سدھارنا ہی نہیں چاہتے۔بالکل اس طرح جیسے آپ اگر کسی کے ہاں جائیں اور وہ آپ

کی خاطر مدارت نہ کرنا چاہتا ہو تو وہ سامنے بیٹھے دکاندار کو آواز دے اور ہاتھ ہلا کر اشارہ کرتا ہے کہ دو چائے بھجوا دو۔ منہ سے دو چائے کا کہہ رہا ہوتا ہے لیکن ہاتھ کے اشارہ سے منع کر رہا ہوتا ہے کہ کہہ بھی دیا اور چائے بھی نہ آئی اور مہمان بوجہ دیر اٹھ کر چلا گیا۔ دوسرے یہ یوں بھی ہوتا ہے کہ پولیس والوں کو آگاہ (warn) کیا جانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر ہماری بات نہ مانی ہمارے حکموں کی تعمیل نہ کی ہمارے ایم این اینز ایم پی اینز اور چمچوں کڑچھوں کی خواہشات کے مطابق ایف آئی آر نہ کاٹی۔ جھوٹے مقدموں کا اندراج نہ کیا تو پھر تیار ہو جاؤ تمہارا قبلہ درست کر دیا جائیگا۔ ہر دو صورتوں میں پولیس کو یہی باور کرانا مقصود ہے کہ بس ہماری بات ہی مانی جائے اور جب ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو سانحہ ماڈل ٹاؤن پیش آتا ہے، کراچی میں منہ پر کپڑے اور نقاب لگا کر پولیس کے ''شیر جوانوں'' کا صحافیوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کا وقوعہ ہوتا ہے۔ ڈسکہ میں چلبل پانڈے ٹائپ پولیس انسپکٹر صدر بار اور دوسرے وکلا کے جسم میں برسٹ اتارنے جیسی بربریت منظر عام پر آتی ہے۔ اسے بھی یقیناً کسی وڈیرے وزیر مشیر ایم این اے کی آشیر باد حاصل رہی ہو گی۔ ریاست کو پولیس سٹیٹ بنا دیا گیا ہے جس کو سیاسی زعما اور پولیس اپنی گڈ بک میں شامل کر لیتی ہے وہ پاک و صاف اور تمام گناہوں سے مبرا ہوتا ہے اور اگر کوئی بے گناہ اپنے حق کیلئے بھی بات کرے تو اس سے بڑا گناہگار انہیں صفحہ ہستی پر کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ یہ سب سے بڑی وجہ ہے بگاڑ کی اور پولیس سے نفرت کی۔ جو کہ

بجا ہے۔

ایک مشورہ اور لوگوں کی رائے بھی ہے کہ اگر پولیس کا محکمہ ختم کر دیا جائے...... تو کہیں کہیں کوئی بہتری کی امید پیدا ہو سکتی ہے دیکھیں اگر پولیس کی ایما پر ایک ظالم ایک مجرم ایک جاگیر دار ایک سرمایہ دار ایک صحافی کسی پر ظلم کا پہاڑ توڑتا ہے تو اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ پولیس نے مجھے مکمل تحفظ اور پروٹوکول دینا ہے اور مظلوم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا کیونکہ پولیس والے مجھ سے منتھلی وصول کرتے ہیں ڈیرے، گھر یا آفس میں آکر بار بی کیو چائینز رشین کھابے کھاتے ہیں عید تہوار اور خوشی غمی کے معمولات کے علاوہ بھی اپنی ضروریات پوری کرواتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر پولیس کی آشیر باد کو درمیان سے نکال دیا جائے تو ان میں سے اکثر وڈیرے اور جاگیر داروں اور ان کا کروفر و تکبر گدھے کے سر پر سے سینگ کی طرح غائب ہو جائے گا اور جب ان کی ہوا نکلے گی تو کرائم کا گراف نہایت حد تک نیچے آ جائیگا۔ اس کے علاوہ پولیس رویوں پر رد عمل بھی سامنا آتا ہے جو کہ بذات خود جرائم میں اضافے کی ایک بڑی وجہ ہے ان کے علاوہ ایک بہت بڑی وجہ پولیس افسران کی اہلکاروں پر کرم نوازیاں اور غفلت ہے اسے محکمانہ پالیسی بھی کہا جا سکتا ہے اور ذاتی مجبوری بھی کہ جب کسی اہلکار یا افسر کے خلاف کوئی شکایت آتی ہے بالخصوص خبر لگتی ہے تو حکام بالا کی جانب سے اس کی انکوائری ہوتی ہے اور رپورٹ طلب

کی جاتی ہے تو اب پولیس روایتی اور گھسے پٹے الزامات لگا کر جواب جمع کروادیتی ہے اور 99 فیصد اسے درست تسلیم کرلیا جاتا ہے مثلاً اگر فحاشی کے اڈوں کے خلاف خبر لگتی ہے اور کسی بھی افسر یا اہلکار کو ملوث بتایا جاتا ہے تو اسکا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ جناب والہ شہر میں صحافیوں کو دو گروپ ہیں ان میں سے ایک گروپ ان اڈوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ چھاپے کے دوران گرفتار افراد کو چھوڑنے کیلئے کہا گیا۔ نہ چھوڑنے پر خبر لگادی گئی اس میں کوئی صداقت نہ ہے۔ یا پھر یوں لکھا جاتا ہے کہ صحافیوں نے اخبار کیلئے اشتہار مانگا تھا نہ دینے کی پاداش میں بے بنیاد خبریں لگائی جارہی ہیں لہٰذا ''مہربانی فرماتے ہوئے معاملہ کو داخل دفتر کیا جائے۔ اس طرح بھی رپورٹ کیا جاتا ہے'' صحافیوں کا ایک گروپ شہر میں بھتہ وصول کرتا ہے ان کو منع کیا گیا تو خبریں لگانا شروع کردیں۔ یا یہ کہ مجرم کو چھوڑنے، پرچہ کے اندراج یا اخراج کی بابت کہا گیا۔ عملدرآمد نہ ہونے کی بنا پر اخبارات کی زینت بنادیا گیا یہ روٹین کی رپورٹنگ ہوتی ہے اب چونکہ افسران ''ایماندار اور میرٹ پر کام کرنے والے'' ہوتے ہیں اس لئے ایمانداری اور فرض شناسی کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے مدعا علیہ کو جس نے حقائق پر مبنی اور ایمانداری کے ساتھ رپورٹ مرتب کرنے پر بری الذمہ (بری کرکے ''ذمہ داری پوری کرنے کو کہا جاتا ہے) اور دس سے پندرہ اخبارات میں لگنے والی تمام خبریں'' جھوٹی ثابت کردی جاتی ہیں۔ یہ پریکٹس تحصیل اور ضلعی سطح کی ہیں ڈویژنل اور پروونشیل

لیول کی کہانی قدرے مختلف اور ترجیحات نسبتا تبدیل ہوتی ہیں

اگر وزیر اعلی واقعی پاکستان بالخصوص پنجاب پولیس کا قبلہ درست کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو پھر مندرجہ بالا عرضداشتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سیاسی مداخلت کو فوری طور پر بند کریں۔ پولیس کو ڈی پولٹیسائز کریں۔ ڈی پی اوز ڈی ایس پیز اور ایس ایچ اوز کیلئے واضح احکامات دیئے جائیں کہ وہ ہر قسم کا سیاسی اثر و رسوخ سے قطع نظر برتتے ہوئے میرٹ پر فیصلہ کریں۔ عوامی منتخب نمائندوں اور ان کے کارندوں کی دکانداری بند کرائیں ان کے کہنے پر ڈی پی اوز و دیگر افسران کے تبادلے نہ کریں تو اس سے پولیس کے محکمے کو بند کرنے کی نوبت نہیں آئے گی لیکن وزیر اعلی کی سیاست خطرے میں پڑ جائیگی۔ یہ سوچ لیجئے گا فیصلہ آپ نے کرنا ہے محکمہ سدھارنا ہے کہ سیاست بچانی ہے؟

مجرم سقوط ڈھاکہ اور امن کی آشا

14 اگست 1947 ہی سے بھارت سرکار کی کوشش رہی ہے کہ کسی بھی طرح متحدہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے ان ناپاک عزائم کی تکمیل کیلئے بھارتی حکمران ہمیشہ سے لنگوٹ کسے رہے ہیں بھارت کی تمام سیاسی پارٹیاں اور متعصب جماعتیں اس بات پر باہم متفق رہی ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کو پاکستان سے علیحدہ کردیا جائے علامہ اقبال و قائداعظم کے دوقومی نظریہ کو جھٹلایا جاسکے۔اس حوالے سے پنڈت جواہر لعل نہرو کی قیادت میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا بیج بویادیا گیا تھا جس کا تناور کانٹوں بھرادرخت اس وقت نہایت ہی تکلیف دہ ثابت ہواجب 1971 میں علیحدگی پسندوں اور ان کی تحریک کا قلع قمع کرنے کی غرض سے افواج پاکستان نے آپریشن شروع کیا تو اندراگاندھی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تن من دھن سے اس تحریک کو سہولیات باہم پہنچائیں حتیٰ کہ را کی مدد سے فوجی معاونت اور مدد بھی فراہم کی۔اور جب شومئی قسمت اور کچھ ہمارے حکمرانوں کی ہٹ دھرمیوں اور نااہلیوں کے سبب ڈھاکہ کا سقوط ہوگیا مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوگیاتو وہ اندراگاندھی ہی تھی کہ جس نے ڈنکے کی چوٹ پر کہا تھا کہ آج بھارت نے دوقومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کردیا ہے۔اس وقت سے آج تک ہم اس اوپن سیکرٹ سے صرف نظر کرتے ہوئے آرہے ہیں

کہ مکتی باہنی کو کھڑا کرنے سے لیکر میدان جنگ میں اتارنے اور مالی و فوجی امداد پہنچانے میں انڈیا نے کہاں کہاں تک کردار ادا کیا تھا لیکن 8 جون 2015 کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں خطاب میں اور بعدازاں سوشل میڈیا پر نریندر مودی نے اس بات کا اعتراف کرلیا کہ ''بنگلہ دیش کا قیام ہر بھارتی کی خواہش تھی ہماری افواج بنگلہ دیش کی آزادی کیلئے مکتی باہنی کے ساتھ مل کر لڑیں اور بنگلہ دیش بننے کے خواب کا پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مدد کی''اور پھر مسلم کش وزیراعظم حسینہ واجد کو دہشت گردوں مسلمانوں جماعت اسلامی) کے خلاف جاری کریک ڈاؤن کی حمایت کرنا اور سب سے) بڑھ کر بنگلہ دیش کے صدر عبدالحمید سے واجپائی کیلئے بنگلہ دیش لبریشن وار آنر کا ایوارڈ حاصل کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نریندر مودی مسلم دشمنی اور پاکستان دشمنی میں کس حد تک جاسکتا ہے دوسرے یہ کہ بھارت جنوبی ایشیا میں دہشت گردی کو پروموٹ کرنے کا سب سے بڑا مجرم ہے اور یہ جرم اس نے ایک مرتبہ نہیں کیا بار بار کیا ہے سری لنکا میں تامل ٹائیگرز کو تربیت دینا اور انہیں دہشت گردی کیلئے تیار کرنے کا جرم بھی اس کے سر جاتا ہے جس کا برملا اظہار و اعتراف خود بھارت کے رائٹرز جنہیں دنیا حقیقت پسند کہتی ہے، کرچکے ہیں۔ ہمارے حکمران اس قدر بے حس ہوچکے ہیں کہ ان پاس کوئی جواب ہی نہیں ہے ان کے سر پر تو بس امن کی آشا کا بھوت سوار ہے۔

یہ کیسی امن کی آشا ہے کہ پاکستانی ہاکی ٹیم کو اپنے میچز کھیلے بغیر واپس آنا پڑا کہ انہیں نا صرف کھیلنے سے روک دیا گیا بلکہ ان کی جان کی حفاظت کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔ پاکستان کی وویمن کرکٹ ٹیم کو سٹیڈیم میں ہی نظر بند کر دیا گیا انڈیا میں کوئی ہوٹل اور ریسٹورنٹ ایسا نہیں تھا کہ جس نے یہ ذمہ داری قبول کی ہو یا ہمت کی ہو کہ وہ پاکستان وویمن کرکٹ ٹیم کو اپنے ہوٹل میں رہائش دیں گے۔ ہندو شدت پسند اور متعصب جماعت کی دھمکی کی وجہ سے سب کی ''چیں'' بول گئی اور ویسے بھی ہماری کرکٹ ٹیم ان کی لگتی ہی کیا ہے کہ ان کیلئے کوئی ڈان شیو شینا یا ان کے کسی آرڈر کی عدولی کرے یا پنگا لے۔

یہ تو تازہ ترین واقعات ہیں جو کہ ہمارے پسندیدہ پڑوسی ملک میں ہمارے کھلاڑیوں کے ساتھ روا رکھے گئے اس سے تھوڑا پیچھے چلے جائیں تو کبڈی کے ٹورنامنٹ میں کیسے پاکستانی ریسلرز کو انڈر اسٹیمیٹ کیا گیا ان کے حوصلے پست کرنے کی بزدلانہ کوشش کی گئی۔ بار بار ڈوپ ٹیسٹ کروائے گئے جو کہ غیر قانونی و غیر اخلاقی تھے لیکن ملک پسندیدہ ہے اور امن کی آشا چل رہی ہے۔ دنیا میں واحد فائنل میچ تھا جو کہ انڈیا میں ہوا کہ جسکے بارے میں ہماری ٹیم کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ فائنل میچ کہاں پر کھیلا جائے گا اور کس وقت کھیلا جائے گا اور جب میچ ہوا تو بے ایمانی کی انتہا کی گئی اور نتیجہ انڈیا کی حسب

منشا آیا اور پاکستان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا لیکن کہیں کوئی عالمی ٹھیکیدار وارد نہ ہوا اور امن کی آشا جاری رہی۔

بات یہیں پر ختم ہو جاتی تو شاید ہم بھی حکمرانوں کی طرح امن کی آشا کی عینک لگائے امن اور پسندیدگی کے گیت گاتے جاتے لیکن جب ہماری بلائنڈ کرکٹ ٹیم کے کپتان کو جو کہ ہمارا سب سے بہترین کھلاڑی تھا ان کو پانی یا مشروب کے بہانے تیزاب پلا دیا گیا جس نے ان کی حالت غیر ہو گئی لیکن ہماری غیرت اپنی نہ ہو سکی۔ مگر بھارت کی انسان دوستی اور امن سے محبت روز روشن کی طرح دنیا پر عیاں ہو گئی لیکن عالمی ٹھیکیداروں اور ملکی ٹھیکیداروں کی خاموشی ایک معمہ ہی رہی اور ویسے بھی جب تک "اباجی" کی طرف سے کوئی مزاحمت کوئی مذمت دکھائی اور سنائی نہیں دیتی اس وقت تک ہماری آنکھوں سے امن کا شہد ٹپکتا رہیگا اور کانوں میں پسندیدگی کی لہریں شہد گھولتے رہیں گے لائن آف کنٹرول پر بھارتی فوجیوں کی جانب سے بے غیرتی کا ایک اور مظاہرہ کیا گیا لیکن عالمی ٹھیکیداروں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی بلکہ کوشش کی گئی کہ سارا ملبہ پاکستان آرمی پر ڈال دیا جائے اور انڈین آفیشلز کے بیانات کہ جب تک لائن آف کنٹرول پر کشیدگی پیدا کرنے بارے پاکستان ذمہ داری قبول نہیں کرتا اس وقت تک پسندیدگی اور امن کے مذاکرات بند ہو جانے چاہئیں۔جب اس

قسم کے بیانات بھارت کیجانب سے آنے لگتے ہیں تو ہمارے ''محبتی لوگوں'' کے دلوں کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے انہیں ایسے محسوس ہوتا ہے اگر امن کی آشا نہ اڑی اور پسندیدگی برقرار نہ رہی تو کوئی قیامت آ جائے گی۔

یہ اس عوام کو بتایا جائے کہ جس کے بل پر آپ اس مملکت خداداد پر من مانی کر رہے ہیں جس کے نام پر اربوں روپے کے فنڈز ہڑپ کر رہے ہیں ان کو بتایا جائے کہ ایسی کیا مجبوری ہے کہ وہ انڈیا والے بات بے بات جس طرح چاہیں ہمارے وفود کو ذلیل و رسوا کریں لیکن ہم انہیں صرف like کرتے رہتے ہیں اور فیورٹ قرار دیتے ہیں۔ خاکم بدہن اگر محبت اتنی ہی جوش مارنے پر تل گئی ہے تو بنگلہ دیش کی طرح باقی حصہ بھی ان کو دان کرکے ان کی گود میں بے شرمی و بے حیائی کی نیند کے مزے لوٹتے جائیں

خدارا ! کچھ تو اپنی عزت و اکرام بنالو کہیں تو پاکستانیت کا سکہ منوالو۔ کہیں تو مسلم غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرلو۔ تو کون ؟ میں خوامخواہ ..... کی کھال سے نکل آؤ تا کہ ہمارے وقار عزت و تکریم کا کچھ تو مورال بلند ہو۔ آصف علی زرداری کی تو غیرت کو کچھ جوش ہوش آیا ہے مگر اہل اقتدار کی خاموشی سوالیہ نشان ہے عوام کو بتایا جائے کہ یہ کیسی امن کی آشا ہے؟

علاقائی صحافی المعروف چھوٹے صحافی

پریس اور میڈیا کو کسی بھی ریاست کا چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن اعلی ایوانوں والے اور مقتدر حلقے اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ اسے نفرت و حقارت سے بھرے خوف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ نفرت وہ خوف ہے جس کی وجہ ان کی بداعمالیاں اور بدعنوانیاں ہیں جن کے فاش ہونے اور منظر عام پر آنے کے خوف سے منافقانہ طور پر میڈیا کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے تمام کرپٹ طبقات جن میں سیاست، بیوروکریٹس، انتظامیہ اور مقننہ کے علاوہ مجرمانہ ذہنیت اور خصلت رکھنے والے تمام لوگ آزادی صحافت کے علمبردار تو دکھائی دیتے ہیں لیکن در حقیقت وہ آزادی رائے آزادی صحافت کے بالکل مخالف ہیں کیونکہ میڈیا ان کی منافقت اور ان کے چہروں پر سجی جھوٹی انا کو روز روشن کی طرح عیاں کردیتا ہے۔ ہر کوئی دلی طور پر چاہتا ہے کہ پریس کو آزادی نہ دی جائے۔ یہ شتر بے مہار ہوگیا ہے اسے نکیل ڈالی جائے لیکن آگ تو دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے کہ نہ وہ طبقات اپنے بداعمالیاں چھوڑنے کو تیار ہوتے ہیں اور نہ میڈیا اپنے فرائض اور وقار سے صرف نظر کر سکتا ہے

صحافت کا بنیادی مقصد تو یہی ہے کہ عوامی آرزوؤں کو عوامی امنگوں کو زبان دے کر معاشرے میں موجود ناہمواریوں ناانصافیوں اور مظالم کو بے نقاب کیا جائے۔ تاکہ مستحق کو حق مل سکے۔ گنہگار کو سزا مل سکے۔ مظلوم کی داد رسی ہو سکے۔ ظالم پر گرفت ہو سکے۔ ان تمام حقائق کو منظر عام پر لانے کیلئے صحافیوں کو کڑی آزمائش اور مصیبتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مار کھانی پڑتی ہے۔ دھکے سہنے پڑتے ہیں۔ تذلیل برداشت کرنا پڑتی ہے جیلوں کاٹنا ہوتی ہیں خون بہانا پڑتا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ معاشرے میں امن و سکون بپا رکھنے کی خاطر صحافیوں کو جان کے نذرانے بھی پیش کرنا پڑے ہیں اور تاریخ کے اوراق اس کی قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں کہ صحافت کیلئے آزادی رائے اور آزادی اظہار کیلئے صحافیوں کو اخبار والوں کو ہر طرح سے tease کیا گیا۔ لیکن سلام ہے ان عظیم صحافیوں کی عظمت کو جن کے پایہ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ اور وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں ڈٹے رہے اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی نچھاور کر دی اور صحافت کی آزادی کو داغ نہ لگنے دیا مگر اس وقت بے حد افسوس اور دکھ ہوتا ہے جب علاقائی صحافیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ علاقائی صحافی ہوتے ہیں محلہ گلی کوچوں اور ''اندر کی Basics کسی بھی پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کا خبروں'' کو منظر عام پر لانے میں ان کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کسی بھی قومی و علاقائی اخبار کی سرکولیشن بات ہو کہ الیکٹرانک میڈیا پر نشر ہونے والے پروگرام اور ریٹنگ حاصل کرنے والے اینکر شہرت میں

اضافہ ان سب عوامل میں علاقائی صحافی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتا ہے جو انہیں حقائق اور معلومات باہم پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ مگر اخبار و چینلز مالکان انہیں own کرنے سے صاف انکاری ہو جاتے ہیں یہ بڑی مضحکہ خیز صورت حال ہوتی ہے۔ ایسی ہی کسی صورت حال سے بچنے اور نمٹنے کیلئے ریجنل یونین آف جرنلسٹ علاقائی صحافیوں کے حقوق کیلئے اپنا کردار نہایت عمدگی اور خلوص کے ساتھ نبھارہی ہے۔ قیادت کا اخلاص، لگن، چاہت اور چھوٹے صحافیوں سے محبت کو دیکھتے ہوئے اس کا دائرہ کار پنجاب سے نکل کر سندھ اور بلوچستان کی جانب اپنے سفر کا آغاز کر چکا ہے جو کہ نہایت ہی خوش آئند ہے اور اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قیادت علاقائی صحافیوں کے حقوق کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کر رہی ہے۔ اسی بات اور عمل میں ان کی مقبولیت کا گراف انتہائی حد تک بلند کر دیا ہے۔ لاہور میں اسمبلی ہال کے سامنے دھرنا بھی بے مثال رہا اور اس میں پنجاب حکومت نے ہم جیسے علاقائی صحافیوں کے مسائل سن اور سمجھ کر ان کے حل کیلئے قدم بھی اٹھایا جس میں ضلعی سطح پر صحافتی کالونی کا قیام بھی ہے۔ جبکہ تیسرا یوم تاسیس کیا جارہا ہے جس میں conduct بھی بھرپور انداز میں لاہور الحمرا میں 15 جون کو پنجاب اور سندھ کے علاوہ ملک بھر سے ''چھوٹے صحافی'' شرکت کریں گے

پاکستان میں بھٹو کا دور ہو یا ضیاء الحق کا۔ نواز شریف اور مسلم لیگ کا دور

رہا ہو کہ پی پی پی کا ہر دور میں آزادی صحافت پر اپنے تئیں قدغن لگانے کی بار ہا کوششیں کی گئیں مشرف دور میں نام نہاد آزادی صحافت کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور سب سے زیادہ مظالم بھی اسی دور میں ڈھائے گئے۔ صحافیوں کا اغوا اور قتل و غارت کی بھی بہت سی تازہ مثالیں اسی دور کی پیدا کردہ ہیں چینلز کی بندش بھی اسی دور کا شاخسانہ ہیں۔ کسی بھی دور میں صحافیوں کی سیکیورٹی اور ان کے فرائض کی ادائیگی کو حقیقی انداز میں نہیں سراہا گیا۔ سخت سے سخت قوانین کا نفاذ اور آرڈیننس کی تلوار ہمہ وقت لٹکتی رہی اور پولیس رینجر اور فوج کے ذریعے صحافیوں کو مختلف انداز اور طریقوں سے ٹارچر کیا جاتا رہا اور تادیبی تعزیری کارروائیوں کے عذاب مسلسل میں دھونکا گیا ان سب کے باوجود آزادی صحافت، آزادی اظہار، آزادی رائے کو، آواز کو، خیالات کو احساسات و جذبات کو communicate کرنے کیلئے، عوامی آواز و جذبات کو اعلیٰ ایوانوں تک پہنچانے اور اعلیٰ ایوانوں کی ترجمانی کرکے ان کے خیالات عوام تک پہنچانے کیلئے، دنیا کے گلی کوچوں سے روشن و تاریک کونوں سے دبی سسکیوں اور چیخ و پکار سے حقائق کھینچ لانے کیلئے، علاقائی صحافی المعروف چھوٹے صحافی تن من دھن جی ہاں تن من دھن سے اپنے کارپر ڈٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ ادارے پاکستان اور دنیا بھر میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں جس طرح سے ہم علاقائی صحافی آپ کے اداروں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کیلئے مخلص ہوکر مصروف عمل ہیں آپ کو بھی اسی خلوص اور محبت کے ساتھ ان کے جائز حقوق کو تسلیم کرلینا چاہئے اور

انہیں بنیادی سہولیات اور مراعات دینے اور دلوانے کیلئے ان کے شانہ بشانہ چلنا چاہیئے تاہم پیشے کے اعتبار سے کسی بھی تمیز و تفریق کے بغیر اصل حقائق عوم تک پہنچانا ہمارا فرض ہے اور اشتعال انگیز اور نفرت کو ہوا دینے والی معلومات سے اجتناب نہ کرنا بھی ایک جرم ہے اس قسم کے عوامل سے پرہیز کرنا چاہیئے جبکہ خفیہ ہاتھوں اور چھپے درندوں کو بے نقاب کرنا چاہیئے۔میڈیا چونکہ کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کا عام طور پر روادار نہیں ہوتا لیکن اسے صحافتی ضابطوں سے بھی انحراف نہیں کرنا چاہیئے

ہندو بنیا بھی ماہ رمضان میں اشیا سستی بیچتا ہے لیکن پاکستان میں..... ؟

ویسے تو پاکستان بننے سے لیکر آج تک عوام پاکستان کو کسی بھی حکومت کی سرف سے حقیقی ریلیف تو درکنار بنیادی سہولیات دینے کی بھی توفیق نہ ہو سکی اور پی پی حکومت کا پانچ سالہ دور تو نیم چڑھا کریلا ثابت ہوا ہے اور عوام تو ویسے بھی ان معاملات عادی ہو چکی ہے اس لئے بے حسوں پر بے حس لوگوں کی حکومت چلی آ رہی ہے۔ نئی حکومت نئی مہنگائی نیا رمضان اور نیا طوفان پھر سے بے بس عوام کیلئے بہت بڑا صبر کا امتحان۔

اب ماہ مقدس رمضان ہمارے درمیان موجود ہے رمضان میں معاملات اور معمولات روز مرہ سے ذرا ہٹ کر ہوتے ہیں اور لوگوں کی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ سحری و افطاری ذرا واہ واہ اہتمام سے کی جائے کہ اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور کئی گنا ہوگا۔ لیکن کیا کیا جائے مہنگائی بلکہ خود ساختہ مہنگائی کا کہ ذخیرہ اندوزوں نے ذخیرہ شدہ اشیائے خورد و نوش مارکیٹ میں لانا شروع کر دی ہیں اور ریٹ بھی بڑھا دیئے ہیں تاکہ ماہ رمضان میں روزہ داروں کی کھال تو الٹی اور کند چھری سے اتاری جائے۔ ایسا صرف وطن عزیز پاکستان میں ہی ہوتا ہے جبکہ دیگر مسلم ممالک حتی کہ انڈیا میں بھی احترام رمضان میں ہندو بنئے بھی ریلیف دے دیتے ہیں اور

اشیائے خوردونوش کی قیمتیں کم ہو جاتی ہیں۔ یعنی ہندو اور بنئے کی کنجوسی اور بے ایمانی بھی ماہ رمضان کی بدولت ایک سائیڈ پر رکھ دی جاتی ہے اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کے اس ماہ مقدس میں اپنی تمام چالاکیوں اور مکاریوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے انتہائی ارزاں نرخوں پر اشیائے خوردونوش بیچتے ہیں اور ثواب میں بھی اپنا حصہ سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے منہ پر تھپڑ مارتے ہیں۔ رہی بات پاکستان کی تو چونکہ اس ملک میں ہر بات اور ادا کی کل نرالی ہوتی ہے اس لئے نا تو حکومتی ادارے اس کا سد باب کرتے ہیں اور نہ ہی ارباب اقتدار اس کیلئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل بناتے ہیں بس رسمی اور روایتی پرائس کنٹرول کمیٹیاں بنا کر پہلے دو چار روز میں ''ڈرامہ'' رچا کر عوام کو میٹھی گولی دے کر دکانداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے

اصل مسئلہ جو زیادہ گھمبیر اور خطرناک ہے وہ ہے ملاوٹ اور دو نمبر اشیاء کی فروخت کہ چلو جیسے تیسے کر کے کڑوا گھونٹ بھر کے عوام مہنگے داموں سامان افطار و سحر خرید، لیتے ہیں لیکن جب انہیں اشیا ملاوٹ شدہ اور غیر معیاری ملیں تو پھر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے یعنی کہ یوں ہوتا ہے کہ مرچوں میں لکڑی کا برادہ تو چینی میں اراروٹ، پتی میں چنے کے چھلکے ملائے جاتے ہیں تو چاول میں باجرہ اور پتھر، دالوں میں ملاوٹ ہے تو کہیں مصالحوں میں کیمیکل اور مضر صحت اشیا کا استعمال کھلے عام ہو رہا ہے۔ کالی مرچوں میں مختلف پھلوں کے

پیچ پیس کر ملادیئے جاتے ہیں۔ حفظان صحت کی دھجیاں اڑانے والے گھی کی فروخت ہو کہ بیکری کی پروڈکٹس جن میں ناقص میٹریل اور گلے سڑے انڈے استعمال ہوتے ہیں۔ مٹھائیوں میں کیمیکل ملا گھی اور سکرین کا بے دریغ استعمال کینسر اور پیٹ کے امراض کا موجب ہیں۔ بیمار اور کمزور جانوروں کا گوشت بلکہ کبھی کبھار مردہ جانوروں کا گوشت فروخت کرنا اپنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

ہر کوئی پریشان ہے کہ پہلے تو مہنگائی ہی قابو نہیں ہو رہی اب چیزیں خریدو تو وہ بھی ناقص اور مضر صحت۔ کوئی پرسان حال نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں افسران اور متعلقہ افراد اپنے اپنے خزانے بڑھانے اور تجوریوں کو بھرنے کے چکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں۔ ملاوٹ مافیا کا قلع قمع اور اس کے سد باب کیلئے حکوت نے پیور فوڈونگ بنایا اور اس میں بھی سفارشیوں اور نا اہل لوگوں کی ملاوٹ کردی کہ جب میٹرک پاس لوگ فوڈانسپکٹر تعینات ہونگے پھر توخوراک کی پیوریفیکیشن کی خیر نہیں یعنی جن لوگوں نے انسپیکشن کرنی ہے ان کی تو خود انسپیکشن اور نہ جانے کیا کیا کرنے کی ضرورت ہے یہ لوگ تو صرف مار ڈھار کیلئے بطور کماؤ پوت مقرر کر دیئے جاتے ہیں کہ خود بھی کھاؤ اور ہمارے لئے بھی لیتے آؤ۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہمارے ہسپتال مریضوں سے بھرے پڑے ہیں کوئی دل کا مریض ہے تو کوئی جگر کے کینسر میں مبتلا۔ کسی کو پھیپھڑوں کی بیماری ہے تو کوئی گردوں کے عارضے میں حکومتی پالیسیوں کو کوسنے دے رہا

ہے۔

محترم ! پہلے تو کسی ملاوٹ کرنیوالے کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی نہیں کہ سب ''اپنے'' ہیں کیونکہ یہ ہر ماہ کی مقررہ تاریخ پر ''مٹھائی بغیر ملاوٹ'' پہنچا دیتے ہیں اس لئے ان کو ''چھیڑنے'' کا مطلب ''اپنی روزی کا خاتمہ'' ہے اس لئے ان کو نہ تو کوئی محکمہ پوچھتا ہے اور نہ ہی کوئی محکمہ دار۔ تمام نمونے ہمیشہ پاس کر دیئے جاتے ہیں اور اگر غلطی سے بھتہ نہ پہنچنے کی بنا پر سیمپل فیل کر دیا جائے تو مجسٹریٹ تک رپورٹ پہنچنے سے پہلے ہی جنوبی پنجاب کی اکلوتی پبلک انالسٹ لیبارٹری میں جوڑ توڑ شروع ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ہر شخص کی روزی کا بندوبست بھی تو کرنا ہوتا ہے (استغفراللہ) اور پھر وہی پرانی اور فرسودہ قوانین پر مشتمل انکوائری رپورٹ تیار کی جاتی ہے جو کہ '' فضل ربی'' کی وجہ سے اکثر کلئیر کر دی جاتی ہے اور اگر بالفرض محال وہاں بھی دال نہ گلے تو پھر مجسٹریٹ تک پہنچنے کے بعد نا ہونے کے برابر جرمانہ کر دیا جاتا ہے جسے وہ دکاندار بخوشی ادا کرنے کے بعد پھر لوگوں کیلئے موت کا سامان کرنے میں ایمان و جان سے جت جاتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ کہ اس سارے پروسس کے دوران تمام ممنوعہ اشیاء اسی طرح سے مسلسل اور تواتر سے فروخت کی جارہی ہوتی ہیں۔ کوئی بھی گرفتاری عمل میں نہیں آتی صرف اپنے ریٹ بڑھانے کیلئے افسران کی دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ افسر کا ڈنڈا بڑا سخت ہے۔

میں عوام پاکستان کی طرف سے ہر ضلع و تحصیل کے ڈی سی اوز اور اسسٹنٹ کمشنرز بالخصوص ضلع لودھراں کے افسران بالا سے گزارش کرتا ہوں کہ خدارا پرائس کنٹرول کمیٹیاں لازمی طور پر ایکیٹو کریں ان کو قوانین پر سختی سے کاربند کرائیں۔ پیور فوڈ ونگ سے متعلقہ افراد کو بھی انسپکٹ کیا جائے اور ان کی رپورٹس پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ بذات خود معاملات کو براہ راست دیکھا جائے تاکہ ماہ مقدس تو کم از کم سکون سے گزر جائے مزید یہ کہ ہر مہذب معاشرے میں بسنے والے انسانوں کی طرح اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں کو پوری کرتے ہوئے خالص اشیا فروخت کریں اور ناجائز لوٹ مار سے لازمی پرہیز کریں کہ کمائی کیلئے سارا سال ہوتا ہے۔

پہلے تولو پھر بولو صاحب

پہلے تولو پھر بولو ! اس ایک محاورے کی اہمیت و حقیقت ایک کائناتی سچائی (universal truth) ہے کہ انسان اس وقت تک ہی معتبر اور معزز رہتا ہے جب تک خاموش رہتا ہے یا جب تک اپنی حیثیت اور اوقات سے بڑھ کربات نہیں کرتا اس کا امیج بنا رہتا ہے لیکن جیسے ہی بولتا ہے اس کی قابلیت ،لیاقت اور حیثیت عیاں ہوجاتی ہے زبان کو قابو میں رکھنا اور بوقت ضرورت اس کا صحیح استعمال کرنا ایک فن ہے۔ جو کہ سب کو نصیب نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں بھی آج کل ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنے، ریمارکس پاس کرنے حتیٰ کہ اخلاقیات سے گری ہوئی باتیں کرنے کا ایک طوفان بدتمیزی امڈ آیا ہے۔ دین، آئین، عدلیہ، مقننہ ، فوج، سیاست، صحافت غرض یہ کہ کوئی میدان یا شعبہ ایسا نہیں جس میں ہم ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھال رہے ہوں۔وہ تمام سیاستدان جو تقریر یا گفتگو کے دوران اپنی زبان قابو میں نہیں رکھ سکتے انہیں ہوش میں آجانا چاہیے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکا دینے والے گمراہ کن، تحقیر و تذلیل آمیز، دل آزاری کا سبب بننے والے ،خلاف آئین و قانون بیانات کے ذریعے عوام کو اپنا ہم نوا بنالینگے تو یہ ان کی بھول ہے اور نہایت احمقانہ اور بے وقوفانہ سوچ ہے کیونکہ عوام اتنی بھی بے شعور نہیں ہے کہ ان لغویات اور فضولیات کا ادراک نہ کرسکے۔ ان بیانات کا فائدہ

ہو نہ ہو نقصانات ضرور ہیں .مثلاََ: بیان دینے والا اپنے بیان کے ذریعے خود آئینے میں آ جاتا ہے کہ اس کی اخلاقیات کیا ہیں اور وہ ظرف کی کونسی منزل کا راہی ہے۔ دوسرا یہ کہ پرنٹ میڈیا اور ٹی وی چینلز نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ عوام سننے اور پڑھنے کے بعد فیصلے کر سکیں کہ کوئی کیا بول رہا ہے کیوں بول رہا ہے کس لئے بول رہا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ عوام اب اسے ہی سنتے ہیں جسے وہ معقول جانتے اور گردانتے ہیں ۔تیسرا یہ کہ بیان در بیان کے جواب میں بیان کے ذریعے سے نا صرف سیاسی اور ملکی ماحول آلودہ ہو رہا ہے بلکہ ادب اور احترام اور عزت و لحاظ کی تمام حدیں کراس ہوتی جارہی ہیں اور اگر اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ کل کو آنے والی نسلیں ایسے تاثرات دیدیں کہ ان حدِ ادب آفراد کو تکلیف پہنچے اور وہ سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہ کر سکیں کیونکہ جو بویا جاتا ہے وہ ہی کاٹا جاتا ہے۔اس لئے ہمارے حکمران وسیاستدان اور قلم کار و مقررین اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر ملک و قوم کو ان تمام کثافتوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو بیان دے کر بہت سوں کو متوجہ تو کر لیتے ہیں لیکن پھر وہ اپنا بیان بھی واپس لیتے دکھائی دیتے ہیں اور یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ ان کا بیان توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے حالانکہ انہیں اس بات کو اب تک جان لینا چاہئے کہ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیاکے اس دور میں کسی بھی بات کا چھپا رہنا بہت ہی مشکل بلکہ نا ممکنات میں سے ہے۔ اب بیان دینے والا زرداری ہو کہ

الطاف حسین، رانا ثناء اللہ ہو کہ شرمیلا فاروقی ، شیخ رشید ہو کہ خواجہ سعد رفیق ، نواز وشہباز شریف ہوں کہ عمران خان، میڈیاپرسن ہوں کہ علماء کرام ، بلاول بھٹو ہو کہ حمزہ شہباز یہ اور اسی طرح کے تمام افراد و بیانات قابل مذمت ہیں ۔ان سے نہ تو بیان دینے والے کا قد اونچا ہوتا ہے اور نہ ہی سننے والوں پر کوئی اچھا اثر پڑتا ہے سیاسی بیانات اور تقاریر کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن بغیر سوچے سمجھے منفی جذبات کے تحت کسی کی تذلیل ومزاح یا پھر معاشرے میں تفرقہ اور انتشار پھیلانے والے بیانات ملک کی نام نہاد جمہوری اقدار اوراخلاقیات سے گرنے کے مترادف گرادنے جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے بیانات کے دوران سیاستدانوں کا محتاط رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے نزدیک سیاسی فائدہ حاصل کرنا ہے۔

زرداری کا آرمی کے خلاف بیان اور پھر تاویلیں پیش کرنا مذکورہ بالا تحریر کا حصہ ہے زرداری کا بیان کہ اینٹ سے اینٹ بجادیں گے ملک کو بند کردیں گے سابقہ کرنیلوں کے کردار سے واقف ہیں وغیرہ ان کی منفی سوچ کی آئینہ دار ہے یہ بیانات دے کر زرداری نے منہ بھر مٹی پھانک لی ہے اب نہ تو اسے اگل سکتے ہیں اور نہ ہی نگل سکتے ہیں ہر دو صورتوں میں مزہ کرکرا ہورہا ہے اور اسی بناپر ان کی تاویلیں اور دلیل سمجھ سے باہر ہیں وہ آصف زرداری جس کے بارے میں تجزیہ نگار فرماتے تھے کہ صلح جوامن پسند اور ٹھنڈی طبیعت کے مالک ہیں

لیکن ان کے بیانات ان تمام اوصاف کی نفی کرتے ہیں۔ اگر بنظر غایت دیکھا جائے تو مذکورہ بالا خوبیاں اس وقت تک تھیں جب تک اقتدار کا ہما سر پر سجا تھا کیونکہ اس وقت ان کا جائز تو جائز تھا ہی ناجائز بھی جائز تھا کوئی پوچھنے والا نہیں اس لئے راوی چین ہی چین لکھتا ہے اب اقتدار نہیں ہے بے بسی ہے مزید یہ کہ ان کی دم پر بڑا زور کا پاؤں پڑا ہے اس لئے دماغ کا ماؤف ہوجانا اور زبان کا لغویات بکنا فطری امر ہے ایک بات اور قابل غور ہے کہ جب سے بلاول نے باقاعدہ طور پر پارٹی سنبھالنے کا عندیہ دیا ہے اس وقت سے زرداری صاحب کی طبیعت مزید ناساز ہوچکی ہے کیونکہ بچے کچے اختیارات بھی ہاتھ سے جاتے دکھائی دے رہے ہیں لیکن ان سب کے باوجود زرداری کو اپنی دماغ ٹھنڈا اور زبان قابو میں رکھنا چاہئے بھلائی اسی میں ہے اب محض سیاسی مفادات کیلئے ہونے والی بیان بازی کے بارے بہت احتیاط اور الفاظ کے محتاط چناؤ کے ساتھ کچھ کہنا ہو تو بھی یہی کیا جاسکے گا کہ یہ ذہنی پستی بلکہ ذہنی بیماری کی علامت ہے اس سے اجتناب از حد ضروری ہے۔ جو ہوا بہت برا ہوا ملکی و قومی حالات اس بھیانک عمل کو برداشت کرنے کے متحمل نہیں ہیں لہٰذا اب زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو بھی کنٹرول کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شر کی چنگاری کسی بہت بڑے الاؤ میں تبدیل ہوجائے اور اس پر قابو پایا بس سے باہر ہوجائے۔

!استثنیٰ کے مارے لوگ

کچھ نہیں ہوگا ! بھئی کچھ نہیں ہوگا شرط لگالو ! اگر ان کے خلاف کوئی ایکشن ہو جائے سابقہ تمام معاملات کی طرح اس معاملے پر بھی مٹی ڈال دی جائے گی۔ بھائی ! ساری عمر یہی دیکھتے اور سنتے گزر گئی ہے کہ لو بھئی اس دفعہ تو حکومت کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی بہت بڑا معاملہ ہے ملکی سلامتی کا معاملہ، انسانی جانوں کا ضیاع ہے، ملکی کی معیشت کی تباہی کا ایشو ہے۔ لیکن ہر دفعہ پہلے کی طرح ہی ہوتا ہے اور موجودہ معاملے کو دبانے کیلئے ایک نیا "مسئلہ" کھول دیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو قتل کروانے سے لیکر ملکی سالمیت کو داؤپر لگانے والے تک آج بھی دندناتے پھر رہے ہیں کوئی ان سے پوچھنے والا سوال کرنے والا نہیں۔اسی طرح یہ لوگ بھی صاف بچ نکلیں گے کمیٹیاں بنیں گیں جوائنٹ ٹیمز بنیں گیں اور فیصلہ کوئی نہ ہوگا اور اگر ہوا تو عوامی امنگوں کا خون ہوگا میرٹ کی دھجیاں بھی منہ چھپاتی پھریں گی۔زرداری ،مزاری، خان، الطاف، رانے، میاں ، چوہدری، شاہ جی، سائیں سب کے سب قومی مجرم ہیں لیکن چونکہ ان کا اندرونی طور پر گٹھ جوڑ ہیں اس لئے ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اب تو صرف جنرل راحیل شریف پر آس لگی ہے جس طرح سے وہ ملکی بقا اور عوامی امنگوں کے مطابق اقدامات کر رہے ہیں ایمان سے ان کو سیلیوٹ کرنے کو دل کرتا ہے یہ الفاظ اور

جذبات تھے ان لوگوں کے جو اخبارات اور ٹی وی چینلز کی خبریں پڑھ اور دیکھ کر فی البدیہہ زرداری اور الطاف حسین کے خلاف اظہار کر رہے تھے۔

بات تو ان کی بجا اور مبنی بر حقائق ہی ہے کہ اگر کوئی مسجد سے جوتا چرا لے، تنور سے روٹی اٹھا لے ریڑھی سے پھل چرا لے یہاں تک کہ کسی دکان سے دکاندار کی مرضی کے بغیر پانی کا گلاس بھی پی لے تو وہ مجرم بن جاتا ہے اور اسے مارنا لعن طعن کرنا ہر ایک پر لازم ہو جاتا ہے اور رہی سہی کسر ہماری "شیر جواں" پولیس کر دیتی ہے فوراً موقع پر پہنچتی ہے اور اسے پکڑ کر حوالہ حوالات کر دیتی ہے اور بعض اوقات تو خانہ پری اور ویل ڈن کے حصول کی خاطر اس بے گناہ کو کسی ڈکیت یا بڑے مجرم کی تبادلے میں بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے ملک و قوم کو معاشی طور پر کنگال کر دیا امن کے حوالے سے بے حال کر دیا توانائی کے بحران سے "مالامال" کر دیا صحت کے محکمے کو وبال کر دیا تعلیم کا برا حال کر دیا اور اپنے آپ کو خوش حال کر دیا ان کو آج تک کسی نے گرفتار کرنا نے درکنار چھوا تک نہیں۔

میں زیادہ پیچھے نہیں جاتا ماضی قریب میں چند ایسے گھناؤنے معاملات اور مکروہ دھندوں میں ہماری نام نہاد اشرافیہ کھلے عام ملوث پائی جاتی ہے لیکن حسب معمول کوئی ایکشن نہیں لیا جاتا۔ ماڈل ٹاؤن کا سانحہ، آرمی پبلک سکول

میں خون کی ہولی، فیکٹری میں آگ لگانے کا جرم، مساجد عبادتگاہوں اور امام بارگاہوں میں دہشت گردی، ملک دشمن سرگرمیوں میں شمولیت ، محب وطن شہریوں اور فوجیوں کی شہادت ، ضرب عضب کی مخالفت ہو کہ را سے دہشت گردی کی تربیت اور دوستی کی پینگیں، ایگزیکٹ کا سکینڈل ہو کہ ایان علی کی منی لانڈرنگ، یوسف رضا گیلانی کا ہار چوری کرنے کا شرم ناک فعل ہو کہ زرداری کی بڑھک، خواجگان کی ڈرامہ بازیاں ہوں کہ بلوچ لبریشن آرمی کا اعلان بغاوت کسی بھی ملوث فرد کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی سوائے "بیچارے یوسف رضا گیلانی" کے ۔ ہمارے معاشرے پروان چڑھتی جارہی ہے اور اس سے ہر سطح پر بہت نقصان perception میں اب یہ بھی ہو رہا ہے کہ اس ملک میں طاقتور کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا جاتااور اگر ہو جائے تو کچھ عرصہ میں ہی اسے مکھن سے بال کی طرح نکال لیا جاتا ہے کیونکہ پاکستان میں ہر شخص کیلئے قانون الگ الگ ہے ۔اشرافیہ امرا، وزرااور طاقتور کی کیٹاگری الگ ہے یہ ہر جرم و فعل سے مستثنی لوگ ہیں۔ غریب غربا کی کیٹاگری الگ ہے لہذا یہ غلط تصور ختم ہونا چاہئے اور یہ غلط تصور اور چھاپ کو ختم کرنے کیلئے حکومت کے پاس بطور ٹرائل سانحہ ماڈل ٹاؤن ،ایان علی کیس، ایگزیکٹ سکینڈل، ایم کیو ایم کی را سے ملک دشمن کارروائیوں میں معاونت اور تربیت جیسے کیس اگر "بندے دے پتر" کی طرح حل کر لئے جائیں تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ 60 فیصد معاملات خودبخود درست ہو جائیں گے۔تازہ ترین مثال یوسف رضا گیلانی سے ہار لینے کا معاملہ ہے جو

ہار ان اہلیہ کے گلے کا ہار بننا تھا گیلانی کی ہار کا سبب بن گیا سو جوتے بھی کھائے اور سو پیاز بھی اور آخر کار ہار کو ہارنا پڑا۔ یہ ایک مستحسن مثال ہے اور پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیگی۔ مذکورہ بالا مثال کی طرح موجودہ معاملات کو بھی اگر حل کرنے کی ٹھان لی جائے تو کوئی مشکل نہیں۔ لیکن میری اپنی گردن بھی تو پکڑ میں آتی ہے۔ ویسے بھی یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اس تھیلی کو پھاڑنا ہوگا اور ان چٹے بٹوں کو بے وزن کرکے ان کی اوقات یاد کرانا ہوگی ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام کریگا کون ؟ کیونکہ سارے کام فوج نے تو نہیں کرنے نا۔ اور اگر فوج ہی نے کرنا ہے تو پھر ان جمہور پسند جمبوروں کا کیا جواز ہے؟ یہ استثنی اور این آر اوز کی پیداوار کس کھیت میں مولی ہیں۔ اور بقول علامہ اقبال

(جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی (فائدہ
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم (مولی) کو جلادو

ہیٹ ویو وارننگ سسٹم

آب و ہوا کی تبدیلی کی بنا پر موسم میں شدت اور اتار چڑھاؤ ایک فطری عمل ہے جیسا کہ خشک سالی، زلزلے، گرمی کی لہر، اس کی شدت میں اضافہ وغیرہ ماحول کے ساتھ ساتھ انسانی صحت پر بھی بہت حد تک اثر انداز ہوتے ہیں جبکہ گرمی کی شدت سے انسانی صحت پر جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اس میں لو کا لگنا heat stroke، پانی کی کمی Dehyderation غشی Faintis، تھکان، بند کھنچ (Cramps) وغیرہ سے انسان موت کے منہ میں جا سکتا ہے گرمی کی حدت کی بنا پر انسانی جانوں کا ضیاع عام طور پر شمار نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ اس کی وجہ سے انسان اکثر موت کا شکار ہو جاتا ہے جس میں ہارٹ اٹیک، دل کی بیماریاں اور دوسری سانس کی بیماریاں زیادہ عام ہیں۔ WHO نے اپنی رپورٹ میں اس بات کو ترجیحا بھی ہائی لائٹ کیا ہے اور اس سے بچاؤ کیلئے Heat Wave Warning System تجویز کیا ہے جو کہ اس مسئلے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے جس کی مدد سے ہیٹ ویو کی پیشین گوئی، متوقع نتائج و اثرات، بر وقت سد باب اور خطرے کی وجوہات ہونے کے بارے میں بر وقت معلومات وغیرہ فراہم کی جا سکتی ہیں۔

2003ء میں یورپ میں گرمی کی شدت نے ہزاروں افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھااور لاکھوں افراد اس سے متاثر ہوئے تھے۔جس کے سبب یورپ میں فرانس سمیت 33 ممالک نے اپنے اپنے ملکوں میں ہیٹ ویو وارننگ سسٹم Heat Wave Warning System قائم کئے تھے۔جن کا مقصد تھا کہ گرمی کی حدت و شدت کے بارے میں قبل از وقت جان کر اس کے تدارک اور بچاؤ کے اسباب پیدا کر لئے جائیں۔ رپورٹ میں عالمی برادری نے اس بابت خبردار کیا کہ ہیٹ ویو انسانی صحت کے لئے انتہائی خطرناک ہیں۔جو کہ انسانی جسم اور صحت پر غیر متوقع نتائج چھوڑتی ہیں اور ان سے نمٹنے اور بچاؤ کے انتظامات انتہائی ضروری ہیں ۔اسی طرح گذشتہ سال گرمیوں میں بھارت میں جو صورت حال پیدا ہوتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس بھی لاکھوں لوگ متاثر ہوئے اسی سال میں محکمہ موسمیات نے پشین گوئی کی تھی پاکستان میں اگلے سال شدید گرمی پڑے گی لیکن ہمارے ارباب اختیار نے روایتی انداز اپنائے ہوئے اسکو پرکاہ کی حیثیت نہ دی نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 1250لوگ گرمی کی نذر ہوئے اور ملک بھر میں 2000 کے قریب بد قسمت عوام لقمہ اجل بنی۔ لیکن ذرائع کے مطابق پاکستان بھر میں تقریباًاڑھائی ہزار سے زائدافراد دو ہفتوں کے دوران گرمی کی کا شکار ہوئے جس میں قدرتی آفات کے ساتھ ساتھ واپڈا واسا اور ہائیڈر نٹس کے ڈیپارٹمنٹ بھی برابر کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ ساری ذمہ دار گورنمنٹ کے اداروں نے سرانجام دینا ہوتی ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ،پانی کی

لوڈشیڈنگ کو کنڑول کرکے عوام کو بلاتعطل پانی و بجلی فراہم کرے لیکن سندھ گورنمنٹ اس کی ذمہ داری کو نبھانے میں قطعی طور پر ناکام ہوچکی ہے اور بجائے اس کے کہ اس غلطی، نا اہلی اور غفلت سے کوئی سبق حاصل کرے'' میں نا مانوں'' کے مصداق اپنی اپنی کوتاہوں کو ایک دوسرے کے سر تھوپنے پر کمر کسی ہوئی ہے۔ اور ہمارے ہاں بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے۔یورپ حتی کہ انڈیا نے بھی ایسی صورت حال میں ایمر جنسی نافذ کی اور جہاں تک ہوسکا متاثرہ افراد کو بہتر سے بہتر ٹریٹمنٹ دینے کی کوشش کی ۔لیکن پاکستان میں ایسا کوئی سسٹم نہیں دکھائی اور سنائی نہیں دیا۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے حکمران اپنی عوام کے ساتھ کتنے مخلص ہیں اور ان کی بھلائی کے لئے کتنے سنجیدہ ہیں ۔اوراب بارشوں کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔ نشیبی و دریائی علاقوں میں تا حال کوئی انتظامات نہیں کئے گئے جنوبی پنجاب کی ایک بیلٹ مکمل طور پر نشیبی ہے جہاں پر ہر سال بارشوں کی وجہ سے سیلاب کی سی صورت حال کا سامنا ہوتا ہے لاکھوں افراد، جانور اور فصلیں متاثر ہوتی ہیں۔تا حال ان کے متعلق کوئی نہیں کئے گئے وزیر اعلی پنجاب نے حسب روایت کہہ دیا کہ اگر کسی measurement نے کوتاہی کی تو نہیں چھوڑوں گا جس کا واضح مطلب آجکل یہی لیا جاتا ہے کہ ''کچھ نہیں ہوگا'' یہ تو روز بڑھکیں مارتے رہتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مرتکب اور ملوث افراد کے خلاف کبھی کوئی ایکشن نہیں لیا جاتا چھوٹے عملے کو معطل کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا گرمی کے بچاؤ کے سدباب کیلئے

حکومت کو ہیٹ ویو وارننگ سسٹم کو نافذ کرنا چاہئے اور کبھی کبھی محکمہ موسمیات کی بات بھی مان لینی چاہئے کہ ہر مرتبہ ان کی پشین گوئی غلط ثابت نہیں ہوتی اور فی الوقت ہنگامی بنیادوں پر ممکنہ سیلاب سے بچاؤ کیلئے تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور ان کا سب سے بہتر اور موثر حل یہی ہے کہ ڈیم بنائیں جائیں تاکہ زحمت بننے والے پانی کو رحمت کے طور پر استعمال کیا جائے۔ مزید یہ کہ گورنمنٹ کو میگا پروجیکٹس کو چھوڑ کر سمال (چھوٹے) پروجیکٹس پر توجہ دینی چاہئے یقین کریں کہ یہاں سے بھی اچھی خاصی کمائی اور کمیشن بن سکتا ہے

اردو اور انگریزی

بس !انگریزی زبان بولنا ہے۔آئے نہ آئے۔ کسی کو عقل پڑے نہ پڑے بس بولنا ہے اس کی ایک مثال پیش کرتا چلوں ایک دفعہ ایک موصوفہ ہوٹل کی روداد کررہی ہوتی ہیں کہ ہم رات ہم نے ہوٹل میں لنچ کیا سننے والے نے کہاکہ میڈم لنچ تو دوپہر میں ہوتا ہے رات میں تو ڈنر ہوتا ہے بھئی ہم بڑے لوگ ہیں ہمارا لنچ رات میں ہی ہوتا ہے۔ بہرحال ہم ہوٹل گئے اور deaf (بیرے) سے پوچھاکہ What what is (کیا کیا ہے) تواس نے کہاکہ all some is (سب کچھ ہے) میں نے پوچھا head foot is (سری پائے ہیں) اس نے کہا yes.. is (ہاں ہیں)ہم نے سری پائے کھائے اور پھر میں نے پوچھا and is (اور ہیں) تو ڈیف نے کہاان yes is ۔اسی طرح ہم انگلش کا رعب جھاڑنے کیلئے اپنے فقرات میں بلادریغ انگلش الفاظ کا حلیہ بگاڑ رہے ہوتے ہیں پلیز مجھے یہ بکیں (books) تو دے دیں میں نے آپ سے Talks کرنی ہے میں ٹی میکنگ کررہی ہوں میں نے واٹرز پینا ہے یہ Sheeps تو وائٹس ہیں وغیرہ ہم یہ سارے کام کرکے دوسروں کو اپنے آپ پر ہنسنے کا موقع فراہم کررہے ہوتے ہیں یہ سب تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ وزیراعظم نواز شریف نے تمام محکموں میں اردو کو بطور سرکاری زبان کے رائج کرنے کی ہدایت کی ہے۔بڑی خوش آئندہ

بات ہے۔کہ قومی زبان کو قومی اداروں میں قومی مقاصد کیلئے استعمال کیا جائیگا۔اس سلسلے میں پہلے بھی کاوشیں منظر عام پر آچکی ہیں لیکن ان کا کوئی مثبت اور نتیجہ خیز اثرات سامنے نہیں آسکے اور ہم آج تک بھی ہنس کی چال میں بے ڈھنگی چال چل رہے ہیں اور نجانے یہ خبط کب ختم ہوگا کہ جو لوگ انگلش سے نابلد ہیں وہ ترقی یافتہ اور ماڈرن نہیں ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے چائنا، کوریا، جاپان وغیرہ میں انگلش بولنے والے بہت ہیں لیکن ان کے دفاتر، ان کے آفیسرز، بیوروکریسی، حکمران، سیاست دان سب کے سب اپنی قومی زبان کا استعمال کرتے ہیں اس کا پرچار کرتے ہیں حتیٰ کہ غیر ممالک میں جاکر اپنی گفتگو بھی اپنی مادری و قومی زبان میں کرتے ہیں اور اس پر انہیں کبھی شرمندگی یا حقیر ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں اشرافیہ، تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آپ انگلش فرفر بولتے ہوں غلط یا صحیح اس سے قطع نظر آپ کو انگلش کی سوجھ بوجھ ہونا لازمی ہے۔

اب ہم اسے دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں ہمارے دفاتر میں سارا کام کلریکل سٹاف نے کرنا ہوتا ہے ڈرافٹنگ کرنا، ٹائپنگ کرنا اور لیٹرز کا جواب لکھنا، سب انہی کے ذمہ ہوتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارا کلرک میٹرک یا ایف اے پاس ہوتا ہے۔ لیٹرز کو پڑھنا سمجھنا اور ان کا جواب دینا جہاں ان کے لئے بہت سے مسائل پیدا کرتا ہے وہیں پر متعلقہ آفیسر کو بھی مشکلات میں ڈال دیتا ہے جس کی

اور کم فہمی کی وجہ سے (mistake) کی مثالیں زبان زد عام ہیں کہ کلریکل مس ٹیک یہ مسئلہ کھڑا ہوا ہے کیونکہ عدلیہ مقننہ انتظامیہ بیوروکریسی و دیگر دفاتر میں لیٹرز بازی انگلش میں ہوتی ہے علاوہ ازیں اب ہمیں اس بات پر فوکسڈ کیا جارہا ہے کہ پہلی کلاس سے ہی انگلش رائج کرکے طالبعملوں کو انگریز بنایا جائے جو کہ ناممکن ہے ہاں اگر اسے ممکن بنانا ہے تو پھر گھر سکول گلی محلے اور روزمرہ کے لین دین میں اس کو رائج کریں اس کا استعمال کریں تو اس کے کچھ جراثیم سرایت کر سکتے ہیں ہم گھر میں پنجابی یا سرائیکی بولتے ہیں بازار گلی محلے میں اردو بولتے ہیں دفاتر میں انگلش بولتے ہیں تو کیسے ہم کسی ایک زبان میں مہارت اور عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنی قومی زبان اردو کو تمام دفاتر اور اداروں میں بول چال کے ساتھ ساتھ خط وکتابت کیلئے استعمال کرنا چاہئے تاکہ کلرک بادشاہ اسے سمجھ سکے اسی طرح اس کی ترویج اور ترقی کیلئے احسن اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے گفتگو کیلئے اردو زبان کو بروئے کار لایا جائے چائنا انڈیا ایران و دیگر ممالک میں اردو زبان پر بڑا کام ہو رہا ہے اس کے فروغ کیلئے تقریبات سیمینارز منعقد کئے جارہے ہیں تو پھر پاکستان کہ جس کی قومی زبان اردو ہے یہاں پر اس کی ترویج فروغ اور نشو و نما کیوں نہیں ہو سکتی۔ ہمارے بست وکشاد انگریزی ضرور سیکھیں بچوں کو بھی سکھائیں لیکن انہیں اردو کی تعلیم بھی لازمی طور پر دلوائیں کیونکہ اپنا تشخص اپنا وقار اپنی عزت اسی میں پنہاں ہے۔ آدھا تیتر آدھا

بٹیر بننے کی بجائے ایک میں رنگ میں بھرپور انداز میں خود کو رنگ لیا جائے تو اسی میں
عظمت ہے ایک لطیفہ آپ کی نذر کرتا ہوں کہ ایک جاپانی جوڑے نے ایک انگریز بچہ
گود لے لیا چند روز بعد وہ ایک ادارے میں گئے کہ انگلش بول چال سیکھنا ہے انسٹرکٹر
نے پوچھ لیا کہ آپ کیوں انگلش سیکھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے جو بچہ گود
لیا ہے وہ انگریز ہے اور جب وہ بولنے لگے گا تو اس سے انگریزی میں بات کرنا ہوگی اس
لئے ہم اس کے بولنے سے پہلے پہلے انگریزی سیکھنا چاہتے ہیں انسٹرکٹر نے سر پکڑ لیا اور
انہیں سمجھایا کہ جب آپ بچے سے جاپانی میں بات کروگے تو وہ بھی جاپانی ہی بولے گا نہ
کہ انگریزی۔ ثابت ہوا کہ انگریز بھی بے وقوف ہوتے ہیں بہرحال سارے جہاں میں
دھوم اردو زبان کی ہونی چاہئے۔

1122 کے قیام کی کاوش

خر کار خدا خدا کرکے 1122 کی سروس کیلیئے کام شروع ہو ہی گیا ڈسٹرکٹ آفیسر ریسکیو 1122 ڈاکٹر ماجد اور اسسٹنٹ کمشنر کہروڑپکا چودھری ظفراللہ عاصم کی مشترکہ کوششوں سے تحصیل کیلیئے 1122 کا پرپوزل تیار کیا جارہا ہے جو کہ نہایت ہی خوش آئند اور اہل علاقہ کیلیئے ایک بڑی خوشخبری ہے کیونکہ سانحہ وحادثہ کسی وقت بھی ہو سکتا ہے اور اس میں یقینا مشیت ایزدی بھی شامل ہوتی ہے۔اب حادثے کے بعد متاثرین کو بروقت طبی امداد باہم پہچانے کا مسئلہ آڑے آتا ہے اور اس طرح کے کئی حا دثات میں بر وقت طبی امداد نہ ملنے کی بناپر اموات بھی ہوچکی ہیں لہٰذا 1122 کی سہولت انسانی جان کو بچانے میں نہایت حدتک معاون ومددگار ثابت ہو سکتی ہے۔سروس اور امداد کا بروقت پہنچنے کیلیئے اس کا سینٹر اور لوکیشن بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔اس مسئلے کو اسسٹنٹ کمشنر چودھری ظفراللہ عاصم نے حل کردیا اور شہر کے بیچوں بیچ ٹی ایم اے کی ملکیت بس سٹینڈ والی جگہ جو کہ تقریباً چار کنال پر مشتمل ہے اس کا وزٹ کرایا گیا اور اسے منتخب کردیا گیا۔ماہرین کی نظر میں یہ جگہ ریسکیو1122 کیلیئے بالکل فٹ ہے یہاں سے اپنی ٹائمنگ سات منٹ کے دورانیے میں شہر کے کسی بھی حصہ میں پہنچا جاسکتا ہے

قارئین کرام پچھلے سال بجٹ میں بھی 1122 کیلیے رقم مختص کی گئی لیکن جگہ کی عدم دستیابی کی بناپر Laps ہو گئی اس مرتبہ بھی ایک خطیر رقم alocate کی گئی اور حسب معمول یہ بھی Laps ہوجانی تھی لیکن چوہدری ظفر اللہ عاصم کی، دوسرے کاموں جیسا کہ پارک کی تراش خراش، روڈز اور سیوریج کے نظام کی درستگی ٹی ایچ کیو ہسپتال کے عملے کی گاہے بگاہے انسپکشن اور سرزنش، میں دلچپسی اور اخلاص نیت سے انشاء اللہ یہ کام مکمل کو پہنچ جائے گا ویسے بھی اخلاص سے نیت سے ہونیوالہ عمل اپنے اندر برکتیں سموئے ہوئے ہوتا ہے۔پرخلوص فعل انسانی دل ودماغ کی تازگی اور فرحت کاایک ذریعہ اور عمل بھی ہے جب عمل سے دکھاوا اور ریاکاری کو نکال باہر کیا جائے تو اس میں اللہ کی رضااور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔دل و دماغ کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ ریاکاری بدنیتی اور دکھاوے سے عمل کی تکمیل مشکوک ہوجاتی ہے۔ عمل سے لطف وسرور غائب ہو جاتاہے ہمارے نیک اعمال کرنے میں تسکین، لطف اور اطمینان قلب کا حاصل نہ ہونا بھی ہماری بدنیتی اور دکھاوے پر دلالت کرتاہے۔

قارئین کرام ! آپ یقینا بہتر جانتے ہیں کہ جنوبی پنجاب کو ہمیشہ سے محروم رکھا گیا ہے اور اسکی محرومیوں کوبڑھانے میں سیاسی زعما اور شخصیات کا کردار کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔درحقیقت ہماری اشرافیہ اور سیاستدانوں کو اپنی سیاست سے کوئی دلچپسی ہے اور نہ ہی ملک و قوم سے کوئی سروکار۔ انکی

اپنی ترجیحات ہیں اپنے معاملات اور معمولات ہیں۔ انہیں نہ تو شرح خواندگی کے نشیب و فراز سے واسطہ ہے اور نہ کی صحت کے بگڑتی صورت حال سے ۔ ان کے بچوں نے نہ تو یہاں تعلیم حاصل کرنا ہے اور نہ ہی ان کا علاج پاکستان میں ہونا ہے۔ان کا مطمع نظر صرف اور صرف اپنا اور اپنے قبیل کے لوگوں میل ملاپ اور استفادے پر منحصر ہوتا ہے۔ عوام جائے بھاڑ میں۔یہی وجہ ہے کہ 2014-15 میں ضلع لودھراں کے ADP کی لئے بہت سی سکیمز آئیں اور ایک خطیر رقم مختص کی گئی۔مگر شومئی قسمت کہ ان میں سے دس فیصد پر بھی کام نہ ہو سکا۔اکثر سکیمز کیلئے تو رقم ریلیز ہی نہ ہو سکی۔اور صرف اعلانات کی حد تک عوام کو خوش کیا گیا۔چند ایک کیلئے اعلان کردہ رقم میں سے کچھ حصہ ریلیز کیا گیا اور اس کا بھی دس سے پندرہ فیصد استعمال ہو سکا جبکہ بقیہ اپر پنجاب کیلئے واپس کر دیا گیا۔کیونکہ وہ ایم این اے، ایم پی اے، افسر حکومت کی نظر میں اچھا اور گڈبک میں شمار ہوتا ہے جو کہ گرانٹ کو کم سے کم خرچ کرتا ہے جبکہ بقیہ کو delay کرکے ناقابل استعمال بنوانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عوام کو فنڈز کی کمی کا ٹوپی

ڈرامہ دکھایا جاتا ہے اور اگلے سال وہی گرانٹ دوبارہ سے اعلان کردی جاتی ہے جس پر بے عقلی عوام تحسین و ستائش کے ڈونگرے برسا رہی ہوتی ہے۔اب بھی ایسا ہی کچھ کیا گیا ہے لیکن اب عوام کو چاہئے کہ وہ کوئی ہلچل پیدا کریں باتیں مٹھارنے، دوسروں پر تکیہ کرنے کی بجائے عملی طور پر میدان میں آئیں اور اپنے حقوق اور آپ کو ملنے والی گرانٹ کے بھرپور اور

مناسب استعمال کیلئے آمدورفت کا سلسلہ بنائیں اے سی ظفر اللہ عاصم کہروڑپکا اور ڈی سی اولودھراں شاہد نیاز جیسے افسران تک اپنی آواز پہنچائیں اور اپنے حقوق کو اپنے علاقے کی فلاح و بہبود کیلئے اپنا حصہ ملائیں اسی میں علاقے کی بہتری اور ترقی ہے۔

!ہسپتال اور ڈاکٹرز سوالیہ نشان کیوں

یہ اموات قدرتی و حادثاتی ہیں تحقیقات کی گئی ہیں اور ان میں کسی بھی ڈاکٹر یا عملے کی کوئی غفلت پائی گئی ہے اور نہ ہی آکسیجن کی کمی کا کوئی ایشو تھا۔ ویسے بھی وکٹوریہ ہسپتال میں بچوں کے اموات کی شرح 1.67 فیصد ہے جو کہ پاکستان بھر کسی بھی ہسپتال کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ یہ بیان تھا پرنسپل میڈیکل کالج بہاولپور ڈاکٹر ہارون کا جنھوں نے ایم ایس بہاول وکٹوریہ ہسپتال ڈاکٹر ارشاد کو رپورٹ کرتے ہوئے بتایا تھا۔ 12 نومولود اور نامولود بچوں کی اموات پر یہ بیان دیا گیا اور پھر بری الذمہ ہوگئے۔ لیکن دوسری طرف والدین ،لواحقین اور عینی شاہدین چیخ چیخ کر بتا رہے تھے کہ سب ڈاکٹروں کی غیر حاضری ڈاکٹروں کی غفلت نرسوں کی لاپرواہی ،آکسیجن کی عدم دستیابی، سہولیات کی کمی اور بروقت طبّی امداد نہ ملنے کی بنا پر ہوا۔ کہیں ڈاکٹر موجود نہ تھا تو کہیں نرس غائب تھی کہیں متعلقہ دوائی نہ تھی کو کہیں انجکشن ندارد۔ سینئر ڈاکٹرز عید سے دو روز قبل ہی غائب تھے اور جونیئر ڈاکٹر سائیں کا ڈر نہ ہونے کی بنا پر عید کی شاپنگ میں مصروف تھے جبکہ نرسز ٹولیوں کی شکل میں خوش گپیوں میں مشغول ۔تو پھر ایسا تو ہونا ہی تھا کہ وہ بچے جو اس بے رحم دنیا میں پاکستان میں کسی بھی بیماری کو ساتھ لئے پیدا ہو ہی گئے تھے تو اس بے حس معاشرے کے مسیحاؤں نے

بھی ان سے مسیحائی نہ کی ، کوئی دو روز بعد تو کوئی پانچ روز بعد ہی دنیا کی بے ثباتی کا رونا روتا ہوا واپس راہی عدم ہوگیا اور کچھ ایسے بھی تھے جو دنیا میں آنے سے پہلے ہی واپسی کا سفر اختیار کر گئے۔ لیکن اہل ثروت ، اہل اقتدار اور اہل ہوس کو تو کان کھجانے کی فرصت ہی نہیں۔

خادم اعلی پنجاب میاں محمد شہباز شریف صاحب ! یہ وہ ہسپتال ہے جہاں پر لوگ اس امید پر جاتے ہیں کہ وہاں وزیر اعلی پنجاب کی ہدایات کی روشنی میں ہر کام او کے ہے ہر شخص اپنی اپنی ڈیوٹی احسن طریقے سے انجام دے رہا ہے۔ یہاں پر ڈاکٹرز عملہ ادویات سمیت ہمہ وقت مریضوں کو موت کے منہ میں جانے سے روکنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں لیکن یہ اموات تو کچھ اور ہی منظر پیش کر رہی ہیں یہاں پر کہیں بھی وزیر اعلی کے احکامات کی بازگشت سنائی نہیں دے رہی۔ ڈاکٹرز عملہ ادویات اور سہولیات کی عدم دستیابی وزیر اعلی اور ان کی صحت کے حوالے سے کاوشوں کا منہ چڑا رہی ہیں۔ وزیر اعلی پر ہی کیا اکتفا کرنا وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے سکواڈ کیلئے 10 جدید ترین اور مہنگی ترین گاڑیوں کو خریدا گیا ہے ایک شخص کی حفاظت کیلئے یہ گاڑیاں کئی افراد کیلئے موت کا باعث بنیں گی۔ یہ اسکواڈ جہاں سے گزرے گا وہاں سے عام انسان کا گزرنا ممنوع ہوگا۔ کوئی گاڑی میں ہی بند دم گھٹنے سے مر جائے گا تو کوئی رکشے میں اپنی جان دے گا۔ کسی کی سانس کی تان بیچ بازار میں

رستہ نہ پر ملنے پر ٹوٹ جائے گی تو کوئی بند گلی کے موڑ پر جان بلب ہوگا اور تو اور ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ جب رعایا کے شہنشاہ کہیں سے گزرتے ہیں تو سکیورٹی رسک کی بنا پر مساجد میں نماز ادا کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ سابقہ مثالوں کو چھوڑیئے جناب! ہمارے محترم المقام صدر پاکستان ممنون حسین عید کے روز فیصل مسجد میں نماز عید کیلئے گئے تو پروٹوکول کی وجہ سے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہزاروں شہری نماز عید کیلئے مساجد اور عیدگاہوں کا رخ نہ کر کے فیصل مسجد تو ویسے ہی کیموفلیج کر دی گئی تھی۔ بس پھر کیا تھا جب صدر محترم نماز ادا کر کے باہر نکلے نماز کی ادائیگی سے رہ جانے والے لوگوں نے انہیں ''ہاتھ دکھا دکھا کر'' عید کی'' مبارکباد'' دی جس پر خوشامدی ٹولہ بتاتا رہا کہ یہ لوگ آپ کو اس طرح کے مبارکباد دے رہے ہیں سبحان اللہ کیا پاپولیریٹی ہے

حکمران کو جہاں اختیار ودیعت کئے جاتے ہیں کہ وہ ان کا استعمال کر کے امور سلطنت چلا کے اپنی من مانی کر کے وہاں پر اس پر بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہے جس میں اولین ترجیح رعایا کی فلاح و بہبود اور ان کو تمام بنیادی حقوق کی فراہمی ہے چاہے وہ خوراک کے حوالے سے ہو کہ صحت کے سلسلے میں۔ تعلیم کی فراہمی ہو کہ انصاف کی فراہمی راستے کے حقوق ہوں کہ روشنی کی آمد، پانی کے نکاس کا معاملہ ہو کہ ہوا کے اخراج کے بات یا دیگر کوئی بھی

بنیادی انسانی حقوق تو یہ سب ذمہ داری حکمران پر عائد ہوتی ہے کہ وہ انہیں بلا تفریق عوام سے باہم پہنچائے۔ اسی طرح حکمرانوں کیساتھ ساتھ ڈاکٹرز کو بھی اپنے پیشے کی لاج رکھنے کیلیے ہی سہی مسیحائی کو بھرپور انداز میں مریضوں تک پہنچائے یہ فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ لہٰذا یہ قرض اور فرض مرض کو ختم کرنے کیلیے ادا کرنا ضروری ہے۔

پولیس کھلی کچہریاں.....! ریلیف کا ذریعہ ہیں؟

انسان کو سدھارنے کیلئے خود احتسابی ایک ایسا عمل ہے جو انسانی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اگر انسان اس عمل سے وقتاً فوقتاً گزرتا رہے تو بہت سی قباحتیوں سے بچ سکتا ہے۔ انسان کی بہت سی ایسی خامیاں، کوتاہیاں جو صرف یا تو وہ خود جانتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہوتا ہے اسی عمل سے انہیں ختم کرنے یا کم کرنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ انسان کا ضمیر کسی بھی غلط فعل سے ایک مرتبہ دستک ضرور دیتا ہے اس کے بعد اپنے آپ کو احتساب اور جوابدہی کیلئے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے اور سوچ اور سمجھ لینی چاہئے کہ تاریخ کے خلاف کبھی جنگ نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی کرتا ہے تو اسے شرمناک ترین شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تاریخ بالخصوص اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ہمارے نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیؐ سے لیکر صحابہؓ تک، تابعی سے لیکر ولی اللہؒ اور حکمرانوں تک سب نے اپنے آپ کو احتساب کیلئے پیش کیا۔طاقت، اقتدار، حکومت و اختیار میں رہتے ہوئے بھی ان شخصیات نے کبھی بھی اپنے آپ کو احتساب سے مبرا نہیں سمجھا۔ اپنی اصلاح اور عوام کی فلاح کیلئے دربار (کورٹس) لگائے تاکہ ہر

شخص بلاامتیاز اپنی بات اور مدعا بیان کرسکے۔ ان کچہریوں میں دراصل حکمران اپنے آپ کو اور اداروں کو عوام کی عدالت میں پیش کرتے ہیں جو کہ بڑے حوصلے اور دل گردے کا کام ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی خادم اعلی پنجاب شہباز شریف نے کھلی کچہریوں بالخصوص پولیس کھلی کچہریوں کا انعقاد تھا جس کا مقصد عوام کی دہلیز پر انصاف پہنچانا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ کھلی کچہریاں لگتی رہیں اور کسی نہ کسی سطح پر غریب عوام کی داد رسی ہوتی رہی۔ اب طویل عرصہ سے یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

آر پی او ملتان طارق مسعود نے اس سلسلے میں ہدایات بھی جاری کی تھیں جس میں ڈی پی او ہر ماہ میں ایک کھلی کچہری منعقد کریگا جبکہ ڈی ایس پی رینک کے افسران ہر ہفتہ میں ایک کھلی کچہری کا انعقاد کریگا لیکن تاحال اس پر کہیں بھی عمل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ آر یو جے ملتان ڈویژن کی میٹنگ میں سائل کو ریلیف دینے کے حوالے سے آر پی او ملتان نے ایک واقعہ کوڈ کیا جس میں انہوں نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے مظلوم کی داد رسی کی یہ ان کا نہایت ہی احسن اقدام ہے اور کھلی کچہری بھی اس قسم کے ریلیف اور مدد فراہم کرنے میں نہایت ہی مددگار اور معاون ثابت ہوتی ہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت سی جگہوں پر کھلی کچہری خود ساختہ اور پلانٹڈ ہوتی ہیں اور کہیں پر شکایات کے انبار کا پلندہ اور بدمزگی کا باعث بھی بنتی ہیں جس کا تازہ ترین مثال آئی جی پنجاب کا

ملتان میں پولیس دربار تھا جس میں کچھ صحافی دوستوں نے بلامقصد اور لاحاصل سوال وجواب اور گفتگو کی اس سے اجتناب برتنا چاہئے ، صحافی کا مقصد مسائل کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حل کی کوشش بھی ہونا چاہئے تاکہ صحافت کا حقیقی حق ادا کیا جاسکے۔

جنوبی پنجاب بالعموم اور ضلع لودہراں میں بالخصوص پولیس کی کھلی کچہریاں قصہ پارینہ ہوچکی ہیں۔ ضلعی اور تحصیل افسران کو اس میں دلچسپی نہیں ہے یاپھر وہ خود کو عوام کے سامنے احتساب کیلئے پیش کرنے سے خوفزدہ ہیں۔اس حوالے سے ٹرانسفر ہوجانے والے ڈی پی او لودھراں سے کچھ شکایات اور شکوے تھے جو کہ میں نے اپنے کالم میں لکھے ہوئے تھے اب چونکہ ان کا تبادلہ ہوگیا ہے لہٰذا اب مناسبت نہیں کہ جانے والے کی برائی کی جائے اس لئے وہ لائنز حذف کررہا ہوں۔اور نئے آنے والے ڈی پی او اسد سرفراز سے امید کرتے ہیں کہ وہ پولیس کلچر کو تبدیل کرنے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے ۔بہرحال سائل اور مظلوم عوام کی دادرسی کیلئے کوئی اوپن ریلیف فورم نہیں ہے کہ وہ لوگ جن کو افسران بالا اور "صاحب" تک رسائی حاصل نہیں ہوسکتی انہیں بلاروک ٹوک اپنا مسئلہ بیان کرنے کی آزادی مل سکے۔ کیونکہ اول تو غریب لوگ وسائل اور آگاہی نہ ہونے کی بناپر اپنے مسائل اور ہونے والی زیادتی پر لب سی لیتے ہیں کہ اس ملک میں انصاف کا ملنا ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے کیونکہ

پسینے سے شرابور جسم اور بدبودار کپڑے والے کو ''صاحب''کے آفس تک جانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔جبکہ پرفیوم لگائے معطر کلف لگے مجرم کو سیلیوٹ کے ساتھ ساتھ کرسی بھی پیش کی جاتی ہے۔کوئی سرپھرا مظلوم اتمام حجت کیلئے کسی ''صاحب'' سے ملنے جا دھمکتا ہے تو باہر موجود اہلکار اسے صاحب سے ملنے سے پہلے ہی کیچ کرلیتا ہے اور زندگی بھر پھر اسے صاحب سے ملنے کا یارا نہیں رہتا۔یہ سب محکموں کا روٹین ورک ہے کیونکہ خود کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا اور جواب دہ ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔پولیس کے افسران جن میں ایس ایچ اوز، تفتیشی افسران کی خواہش ہوتی ہے کہ لے دے کے حل ہوجائے ''صاحب'' کو بھنک بھی نہ پڑے اور ہماری دال روٹی کا انتظام بھی ہوجائے۔

اگر کھلی کچہریوں کا انعقاد وقتاً فوقتاً ہوتا رہے تو تمام مسائل نہ سہی کچھ نہ کچھ تو صاحب''کی ٹیبل تک پہنچ ہی جائیں گے اور اس کے حل کا کچھ نہ کچھ وسیلہ بھی بن'' جائے گا کھلی کچہریوں کی ضرورت وافادیت کے حوالے سے چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں۔ ☆ کھلی کچہریاں خود احتسابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔☆مظلوم اور سائل کو ارباب اختیار (ڈی سی او اور ڈی پی او) تک آسان رسائی دیتی ہیں۔☆ان کچہریوں کی مدد سے سائل اپنی آواز ایوان بالا تک پہنچاسکتا ہے۔ ☆ کھلی کچہری سے کسی حد تک مظلوم کی داد رسی ہوسکتی ہے۔☆ کھلی کچہری فرعون بنے افسران کے کرتوت کو منظر عام پر لانے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔☆ کھلی

کچہری میں عوام اور افسران کے سامنے "ننگا" ہونے کا خوف بھی گردن کا سریہ توڑ دیتا ہے۔☆ کھلی کچہریاں عوام کو انصاف کی فراہمی کا پہلا زینہ ثابت ہوتی ہیں۔☆ کرپشن اور رشوت کو کم کرنے میں کھلی کچہری اہم سنگ میل ہوتی ہے۔☆ کھلی کچہری سے مظلوم اور سائل دھکے کھانے سے بچ جاتا ہے۔☆ ٹاؤٹ مافیا کا خاتمہ ہوتا ہے۔☆ مڈل مین کا کردار پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا کھلی کچہریاں ڈی پی اوز، ڈی سی اوز اسسٹنٹ کمشنرز اور ڈی ایس پیز لیول تک لازمی طور پر منعقد کی جانی چاہئیں تاکہ عوام کو ریلیف مل سکے جبکہ افسران اور اداروں کا احتساب ہو سکے۔

زبر زیر خود لگا لو

سب خوش ہیں مطمئن ہیں کسی کو کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی ہے کوئی خفت محسوس کر رہا ہے اور نہ ہی کوئی سبکی۔ بلکہ ایک دوسرے کو معافی مانگنے کی ترغیب دی جا رہی ہے ہر کوئی اپنے آپ کو دودھ کا دھلا ظاہر کرنے میں جتا ہوا ہے۔ مسلم لیگ اور ان کے چاہنے والے اپنے ایماندار ثابت ہونے پر مٹھائیاں تقسیم کر رہے ہیں بینرز اور ہورڈنگز لگا کر الیکشن کی شفافیت کے جھنڈے گاڑے جا رہے ہیں پی ٹی آئی کے لوگ اپنے آپ کو قانون پسند اور زبان کے پکے ثابت کرنے کا علمبردار گردان رہے ہیں جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کو اپنے حق میں نہ ہونے کے باوجود اسے تسلیم کرنے کی حامی بھر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ خط کے ذریعے اور میڈیا کی مدد سے استعفٰی کا مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔ایک عجیب بھی کھچڑی پکی ہوئی ہے اور اس کھچڑی کے بے ہنگم اور غیر واضح نقوش عوام پاکستان کو پھر کی دے رہے ہیں عوام کش مکش کی چکی میں ہیں گومگو کی کیفیت گو نگلو بنائے دے رہی ہے اس کی سمجھ کے خانے میں اہل اقتدار کے "کرتوت" فٹ نہیں بیٹھ رہے۔ کون سچا ہے کون جھوٹا کس نے الیکشن میں دھاندلی کی اور کون ایمانداری سے جیتا کس نے عوام سے ووٹ لئے اور کس نے شیطان سے ووٹ ڈلوائے لوگ تو کہتے ہیں کہ فرشتے ووٹ ڈال گئے جبکہ میرا ماننا ہے کہ

فرشتے غلط کام نہیں کرتے یہ کام شیطانوں کا ہے جنھوں نے بیلٹ بکس بھر دیئے جن کا ریکارڈ بھی نہ ملا ہے۔

اس چوں چوں کے مربے سے ایک بات واضح ہے کہ جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ نے کسی کو نہیں بخشا کسی کو کلین چٹ نہیں ملی۔ نہ ہی تو مسلم لیگ ن کو پارسا قرار دیا اور نہ ہی پی ٹی آئی کے الزامات کو مکمل طور پر تصدیق کی ہے اس حوالے سے اسلم رئیسانی کا تکیہ کلام کوڈ کرونگا کہ ڈگری تو ڈگری ہوتی ہے جعلی ہو کہ اصلی ہوا استعفی تو استعفی ہوتا ہے مذاق میں ہو کہ غصے میں۔ اب اگر ووٹ تو ووٹ ہوتا ہے جعلی ہو کہ اصلی ہو کی بنیاد پر دیکھا جائے تو جوڈیشل کمیشن کا فیصلہ درست ہے کہ بدانتظامی پائی گئی ہے رابطے کا فقدان تھا مانیٹرنگ سسٹم فیل تھا چیف الیکشن کمشنر اور صوبائی الیکشن کمشنرز کے مابین انفارمیشن کی سٹریم لائن جا بجا منقطع تھی ڈائریکٹر شیر افگن اس بات سے بے خبر تھے کہ اضافی بیلٹ پیپرز بھی چھاپے گئے ہیں اور چھپے ہیں تو ان کی تعداد کیا ہے ان کی ترسیل کا کیا نظام ہوگا کون وصول کریگا کہاں رکھے جائیں گے۔ آر اوز کس بنیاد پر ان اضافی بیلٹ پیپرز کو مہیا کریں گے وغیرہ وغیرہ تو جوڈیشل کمیشن کا فیصلہ مسلم لیگ ن کے الیکشن شفاف تھا اور اگر اس بات کو (largely) حق میں جاتا ہے کہ مجموعی طور پر دوسرے اینگل سے لیا جائے کہ دھاندلی تو دھاندلی ہوتی ہے۔بڑے پیمانے پر ہو کہ چھوٹے پیمانے پر تو پھر پی ٹی آئی کے الزمات

درست ثابت ہوتے ہیں کیونکہ بے ایمانی ایک پیسے کی ہو کہ ایک کروڑ روپے کی شرعی و قانونی طور پر قابل گرفت اور قابل مذمت ہے یہ الگ بات ہے کہ مملکت خداداد میں ایک پیسے کی بے ایمانی قابل گرفت ہوجاتی ہے اور ایک کروڑ کی بے ایمانی قابل تعظیم ہوتی ہے

بنظر غایت دیکھا جائے تو پاکستان کی تاریخ میں ایسے تمام تنازعات اور ایشوز جن میں حکومت وقت، ارباب اختیار و اقتدار اور طاقتور طبقہ کی انوالومنٹ ہو تو ایسے ایشوز اور مسائل فیصل ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوجائیں تو پھر ان کا سر پیر ڈھونڈنے کیلئے آپ کو دوبارہ جنم لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ بھی ایسی ہی بے سروپا، مبہم اور غیر واضح ہے۔اس کو سمجھانے کیلئے ایک مثال نذر کئے دے رہا ہوں ہمارے علاقے میں ایک شخص کوتوال کے نام سے مشہور تھا جو کہ حالات و واقعات کی بناپر فاتر العقل اور مخبوط الحواس ہوگیا تھا اکثر و بیشتر گلیوں بازاروں بیچ چوراہوں پر کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہوجاتا اور اپنی خود ساختہ تقریر شروع کردیتا اور لوگ بھی خاطر مذاح اور تفنن طبع کیلئے اکٹھے ہوجاتے کہ چلو کچھ دیر کیلئے ہی سہی ہنسنے ہنسانے کا موقع تو ملے گا۔ کوتوال اپنی تقریر ختم کرتا اور آخر میں ایک فقرہ ضرور بولتا " وتعز من تشاء و تذل من تشاء" زبر زیر خود لگالو۔ تو پیاری عوام پاکستان ! جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ آچکی ہے اب اپنی اپنی سمجھ کیمطابق زبر زیر

خود لگالو۔

عطائیت کا خاتمہ

وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کی طرف سے آئے دن عطائیوں کے خلاف اخبار اشتہار کی کھلے عام خلاف ورزری ہے عطائیوں نے انسانی جانوں سے کھیلنے کا بازار گرم کر رکھا ہے محکمہ صحت ضلع وہاڑی کیا رباب اختیار نے چپ ساد ھ رکھی ایک سوالیہ نشان ہے ؟ گزشتی دنوں غلہ منڈی بوریوالہ کے عطائی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ جس کا والد نائی کے پیشہ سے وابستہ تھا اس جگہ پر اس کے والد نے ختنے کرنے شروع کر دیئے اور مرہم وغیرہ بیچنا شروع کر دی اس کی کافی پلبٹی ہو گئی اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے غلام مصطفیٰ نے ایک بڑا بورڈ لکھوا کر کلینک بنا لیا اور اپنے آپ کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کہلوانا اور علاج کرنا شروع کر دیا گزشتہ دنوں چک نمبر 481ای بی کا ایک غریب مریض کو اس کے لواحقین لے کر آئے ڈاکٹر موصوف نے زاہد المعیاد انجکشن لگا دیا غریب مریض اسی وقت تڑپ تڑپ جان کی بازی ہار گیا غریب لواحقین کے شور واویلا پر کافی لگ جمع ہو گئے میڈیا والے بھی آئے محکمہ صحت وہاڑی کو فوراًاطلاع دی گئی جس پر ڈرگ انسپکٹر کامران مائیکل جانسن نے فوری کاروائی کرتے ہوئے کلینک سیل کر دیا غلام مصطفیٰ ڈاکٹر کے بیٹے نے لوگوں میں خوف وہراس پھیلانے کی خاطر فائرنگ شروع کر دی غریب ورثاء نے خوف کے مارے اور لالچ میں آ کر مذکور عطائی ڈاکٹر سے پانچ لاکھ

روپے دے کر چپ سادھ لی اور خاموشی سے نعش لے اپنے گاؤں چلے گئے اس وقت عطائی ڈاکٹر اور اس کے بیٹوں نے دھمکیاں دیں کسی نے بھی ہمارے خلاف کوئی بات کی تو جان سے چلا جائے گا اس واقع سے پہلے بھی چک نمبر 427 ای بی کے رہائشی نے نواسے کے ختنے کروانے کے لیے بچے کو لے کر آیا عطائی ڈاکٹر غلام مصطفی کی نا اہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے وہ بچہ بھی اپنی مردانہ صفات سے محروم ہو گیا اس بچہ کی بلیڈنگ نہ رکنے پر ٹی ایچ کیو بھیج دیا جس کو ڈی ایچ اوریفر کر دیا درخواست دینے پر اس کو بھی ڈرا دھمکا کر اپنے آر کاروں کے ذریعے پیسے کا لالچ دے کر رام کر دیا ایسے انسان دشمن عطائی ڈاکٹر سے خدا جانے کتنے لوگ موت کی وادی میں چلے گئے ہیں اور کتنے اپنی مردانہ صفات سے محروم ہو گئے لیکن غریب ہونے کی وجہ سے ان کے ڈر سے چپ ہو گئے اسکو کتنے لوگ بد دعا دے رہے ہیں۔

محکمہ صحت ضلع وہاڑی کے ای ڈی او ہیلتھ کو بار بار اطلاع دینے پر اس کے خلاف کاروائی سے گریزاں ہیں بوریوالہ ٹی ایچ کیو کے ڈپٹی ہیلتھ آفیسر فیاض صاحب کو بھی بار بار اطلاع دی گئی مگر اس کا موقف ہے کہ ڈرگ انسپکٹر جانسن کامران گل سے رابطہ کرو جبکہ ڈرگ انسپکٹر کامران گل کو بھی باربار اطلاع دی گئی مگر وہ بھی کاروائی کرنے سے گریزاں ہے پس ستم ظریفی دیکھئے کہ ڈرگ انسپکٹر نے تو کلینک سیل کر دیا اس عطائی نے اپنے کلینک سے دوسری طرف کے شٹر کھول

کرادویات اور کشتہ جات نکال کر سے 13 جی دکان پر اپنا دھندہ زور وشور سے شروع کر دیا جو کہ اہل علاقہ کے لیے پریشانی اور حیرانی کا باعث بنا ہوا ہے۔اور سوچنے پر مجبور ہیں کہ اس کے خلاف آواز اٹھانے والا جان سے بھی چلا گیا تو اس عطائی ڈاکٹر کا ہاتھ اوپر تک ہے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا خاموشی ہی بہتر ہے اہل علاقہ کا میاں محمد شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب سے مطالبہ اور اپیل ہے کہ ایسے انسان دشمن عطائی ڈاکٹروں کے خلاف بے دریغ کاروائی کی جائے تا کہ وہ دوبارہ انسانی جانوں سے کھیلنے جیسا دھندہ نہ کر سکیں۔امید ہے کہ خادم اعلیٰ میاں محمد شہباز شریف صاحب ، اور سیکرٹری ہیلتھ ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے ڈی سی او وہاڑی اور ای ڈی او ایچ وہاڑی کو خصوصی ہدائیت جاری کریں گے کہ ایسے بے شمار عطائیوں ڈاکٹروں کے خلاف کاروائی کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیں تا کہ انسانی جانیں ان کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

الطاف حسین ! کراچی کی روشنیاں پھر سے لوٹ رہی ہیں

فلسفہ کی کلاس جاری تھی پروفیسر صاحب نے ایک خالی جار لیا اور اس میں گولف کی بالز ڈال دیں جار بھر گیا اور طلبا سے پوچھا کہ بتائیں جار خالی ہے کہ بھرا ہوا ہے تمام طلبا نے کہا کہ جار بھرا ہوا ہے اس کے بعد پروفیسر نے کچھ سنگ ریزے لئے اور ان کو جار میں ڈالا وہ بھی جار میں سموگئے پروفیسر صاحب نے پھر پوچھا کو بتائیں جار کی کیفیت کیا ہے پوری کلاس نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ جار بھرا ہوا ہے اب پروفیسر صاحب نے ریت لی اور اسے جار میں انڈیلنا شروع کیا ریت بھی جار میں سما گئی پھر سوال دہرایا گیا پوری کلاس نے یک زبان ہو کر کہا کہ جار بالکل بھر چکا ہے اب مزید کوئی گنجائش باقی نہیں رہی پروفیسر صاحب نے شہد کی بوتل لی اور اسے جار میں انڈیلا تو جار کے بھرے ہونے کے باوجود شہد نے اپنی جگہ بنالی کلاس دم بخود تھی کہ ہر مرتبہ جار بھر گیا لیکن اس میں کوئی نہ کوئی گنجائش باقی رہی کلاس نے اس ساری پریکٹس کے پیچھے چھپے مقصد کو جاننا چاہا پروفیسر صاحب نے بتایا کہ جار زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ گولف کی بالز سنگ ریزے ریت اور شہد انسان کے اعمال و افعال ہیں اس کے عمل کردہ افعال سے زندگی کا جام بھرتا جاتا ہے جب انسان کو غلط عمل سرانجام دیتا ہے تو اس کے سدھارنے کی مزید گنجائش رہتی ہے لیکن جب وہ کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو کہ

ریت پر دلالت کرتا ہے یعنی جار کو ریت سے بھر دیا جائے تو پھر اس کے سدھار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی صرف اور صرف لہجے اور افعال کی مٹھاس ہی اس میں جگہ بنا سکتی ہے دلائل اور تاویلیں بے معنی ہو جاتی ہیں

الطاف حسین اور ان کی جماعت ایم کیو ایم کی ملک و قوم سے محبت شکوک و شبہات کی تہہ میں دب چکی ہے مزید پختگی الطاف حسین نے گذشتہ روز افواج پاکستان کے خلاف شر انگیز اور منافرت پر مبنی تقریر کر کے کر دی ہے یعنی کہ انہوں نے اپنے جار کو ریت سے بھر دیا ہے اب مزید کچھ کہنے سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔تاویل دلیل بحث مباحثہ کو طاق میں رکھتے ہوئے الطاف حسین پر ملک سے غداری اور ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونیکی بنا پر مقدمہ درج کیا جانا چاہئے اور اس بھی پہلے تاج.برطانیہ کو بھی سمجھایا جائے کہ غدار وطن شخص کو سیاسی پناہ کے زمرے خارج کیا جائے۔دہشت گردی کے حوالے سے عالمی قانون ریڈ وارنٹ کو استعمال کرکے الطاف حسین کو گرفتار کیاجائے ۔حکومت.برطانیہ کو باضابطہ قانونی ریفرنس پیش کیا جائے جو کہ باقاعدہ شکایت کی شکل میں ہو جیسے ایک ملک دوسرے ملک سے کرتا ہے ۔علاوہ ازیں اس کی تقریر و تحریر پر بھی پیمرا قوانین کے تحت پابندی عائد کی جائے ۔ویسے الطاف حسین نے کا وطیرہ ہے کہ پل میں ماشہ پل میں تولہ۔ سوتے میں کروٹ لی بیان داغ دیا دوسری کروٹ لی معافی مانگ آنکھ کھلی استعفی دے دیا

اور سونے سے قبل ہی واپس لے لیا پلک جھپکی ہرزہ سرائی پلک جھپکی معافی۔ویسے تو اس قماش کے شخص کو مخبوط الحواس قرار دے کر اسے پاگلوں کی فہرست میں شامل کر لیا جائے اور اسے قابل رحم سمجھتے ہوئے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے لیکن ایم کیو ایم اور اسکے کرتا دھرتاؤں سے ضرور پوچھا جائے کہ آیا کہ وہ بھی اسکے حامی ہیں کیا وہ بھی را کی مداخلت کے خواہاں ہیں کیا وہ بھی انڈیا کو غیرت دلوانا چاہتے ہیں ان کے نیٹو افواج کی آمد کے حوالے سے کیا خیالات ہیں اگر وہ بھی اس بدروش پر قائم ہیں اپنے لیڈر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں تو انہیں آڑے ہاتھوں لیا جائے کیونکہ ان کے پاپوں کا گھڑا گندگی سے بھر چکا ہے

ماضی کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لیں 1985 سے پہلے کراچی جو کہ روشنیوں کا شہر تھا غریب کی ماں تھی بیروزگاروں کیلئے جنت تھا کمانے والوں کیلئے دبئی تھا ان کی شرانگیزیوں کی بنا پر تاریکی میں ڈوب چکا ہے غریب کیلئے روزگار کے ذرائع مفقود کر دیئے گئے ہیں سرمایہ کار سرمایہ کاری سے اجتناب برتتے ہیں ان تمام حالات کا ذمہ دار الطاف حسین اور اسی قماش اور ذہن نے لوگوں کا کراچی کا یہ حال کیا ہے۔آغوش کراچی تار تار ہو چکی ہے اسے مشکلات اور مسائل سے دوچار کر دیا ہے ان کے وسائل کو چاٹ لیا ہے یہ حقیقت ہر شخص پر آشکار ہو چکی ہے کہ کس طرح کراچی ایسے پرامن شہر میں بدامنی شرپسندی لاقانونیت دہشت گردی کا

بیج بویا گیا سیاسی غنڈہ گردی لسانی تعصب جماعتی تشدد کا گڑھ بنادیا گیا مگر اب کراچی پھر سے بدل رہا ہے جس کا سہرا عوام پاکستان کے دلوں کی دھڑکن اور امنگوں کے ترجمان چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف اور انکی ٹیم کو جاتا ہے جنہوں نے آپریشن ضرب عضب آپریشن کلین اپ کے ذریعے ملک دشمن قوتوں اور عناصر کو نتھ ڈالدی ہے ان کا ناطقہ بند کردیا ہے کراچی میں پھر سے روشنیاں لوٹ آئیں ہیں اس کی رونقیں پھر سے امن سے بھرپور کروٹیں بدل رہی ہیں شہر کے باسی پھر سے اپنے کونوں کھدروں سے نکل کر پھڑ پھڑانے کیلئے پر تول رہے ہیں آزاد ملک کے آزادی شہری کی حیثیت سے کھلی اور پرسکون فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں بارود اور خون کی بو سے ان کے نتھنے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ بہرحال ان سب کے باوجود حکومت وقت کو الطاف حسین کی شرانگیز گفتگو کا سختی اور سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہئے کیونکہ الطاف حسین یہ بیان کھلم کھلا اور واضح طور پر ملک دشمنی اور بھارت نوازی پر تائید کرتا ہے افواج پاکستان اور جنرل راحیل شریف کے اقدامات پر پوری قوم صدقے واری ہے اس کے سر فخر سے بلند ہیں اور وہ یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہر پاکستانی کے دل جنرل راحیل شریف کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی کہانی

وہ نہایت لاغر اور کمزور ہو چکا تھا اٹھ کر چلنا بھی محال تھا اپنی زندگی بچانے کی خاطر اپنی تمام تر توانائیاں مجتمع کرکے رینگتا ہوا آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے خونخوار اور خوفناک درندے اور بھیڑیے لگے ہوئے تھے جو اس کی زندگی کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کا جہاں تک بس چلتا تھا وہاں تک وہ اپنی بھرپور کوشش کرکے اس کے جسم کو زخموں سے چور چور کر چکے تھے۔ اس کے ان زخموں سے خون رس رہا تھا ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے پورا کا پورا بغیر ڈکار لئے ہڑپ کر جائیں۔ ان کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی اور وہ اس پر جھپٹنے کیلئے تیار تھے۔ ان بھیڑیوں کے پیچھے چالاک و مکار اور شاطر لومڑیاں دوڑتی چلی آرہی تھیں اور اپنے پنجوں کو بار بار زمین رگڑ رہی تھیں اور بڑی بے چین دکھائی دیتی تھیں انہیں یہ تو معلوم تھا کہ وہ اس کا شکار نہیں کر سکتے لیکن بھیڑیوں اور درندوں کے شکار کرنے کے بعد جب وہ اس کے اچھے اچھے اور پسندیدہ حصوں کو چٹ کر جائیں گے تو بقیہ جسم ہمارے رحم و کرم پر ہوگا اور وہ بھی اپنے پیٹ کا دوزخ اس سے بھریں گے اور خوب سیر ہو کر کھائیں گے۔ ان مکار لومڑیوں کے ساتھ دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے لمبی اور نوکیلی چونچ والے مکروہ شکل گدھ اپنی

باری کے منتظر تھے۔ان کے سروں پر منڈلا رہے تھے ان کی پرواز نہایت ہی نیچی تھی اور کبھی کبھی اور ان کے جسم کو مس کرتے ہوئے گزرتے تھے جیسے کہہ رہے ہوں جلدی کرو اس کے بعد ہماری باری ہے۔انہیں بھی یہ معلوم تھا کہ لومڑیوں کے کھانے کے باوجود ان کا حصہ بھی ضرور بچ جائے گا اور اتنا بچ جائیگا کہ وہ بھی اپنی ہوسناک بھوک مٹا سکیں گے۔ اس کے جسم اور ہڈیوں سے چمٹا ہوا گوشت ان کی مرغن غذا ہے اور بس لومڑیوں کے جانے کی دیر تھی کہ انہوں نے اس پر ٹوٹ پڑنا تھا اور اس کے جسم سے گوشت ، کھال ، گودا غرض جہاں تک ان کے لمبی چونچ اور نوکیلے پنجے پہنچ سکیں گے وہ نوچ نوچ کر کھائیں گے ۔ قصہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ گدھوں کے بعد ایک اور مخلوق اپنی باری کے انتظار میں بے چین و بے کل تھی کہ کب گدھ یہاں سے ہٹیں اور ان سے بچ جانے والے ہڈیوں کے ڈھانچے میں میں موجود بچے کچے مواد سے لازمی مستفید ہونا ہے اور یہ ہمارا حق وراثتی ہے۔ یہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں تھیں جو ہڈیوں کے اندر تک سے اپنا حصہ کھسوٹنے کی تیاری میں تھے ایک لمبی قطار تھی۔ ہر کوئی اپنی باری کا منتظر تھا۔ سب سے طاقتوروں نے پہلے اپنے پنجے آزمائے تھے ان کی ہوس مٹنے پر ان سے کم طاقتور نے اپنی باری کا کھانا تھا اور اسی طرح یہ سلسلہ طاقتور سے کم طاقتور تک آتا تھا وسب سے اپنی اپنی بھوک مٹانا تھی اس ''کارخیر''میں حصہ ڈالنا تھا۔ ''مفت کی مڈی'' باپ کا مال سمجھ کر ہڑپ کرنا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس میں تھوڑا سا بھی ترس

رحم و اخلاص کا مادہ ہو۔

محترم قارئین ! یہ کہانی ہمارے وطن عزیز ہماری دھرتی ماں ہماری ارض پاک اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہے جسے انہوں نے اس بے دردی سے جھنجھوڑا ہے کہ اب اس سے اٹھنا محال ہو چکا ہے۔ اتنے زخم لگائے ہیں کہ خون کی کمی سے نقاہت و کمزوری اس کے انگ انگ سے ہویدا ہے۔ ملک پاکستان کے اشرافیہ نے اس کی حالت ایسے کردی ہے کہ خاکم بدہن اب گرا کہ تب گرا۔ اشرافیہ نے اپنے دوزخ بھر لئے ہیں اور بھرتے جارہے ہیں اور جہاں تک ہو سکے گا وہ اسے کمزور کرتے رہیں گے اس کے بعد اشرافیہ کے ماشیئے اور پاشیئے باری کے منتظر ہیں اور بیچ درمیان میں کبھی کبھی منہ مار کر جتنا ہو سکے حصہ نکال کھاتے ہیں اور بالکل اسی طرح ایک لمبی قطار ہے جو کہ باری کی منتظر ہے اور جس کا داؤ لگتا ہے کسر نہیں چھوڑتا

ہمارے آباؤاجداد جنہوں نے اپنے خون و پسینے سے جس کی آبیاری کی تھی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کیا میں ہجرت کے وقت کی کچھ نایاب تصاویر دیکھ رہا تھا جو تقسیم کے وقت کی ایک پوری کہانی بیان کرتی ہیں کہ کس طرح ہمارے آباؤاجداد مملکت خداداد کیلئے کس کس آزمائش میں مبتلا ہوئے کیسے انہوں نے صعوبتیں برداشت کیں کون کون سی تکالیف کو سہا غم والم کی کون کون

سی راہ گزر سے سفر کیا کیسے پیاروں کو قربان کیا عصمتیں لٹوائیں کیسے اپنے لخت جگروں کو تہہ و تیغ کروایا یہ تصاویر بہت کچھ بیان کر رہی تھیں لیکن یہ سب سوچنے والوں محسوس کرنے والوں کیلیۓ تھیں جنہوں نے سوچا تھا کہ

خون جگر دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

یقینا انہوں نے قسم کھائی تھی اور اس قسم کا حق بھی ادا کیا اس کے تحفظ و سلامتی کیلیۓ خون جگر بھی نچھاور کیا اور اب جنرل راحیل شریف اس حق کی ادائیگی کیلیۓ میدان عمل میں نکل آئے ہیں انہوں نے ملکی خوشحالی ترقی امن وامان کیلیۓ علم جہاد بلند کر دیا ہے پوری قوم کی نگاہیں ان پر مرتکز ہیں امید خواہشیں پروان چڑھ رہی ہیں بہتری اور امید کی کرنیں پھوٹنا شروع ہو گئی ہیں ۔ لیکن کیا کیجئے اس قوم کے میر جعفر و میر صادق کا کہ جنہوں نے اپنی تجوریاں بھرنے کی خاطر اپنے ہی ملک کو اغیار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے خود ان کی آغوش میں جا گرے۔ عیش و مستی میں اپنی اقدار گنوا بیٹھے۔ یہ بیوقوف، نااہل ،ناکارہ اور ہوس کے پرستار لوگ یہ نہیں سمجھنے کی کوشش کرتے کہ جس ملک کا تم سودا کر رہے ہو جس کی وجہ سے تمہیں سر آنکھوں پر اغیار بٹھا رہے ہیں اگر خدانخواستہ، خدانہ کرے یہی نا رہا تو تمہاری حیثیت ، تمہاری اوقات کیا ہوگی۔ تمہاری اوقات ان کتوں کی طرح ہوگی جو نہ گھر کے ہوتے ہیں

اور نہ گھاٹ کے۔اس لئے اپنی روش تبدیل کیجئے۔ جنرل راحیل شریف افواج پاکستان کا ساتھ دیجئے اور قائد اعظم و اقبال کی روح کو یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

قصور واقعہ ! قوم لوط کو بھی شرماگیا

100 بچوں کا قاتل جاوید اقبال ایک درندہ صفت شخص چند سال قبل منظر عام پر آیا جس نے سفاکیت کی انتہا کرتے ہوئے کم و بیش 100 بچوں کے سات جنسی زیادتی کی اور پھر انہیں مختلف انداز میں مختلف اوقات میں قتل کردیا کسی کی لاش کے ٹکڑے کرکے بہادیئے تو کسی کو تیزاب کے ڈرم میں ڈال کر گلادیا جب وہ گرفت میں آیا اوراس کی کہانی منظر عام پر آئی تو پورے ملک میں خوف وہراس کی فضا قائم ہو گئی ماؤں نے اپنے جگر گوشوں کو اپنی گودوں میں سمیٹ لیا۔ لوگ بچوں کو باہر بھیجنے سے کترانے لگے حتی کہ سکول تک بھیجنے سے گریز کرنے لگے اور اب 2015 میں ایک پورا گینگ منظر عام پر آیا جس نے درندگی اور حیوانیت کے تمام سابقہ ریکارڈز توڑ دیئے ہی قصور کے علاقہ گنڈا سنگھ کی بستی حسین خان والہ میں کم و بیش 300 بچوں اور بچیوں کے ساتھ بدفعلی اور جنسی تشدد کا ایک گھناؤنا کھیل کھیلا گیا جس کی بازگشت 2011 سے قبل سے سنائی دے رہی تھی جس میں اس گینگ میں شامل 20 سے 25 درندوں نے علاقہ کے بچوں اور بچیوں کو ورغلا کر اپنے مخصوص کردہ مقام پر لے جانا اور پھر ان کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرنا اپنا مشغلہ وطیرہ اور کمائی کا دھندہ بنایا ہوا تھا غضب خدا کا اس قبیح عمل کی باقاعدہ ویڈیوز بنائی جاتی تھیں جس سے متاثرہ بچہ بچی کو ہراساں اور خوفزدہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے

والدین کو بھی ہراساں کیا جاتا رہا انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ والدین سے عزت
مٹی میں ملانے کی دھمکی دے کر ہزاروں روپے بھتہ وصول کیا جاتا رہا سال ہا سال کا یہ
عرصہ جہاں ان متاثرین اور ان کے والدین نے کرب ، خوف اور شرمندگی میں گزارا
وہیں وہ ان ناسوروں کی ناجائز ڈیمانڈز کو بھی پورا کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ کنگا
ل ہوگئے کچھ تو مقروض بھی ہوگئے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح ان کے بچے یا
بچی کی ویڈیو اور تصاویر مشتہر نہ کردی جائیں ان کی عزت کا جنازہ نہ نکل جائے
حقائق ، شواہد اور ذرائع بتاتے ہیں کہ اسی عرصہ کے دوران کچھ لوگوں نے دل پر پتھر
رکھ کر ان کے خلاف مقدمہ بھی درج کرانے کی کوشش بھی کی جسے پولیس نے بااثر
ملزمان سے مل کر ''روایتی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے'' معاملات کو دبادیا اور سائلین
کو دھکا کر بھگادیا اور ایس ایچ او تھانہ گنڈا سنگھ حق نمک ادا کرتے ہوئے عام طور پر
شکایات کیلئے آنے والوں کی وڈیوز بنالیتا اور پھر یہی گینگ کو دے دی جاتی تھی تاکہ ان
مدعیان پر دباؤ ڈال کر انہیں مقدمات کے اندراج کی طرف نہ آنے دیا جائے ۔یہی وجہ
ہے کہ گذشتہ چند واقعات پر نوٹس نہ لینے، ملزمان کو پروٹوکول دینے، کیفر کردار تک نہ
پہنچانے اور چھوٹ دینے کی پاداش میں انہیں اتنی ہلہ شیری ملی کہ وہ باقاعدہ ایک
گینگ کی شکل میں منظم ہوگئے اور بااثر سیاسی گرگے ان کے سرپرست بن گئے جنھوں نے
قوم

لوط کو بھی شرمادیا۔

وزیر اعظم پاکستان نواز شریف اور وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف نے اس واقعہ کا نوٹس لے لیا ہے اور ملزمان کو کیفر کردار تک پہنچانے کی ہدایت بھی کی ہے واقعہ میں ملوث اور غفلت برتنے والوں اہلکاروں کے تعین اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کی ہدایات بھی جاری کیں اسی طرح ایک جوڈیشل کمیشن کی فارمیشن کے احکامات بھی صادر فرمائے لیکن ہائی کورٹ نے منع کردیا اور سیاسی افراد کو بھی منظر عام پر لانے کی بات کی۔ یہ سب ہدایات اور احکامات نہایت ہی مستحسن اقدام ہیں اور یقینا اس میں وزیر اعلی پنجاب کی کوئی بدنیتی بھی شامل نہ ہے لیکن کیا کیجئے اس سسٹم کا اور اس میں موجود کالی بھیڑوں کا اور ان کی ذہنی و جسمانی خرابیوں کا کسی بھی معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لیتے اور دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ صاحب کے جانے کے بعد وہی روایتی، سستی غفلت کا مظاہرہ روٹین کی بات بن جاتی ہے صرف ایک یا دو دن خوب ہلچل ہوتی ہے گرفتاریاں عمل میں لائی جاتی ہیں اہلکاروں کے تبادلے کر دیئے جاتے ہیں پھر رات گئی بات گئی کی کہاوت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاملے کو طول دے دیا جاتا ہے جیسے کہ تازہ ترین رپورٹ میں بھی آئی جی پنجاب آر پی او شیخوپورہ، رانا ثناء اللہ جیسے لوگ اسے زمین کے تنازعے سے تشبیہ دے رہے ہیں کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح دوسروں معاملات میں ہوتا ہے کہ زمین کا تنازعہ ہوتا ہے

اور اسے عورت کی عزت پر حملہ کا رنگ دے دیا جاتا ہے عورت کو قتل کر دیا جاتا ہے اور اسے عزت کے نام پر قتل سے تشبیہ دے دی جاتی ہے۔ جی ہاں ایسا بھی ہوتا ہے لیکن اس طرح بالکل نہیں ہوتا کہ زمین کا تنازعہ ہو اور اپنے بچوں کی غیر فطری فعل کی ویڈیوز بنا کر اسے اچھالا جائے۔ محترم صاحبان ذرا ہوش کے ناخن لیں بالفرض اس میں زمین کا تنازعہ بھی ہے تو پھر ان ویڈیوز کے وجود کا انکار کیسے کریں گے کیسے ان کو جھٹلائیں گے پھر یہ کوئی ایک یا دو بچوں کے ساتھ کا معاملہ نہیں ہے سینکڑوں کی تعداد ہے متاثرین کی اور ان ویڈیوز کی جو قبضہ میں لی گئی ہیں جن کا فرانزک ٹیسٹ کرایا جائیگا حقیقت دراصل برعکس ہے کہ ان میں ایک ایم پی اے صاحب کے کوئی قریبی عزیز بھی شامل ہیں کہ جن کو بچانے کیلئے حقائق کو توڑ مروڑ کر مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے

ہمارے ملک بلکہ دنیا بھر میں ایسا ہوتا ہے کہ جس معاملے کو لٹکانا ہو تو اسے طول دیتے جائیں جوں جوں معاملہ شیطان کی آنت کی طرح طوالت پکڑتا جائیگا توں توں اس پر گرد پڑتی جائیگی اور وہ وقت کی طویل مسافت کی گرد میں دھندلا جائیگا لیکن اس جنسی سیکنڈل میں ملوث تمام ملزمان ان کے سہولت کار ان کے سپورٹرز اور پولیس ملازمین کو یہ جان لینا چاہئے کہ یہ ظلم ہوا ہے قوم لوط کا عمل دہرایا گیا ہے آپ کو یقینا معلوم ہوگا کہ جب اللہ تعالی کا عذاب قوم لوط پر نازل ہوا، آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی زمین کے اس ٹکڑے

کو فرشتوں نے کاٹ لیا اور پھر اٹھا کر پلٹ دیا اور پوری قوم لوط نیست و نابود کردی گئی اور سب سے اہم بات کہ لوط علیہ السلام کی بیوی جو کہ اپنے شوہر لوط علیہ السلام کی باتوں پر اور اللہ کے عذاب پر یقین نہیں رکھتی تھی اسے بھی ساتھ ہی لپیٹ دیا گیا۔ لہٰذا اس میں ملوث افراد اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں مزید یہ کہ سہولت کار سرپرستی کرنے والے ہلہ شیری دینے والے پولیس ملازم ایک اہلکار سے لے کر آر پی او تک جو کہ اپنی ڈیوٹی کے باوجود غفلت کا مظاہرہ کرتے رہے وہ بھی استغفار طلب کریں اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ملوث و مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے توانائیاں صرف کریں اسی میں سب کی بھلائی ہے

پارلیمنٹ عوام سے ہے اور عوام فوج کے ساتھ ہے

لوگ بڑے پر جوش تھے، جذبے ان کی حرکات و سکنات سے عیاں تھے، ولولہ ان کے انگ انگ سے جھلک رہا تھا ان میں ہر قسم ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے بچے بوڑھے نوجوان اڈھیر عمر مرد و خواتین ہر کسی کے چہرے سے حقیقی خوشی نمایاں تھی ہر دوسرے شخص کے ہاتھ میں سبز ہلالی پرچم تھا بچوں نے اپنے چہروں پر سبز و سفید رنگ سے پرچم پینٹ کروائے ہوئے تھے۔جی ہاں یہ 14 اگست 2015 کے مناظر تھے اور ملک بھر کے تمام بڑے چھوٹے شہروں قصبوں دیہاتوں میں ہر سال کی نسبت لوگوں میں وطن سے محبت کا جذبہ بہت زیادہ موجزن تھا آدم بیزار قسم کے لوگ بھی ان میں شامل تھے اور انکے چہروں سے بھی خوشی ہویدا تھی اس کے ساتھ ساتھ ملکی پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا پر اس بات کا برملا اظہار ہوتا رہا کہ اس مرتبہ 14 اگست جشن آزادی کہیں زیادہ بھرپور انداز میں منایا جارہا ہے۔ میں نے چند دوستوں اور لوگوں سے اس بابت دریافت کیا کہ واقعی ایسا ہے اور اگر ایسا ہے تو اسکی کیا وجہ ہے تو اکثریت نے کہا کہ ہاں 2015 کا جشن آزادی تقریبا دو عشرے کے بعد اس انداز میں منایا جارہا ہے اور اس کا تمام تر کریڈٹ افواج پاکستان اور جنرل راحیل شریف کو جاتا ہے آپریشن ضرب عضب، کراچی میں ملک دشمن عناصر کے خلاف رینجرز کا آپریشن کلین

اپ اور اب ایپکس کمیٹی کے تحت نیشنل ایکشن پلان نے ملک کی کایا ہی پلٹ دی ہے۔ ٹارگٹ کلنگ کا دور دورہ ہو کہ بھتہ خوری کا عفریت، بوری بند لاشوں کا خوف ہو کہ بم بلاسٹ اور خود کش دھماکوں کی بھرمار، ڈکیتی یا کہ قتل و غارت کا طوفان بد تمیزی سب نے ملک کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا نظام زندگی مفلوج تھا کاروبار زندگی معطل تجارت پر جمود اور معیشت پر تنزلی کے بادل چھائے ہوئے تھے حتی کہ سرکاری ملازم بھی مستقبل کے حوالے سے گومگو کی کیفیت کا شکار تھے سب کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا ایسے میں جنرل راحیل شریف تپتی دھوپ کے صحرا میں ہوا کے خوشگوار جھونکے کی مانند آئے اور جیسے ہی آرمی کی کمان سنبھالی کہ تمام مذکورہ بالا مسائل نام نہاد جمہوریت کو چھیڑے بغیر حل کی طرف لوٹنا شروع ہو گئے۔ عوام کا یقین و اعتماد پاک افواج پر مزید گہرا اور پختہ ہوتا گیا جنرل راحیل شریف نے ملکی حالات کے پیش نظر اور عوام کی بے بسی و لاچاری جبکہ حکمرانوں کی بے حسی نا اہلی کو دیکھتے ہوئے کچھ سخت اقدامات اٹھانے کی ٹھان لی اور ملک و قوم کے بہترین مفاد میں منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہوئے تو مسائل کے انبار بالخصوص عوام سے متعلق کم ہونا شروع ہو گئے تو ملک دشمن عناصر اور قوتوں کو اس پر بڑی تکلیف ہوئی۔ پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے، جمہوریت کے جمورے بے چینی سے پاسے (کروٹ) بدلنے لگے، اٹھتے

بیٹھتے سوتے جاگتے ان کے دماغوں پر جنرل راحیل شریف اورافواج پاکستان کا غلبہ ہوگیا دوسرے لفظوں میں انہیں فوج فوبیا ہوگیا۔اب ان کی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس ادارے کو بدنام کیاجائے ۔اس میں آصف زرداری کی بھڑک ،خواجہ آصف کی چٹکی الطاف حسین کی اول فول، ایم کیو ایم کی ہرزہ سرائی،حکومتی گماشتوں کی بطور پاکستانی، ملک دشمن عناصر کاافواج پاکستان پر وار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیااور اب سب سے تازہ ترین مثال مشاہداللہ کی جانب سے کی گئ فضول اور لغو گفتگواور انٹرویوہے جو کہ بی بی سی کو دیاگیا جس میں موصوف نے جنرل ریٹائرڈ ظہیر الاسلام سابق ڈی جی آئی ایس آئی پر الزام لگایاکہ وہ دھرنے کے دووران میں حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اوراس کی آڈیو بھی موجود ہے جو کہ وزیر اعظم کو بھی سنائی گئ وغیرہ وغیرہ

محترم قارئین ! اصل میں کچھ لوگوں کی سرشت میں یہ بات معیوب نہیں گردانی جاتی ہونا ہے کوئی بھی (in) کہ بدنام ہونگے تو کیا نام نہ ہوگاہم نے بس میڈیا میں ان فضول اور بے سروپا بات کرکے ہواجائے یا کو کوئی بھی الٹی اور غیر اخلاقی حرکت اور خوش اسلوبی سے چل رہے تھے smooth کرکے۔14 اگست کے معاملات بالکل اور موصوف کو یہی بات ہضم نہیں ہوئی اور ایک شرلی چھوڑ دی اور پھر تاویلیں اور دلیلیں شروع کہ میں نے یوں کہا تھااور یوں نہیں کہا میرا مطلب

تو یہ تھا ایسے تو میں نے نہیں کہا۔ یہ اور اس قماش کے لوگوں کے پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے کہ اگر ملک میں کوئی عوامی فلاح و بہبود کا کام شروع ہو جائے۔ خود کچھ کرنا نہیں دوسروں کے اچھے کام سے تکلیف میں مبتلا ہو کر اول فول بکنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر پارلیمنٹ کی دھمکی بھی ساتھ دیتے ہیں لیکن نہ جانے وہ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ پارلیمنٹ اور ان سب کا وجود عوام سے ہے عوامی طاقت 'ووٹ' سے یہ اس قابل ہوتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں جا سکیں اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بھی راسخ ہو جانی چاہیے کہ پارلیمنٹ عوام سے ہے اور عوام تن من دھن کے ساتھ افواج پاکستان کے ساتھ ہے لہٰذا اگر اپنا وجود برقرار رکھنا چاہتے ہو تو عوامی امنگوں کی ترجمان اور پاسدار وطن و دل و جان سے قبول کرنا ہوگا۔

ٹاک تھراپی - Talk Therapy

سگمنڈ فرائیڈ وہ پہلے ماہر نفسیات ہیں جنھوں نے کسی بھی مسئلے بالخصوص منفی رویوں کو حل کرنے کیلئے گفتگو سے علاج (Talk therapy) باالفاظ دیگر Psychotherapy کا طریقہ متعارف کرایا۔ ان کے مطابق باتوں ہی باتوں میں سوچ کے زاویے تبدیل ہوتے ہیں بات کی وضاحت سے کسی بھی مسئلے کو حل کی طرف لانا نہایت حد تک آسان ہوجاتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی بھی منفی رویوں سے منفی رجحانات کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہمیشہ مثبت سوچ ہی منفی رویوں کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بدی کو بدی سے ختم کرنا اسے پروان چڑھانے کے مترادف ہے لیکن اس میں فریقین کو میں نہ مانوں کی رٹ سے بالاتر ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد، مفکرین اور دانشوروں کا بھی یہی شیوہ اور وطیرہ رہا ہے کہ بدی اور شر کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ نیکی کا عام کرنا ہے الفاظ کا چناؤ لہجہ اور انداز گفتگو بہت سے منفی خیالات کو مثبت سوچ میں تبدیل کرنے کا آسان اور تیز ترین ذریعہ ہے بشرطیکہ اس میں خلوص نیت شامل ہو اور منافقت سے پاک ہو۔

ایم کیو ایم کے استعفی اور پھر ان کی اسمبلیوں میں واپسی کیلئے حکومتی سطح

پر اور سیاسی زعما کی جانب سے مذاکرات کے ذریعے معاملات کو حل کرنے کوشش کی جارہی ہے جس میں وزیراعظم پاکستان نواز شریف کا کراچی دورہ توایم کیوایم اور الطاف حسین کی امید پر پانی پھیر گیا اب مولانا فضل الرحمٰن کا مرکزی کردار رہ گیا ہے جس کے تناظر میں مولانا نے نائن زیرو کا دورہ بھی کیا جو الٹا ان کے اپنے گلے پڑ گیا اور ان کی جماعت کے سینئر ارکان اس معاملے پر ان سے ناراض ہوگئے یعنی نیکی گلے پڑ گئی۔ ایم کیو ایم مانتی ہے یا نہیں اس سے قطع نظر مولانا کو پہلے اپنے لوگوں کو اعتماد میں لینا چاہئے تھا دوسرے یہ کہ کیا مولانا کے پاس ایسا کوئی اختیار ہے کہ ان سے مذاکرات میں طے پانے والے کسی بھی فارمولے پر عملدرآمد کرا سکیں ان کی ڈیمانڈز کو پورا
کرسکیں۔بقول تجزیہ کاروں کے فوج کی مشاورت اور اجازت کے بغیر کوئی بھی مذاکراتی عمل پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا بالخصوص الطاف حسین کے حوالے سے جنھوں نے جابجا افواج پاکستان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی اور معافی مانگنے کے ڈرامے کے باوجود اپنی بے ہودہ روش پر ابھی تک اڑے ہوئے ہیں ایسی صورت حال میں ایم کیوایم کی بے سروپا شرائط کو پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں دی جارہی ہے
مزید یہ کہ مولانا فضل الرحمٰن اس معاملے کو چھوڑ کر فی الحال اپنی نبیڑیں ایسا نہ ہو کہ ان کا بھی ایک دھڑا الگ ہوجائے اور ویسے بھی اس وقت ایم کیو

ایم اور الطاف حسین کی ہرزہ سرائی جس نہج پر پہنچ چکی ہے وہاں پر سگمنڈ فرائیڈ کی تمام کوششیں بھی بے سود دکھائی دیتی ہیں۔کچھ لوگ کچھ معاملات اور کچھ معمولات ایسے ہوتے ہیں کہ جو تمام مثالوں خیالات افکار سے مبرا ہوتے ہیں جن پر کوئی کہاوت صادق نہیں آتی بعینہٖ صورت حال الطاف حسین کی ہے جنہیں اپنے مفادات اپنے اختیارات اپنے عہدے عزیز ہیں انہیں نہ تو پاکستان کی سالمیت کی فکر ہے نہ ہی قوم کی اور کراچی سے ان کی محبت کے ثبوت بھی دنیا جان چکی ہے کہ صرف اور صرف اپنی ذات کے فائدے کی بات چاہتے ہیں حکومت میں شامل ہونا حکومت کی مخالفت کرنا حکومتی بنچوں پر بیٹھنا حزب اختلاف کے ساتھ مل جانا کبھی ماشہ کبھی تولہ تو ایسے لوگوں کیلئے ڈنڈا ہی سب سے بہترین اور موثر ٹول ثابت ہوتا ہے رشید گوڈیل والے معاملہ کے تانے بانے بھی انہیں لوگوں سے ملتے دکھائی دے رہے ہیں۔ نعوذ باللہ ! آپ فرعون بن بیٹھے ہیں کہ جو آپ کی بات نہیں مانتا ملک و قوم کے خلاف نہیں جانا چاہتا ان کیلئے بوری بھیج دی جاتی ہے۔ بہرحال سگمنڈ فرائیڈ سے معذرت کے ساتھ یہاں پر متشدد منفی رویوں کو کچلنے کیلئے ہاتھ کی انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔ بہرحال بڑی احسن بات ہے حکومت چاہتی ہے کہ ایم کیو ایم اس طرح مستعفی نہ ہو اس میں ملکی مفادات پر بھی زد پڑتی ہے۔ ری الیکشن کی صورت میں وقت اور پیسے کا ضیاع بھی ہے اور سیاسی کشیدگی بڑھنے کے بھی واضح امکانات موجود ہیں جس کی وجہ سے عوام براہ راست متاثر ہونگے۔ لہٰذا ان سب معاملات کے پیش نظر

ایک بہترین عمل ہے (talk therapy)ڈائیلاگ

وکٹ نہیں گرنی چاہئے!

گذشتہ دنوں راقم الحروف نے جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کے حوالے سے ایک کالم بعنوان ''زبرزیر خود لگالو'' تحریر کیا جس میں کمیشن کی غیر مبہم اور غیر واضح رپورٹ کے حوالے سے ایک واقعہ تحریر کیا تھا مختصراً عرض کرتا ہوں کہ ایک فاتر العقل شخص کسی بھی جگہ کسی بھی اونچے مقام پر براجمان ہو کر اپنی خود ساختہ تقریر شروع کردیتا اور جو منہ میں آتا بولے جاتا لوگ بھی جمع ہو جاتے تقریر کے اختتام پر کہتا کہ میری بات سمجھنے کیلئے زبرزیر خود لگالو۔ اب ایاز صادق سپیکر قومی اسمبلی کے حلقے این اے 122 کے حوالے سے الیکشن ٹریبونل نے زبرزیر لگا کر عوام کی عدالت میں پیش کردیا اور الیکشن کو کالعدم قرار دے دیا جس کی وجہ سے سردار ایاز صادق کو اپنے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بقول عمران خان کے دو وکٹس وہ گرا چکے ہیں تیسری وکٹ این اے 154 کی گرانے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ جہانگیر ترین اور صدیق بلوچ کے مابین الیکشن میں صدیق خان بلوچ پر جہانگیر خان ترین نے صدیق بلوچ پر دھاندلی اور ڈگری جعلی ہونے کا الزام عائد کیا جس کا فیصلہ ایک طویل سماعت کے بعد آج 26 اگست بروز بدھ کو عدالت سنائے گی جس میں حالات و واقعات کے مطابق صدیق خان بلوچ کو نا اہل قرار دیئے جانے کے واضح امکانات کی طرف اشارے کئے جارہے ہیں۔ پی ٹی آئی اور جہانگیر ترین بڑے پر امید ہیں کہ 122 کی طرح 154 کی وکٹ بھی

گرائیں گے رانا عارف مسلم لیگ ن سے جعلی ڈگری کی بنا پر نااہل ہو چکے ہیں جبکہ خواجہ آصف کا حلقہ بھی نگاہ یار میں کھٹک رہا ہے

ٹریبونل کا فیصلہ آنے کے بعد بہت سے سوالات جنم لے رہے ہیں آیا کہ ماضی میں شہباز شریف کی وزارت اعلی اور حال میں خواجہ سعد رفیق کی وزارت ریلوے کی طرز پر

پر سپیکر شپ کو بھی چلایا جائے گا اور قومی اسمبلی ایک متنازعہ سپیکر کے زیر stay عدالتی نگرانی کام کریگے۔ دوم یہ کہ ٹریبونل کا سارا ملبہ الیکشن کمیشن پر ڈالا جا رہا ہے اور ان کو اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام قرار دیا جا رہا ہے اور مستعفی ہونے کی ڈیمانڈ بھی زور و شور سے کیجا رہی ہے جبکہ کرے کوئی بھرے کوئی کے مصداق ایاز صادق کو نا اہل ہونا پڑا۔ تو کیا الیکشن کمیشن کی مجرمانہ غفلت پر انہیں کوئی سزا مل سکے گی۔ اور وہ لوگ ان کا تعلق پی پی پی سے ہو کہ پی ٹی آئی یا کہ ن لیگ سے اس سے متاثر ہوئے ہیں مل سکے remedy ان کے کیریئر پر داغ لگے ہیں کیا ان کا ازالہ ہو سکے گا ان کیا گی۔ بقول عمران خان کے نادرا نے انگوٹھوں کی شناخت و تصدیق کیلئے کم و بیش 26 لاکھ روپے طلب کئے ہم نے ادا کئے لیکن نادرا آج تک انگوٹھوں کی تصدیق نہ کرا سکا ان روپوں کا سٹیٹس کیا ہو گا کیا وہ رقم انہیں واپس مل پائے گی۔ اسی ضمن میں گذشتہ روز پنجاب الیکشن کمیشن کے ایک رکن جسٹس (ر) ریاض کیانی کا کہنا تھا کہ عمران خان بادشاہ آدمی ہیں کچھ بھی کہہ

سکتے ہیں لیکن ہمارا کام تو قانون سازی پالیسی اور لائحہ عمل مرتب کرنا ہے اصل کام تو آر اوز اور پریذائڈنگ آفیسرز کا تھا کہ وہ الیکشن کو شفاف اور میرٹ پر کراتے۔اگر کیانی صاحب کی بات کو بڑا کیا جائے اور پی ٹی آئی کے شروع دن کے موقف کو بھی شامل کرلیا جائے کہ آر اوز اس دھاندلی اور بد نظمی میں اول تا آخر شریک ہیں تو کیا ان آر اوز اور پریذائڈنگ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکے گی۔کیا کوئی عدالت ان کو سزوار ڈکلیئر کریگی۔یا کم از کم جن حلقوں پر الیکشن کمیشن جوڈیشل کمیشن اور الیکشن ٹریبونل نے سوالیہ نشان لگادیئے ہیں ان حلقوں کے آر اوز کو کٹھرے میں لایا جاسکے گا جنھوں نے نہ صرف اپنے فرائض سے غفلت برتی بلکہ ملک و قوم کا وقت اور پیسہ بھی برباد کرایا۔پولنگ بیگز کا بغیر مہر کے ہونا ووٹوں کی پرچیوں کا بغیر نشان انگوٹھا ہونا ہزاروں ووٹوں کا غیر تصدیق شدہ ہونا اضافی بیلٹس پیپرز کا استعمال کرایا جانا وغیرہ کے ذمہ داروں کا تعین کون کریگا اور کو ان کو اس غفلت پر سزا و جزا کا مستحق ٹھہرائے گا۔ویسے بھی عدلیہ ہمارے ملک کا ایک ''مقدس'' محکمہ ہے اس کے خلاف بات کرنے بلکہ سوچنے پر بھی پابندی عائد ہے لیکن انتہائی معذرت کے ساتھ کیا مذکورہ بالا حقائق اور رپورٹس کے سامنے آنے کے بعد اس مقدس محکمے اور اس سے متعلقہ افراد کے تقدس پر سوالیہ نشان نہیں لگے ججز بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان بہرحال غلطی کے پتلے ہوتے ہیں

بہر حال محترم چیف جسٹس آف پاکستان خواد ایس خواجہ نے جس طرح اپنے عدالتی فرائض کے دوران اور منصب سے عہدہ برآ ہوئے ہوتے بہت سی مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر ماضی میں پاکستانی تاریخ میں نہیں ملتی جیسا کہ اردو کے نفاذ کا معاملہ، ملٹری کورٹس کا سلسلہ، ٹیکسٹ بکس میں غلطیوں کی بھرمار اور پروف ریڈنگ کے حوالے سے ایکشن غیر ضروری پروٹوکول کا نہ لینا۔ بلٹ پروف گاڑی کا نہ لینا وغیرہ۔ اسی طرح وہ عدلیہ کے تقدس اس کی تکریم و تعظیم اور وقار کے حوالے سے بھی کوئی ایسی روایات قائم کریں کہ یہ محکمہ اور اس سے متعلقہ افراد پر انگلیاں اٹھنا بند ہو جائیں اور لوگ صدق دل سے قاضی وقت کی تعظیم کریں نہ کہ طاقت اور خوف سے ڈر سے۔

المختصر پہلی دوسری تیسری چوتھی پانچویں وکٹس گر چکی ہیں اور گرنے والی ہیں تو ایک ایسا نظام وضع ہونا چاہئے کہ اس میدان میں جو شخص بھی کھیلنے کیلئے آئے تو اس کی وکٹ اپنی مدت پوری کرنے کے بعد ہی گرے وہ ایمانداری اور حقیقی عوامی طاقت سے منتخب ہو کر آئے تاکہ کسی بھی الزام کے تحت اسے پویلین نہ جانا پڑے۔

......مشرق وسطی میں پاکستان کی اہمیت

پچھلے دنوں انڈین پرائم منسٹر نریندر مودی کے حوالے سے سرچ انجن گوگل پر، سوشل میڈیا پر بعد ازاں پرنٹ والیکٹرانک میڈیا پر ایک معلومات شیئر کی گئی کہ ایک سروے کے مطابق نریندر مودی کو دنیا کا احمق ترین (stupid) وزیر اعظم ڈکلیئر کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کی بڑی جگ ہنسائی بھی ہوئی۔اس میں ان کے اپنے کرتوت اور اپنے آپ کو expose کرنے کے طریقے کہ کبھی اپنے سوٹ پر اپنا نام پرنٹ کروانا کبھی یوگا کی کلاس دینا وغیرہ بھی شامل حال رہا مگر اس احمق ترین وزیر اعظم نے پاکستان اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے حوالے سے کبھی بھی کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ پاکستان کو رسوا کرنے کے منصوبے بنائے ان میں تازہ ترین اور دانشمندانہ اقدام عرب امارات کی طرف قدم اٹھانا ہے اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ہے جب پاکستان کے دیرینہ دوست اور وزیر اعظم کو سیاسی پناہ دینے والے ملک سعودی عرب پر یمن کے معاملے پر پاکستانی گورنمنٹ نے جھنڈی کرادی اور اپنے آپ کو غیر جانبدار ہونے کا اعلان کیا تو انڈیا نے فورا اس خالی جگہ کو پر کرنے کیلئے لیبک یا اخی کہہ کر مودی کو عرب امارات روانہ کیا جہاں پر عرب شیوخ نے نہایت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور بھارتی وزیر اعظم کو ایک سٹیڈیم میں ہندو کمیونٹی کے سامنے پاکستان کے خلاف زہر اگلنے کی

کھلے عام اجازت دے دی۔ یہ فعل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اگر پاکستان اپنی صلاحیتوں کو دوست ممالک کیلیئے بروئے کار نہیں لا سکتا تو پھر بھارت کو اپنا حامی بنانے میں کو امر مانع نہیں ہونا چاہیئے

بھارت کا مذاکات سے فرار اور کشمیر ایشو کو پس پشت ڈالنے کی تجویز دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اب بھارت کو خطے میں امن کیلیئے پاکستان کی طرف دیکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔اگرچہ پاکستانی حکومت اور سرتاج عزیز نے اقوام متحدہ میں پاکستان میں ' را' کی در اندازی اور دخل اندازی کے نا قابل تردید ثبوت بھی پیش کیۓ۔دہشت گردانہ کارروائیوں اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے واضح شواہد بھی اقوام متحدہ میں منظر عام پر لائے گئے جس بنا پر پاکستان کو ہمدردیاں سمیٹنے کا مواقع بھی میسر آئے۔مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ پاکستان نے مشرقی وسطی میں اپنے وقار اور اہمیت پر سوالیہ نشان چھوڑ دیئے ہیں اور مستقبل میں یہ سوالیہ نشان جگہ جگہ ہمارا پیچھا بھی کریں گے مثلا اس کا اثر پاک چین راہداری پر بھی پڑے گا ایران سے تعلقات بھی غیر مستحکم ہونے کے خدشات بڑھ گئے ہیں اسی طرح ریاض کابل ابو ظہبی بھی پاکستان کے حوالے سے اپنی سابقہ پالیسیوں پر نظر ثانی کر رہے ہیں یہ ایک نہایت ہی گھمبیر مسلہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جو مقام پاکستان کو عرب ممالک میں حاصل ہے اسے کسی طور بھی بھارت حاصل نہیں کر سکتا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری

خارجہ پالیسیوں پر کمزور گرفت قوت فیصلہ کا نہ ہونا کسی بھی پالیسی کو بروقت نافذ العمل نہ کرنا لیت و لعل سے کام لینا بھی ہماری کمزور سفارت پر دلالت کرتا ہے۔

پاک ہند تعلقات گذشتہ چھ عشروں میں کبھی بھی اس قابل نہیں رہے کہ ان پر اظہار اطمینان کیا جاسکے یا پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاسکے۔ اس طویل عرصے کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان چار جنگیں لڑی جاچکی ہے جن پر سوائے افسوس کے کوئی چارہ نہ ہے اور یہ جنگیں تاریخ میں پستی اور تنزلی کے طور پر تحریر کی گئیں ہیں۔ دوپڑوسیوں کا اس طرح باہم دست و گریباں ہونا ایک دوسرے پر فوج کشی کرنا اور ایکدوسرے کو موردالزام ٹھہرانا ہردوفریقین کیلئے وبال بن چکا ہے جس کی وجہ سے دونوں ممالک اپنے عوامی مسائل کے حل کی جانب کبھی بھی یکسوئی اور دل جمعی سے توجہ مبذول نہ کرسکے۔ گذشتہ دنوں دونوں جانب سے قومی سلامتی کے مشیروں کی میٹنگ کا نہ ہونا بھی محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ بہت سے واقعات کے نقطہ عروج کا شاخسانہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ میڈیا پر یہ خبر ہاٹ ایشو کے طور پر شائع اور نشر کی جارہی ہے۔ جن واقعات نے حالیہ میٹنگ کو سبوتاژ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ایک تو مسئلہ کشمیر ہے دوسرا انڈیا کی جانب سے لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر مسلسل اور بلااشتعال فائرنگ ہے اور اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ انڈین آرمی کے ہیلی کاپٹرز کی

انتہائی نیچی پروازیں بھی ان مذاکرات میں خلیج ڈال گئیں جبکہ ششما سوراج کا تعصبانہ بیان بھی ان مذاکرات کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا جس میں انہوں نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف اور صرف دہشت گردی کے حوالے سے بات کی جائے۔ نہایت احمقانہ اور بیوقوفانہ عمل اور رویہ ہے اور حد اعتدال کو روندنے کی ہٹ دھرمی سے بھرپور کوشش ہے اور جو لب و لہجہ استعمال کیا گیا وہ نہ تو سفارتی تھا اور نہ ذمہ دارانہ۔ ایسی بے اعتدالیوں کی بنا پر کیسے باہمی اعتماد و اعتبار پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں سرتاج عزیز کا دو ٹوک اور خوشامد سے عاری بیان بھی انڈیا کی توقعات پر پانی پھیر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ روابط کی کڑیاں مربوط ہونے کی بجائے از سر نو ٹوٹنے لگی ہیں۔

پاک وہند تعلقات کی اب تک کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ملاقاتوں پر عداوتیں حاوی رہیں اور کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مذاکرات عداوتوں کے خاتمے کی جانب گامزن ہوئے لیکن بڑھتے بڑھتے پھر عداوتوں اور نفرتوں سے منتج ہوئے۔ ہر دو فریقین کے درمیان یہ کشیدہ صورت حال اس وقت ہی ختم یا کم ہو سکتی ہے جب اعتبار و اعتماد کو پروان چڑھانے کی منافقت سے پاک کوشش کی جائے۔ بغل میں چھری منہ میں رام رام کے مصداق ایک طرف بھارت مذاکرات کے ڈھونگ کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے دوسری طرف را کی مدد سے اپنی دہشت گردانہ کاروائیوں کو بھی روبہ عمل لا رہا ہے گذشتہ روز بھی چار 'را' کے دہشت گرد پکڑے گئے ہیں اور باقاعدہ

ثابت ہو چکے ہیں کہ ان کو فنڈنگ بنکوں کے ذریعے انڈیا سے ہو رہی تھی اور وہ پاکستان دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھے اسی طرح گذشتہ رات کندن پور اور قرب جوار کے گاؤں پر مارٹر گولوں کی بارش فائرنگ سے نہتے اور بے گناہ شہریوں کی شہادت بھی بھارت کی مذاکرات کی حمایت اور دہشت گردی کی مخالفت چیخ چیخ کر بیان کر رہی ہے یعنی چور بھی کہے چور چور چور۔ بہر حال یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ یہ تنازعات اور عدواتیں نہ تو پاکستان کے مفاد میں ہیں اور نہ ہی بھارت کے اور آخر الذکر کو بھی اتنی ہی سنجیدگی اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہئے جتنا کہ پاکستان کی جانب سے ہوتا ہے۔یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ تمام بڑی چھوٹی ملک دشمن سرگرمیاں اور وارداتیں اتنی نقصان دہ ثابت نہیں ہوتی جتنا کہ جانی و مالی نقصان کے طور پر دکھائی اور سنائی دیتا ہے بلکہ یہ اعتماد و اعتبار کے دامن کو اس طرح چھیدتی ہیں کہ ان پر پیوند بھی کارگر ثابت نہیں ہوتے۔انڈیا کی منافقانہ روش کے ساتھ ساتھ اپنے رویوں اور معاملات پر بھی نظر ثانی کرنا چاہئے کہ ہم نے کہاں کہاں پر کوتاہی ،نااہلی اور بزدلی کا ثبوت دیا ہے

65 کے حقیقی ہیرو

کوئی فلم ہو کہ ڈرامہ ، ناول ہو کہ کہانی ہیرو ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور کبھی نہیں مرتا ہیرو کو ہمیشہ ان تمام کرداروں میں غیر مرئی شخصیت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کی قوت و طاقت سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا وہ اکیلا ہی کئی کئی لوگوں پر بھاری ہوتا ہے۔
عام طور پر اس کا کردار بہادری دلیری اور نا قابل یقین ذہانت و فطانت سے بھرپور ہوتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہوتا یہ ایک تخیل ہی ہے ایک سوچ ایک اختراع جو کہ کچھ عرصہ بعد دلوں و دماغوں سے محو ہو جاتی ہے اور پھر کوئی دوسرا ورسٹائل ہیرو اس کی جگہ لے لیتا ہے۔
لیکن ! آج میں جس ہیرو کے حوالے سے یہ کالم نذر قارئین کر رہا ہوں وہ ایک حقیقی کردار کا حامل ہے اور حقیقت کے آئینے میں خداوند کریم نے اسے ماورائی طاقت سے نوازا اور اپنی اس خداداد طاقت صلاحیت ذہانت اور قابلیت کو اس نے ملک و قوم کیلئے بھرپور انداز میں استعمال کیا بر وقت استعمال کیا اور مملکت خداداد پاکستان کے دیرینہ دشمن اور میلی آنکھ رکھنے والے بھارت کے خلاف استعمال کر کے اس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ ہیرو وہ عام ہیرو نہیں تھا کہ جو کسی محبوبہ کی خاطر اپنے عشق کی چاہت میں جائز و

ناجائز کا خیال کئے بغیر قانون کی پرواہ کئے بغیر گناہگار اور بے گناہ کی تمیز کئے بغیر سب کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ جی ہاں ہمارا ہیرو وہ عظیم و حقیقی ہیرو تھا کہ جو صرف اور صرف حق و سچائی اور وطن عزیز کی خاطر لڑ گیا اور اپنی صلاحیت و قابلیت کے وہ جھنڈے گاڑے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام سنہری حروف میں لکھا جائیگا۔ وہ مرد مجاہد مرد قلندر دنیا میں ایم ایم عالم کے نام سے جانا جاتا ہے جس کا اصل نام محمد محمود عالم تھا یہ عظیم سپوت بہار کے شہر کلکتہ میں 6 جولائی 1935 میں پیدا ہوئے ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ 11 بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ذمہ داریوں کو نبھانے کا سلسلہ والد کی وفات سے شروع ہو گیا تھا اس لئے شادی بھی نہ کر سکے والد سرکاری ملازم تھے تقسیم ہندوستان کے وقت اپنے خاندان کے ہمراہ مشرقی پاکستان میں ہجرت کی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کر لی اور ہائی سکول میں داخل ہوگئے پھر 1952 میں پاکستان ایئر فورس کو جوائن کر لیا۔ 1953 میں پاک فضائیہ میں کمیشن حاصل کر لیا۔ مرد افتخار ایم ایم عالم نے تقریبا تیس سال تک افواج پاکستان میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔ دوران سروس ہی وہ عظیم الشان اور ناقابل فراموش کارنامہ سرانجام دینے کا موقع مل گیا۔ جس کی وجہ سے تمام عالم میں ایم ایم عالم کے چرچے زبان زد عام ہوگئے اور پوری دنیا میں ان کی جرات و شجاعت اور قابلیت کے ڈنکے مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک پھیل چکے تھے اور اسی چیز کو دیکھتے ہوئے بنگلہ دیشی حکومت نے فوج کا کمانڈر

انچیف بنانے کی پیش کش کردی جسے اس عظیم سپوت اور محب وطن سے بلا جھجک ٹھکرادیا اور پاکستان کی خدمت کو ہی اپنا اولین مقصد جانا۔
ایم ایم عالم 11 سکواڈرن کمانڈر نے 6 ستمبر 1965 کو جب بھارت نے رات کی تاریکی میں اپنے ناپاک ارادوں کو جامہ پہنانے کیلئے حملہ کیا تو جہاں ہماری پاک فوج نے جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کی پیش قدمی کو روکا وہاں پر ایم ایم عالم کا کردار بھارتی فوج کو مٹی چٹوانے میں نہایت اہمیت کا حامل رہا۔ انہوں نے چار جہاز مار گرائے اور جب 7 ستمبر کو بھارتی فارمیشن کے 6 جہاز سرگودھا پر حملہ آور ہوئے تو مرد آہن ایم ایم عالم نے اکیلے ہی ان کا پیچھا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈرامائی اور فلمی انداز میں 30 سیکنڈز میں بھارت کے چار فائٹر جہاز اور اگلے تیس سیکنڈز میں ایک اور جہاز کو جہنم واصل کردیا اور آپ کے حملے کی دشمن پر ایسی ڈھاک بیٹھی کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور انہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔
محترم قارئین یہ ہے وہ اصل ہیرو جو حقیقت میں ہیرو تھا ہے اور رہے گا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا یہ اہمیت و حیثیت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے عالم جدید میں بھی اس قسم کا کارنامے سرانجام دینا غیر مرئی و ماورائی قوتوں سے جوڑے جاتے ہیں اور یہ ریکارڈ کبھی نہ ٹوٹ پائے گا، یہ ہمارے صرف

ایک ہیرو کی کہانی ہے اور تاریخ پاکستان ایسے سپوتوں سے بھری پڑی ہے۔ کیپٹن سرور شہید میجر طفیل شہید میجر عزیز بھٹی شہید راشد منہاس شہید میجر شبیر شریف شہید سرور محمد حسین شہید میجر محمد اکرم شہید محمد محفوظ شہید کیپٹن کرنل شیر خان شہید لالک جان سیف علی جنجوعہ شہید سمیت بہت سے نام ہیں جنھوں نے پاکستان کی عزت و حرمت کی خاطر خود کو قربان کر دیا اور ان کی یہ لازوال قربانیاں ہی ہیں جن کی بنا پر آج ہم اپنا 50 واں یوم دفاع بھرپور انداز میں منا رہے ہیں ان شہدا کی طرح ایسے بہت سے غازی بھی ہیں جنھوں نے داستان رقم کیں ہیں اور دور موجود میں جنرل راحیل شریف اور ان کی پوری فوج ملک و قوم کیلئے اپنے خون کے آخری قطرے تک دفاع پاکستان کیلئے ہمہ وقت تیار ہے ،اپنے دشمن کو یہ یاد دلانے کیلئے کہ ہم نے اس وقت 65 میں بھی تمھیں خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا اور آج پچاس.برس بعد بھی اسی جذبے سے لیس ہیں اگر مملکت خداداد کی طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھا گیا تو ایسے سبق سکھایا جائیگا جو آئندہ سو سالوں تک زخم چاٹنے پر مجبور کرتا رہے گا۔

کسان کب خوشحال ہوگا؟

جناب والہ ! 40 ہزار روپے فی ایکڑ مستاجری ہے اور تقریبا اتنا ہی خرچہ پانی بیج کھاد سپرے لیبر پر بھی آتا ہے باالفاظ دیگر تقریبا 80 ہزار روپے فی ایکڑ خرچ آتا ہے جبکہ کپاس کی فی ایکڑ اوسط پیداوار (بہترین حالت میں) بیس سے پچیس من فی ایکڑ ہوتی ہے اگر تین ہزار روپے فی من کپاس کا ریٹ مقرر کیا جائے تو بھی 60-75 ہزار روپے انکم ہوتی ہے یعنی کے کسان اور کاشتکاروں کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا سوائے پیسے ٹائم اور توانائی کے ضیاع کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ اگر حکومتی پالیسی دیکھی جائے تو کپاس کا ریٹ 1800 سے 2000 روپے فی من ہے جس میں کسان سراسر نقصان میں ہے اور اس محاورے پر پورا اترتا ہے کہ گنجی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا۔
گذشتہ سال کی نسبت امسال کپاس کی پیداوار نہ ہونے کے برابر تھی جس کی وجہ سے ہمیں اپنے مویشی فروخت کرنا پڑے اب ہم کنگال ہو چکے ہیں اس سال بارشوں کی وجہ سے رہی سہی کسر پوری ہو گئی تمام فصلات تباہ ہو گئیں 90% کاشتکار اور کسانوں نے اپنی زمینوں میں روٹا ویٹر اور ہل چلادیا اکثریت نے اس عمل سے چھٹکارا پالیا اور تباہ شدہ کھڑی فصل جوں کی توں چھوڑ دی کہ چلو ہل کا خرچ

تو بچتا ہے اور زمینیں مالکان کے حوالے کردی کہ ہم تو لٹ چکے ہیں مستاجری ادا نہیں کرسکتے گردن تک مقروض ہوچکے ہیں اسی بناپر مالکان کی حالت بھی پتلی ہے انہیں مستاجری کی کوئی امید ہے نہ توقع۔بڑے بڑے نامور زمیندار اس مرتبہ پریشان دکھائی دیتے ہیں۔

یہ حالات ہیں جنوبی پنجاب کے کاشتکاروں کے ۔ جنوبی پنجاب جو کہ ہمیشہ سے زرعی نقطہ نگاہ سے معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے یہاں پر گندم کپاس چاول مکئی گنا اور سبزیات ملک بھر کی ضروریات کا تقریبا50 فیصد پورا کرتی ہیں اور بیرون ملک بھی ایکسپورٹ ہوتی ہیں۔کاٹن کنگ کہلانے والی یہ ساری بیلٹ فی الوقت نہایت ہی کم پرسی میں مبتلا ہے اس بیلٹ پر بسنے والے 80% افراد کا ذریعہ معاش زراعت کے گرد گھومتا ہے۔اس بیلٹ میں ہر شخص کا کاروبار زراعت سے مربوط ہے۔ فصل اچھی ہوگی تو ریٹس اچھے ملیں گے تو باقی 20% فیصد لوگوں کی روزی روٹی کا وسیلہ ہوسکے گا بصورت دیگر یہ علاقہ مندے کا شکار ررے گا کیونکہ ان علاقوں میں انڈسٹریز نہ ہونے کے برابر ہیں زمین کا سینہ چیر کر اجناس اگانے والے محنت کش اور جفاکش کسان زبوں حالی کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔لائیو سٹاک اورڈیری کی مصنوعات بھی تنزلی کی راہ دیکھ چکی ہیں مویشی پال مالکان تذبذب کا شکار ہیں کہ زمین تو چھوڑ دی ہے اب جانوروں کی خوراک اور چارے کا حصول کس طور ممکن ہوسکے گا۔جانور بھوکے مرجائیں گے حقیقت مزید

تلخ اس وقت ہو جاتی ہے کہ کریانہ اور روزمرہ کی اشیائے خوردونوش بھی دکانداروں نے ادھار دینا بند کر دی ہیں کیونکہ وہ بھی جان چکے ہیں کہ اب دی گئی ادھار شاید دو سال تک بھی نہ اگاڑی جاسکے۔اس صورت حال میں زندگی میں مزید تلخیاں گھول دی ہیں اب کاشتکار کسان اور مویشی پال افراد اپنے مویشی (ڈھوڑ ڈنگر) بیچنے پر مجبور ہیں اور ریٹس کی صورت حال بھی مخدوش ہے حالانکہ بقر عید کی آمد آمد ہے لیکن جانوروں کو مناسب قیمتوں پر خریدنے کیلئے کوئی تیار نہیں فاقوں کی نوبت آن پہنچی ہے

مذکورہ بالا حقائق کے دیکھتے سنتے اور سمجھتے ہوئے بھی حکومت نے آنکھیں موند لی ہیں اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں صم بکم عم کے مترادف معیشت کے ستون کو طاقتور بنانے والوں کی نقاہت اور کمزوری سے حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔'جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے'کے مصداق گورنمنٹ تساہل عارفانہ سے کام لے رہی ہے۔ محنت کش غریب کسان بھوکے مر رہے ہیں زمینیں ویرانی کا منظر پیش کر رہی ہیں۔گندم کا ریٹ نہیں ملتا کپاس تباہ ہو چکی ہے چاول کی قیمت گر چکی ہے وہ چاول جو کبھی ایکسپورٹ کیا جاتا تھا بے توقیر ہو چکا ہے گنا کو کوڑیوں کے بھاؤ خریدا جا رہا ہے

گورنمنٹ نے بجلی کے بل بڑھا دیئے ہیں۔ ٹیکس پر ٹیکس لگائے جا رہے ہیں اور اس ٹیکس کا عوام کو کہیں پر بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔جنوبی پنجاب وائٹ گولڈ کی سرزمین رفتہ رفتہ

حکومتی پالیسیوں غفلت اور عدم دلچسپی کے باعث سلور سے بھی کم حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ ایسی صورت حال میں حکومت کو اپنے اداؤں پر ذرا غور کرنا چاہئے کہ وہ کسانوں کے آبیانہ کو معاف کرے اور بلاسود آسان اقساط پر قرضے فراہم کرے اور میرٹ کو بنیاد بناکر غریب مزدور اور کسان کو ترجیح دے سابقہ قرضہ جات بھی معاف کئے جائیں اس کیلئے ایسا لائحہ عمل وضع کیا جائے کہ مستحق حقیقی کو اس کیٹاگری میں شامل کیا جائے وہ لوگ جنکی ملکیتی زمین نہیں مستاجر ہیں فصل تباہ ہوچکی ہے جانور بک چکے ہیں مقروض ہوچکے ہیں ان کو پہلے فیز میں رکھا جائے بعد ازاں دوسرا تیسرا فیز مرتب کیا جائے۔ رجسٹریشن کا عمل شفاف اور بلا تفریق ہونا چاہئے 5000 روپے فی ایکٹر کا نقصان اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے حکومت کسانوں سے مذاق بند کرے اور نقصان کی مد میں دیئے جانیوالی رقم کو بڑھایا جائے۔ زرعی شعبہ سے منسلک تمام مستعمل اشیا پر سبسڈی دی جائے اور سب سے اہم بات کہ کپاس کا ریٹ کم از کم 4000 روپے فی من مقرر کیا جائے اوسب سے بڑی بات کہ اس پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔ کیونکہ کاشتکار خوشحال ہوگا تو ملکی معیشت پر بھی اچھے اثرات مرتب ہونگے کاشکار کی خوشحالی زراعت کی خوشحالی سے وابستہ ہے زراعت کی خوشحالی میں ہماری معیشت کی توانائی اور تونگری کا راز مضمر ہے جب معیشت توانا ہوگی تو ملک خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگا اور ملکی خوشحالی سے عوامی خوشحالی کا چولی دامن کا ساتھ ہے یہ ایک سرکل ہے جس طرح ایکو سسٹم کام کرتا ہے جس میں جاندار و بے

جان ایکدوسرے کے معاون ومددگار ثابت ہوتے ہیں ایکدوسرے کی منفعت وابستہ ہوتی ہے اسی طرح معیشت کا پہیہ بھی چلتا ہے اور اس پہیے کے گھومتے رہنے میں ہی سب کی بھلائی ہے۔

پاکستان سیاستدان نے نہیں بنایا تھا !

میں خورشید شاہ کی اس بات سے بالکل اتفاق نہیں کرتا کہ کرپشن آمریت کی پیداوار ہے آئین اور ایٹم بم سیاستدانوں اور جمہوریت کا تحفہ ہیں۔پاکستان سیاستدان نے بنایا۔ محترم خورشید شاہ صاحب کبھی کبھی بھولے بادشاہوں والی باتیں کرتے جاتے ہیں اگر پاکستان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آپ کو جا بجا سیاستدانوں کے "کارنامے" جلی حروف میں نظرآئیں گے جنھوں نے کسی نہ کسی انداز میں وطن عزیز کو اس کے وقار کو اور اس کی عوام کو داغدار، ذلیل و رسوا کیا بھٹو سے لیکر زرداری تک یوسف رضاگیلانی سے لیکر راجہ پرویزاشرف تک الطاف حسین لے لیکر قمر منصور وسیم اختر سبزواری اور لنگڑا، کاناتک، نواز شریف سے لیکر شہباز شریف تک اور ان کے دوسرے سیاسی رشتہ دار رفقاکارتک، مولانا فضل الرحمٰن سے لیکر مولانا عبدالعزیزتک کسی نہ کسی طور جمہوریت کی آڑ میں گھناؤنے کھیل کھیلتے رہے۔ کوئی ملک کو دولخت کرواگیا تو کسی نے ملک کو بیچ کھایا۔ کسی نے دہشت گردوں کی سرپرستی کی تو کوئی دہشت گردی میں ملوث ہوکر مملکت خداداد اور عوام پاکستان کی جانوں سے کھیلتا رہا۔ کسی نے پاور پروجیکٹس، نندی پور پروجیکٹس، قرضہ سکیم، آشیانہ سکیم، سٹیل مل، میٹروپروجیکٹس کی آڑ میں ملکی معیشت کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا تو کوئی

زراعت کے شعبے اور کسانوں کو پستی میں دھکیل رہا ہے یہ سب لوگ جمہوریت کے پروردہ ہیں جمہوریت کے آنچل میں سب سے بڑے آمر ہیں تعلیم، صحت، سپورٹس میونسپلٹی، ڈویلپمنٹ، پولیس، واپڈا، ایڈمنسٹریشن غرض کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں، چھوٹا یا بڑا سیاستدان کرپشن میں ملوث نہ ہو اور اب تو بات اس سے بھی آگے جا چکی ہے کہ ان جمہور پسندوں میں سے ہی کچھ لوگوں نے دہشت گردی اور دہشت گردوں کو پروان چڑھایا۔ کوئی ڈائریکٹ تو کوئی ان ڈائریکٹ ان کے سہولت کار کے طور پر سامنے آ رہا ہے اور نجانے کون کون کس کس انداز میں بے نقاب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے کہا کہ پاکستان بھی سیاستدان نے بنایا تو آپ کی اطلاع کے عرض کرتا چلوں کہ وہ لوگ جنھوں نے پاکستان بنایا وہ لوگ سیاستدان نہیں تھے وہ لوگ تو لیڈر تھے راہنما تھے، جنھوں نے دامے درمے سخنے ہر طرح سے قربانیاں دی عوام اور مملکت کیلئے اپنی توانائیاں خرچ کیں ان میں سے کسی پر نہ تو کبھی کرپشن کا الزام لگا اور نہ ہی کسی کو انگلی اٹھانے کی جرات ہوئی۔

68 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اس عرصے میں نصف میں جمہوریت کا بگل بجا اور نصف میں آمریت کا راج رہا ہے ان دونوں ادوار موازنہ ایمانداری سے کیا جائے تو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیگا کہ کسی فوجی یا فوج کے کی کرپشن کے حوالے سے کبھی نہ تو لوگ سڑکوں پر آئے اور نہ ہی انہیں اس انداز میں طعن و تشنیع کیا گیا۔ ان ادوار میں ہمیشہ ملک و قوم کی بہتری اور فلاح

کے حوالے سے کام ہوئے اور بتقاضائے بشریت غلط کام بھی ہوئے لیکن ان کو بھی کیا گیا۔ہٹ دھرمی کا لبادہ نہیں اوڑھا گیا لوگ یحییٰ خان جنرل نیازی ضیاء justify الحق پرویز مشرف جنرل پرویز اشفاق کیانی اور ان کی پالیسیوں کیوجہ سے نشانہ تنقید بناتے ہیں اور اب جنرل راحیل شریف نے اس باب کو بھی اپنی حکمت عملی دانشمندی اور راست اقدام سے بند کردیا ہے ہر طرف جنرل راحیل شریف کے گن گائے جارہے ہیں لیکن اب بھی ایک خاص طبقہ ایسا ہے جو اس پاپولیریٹی کو ہضم نہیں کرپارہا ہے۔وہ طبقہ دراصل غلام ابن غلام کی کسی نسل کے متعلق ہے جو خود بھی محکوم بن کر رہنا چاہتا ہے اور قوم کو بھی اپنا مطیع بنانے کا خواہاں ہے۔

درحقیقت ! ہم غلام ہیں ہماری سوچیں غلام ہیں ہماری فکریں غلام ہیں ہماری اقدار غلامی کی دردناک وادیوں میں گم ہیں ہماری نام نہاد جمہوریت غلام ہے ہم نے تو ابھی تک حقیقی آزادی کا مزہ تک نہیں چکھا اس وقت بھی ہم انگریزوں کے غلام تھے اور آج بھی ہم ان کے غلام ہیں اور جو غلام و محکوم ہوتے ہیں ان کے کیا حقوق ہوتے ہیں کن حقوق کی بات کرتے ہیں عوام کے حقوق کی جو کبھی آپ نے آپ کی سیاست نے آپ کی جمہوریت نے چاہے وہ پی پی یا مسلم لیگ اور کوئی اور لیگ ہو،نے عوام کو دیے ہی نہیں۔اور یہ غلام و محکوم عوام ہی ہے جس کی وجہ سے آپ کی حکومت قائم ہے انہیں جس طرح کولہو کے بیل کی طرح جوتا ہوا ہے

جس طرح ان کے خون پسینے کو نچوڑ کر دولت سمیٹ رہے ہیں یہ عوام کی غلامانہ ذہن کی عکاسی ہی تو کرتی ہے۔ کس نے کہا کہ آپ لوگ ایوانوں کے قابل ہیں آپ سیاستدانوں نے ہمیشہ عوام کو ملک کو سیاست کے نام پر بیوقوف بنایا ان کے حقوق غصب کئے اور جمہوریت کا لولی پاپ دے دے کر ان کو مریض بنادیا لیکن ملک میں جمہوریت نام کو نہ آسکی ۔ غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے امیر امیر ترین۔ بدمعاش طاقتور اور حاکم ہوتا جارہا ہے اور شریف محکوم و لاغر ذلیل و رسوا۔ آپ کی مہنگائی کے تحائف نے لوگوں کو اپنی اولادیں اپنے لخت جگر اور عصمت تک بیچنے پر مجبور کردیا ہے۔ ایک غریب طالب علم وسائل نہ ہونے کی وجہ سے خودکشی کرتا ہے تو دوسرا خود سوزی کا خواہاں ہے واہ ری جمہوریت۔

اگر ہم آئین بنانے کی بات کریں تو اس کی کیپیسٹی بھی سب جانتے ہیں کہ کون کس قابل ہے پارلیمنٹ میں نہ تو آئین بنتا ہے اور نہ قانون۔ دھرنے کے دنوں کے علاوہ کتنی مرتبہ جناب وزیراعظم نواز شریف صاحب پارلیمنٹ میں تشریف لائے کتنے سینٹ کے اجلاس اٹینڈ کئے یعنی کہ صرف اور صرف اپنا الو سیدھا کرنے کی حد تک پارلیمنٹ اور جمہوریت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اول تو کوئی مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہی نہیں کیا جاتا یا جاسکتا اور بالفرض کوئی شومئی قسمت ہو بھی جائے تو اس طرح سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی جنگ کی نذر ہوجاتا ہے کہ مسئلہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یا خدایا میں کس عذاب

میں پھنس گیا ہوں یہ تو وہ عذاب ہے جس کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ جب اس قسم کے حالات ہوں اور اگر کوئی عام کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنے والا عوام کی مظلومیت کو دیکھتے ہوئے ان کے دکھوں کے مداوے کا سوچتا ہے تو وہ آمر بن جاتا ہے۔ یعنی سیاستدان جس طرح چاہیں جمہوریت کی آڑ میں عوام کو تگنی کا ناچ نچاتے رہیں اور جب کوئی مسیحا ان کی مسیحائی کا ارادہ کرے تو اسی کا مکو ٹھپنے کی کوشش میں آمر آمر کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے میں آپ سب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جمہوریت سے کیا مراد ہے " عوام کی حکومت، عوام پر حکومت اور عوام کے ذریعے سے حکومت" لیکن اب جمہوریت کا قبلہ ہی تبدیل ہو چکا ہے کہ "خواص کی حکومت، عوام پر حکومت اور خواص کے ذریعے حکومت" اور یہ خواص وہ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہمارے ہی تابع ہے ہمارے لئے ہے ہم حاکم ہیں اور 18 کروڑ عوام ہیں جن پر حکومت کرنا ہمارا خاندانی وراثتی اور پشتینی حق ہے۔ یہ سوچ تبدیل ہونا چاہئے بہت ضروری ہے

ورلڈ بنک کی رپورٹ کے مطابق اگر فلسطین اور اسرائیل کے درمیان معاشی اور سیاسی
سٹیٹس کو مزید برقرار رہا تو اسرائیل فلسطین تنازعہ دوبارہ سے سر ابھار سکتا ہے
صورت حال کا جوں کا توں برقرار رہنا سیاسی اور سماجی بدامنی کی راہ ہموار کر سکتا ہے
اقتصادی بے چینی کے امکانات کو بھی بڑھاوا مل رہا ہے غزہ میں 39 فیصد جبکہ مغربی
کنارے پر 16 فیصد عوام خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ غزہ کے نوجوانوں
میں بے روزگاری کا تناسب 60 فیصد سے زائد ہوگیا ہے جبکہ 25 فیصد غربت کی زندگی
بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ تنازعہ کے حل کے مثبت پہلو اجاگر کرتے ہوئے ورلڈ بنک بتاتا
ہے کہ حتمی معاہدے نہ ہونے کے باوجود فلسطینی معیشت بڑھوتری کی جانب گامزن ہے
اس میں بہتری اس وقت مزید آسکتی ہے اگر اسرائیل افراد اوور سامان تجارت پر سے
پابندیاں اٹھالے اسی طرح اگر اسرائیل اور مصر جو کہ غزہ کی پٹی کے ممالک ہیں اپنی
سلامتی کے معاملات کو محفوظ کرکے اس کا محاصرہ ختم کردیں تو صورت حال مزید امید
افزا ہو سکتی ہے۔ جی ہاں یہ تو ہے فلسطین کی صورت حال۔ اب دیکھتے ہیں باراک ا
وبامہ صدر امریکہ، ولادی میر پیوٹن صدر روس اور ژی جنگ پنگ صدر چائنا کی تقاریر
جو انہوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی 70 ویں تقریب کے دوران کی جس میں
اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ کوئی ملک

اکیلے دنیا کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔سب کو باہم ملک کر مشاورت کے ساتھ کام کرنا ہوگا ہم نے سبق سیکھا ہے کہ طاقت اور پیسے کے بل پر کسی بھی دوسرے ملک میں امن قائم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ علاقوں پر قبضہ جمانا اب طاقت ور ہونے کی علامت نہ ہے ۔ترقی کرنے اور امن قائم رکھنے کیلئے جمہوریت کو فروغ اور تحفظ دینا ہوگا عوام کی طاقت کو مرکز ماننا ہوگا۔ دنیا سے غربت اور دہشت گردی ختم کرنے کاواحد اور آسان ذریعہ صرف اور صرف اتحاد میں مضمر ہے۔ روس کا موقف تھا کہ دولت اسلامیہ داعش) سے مقابلہ کرنے کیلئے بشار الاسد کی معاونت نہ کرنا ایک بہت.بڑی غلطی ہوگی) چین کے مطابق معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے آج دنیا کا امن تباہ ہوچکا ہے امیر اور غریب کا فرق بڑھتا جارہا ہے ترقی یافتہ ممالک ماحولیاتی مسائل کی ذمہ داری قبول کریں بان کی مون نے کہا کہ تمام ممالک دہشت گردی پر بات چیت کے ذریعے سے چھٹکارا پا سکتے ہیں اسرائیل فلسطین کوریا یمن کو ڈائیلاگ کے ذریعے مسائل کو حل کی طرف لانا چاہئے اور اقوام متحدہ کے چارٹر پر سختی سے عمل کرنا چاہئے۔

وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے بھی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اسی اجلاس میں جو خطاب کیا وہ قومی اور بین الاقوامی طور پر فکر انگیز موضوع مثبت طرز عمل کے طور پر دیکھا اور ڈسکس کیا جارہا ہے وزیراعظم پاکستان نے.برننگ ایشو کشمیر پر اب تک معاملات کا حل نہ ہونے کو اقوام متحدہ کی ناکامی

سے تشبیہ دی اقوام متحدہ کی نا انصافیوں کو نشانہ بنایا اور کہا کہ پاکستان اقوام متحدہ کی جامع اصلاحات کا حامی ہے دہشت گردی کا خاتمہ امن کمیٹی کے ارکان کی تعداد بڑھانے سے نہیں اس کی وجوہات ختم کرنے سے کیا جاسکتا ہے خطے میں امن کیلئے فروغ کیلئے جو چار نکاتی ایجنڈا پیش کیا اسے بھی سراہا گیا۔

مذکورہ بالا حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے دو تین معروضات گوش گزار کرنا چاہونگا دنیا میں دہشت گردی کا شکار ممالک کی اکثریت مسلم ممالک کی ہے اور اس اکثریت میں مسلم کو مسلمان سے لڑایا جارہا ہے اسی لئے باراک اوبامہ نے اپنی تقریر میں مسئلہ کشمیر و فلسطین کے حل کی بات نہیں کی چونکہ وہاں مسلمان ظلم وزیادتی، جبر واستبداد کا شکار ہیں یہودی لابی اپنی من مانیاں کررہی ہے اس لئے کسی کو کوئی فکر نہیں اور اسرائیل کو ویسے بھی امریکہ کا انویسٹر ہے اس لئے یہ ظلم وزیادتی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی نظر نہیں آتی۔ کشمیر کا مسئلہ بھی انہیں مسئلہ نہیں لگتا کیونکہ یہاں پر بھی مسلمانوں کا استحصال کیا جارہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو ڈریگ کیا جارہا ہے۔ روس بشارالاسد کے حوالے سے بات کرتا ہے تو اس میں اس کی ہمدردیاں بشارالاسد کے ساتھ نہیں بلکہ یہاں بھی مسلمانوں کو باہم دست وگریباں رکھنا مقصود ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ امریکہ جو کہ درپردہ داعش کا سپورٹ کررہا ہے اور روس بشارالاسد کو تو امریکہ اور روس کو ان دونوں متصادم قوتوں کو

ڈائیلاگ کی ٹیبل پر لانا چاہئے تھا لیکن چونکہ مر مسلمان رہے ہیں تو مرتے رہیں۔ دنیا کا متعصب ترین ہندو بنیا جسے اپنی ناک کے آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور چور بھی کہے چور چور چور کے مترادف وہ بھی پاکستان پر یہ الزام عائد کر رہا ہے کہ پاکستان چار نکاتی ایجنڈے کی آڑ میں دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے اس لئے ہم صرف ایک نکاتی ایجنڈے پر بات کریں گے کہ پاکستان دہشت گردی کو روکے۔ بے وقوف لوگوں کے سر پر گدھے کی طرح سینگ نہیں ہوتے اس لئے ان ''بے وقوفوں'' کی طرف سے اکثر و بیشتر دہشتگردی کی کارروائیوں ملوث ہونے کے ثبوت منظر عام پر آ چکے ہیں جسے دنیا تسلیم بھی کر چکی ہے اور بے بس و بے کس اقوام متحدہ کو بھی دے دیئے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ بھی غیر مسلم نہیں اس لئے تو اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے بھی مسئلہ کشمیر پر چپ کا روزہ رکھ لیا ہے وہ بھی صرف اسرائیل فلسطین کوریا اور یمن کو مذاکرات کی میز پر لانا چاہتے ہیں اور کشمیر ایشو اور انڈیا کی دہشت گردانہ کارروائیوں سے پہلو تہی.برتی جارہی ہے

مذکورہ بالا عرضداشت گوش گزار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غیر مسلم بالخصوص ہنود و یہود مسلمانوں کے دوست، ہمدرد، خیر خواہ اور بہی خواہ نہیں ہو سکتے لہذا ہمیں خود اپنے آپ کو متحد کرنا ہوگا۔ اپنے مذہبی مسلکی فروعی مسائل اور جھگڑوں کو ختم کر کے متحد ہونا ہوگا مسلم ممالک میں امن کے فروغ، دہشت گردی

کے خاتمے اور ترقی و خوشحالی میں بہتری کیلئے امن و آشتی، بقائے باہمی اور صبر و تحمل کے جذبات کو فروغ دینا ہوگا اسی صورت میں ان مکار عیار شدت پسند متعصب تنگ نظر اور سازشی ذہنوں اور رویوں کو لگام ڈالی جا سکتی ہے

ریشنلائزیشن ! محتاط رویے کا متقاضی ہے

بڑی عجیب صورت حال ہے ایک طرف تو پاکستان سمیت دنیا بھر میں اساتذہ کا عالمی دن منایا جارہا تھا دوسری طرف حکومت ریشنلائزیشن کے بکھیرے میں پڑی تھی۔ایک طرف تو اساتذہ کی عظمت و وقار کے گن جائے جارہے تھے تو دوسری طرف اسے ذلیل ورسوا کرنے کے منصوبے پر عمل جاری تھا۔اس سے قبل بھی حکومت پاکستان ریشنلائزیشن کا عمل کئی مرتبہ کرچکی ہے لیکن اسکے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کرسکی بلکہ اکثر و بیشتر اس کے نتائج منفی ہی مرتب ہوئے ہیں۔اب حکومت کا ''عزم صمیم'' ہے کہ جو قریب قریب کے سرکاری سکولز ہیں ان کو ایک دوسرے میں ضم کردیا جائے حکومت کا خیال ہے کہ اس سے مثبت نتائج برآمد ہونگے ۔ نتائج برامد ہوں یا نہ ہوں مسائل ضرور سر ابھاریں گے کیونکہ سرکاری کسولز ملک میں نادار اور غریب طلبا کیلئے کسی حدتک حصول تعلیم کا سب سے بڑا، سستا اور باکفایت ذریعہ ہیں یہ ذرائع اس قوت نہایت ہی کسمپرسی کا شکار ہیں۔دراصل حکومت نے اپنے روایتی انداز میں ضرورت بے ضرورت نا بے اپنے خاص لوگوں کو نوازنے کیلئے ان کی خوشنودی کیلئے اور پنجاب کو پڑھا لکھا بنانے کیلئے تعلیمی ادارے بنادیئے۔بلڈنگز تعمیر کردیں کہیں کہیں فرنیچر بھی مہیا کردیا اور ایک یا دو اساتذہ بھی تعینات کردیئے اب چونکہ اسے مناسب

ضرورت مناسب جگہ اور ترجیح کی بنیاد پر نہیں بنایا گیا تھا تو وہاں پر اب اکثر اداروں میں نہ تو معلم نظر آتا ہے اور نہ ہی تلامذہ دکھائی دیتے ہیں بہت سے علاقوں میں زمینداروں اور جاگیرداروں کے جانور 'پڑھائے' جارہے ہیں اور اس انداز میں "تربیت وتدریس" کی جارہی ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے پورا ہفتہ وہیں پر موجود ہوتے ہیں ان کا ناشتا پڑھائی لنچ ڈنر اور حوائج ضروریہ سے بھی وہیں پر ہی فراغت حاصل کرلی جاتی ہے۔

اگر مرتب کردہ رپورٹ کو دیکھا جائے تو اس وقت مملکت خداداد میں 42 سے زائد پرائمری سکولز ایسے ہیں جو پینے کے پانی کی بنیادی ضرورت اور سہولت سے محروم ہیں۔ تقریبا 21 ہزار 800 کے لگ بھگ سندھ میں ایسے سکولز ہیں جو اس نعمت سے یکسر محروم ہیں خیبر پختونخواہ دوسرے نمبر پر ہے جس میں سات ہزار سات سو کے قریب، بلوچستان میں پانچ ہزار اور پنجاب میں سوا دو ہزار کے قریب سکولز بنیادی سہولیات سے عاری ہیں۔ باتھ رومز، فرنیچر، چادر چاردیواری، گرمیوں میں سایہ اور سردیوں میں دھوپ سے مبرا یہ سکولز اور ادارے اپنے اندر بہت سی کہانیوں کے امین ہیں۔ علاوہ ازیں یہ شکایات بھی زبان زد عام ہیں کہ اساتذہ کی کمی اور حاضری بھی مسئل فیشا غورث بنی ہوئی ہے۔ اور ان میں سے اکثریت "اولڈ از گولڈ" کے مصداق ہیں جو کہ نئی تعلیمی پالیسی سے بالکل میل نہیں کھاتے جبکہ کچھ اساتذہ "بھوت" کا روپ بھی دھار چکے ہیں کہ تنخواہ وصول

کرتے ہی لیکن کبھی سکول میں نظر نہیں آتے۔

لگتا ہے مذکورہ بالا سب وجوہات مل کر حکومت کو اس بات پر مجبور کر رہی ہیں کہ چونکہ سکولز زیادہ ہو گئے ہیں ان کا انتظام و انصرام مشکل ہو گیا ہے لہٰذا دو دو تین تین سکولز کو ایک میں ضم کر دیا جائے تاکہ انتظامی مشکلات پر قابو پایا جا سکے۔ سوچ تو بڑی صائب ہے اور مشورہ بھی کسی ''دانشور'' کا لگتا ہے لیکن یہاں پر بہت سے سوالات جواب طلب اور حل طلب ہیں مثلاً جو بچے بچیاں اپنے گھروں سے سکول بلا خوف و خطر اور پیدل آتے جاتے ہیں کیا وہ اسی سہولت سے استفادہ کر سکیں گے؟ کیا ان کے والدین جو انہیں سکول لیجانے اور لانے سے آزاد تھے اپنی روٹی روزی کی تلاش میں یکسوئی سے کریں گے ؟ان کی مشکلات میں اضافہ نہیں manage مشغول تھے ،وہ کس طرح سے ہوگا؟ جو بلڈنگز خالی ہونگی ان کا مصرف کیا ہوگا کیا انہیں کسی بھی دوسرے مقاصد میں استعمال کیلئے پلاننگ کر لی گئی ہے؟ کیونکہ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ بلڈنگ تو موجود ہے لیکن فرنیچر ہے اور نہ ہی اساتذہ، پانی کی سہولت ہے اور نہ ہی باتھ رومز کی۔ کروڑوں روپے کی مالیت سے بنائی گئی یہ بلڈنگز حکومتی ناقص پالیسیوں پر نوحہ کناں ہیں اسی طرح کیا گھوسٹ سکولز اور ان میں پڑھانے والے گھوسٹ اساتذہ جو کہ ریشنلائزیشن کے عمل سے منظر عام پر آئیں گے ان کیخلاف کی کارروائی عمل میں لائی جائیگی کیا اس کا فیصلہ ہو چکا

ہے؟ ایک طرف پڑھو پنجاب۔بڑھو پنجاب کی گردان جاری ہے دوسری طرف آدھا لاکھ کے قریب سکولز میں بنیادی سہولیات کا فقدان طاری ہے۔ لہٰذا حکومت وقت کو چاہئے کہ کوئی بھی عملی قدم اٹھانے سے پہلے ''صائب الرائے لوگوں'' سے مشورہ کرنے کی بجائے کسی عقل مند اور اسی شعبہ سے متعلق فرد یا افراد سے رجوع کیا جائے تاکہ تمام معاملات کو ملک و قوم اور عوام کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کیا جاسکے ویسے بھی اساتذہ کسی بھی ملک کی عوام کو قوم بنانے میں اہم کردار کے حامل ہوتے ہیں اور یہ پیغمبرانہ پیشہ ہر دو جانب سے کسی بھی ضابطہ اخلاق کا متقاضی ہے۔

خواص کے برعکس عوام کی شدید خواہش ہے کہ پولیس کلچر کو تبدیل ہونا چاہیے۔
پولیس کلچر کا خاتمہ ہی عوام اور پولیس کے مابین وسیع خلیج کو پاٹ سکتا ہے کیونکہ اس تھانہ کلچر کی وجہ سے پولیس اور عوام کے درمیان دوریاں، فاصلے، نفرت، بداعتمادی، خوف اور ڈر کے نام کی خلیجیں عرصہ دراز سے حائل ہیں اور بدستور بڑھتی جا رہی ہیں اور ان فاصلوں کو ان نفرتوں اور اس بداعتمادی کو ختم کرنے کی کوششیں پیہم اور منظم انداز میں ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں ہیں بالخصوص حکومتی حلقوں میں تو اس حوالے سے بالکل جمود طاری ہے۔ اس کی ایک وجہ یقیناً ان کی اپنی مرضی بھی یہی ہے کہ عوام جتنا زیادہ پولیس سے دور رہے گی، پولیس سے خوف زدہ ہوگی اتنا ہی ان کو اپنے کام نکلوانے میں آسانی رہے گی۔ اشرافیہ، امراء اور سیاسی گرگوں کی اجارہ داری بنی رہے گی۔ 1860 میں بنایا جانے والے پولیس کے نظام کا مقصد بھی یہی تھا کہ عوام میں حکمرانوں کا خوف و دبدبہ قائم رکھا جائے۔ عوام کو پولیس کے خوف میں مبتلا کرکے اپنی من مرضی کے کام کیے جاسکیں۔ انگریز نے عوام اور بالخصوص مسلم عوام کو دبانے کیلئے پولیس کو اس حد تک فعال اور طاقت ور بنادیا کہ وہ خوف کی علامت بن گئی۔
سندھ پولیس بھی اسی کا شاخسانہ تھی۔ پھر 1934 میں باقاعدہ طور پر پنجاب پولیس متعارف ہوئی اور جرم

اور مجرموں کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے مختلف diciplanary and administrative فنکشنز کا نفاذ ہوا۔ لیگل فریم ورک آف پولیس میں بڑی تبدیلیوں کے تحت صوبے سے ضلعی اختیارات منتقل کر دیئے power of devolution کے بعد گئے۔تاکہ عوام کے دلوں میں پولیس کے خلاف خوف و بداعتمادی کی فضا کو ختم کیا جاسکے۔ اور اسی کو بھی مزید بہتر بنانے کیلئے Public accountability of police کا نظام متعارف کرایاگیا۔ اور پھر پبلک سیفٹی کمیشن کا تعارف کرایا جانا بھی پولیس کو عوام میں مقبولیت دلانا تھا۔ان بارہابار کی تبدیلیوں اور اصلاحات کا مقصد بھی پولیس سسٹم میں بہتری لانا اور اسے عوامی بنانا تھا،اب بھی ہے اور شاید رہے گا بھی۔

یہ پولیس کلچر یا تھانہ کلچر کیا ہے تھانہ کلچر سے مراد جہاں پر ہر طاقتور، ظالم، بااثر، جاگیردار، رسہ گیر، غنڈہ اور بدمعاش فرد یا افراد کو عزت و تکریم دی جائے ان کے تمام جائز و ناجائز کام میرٹ کو پس پشت ڈالتے ہوئے کئے جائیں۔ جہاں پر مذکورہ بالا افراد کو کرسی پیش کی جائے۔ تھانہ کلچر سے مراد یہ بھی ہے کہ ایسے معمولات جس میں پولیس افسر سرکاری ملازم کم اور کسی سیاسی شخصیت اس کے گرگوں کا ملازم زیادہ دکھائی دے۔جہاں پر ظالموں ، مجرموں اور طاقتوروں کو جائے پناہ میسر ہو، باالفاظ دیگر جہاں پر شریف ، مظلوم کمزور غریب فرد یا افراد کی تذلیل کی جائے ان کے سامنے ملزم کو کرسی اور

مدعی کو کھڑا کر دیا جائے۔پولیس سٹیشن جاتے ہوئے شرفا اور غربا سو بار نہ سوچیں انہیں یقین کامل ہو کہ بالفرض اگر ہمارا ازالہ نہ ہو سکا تو کم از کم تذلیل و تحقیر تو نہ ہو گی تھانے میں موجود آفیشلز ہمیں بطور پبلک سلوک کریں گے ناروا رویہ نہ اپنائیں گے وغیرہ وغیرہ اگر درج بالا امور اور عوامل کو پولیس کے محکمہ سے ختم کر دیا جائے اور اس بات کو مد نظر رکھ کر میں نے بدلنا ہے جب میں تبدیل ہو جاؤنگا تو میرے ارد گرد بھی تبدیلی محسوس ہو گی تو پھر یہ جوئے شیر لانے کے مترادف کام محض سہل

ہو جائیگا۔اس سلسلے میں پولیس اور عوام کے درمیان تناؤ اور کھینچا تانی کو کم کرنے کے حوالے سے ملک اور خاص طور پر پنجاب میں کہیں کہیں سیمینار منقعد کرکے اس تناؤ اور ٹینشن کو کم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان میں کتنا اخلاص تھا یا ہے یہ اس کی مقبولیت اور اثر پذیری سے ثابت کیا جا سکتا ہے موجودہ حالات کے پیش نظر نتائج فی الحال صفر تھے لیکن اگر اس بات کو مد نظر رکھ کر کام کیا جائے کہ " دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں بس اخلاص اور جہد مسلسل ہونا چاہیئے" تو اس محکمے میں بھی سدھار لایا جا سکتا ہے اور عوام اور پولیس کے درمیان حائل خلیج کو پاٹا جا سکتا ہے۔اس کے لئے معاشرے میں ہر فرد کو اپنی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا کیونکہ جہاں ان کے حقوق ہیں وہاں ان پر فرائض بھی عائد ہوتے ہیں۔ اور ان کے حقوق بہتر انداز میں اسی وقت مل سکتے ہیں جب وہ اپنے فرائض بھی بہتر انداز میں ادا کریں۔

اب میں کہوں گا کہ ضلع لودھراں میں تھانہ کلچر کی تبدیلی کا آغاز ہوچکا ہے پولیس کلچر تبدیلی کی طرف مائل ہے جس کی تازہ ترین مثال ڈی پی او لودھراں اسد سرفراز کی بہت سی عملی کاوشیں ہیں سب سے پہلے کہ مساجد میں کھلی کچہریوں کا انعقاد تاکہ کم سے کم معاملات میں بے ایمانی جھوٹ اور رشوت کا کلچر پنپ سکے۔سائل کی اپنے مسائل کے حل تک آسان اور ڈائریکٹ رسائی اس کی سب سے تازہ ترین مثال ریسکیو15 سروس کا جدید ترین نظام ہے جو کہ ملک بھر کیلئے جدت کا امتزاج لئے ہوئے ہے اور اسد سرفراز کی ذاتی کاوشوں اور اپنی مدد آپ کے تحت نافذ العمل ہوچکا ہے اور عوام تک اس کے ثمرات پہنچنا بھی شروع ہو چکے ہیں اس سروس کے تحت ضلع بھر کی 29 وہیکلز کو اس سسٹم سے انٹر کونیکٹ کردیا گیا ہے ان میں ٹریکرز اور لوکیشن انڈیکیٹرز کا مربوط نظام ہے جس کی وجہ سے کسی بھی گاڑی کو ضلع بھر میں جائے وقوعہ پر پہنچنے میں 5 سے 20 منٹ درکار ہوتے ہیں۔15 پر آنے والی کالز اس سٹیشن کے علاوہ مختلف دفاتر میں بھی ریکارڈ کی جاتی ہے اور اس کا ریکارڈ کسی بھی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے۔جیسے ہی موصول ہوجائیگا۔ automatically شکایات موصول ہوگی کالر کو اس کا ایس ایم ایس اس کے بعد فیڈ بیک کے طورپر بھی جب اس کال سے متعلق ایکشن مکمل ہوگا واقعہ کی انسپکشن کرائم سین اور انویسٹی گیشن کی تکمیل کے بعد اس کا اندراج ہوتے ہی متعلقہ کالر کو پھر سے میسج مل جائے گا۔کسی بھی تھانہ میں درخواست کی

اور ایف آئی آر کے اندراج کے فورا بعد مدعی کو بذریعہ ایس ایم ایسsubmition کئے گئے نمبر کو بتا کر تازہ ترین معلومات assign مطلع کیا جائے گا اور کسی بھی وقت بھی تھانے آئے بغیر حاصل کی جا سکتی ہیں۔اسد سرفراز نے پولیس پر لگے داغ کو مزید کرنے کیلیۓ ضلع بھر کے تمام بنکس،بڑے سکولز،کالجز، شاپس، تمام تھانے اور dim ایڈریس کے IP چوکیاں، ہوٹلز، پٹرول پمپ ، جیولری شاپس پبلک مقامات کو بھی حامل سی سی ٹی وی کیمروں کی مدد سے مانیٹر کیا جا رہا ہے حتی کہ ہوٹلز کے ریکارڈز کو اس انداز میں منظم کیا جا چکا ہے کہ کسٹمر کے چیک ان اور چیک آؤٹ کی اطلاع، ان کی تعداد اور ٹائمنگ کے ریکارڈ کو بھی مربوط کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے کسی بھی اجنبی اور مشکوک شخص کے بارے میں باآسانی معلومات حاصل کی جا سکیں گی۔پولیس نفری کی کمی اور وسائل کے محدود ہونے کی شکایات کا حل بھی اسی میں مضمر ہے انہوں نے افرادی قوت بڑھانے کی بجائے انٹیلی جنس کی طاقت کے ذریعے اور دور جدید میں استعمال ہونے والے موبائلز انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کی مدد سے اس مسئلے پر بھی قابو پا لیا ہے۔اب کا حامل بن چکا ہے مزید capacity ایک شخص دس لوگوں کے برابر کام کرنے کی روایتی کلچر کو ختم کرتے ہوئے ریسکیو 15 سروس میں تعینات عملے کی یونیفارم بھی سول ہے جس سے مزید پولیس کی چھاپ والا امیج ختم ہو گیا ہے اس میں آر پی او ملتان طارق مسعود یسین جیسے لوگوں کی سرپرستی اور جواد سجا جیسے ایماندار اور فرض شناس پولیس آفیسرز کی معاونت بھی کاونٹ کرتی ہے

درج بالا عمل کاموں سے محسوس ہوتا ہے کہ ڈی پی او لودھراں اسد سرفراز اس بات کو ثبوت کر رہے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی ڈیوٹی حقیقی معنوں میں ادا کرنی چاہئے پولیس کو سرکار کی ملازم اور پبلک سرونٹ کے طور پر اپنا کردار ادا کرنا چاہئے بطور محکمہ ٹریٹ کیا جانا چاہئے اسے سیاسی رکھیل نہ بنایا جائے کسی بھی معاملہ کو میرٹ پر حل کرنے کی اجازت دی جائے۔ مظلوم کی داد رسی ہو اور ظالم کی رسی کھینچی جائے۔ علاوہ ازیں ختم کردیا جائے influence صحافتی سرگرمیوں کو اثر انداز نہ ہونے دیا جائے، محکمانہ اقربا پروری، اپنی پسند و ناپسند کی ترجیح کو نکال دیا جائے پولیس میں زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھرتی کیا جائے، انکی تربیت بھی جدید اور تعلیمی طریقوں پر کی جائے اور سب سے اہم بات کہ پولیس کو سہولیات کی فراہمی بہتر کی جائے جس میں نفری میں اضافہ، تنخواہ اور سہولیات میں اضافہ، 24 گھنٹے ڈیوٹی میں کمی، جدید آلات کا مہیا کیا جانا تو یقینا پولیس کی کارکردگی اور پولیس کا عوام سے باہمی تعلق 75 فیصد تک خوشگوار اور بہتر ہو سکتا ہے۔ اور معاشرے سے پولیس کا خوف، پولیس سے نفرت اور بداعتمادی کی فضا کو ختم کیا جا سکتا ہے

اس حوالے سے گذشتہ ادوار میں کاوشیں بھی کی گئیں۔ اس امر کو قابل عمل بنانے کیلئے ورکشاپ کا انعقاد بھی کیا گیا۔ جس کا مقصد پولیس کا ''قبلہ درست'' کرنا

مطلوب تھا کیونکہ اس بات کو یقیناً شدت سے محسوس کیا گیا کہ اس محکمے میں سدھار لانا از حد ضروری اور وقت کی ضرورت ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ عملہ گریجویٹ ہوگا اور محرر وڈیوٹی افسر کمپیوٹر لٹریٹ رکھے جائیں گے۔ ان تھانوں میں کمیونٹی پولیسنگ کا نظام رائج کیا جائے گا یعنی روایتی انداز میں جھاڑ پلانے کی بجائے مشروبات سے عوام کی تواضع کی جائے گی اور گالی گلوچ اور بدتمیزی کلچر کی بجائے سب کو عزت واحترام دیا جائے گا۔

بی جے پی اور مودی کی حرکات بھارت کو ایکسپوز کرنے کیلئے کافی ہیں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دہشت و وحشت کے اندھیرے میں انسانیت اور بھی روشن اور واضح نظر آتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانیت کی یہ شمع کون جلاتا ہے اور کس انداز میں جلاتا ہے ، کس حوصلے سے اس مشعل کو گھٹاٹوپ اندھیروں میں لے کر نکل کھڑا ہوتا ہے اور بلا تفریق انسانیت کو فیض پہنچاتا ہے بھارت میں انسانیت سوزی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں اور واقعات میں یہ واقعہ مسلمانوں کی سماجی خدمات کی تازہ ترین مثال ہے جو ایک مسلمان صحافی نے رقم کی ہے اقبال انصاری ایک ٹرین میں سفر کررہے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ کمپارٹمنٹ میں ایک ہندو خاتون نے ایک بچےکو جنم دیا ہے اور اس کا شوہر اپنے دونوں ہاتھوں میں نوزائیدہ بچے کو تھامے بے بس و بے یارو مددگار بیٹھا ہے اور ماں بھی اذیت میں مبتلا ہے کیونکہ بچے کی نال ابھی تک ماں سے جڑی تھی جو ایک نہایت ہی خطرناک بات تھی۔اس صورت حال میں کچھ مسافر خاموش تماشائی تھے تو کچھ وہاں سے کھسک جانے میں عافیت محسوس کررہے تھے۔ عجیب و غریب صورت حال سے دوچار یہ ہندو جوڑا کسی غیبی مدد کا منتظر تھا۔اقبال انصاری نے ریلوے ہیلپ لائن سے رابطہ کیا صورت حال سے مطلع کیااور مدد کی درخواست کی ڈاکٹر آیا اور اس نے زچہ و بچہ کی جان بچائی۔ لیکن اقبال نے

یہ بات کسی کو نہ بتائی کہ وہ ایک جرنلسٹ ہے دوسرے روز اخبار میں خبر شائع ہوئی تو بی ایم سی کی سٹینڈنگ کمیٹی کی میٹنگ میں اقبال انصاری کو خراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کے اقدامات کو سراہا گیا بلکہ ایک خاتون صحافی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''ذرا بی جے پی کو بتادو کہ مسلم نوجوان سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں

بھارت کے گھٹن زدہ اور کشیدگی کے ماحول میں جہاں اس وقت ہندو مسلم ہندو سکھ اور دوسرے نسلی وفرقہ وارانہ فسادات میں بھارتی سرکار کی مسلم دشمنی پیش پیش نظر آرہی ہے اقبال انصاری کا یہ اقدام ایک خوشگوار جھونکا ہے اور اندھیرے میں روشنی کی واضح کرن ہے اخبارات ٹی وی چینلز سوشل میڈیا پر جبکہ چہار جانب انسانیت سوز اور حیوانیت پر مبنی واقعات خوف وہراس کی فضا پیدا کر رہے ہیں متعصب ہندو مسلمانوں پر شب خون مارنے کا کوئی موقع جانے نہیں دے رہے گائے کا ذبیحہ ہو کہ مسجد میں اذان و نماز کے معاملات یا گوشت کا استعمال، اپنے مذہب سماجی اقدار اور قانون کی آڑ میں مسلمانوں پر مظالم کے کوہ گراں توڑے جارہے ہیں تو اس صورت حال کا نوٹس ہر جگہ لیا جارہا ہے سوائے بھارتی سرکار کے۔ اس مسئلے پر بیرون واندرون انڈیا کے مسلمان تو مسلمان انڈیا کے ہندو بنئے اور دوسرے فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی مودی سرکار کی موذی خاموشی اور انسانیت سوزی پر بلبلا اٹھے ہیں۔ ادیب فنکار قلم کار

اور شعرا حضرات جو کہ کسی بھی معاشرے کے سب سے حساس امن پسند صلح جو بے ضرر اور ٹھنڈے جذبات کے حامل لوگ ہوتے ہیں انہوں نے بھی اس پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا اور اپنے غصے کو احتجاج کا رنگ اس طرح دیا کہ جن شعرا، ادبا، دانشوروں، فنکاروں اور قلم کاروں نے اکیڈمی ایوارڈز وصول کئے تھے اور انہوں نے واپس کرنا شروع کر دیئے ان میں اکثریت غیر مسلم اور انٹر نیشنل شہرت کے حامل افراد کی ہے جن میں ادیئے سنگھ نین تارا سہگل کیکی دارو والا کاشی ناتھ خلیل مامون و دیگر شامل ہیں حتی کہ ایک تامل قلم کار نے تو دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر قلم سے ہی ہاتھ کھینچ لیا اب یہ احتجاج پوری دنیا میں زیر بحث ہے جس کی وجہ سے مودی سرکار المعروف موذی سرکار کی پاپولیریٹی کا گراف مزید گرتا جا رہا ہے۔ بھارت کے سیکولر چہرے کے نقوش مزید سیاہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن متعصب مودی سرکار اور اس کے متشدد حواری اس پر کان دھرنے کو تیار نہیں

دوسری جانب یہ خبر بھی گردش میں ہے کہ امیت شاہ نے ہریانہ کے وزیر اعلی منوہر لال، مرکزی وزیر مہیش شماسا کسی مہاراج اور سنگیت سوم کو بی جے پی کے دفتر طلب کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی چھوڑیں اشتعال انگیز بیان بازی سے احتراز برتیں مذہبی امور اور دوسرے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والے عوامل کو ہوا نہ دیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ امیت شاہ کی

بات بھی ان کے نزدیک گدھے کی لات کے مترادف ہوگی کیونکہ اس سے قبل بھی پارٹی کے لیڈر اور وزیراعظم نریندر مودی نے گونگلوؤں سے مٹی اتارنے کیلئے اپنے پارٹی رہنماؤں اور ورکروں اور اسی قسم کی ذلیل اور رسوا کن حرکات وافعال سے منع کیا تھا لیکن اس کا کوئی بھی مثبت نتیجہ نہ نکل سکا تازہ ترین واقعہ میں جموں کشمیر کے آزاد رکن اسمبلی انجینئر رشید کے منہ پر سیاہی ملنے کا ہے جس پر ادیبوں فنکاروں قلمکاروں شاعروں نے گالی دینے کی حد تک برا بھلا کہا لیکن عدم برداشت کے رویے اور واقعات کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ دادری مین پوری شملہ جنوبی کشمیر مہاراشٹر لدھیانہ جالندھر امرتسر بھٹنڈہ و دیگر شہروں کے واقعات چیخ چیخ کر بھارتی سرکار کی ہندو پروری کا بھر کھول رہے ہیں ہر شخص چاہے اس کا تعلق بھارت سے ہو کہ کسی بھی دوسرے ملک سے نریندر مودی سوالات کے جوابات کے متقاضی ہیں اول یہ کہ ان کی ان فسادات پر خاموشی چہ معنی دارد ہے سوائے نام نہاد کامیابیوں کو اپنے نام منسوب کرنے کے ان کا کسی واقعہ سے کوئی رجحان یا دلچسپی نظر نہیں آتی سانحہ دادری ان کی خاموشی اور پھر ریاستی حکومت کو ذمہ دار ٹھہرانا غلام علی کی تقریب کا منسوخ ہونا بی سی سی آئی کے دفتر میں شیوکے کارکنوں کا گھس توڑ پھوڑ کرنا ہریانہ میں بچوں کا زندہ جلادینے پر کوئی رد عمل کا نہ آنا دال کو کالا کرنے کیلئے کافی ہے اور انسانی حقوق کی پامالی کے ان واقعات نے سیکولر بھارت کے منہ پر ایسی کالک مل دی ہے کہ اس کا چہرہ ظلمت کی سیاہی سے

سیاہ ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کو بھی اس میں کچھ نہیں سوجھ رہا۔ لیکن انشاء اللہ اس کا مکروہ اور سیاہ چہرہ نورانی روشنی سے ہی عیاں ہوگا اور کوئی بھی کامل مسلمان ہی اسے روشن کرکے دنیا کے سامنے لائے گا جس طرح اقبال انصاری نے کیا۔

بی جے پی اور مودی کی حرکات بھارت کو ایکسپوز کرنے کیلئے کافی ہیں

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دہشت و وحشت کے اندھیرے میں انسانیت اور بھی روشن اور واضح نظر آتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانیت کی یہ شمع کون جلاتا ہے اور کس انداز میں جلاتا ہے، کس حوصلے سے اس مشعل کو گھٹاٹوپ اندھیروں میں لے کر نکل کھڑا ہوتا ہے اور بلا تفریق انسانیت کو فیض پہنچاتا ہے بھارت میں انسانیت سوزی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں اور واقعات میں یہ واقعہ مسلمانوں کی سماجی خدمات کی تازہ ترین مثال ہے جو ایک مسلمان صحافی نے رقم کی ہے اقبال انصاری ایک ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ کمپارٹمنٹ میں ایک ہندو خاتون نے ایک بچےکو جنم دیا ہے اور اس کا شوہر اپنے دونوں ہاتھوں میں نوزائیدہ بچے کو تھامے بے بس و بے یار و مددگار بیٹھا ہے اور ماں بھی اذیت میں مبتلا ہے کیونکہ بچے کی نال ابھی تک ماں سے جڑی تھی جو ایک نہایت ہی خطرناک بات تھی۔اس صورت حال میں کچھ مسافر خاموش تماشائی تھے تو کچھ وہاں سے کھسک جانے میں عافیت محسوس کر رہے تھے۔ عجیب و غریب صورت حال سے دوچار یہ ہندو جوڑا کسی غیبی مدد کا منتظر تھا۔ اقبال انصاری نے ریلوے ہیلپ لائن سے رابطہ کیا صورت حال سے مطلع کیااور مدد کی درخواست کی ڈاکٹر آیا اور اس نے زچہ و بچہ کی جان بچائی۔ لیکن اقبال نے یہ بات کسی کو نہ بتائی کہ وہ ایک جرنلسٹ ہے

دوسرے روز اخبار میں خبر شائع ہوئی تو بی ایم سی کی سٹینڈنگ کمیٹی کی میٹنگ میں اقبال انصاری کو خراج تحسین پیش کیا گیا اور ان کے اقدامات کو سراہا گیا بلکہ ایک خاتون صحافی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "ذرا بی جے پی کو بتادو کہ مسلم نوجوان سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں"

بھارت کے گھٹن زدہ اور کشیدگی کے ماحول میں جہاں اس وقت ہندو مسلم ہندو سکھ اور دوسرے نسلی وفرقہ وارانہ فسادات میں بھارتی سرکار کی مسلم دشمنی پیش پیش نظر آرہی ہے اقبال انصاری کا یہ اقدام ایک خوشگوار جھونکا ہے اور اندھیرے میں روشنی کی واضح کرن ہے اخبارات ٹی وی چینلز سوشل میڈیا پر جبکہ چہار جانب انسانیت سوز اور حیوانیت پر مبنی واقعات خوف وہراس کی فضا پیدا کر رہے ہیں متعصب ہندو مسلمانوں پر شب خون مارنے کا کوئی موقع جانے نہیں دے رہے گائے کا ذبیحہ ہو کہ مسجد میں اذان و نماز کے معاملات یا گوشت کا استعمال، اپنے مذہب سماجی اقدار اور قانون کی آڑ میں مسلمانوں پر مظالم کے کوہ گراں توڑے جارہے ہیں تو اس صورت حال کا نوٹس ہر جگہ لیا جارہا ہے سوائے بھارتی سرکار کے۔ اس مسئلے پر بیرون واندرون انڈیا کے مسلمان تو مسلمان انڈیا کے ہندو بنئے اور دوسرے فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی مودی سرکار کی موذی خاموشی اور انسانیت سوزی پر بلبلا اٹھے ہیں۔ ادیب فنکار قلم کار اور شعرا حضرات جو کہ کسی بھی معاشرے کے سب سے حساس امن پسند صلح جو بے ضرر

اور ٹھنڈے جذبات کے حامل لوگ ہوتے ہیں انہوں نے بھی اس پر شدید غم وغصے کا اظہار کیا اور اپنے غصے کو احتجاج کا رنگ اس طرح دیا کہ جن شعراء، ادبا، دانشوروں، فنکاروں اور قلم کاروں نے اکیڈمی ایوارڈز وصول کئے تھے اور انہوں نے واپس کرنا شروع کردیئے ان میں اکثریت غیر مسلم اور انٹر نیشنل شہرت کے حامل افراد کی ہے جن میں ادیئے سنگھ نین تارا سہگل کیکی دارو والا کاشی ناتھ خلیل مامون و دیگر شامل ہیں حتی کہ ایک تامل قلم کار نے تو دھمکیوں سے خوفزدہ ہوکر قلم سے ہی ہاتھ کھینچ لیا اب یہ احتجاج پوری دنیا میں زیر بحث ہے جس کی وجہ سے مودی سرکار المعروف موذی سرکار کی پاپولیریٹی کا گراف مزید گرتا جارہا ہے۔ بھارت کے سیکولر چہرے کے نقوش مزید سیاہ ہوتے جارہے ہیں لیکن متعصب مودی سرکار اور اس کے متشدد حواری اس پر کان دھرنے کو تیار نہیں

دوسری جانب یہ خبر بھی گردش میں ہے کہ امیت شاہ نے ہریانہ کے وزیر اعلی منوہر لال، مرکزی وزیر مہیش شاساکسی مہاراج اور سنگیت سوم کو بی جے پی کے دفتر طلب کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی چھوڑیں اشتعال انگیز بیان بازی سے احتراز برتیں مذہبی امور اور دوسرے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والے عوامل کو ہوا نہ دیں لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ امیت شاہ کی بات بھی ان کے نزدیک گدھے کی لات کے مترادف ہوگی کیونکہ اس سے قبل بھی

پارٹی کے لیڈر اور وزیر اعظم نریندر مودی نے گونگلوؤں سے مٹی اتارنے کیلئے اپنے پارٹی رہنماؤں اور ورکروں اور اسی قسم کی ذلیل اور رسوا کن حرکات و افعال سے منع کیا تھا لیکن اس کا کوئی بھی مثبت نتیجہ نہ نکل سکا تازہ ترین واقعہ میں جموں کشمیر کے آزاد رکن اسمبلی انجینئر رشید کے منہ پر سیاہی ملنے کا ہے جس پر ادیبوں فنکاروں قلمکاروں شاعروں نے گالی دینے کی حد تک برا بھلا کہا لیکن عدم برداشت کے رویے اور واقعات کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ دادری مین پوری شملہ جنوبی کشمیر مہاراشٹر لدھیانہ جالندھر امرتسر بھٹنڈہ و دیگر شہروں کے واقعات چیخ چیخ کر بھارتی سرکار کی ہندو پروری کا بھر کھول رہے ہیں ہر شخص چاہے اس کا تعلق بھارت سے ہو کہ کسی بھی دوسرے ملک سے نریندر مودی سوالات کے جوابات کے متقاضی ہیں اول یہ کہ ان کی ان فسادات پر خاموشی چہ معنی دارد ہے سوائے نام نہاد کامیابیوں کو اپنے نام منسوب کرنے کے ان کا کسی واقعہ سے کوئی رجحان یا دلچسپی نظر نہیں آتی سانحہ دادری ان کی خاموشی اور پھر ریاستی حکومت کو ذمہ دار ٹھہرانا غلام علی کی تقریب کا منسوخ ہونا بی سی سی آئی کے دفتر میں شیو کے کارکنوں کا گھس توڑ پھوڑ کرنا ہریانہ میں بچوں کا زندہ جلادینے پر کوئی رد عمل کا نہ آنا دال کو کالا کرنے کیلئے کافی ہے اور انسانی حقوق کی پامالی کے ان واقعات نے سیکولر بھارت کے منہ پر ایسی کالک مل دی ہے کہ اس کا چہرہ ظلمت کی سیاہی سے سیاہ ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کو بھی اس میں کچھ نہیں سوجھ رہا۔

لیکن انشاء اللہ اس کا مکروہ اور سیاہ چہرہ نورانی روشنی سے ہی عیاں ہوگا اور کوئی بھی کامل مسلمان ہی اسے روشن کرکے دنیا کے سامنے لائے گا جس طرح اقبال انصاری نے کیا۔

بلدیاتی نظام اور اس کی صورت حال

اگر تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو معلوم ہوگا کہ بلدیاتی نظام بہت پرانا ہے اور کسی بھی علاقے کی تعمیر و ترقی میں نہایت ہی اہم کردار کا حامل ہے.برصغیر میں مدراس وہ پہلا علاقہ ہے جہاں پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1688 میں سٹیزنز کمپنیاں قائم کی۔ 1726 میں میونسپل چارٹر کی بنا پر بمبئی اور کلکتہ میں کارپوریشنز کا قیام عمل میں لایا گیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں میونسپل گورنمنٹ یا لوکل باڈیز کی ابتدا کے مراکز مدراس بمبئی اور کلکتہ تھے۔1846 میں کراچی،1867 میں راولپنڈی اور لاہور کیلئے میونسپل ایکٹ پاس ہوا وائسرائے لارڈ رپن جب گورنر جنرل بنا تو اس نے مقامی حکومتوں کے کردار میں نہایت اہم کردار ادا کیا1884 میں پنجاب میونسپل ایکٹ کا نافذ ہونا اور1891 میں اس میں ترامیم کرکے میونسپل کمیٹیز کے ساتھ ساتھ علاقائی کمیٹیز کا بنایا جانا بھی شامل ہے 1911-12 میں بنگال اور پنجاب میں لوکل باڈیز کیلئے سب سے زیادہ قانون سازی کی گئی۔1941 میں قائم ہونے والی لاہور میونسپل کارپوریشن سب سے قدیم اور تاریخی حیثیت کی حامل مقامی حکومت ہے بعد ازاں قیام پاکستان کے بعد شہروں میں میونسپل کمیٹیز اور کنٹونمنٹ بورڈز بنائے گئے پنچایت سسٹم کا نفاذ اور پھر1953 میں ویلج پروگرام پر کام کا آغا کیا گیا۔1959-60 ایوب خان

کے دور حکومت میں بنیادی جمہوریت اور میونسپل ایڈمنسٹریشن آرڈیننس جاری ہوا جس کے تحت 80 ہزار کے قریب کونسلرز کو اختیارات تفویض کئے گئے۔ قصبوں میں ٹاؤن کمیٹی، دیہاتوں میں یونین کونسلز شہروں میں میونسپل کمیٹی اور وارڈز جبکہ ضلع میں ضلع کونسل اور کارپوریشنز بنائی گئی۔ 1972 میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ اور 1975 پنجاب لوکل گورنمنٹ ایکٹ کا نفاذ تو ہوا لیکن بلدیاتی الیکشن نہ کرائے گئے۔ 1977 میں ضیاء الحق نے مارشل لگایا اور 1979 سے اپنے دور حکومت میں لوکل گورنمنٹ آرڈیننس کے تحت تین بلدیاتی الیکشن کا انعقاد کروایا

1998 میں پنچایت سسٹم کی شمولیت کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا جس پر ہائی کورٹ نے پرانا سسٹم بحال کر دیا یہ وزیر اعظم نواز شریف کا دوسرا دور اقتدار تھا جس میں پنجاب میں شہروں کی سطح پر، بلوچستان کے مکمل صوبے میں انتخابات کرائے گئے جبکہ سندھ اور سرحد میں سیاسی چپقلش کی بنا پر انتخابات کو روبہ عمل میں نہ لایا جاسکا۔ اکتوبر 1998 جنرل مشرف کے اقتدار سنبھالنے کے بعد 2002 اور 2005 میں دو مرتبہ الیکشن ہوئے اور بلدیاتی حکومتوں نے اپنی مدت پوری کی۔ 2010 کے بعد قانون سازی کا بہانہ بنا کر اور اپنی مصلحتوں کے پیش نظر 2015 وسط تک انتخابات نہ کرائے گئے پھر خدا خدا کر کے بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں بلدیاتی انتخابات کا سلسلہ مکمل ہوا تو پنجاب کی باری آئی اب پنجاب میں تین مرحلوں میں سے پہلے مرحلے میں پنجاب کے اضلاع میں 31 12

اکتوبر کو بلدیاتی انتخابات ہونے جارہے ہیں۔جس میں ضلع لودھراں بھی شامل ہیں۔ اضلاع میں 2696 نشستوں پر الیکشن ہونگے چیئرمین و وائس چیئرمین کے پینل پر 12 میں سے 16 کا پینل بلامقابلہ منتخب ہوچکا ہے اسی طرح یونین کونسلز کی 6307 نشستوں پر 33794 میں سے 756 بھی کونسلرز بلامقابلہ اپنی جیت کا طبل بجاچکے ہیں جبکہ 156 اقلیتی امیدوار بھی دوڑ میں شامل ہیں۔تحصیل کہروڑپکا کی میونسپل کمیٹی کی حدود میں 28 وارڈز میں 37126 مرد و خواتین ووٹرز اپنا حق رائے دہی استعمال کریں گے جبکہ 15 یونین کونسلز نمبر50-64 میں 141403 ووٹرز اپنے ووٹ کا استعمال کرکے چیئرمین وائس چیئرمین اور کونسلرز کو ایوانوں تک پہنچائیں گے۔اب کہروڑپکا میں محرم الحرام کے عاشورہ کے اختتام کے بعد سے الیکشن سرگرمیوں میں روز افزوں اضافہ ہوگیا ہے سیاسی گرماگرمی سے ووٹرز بھی اب محظوظ ہورہے ہیں روایات کے برعکس اب ووٹرز بھی سیاستدانوں کی پالیسی اپناتے ہوئے سیاست کررہے ہیں اور اپنے گھر اور علاقے میں آنے والے تمام امیدواروں کو مکمل یقین دہانی کرائی جارہی ہے کہ ووٹ تو صرف ان کا ہے۔کارنر میٹنگز اجتماعات اور جلسوں کا سلسلہ بھی زور پکڑتا جارہا ہے حکومتی ارکان بھی بھرپور انداز میں اپنے امیدواروں کی کھلے بندوں کمپین چلارہے ہیں جیسے جیسے الیکشن کا وقت قریب آتا جارہا ہے ویسے ویسے سیاسی ماحول اور میدان گرم ہوتا جارہا ہے الزمات کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا ہے کہیں کہیں مخالف امیدوار کی کردار کشی کرکے بھی ہمدردیاں سمیٹنے کی کوششیں جاری

ہیں بلند و بانگ دعوے کرنے والے روایتی سیاستدانوں کو حسب روایت مزاحمت برداشت کرنا پڑ رہی ہے کوئی دل جلا ووٹر جلی کٹی سنانے میں بھی کوئی رعایت نہیں برت رہا لیکن چونکہ یہ لوگ اس قسم کی واقعات کے عادی ہوتے ہیں اس لئے وہ اسے روٹین کی کارروائی جان کا دل سے نہیں لگاتے کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ ایک لمبے عرصے کے بعد اگر دو باتیں یا دو لفظ سننے سے ہاضمہ درست رہتا ہے

برادریوں کے اعلانات اور شمولیت کو سب سے زیادہ اہمیت اور اولیت دی جاتی ہے کیونکہ بلدیاتی الیکشن کے حوالے سے دو باتیں زبان زد عام ہوتی ہیں کہ ایک تو بلدیاتی الیکشن حکومت کا اور حکومتی تعاون سے الیکشن لڑنے والے امیدواروں کا ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ بلدیاتی الیکشن میں برادری کا ووٹ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے چھوٹی بڑی برادریوں کے آپس میں ادغام اور سپورٹ سے بڑے بڑے اپ کئے جا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امیدواروں کی کوشش ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے برداریوں کے بااثر افراد کو قابو میں کرکے ووٹ کا حصول ممکن بنایا جائے جبکہ اسی ایشو کی بنا پر برادریوں میں اثر رسوخ رکھنے والے افراد اپنی افادیت کو بھرپور انداز میں کیش کراتے بھی دکھائی دیتے ہیں دعوتوں اور ضیافتوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہے۔ خال خال ایسی عجیب اور دلچسپ صورت حال میں دیکھنے میں آرہی ہے کہ پارٹی کے ٹکٹ ہولڈر کے

کرتے دکھائی دیتے contest مقابلے میں اسی پارٹی کے سپورٹر آزاد حیثیت میں الیکشن ہیں۔ پارٹی رہنما بھی کش مکش الجھن اور گومگو کی کیفیات کا شکار دکھائی دیتے ہیں کہ ٹکٹ ہولڈر کو سپورٹ کریں کہ سپورٹر۔ایک امیدوار کے فلیکس پر ایک رہنما کی تصویر ہے تو دوسرے مخالف کے فلیکس پر اسی پارٹی کے دوسرے رہنما کی تصویر بہت سے سوالات جنم دے رہی ہے ایسی صورت حال اکثر و بیشتر شہید کانجو گروپ کے امیدواروں اور ان کے سپورٹرز کے مابین کچھ زیادہ ہی دکھائی دے رہی ہے ایسی صورت حال پیش نظر یہ فضا بنتی جا رہی ہے کہ لوگ اب آزاد امیدوار یا کسی پھر دوسری پارٹی کی طرف رغبت دکھا رہے ہیں اور اس طرح سے آزاد امیدواروں کیلئے فضا سازگار بنتی جا رہی ہے۔اس سچویشن کے پیش نظر سرکاری مشینری کو بروئے کار لا کر حکومتی نمائندے چھپ چھپا کے کھمبے ٹرانسفارمرز سولنگ سیوریج کے کام بھی کرا رہے ہیں تاکہ حکومتی نشان کے حامل حلقے میں اپنی گرفت مضبوط رکھ سکیں

بین المذاہب اور بین المسالک ہم آہنگی

قوموں اور مذاہب کے درمیان ہم آہنگی ویسے تو دور جدید کی اختراع ہے لیکن اس کی تاریخ بہت پرانی ہے شہنشاہوں بادشاہوں راجاؤں سے بھی پہلے کے ادوار جس میں نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے لیکر خلافت راشدہ تک کی تاریخ میں بھی دوسرے مذاہب سے رواداری امن و آشتی اور حسن سلوک کی تلقین و نصیحت کی گئی ہے خود بھی اس پر عمل پیرا ہوئے اور پیروکاروں کو بھی اس کی تلقین کی ۔ اسلام وہ واحد دین ہے جو سب مذاہب میں سب سے زیادہ امن و محبت کا درس دیتا ہے اور اس کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ زور و جبر سے مبرا ہو کر اپنے اپنے کردار و افعال کے ذریعے سے ہم آہنگی کا سبق دیا جائے۔ تاریخ میں کہیں پر مصلحتوں کے پیش نظر حسن سلوک اور رواداری برتی گئی تو کہیں پر اپنے مقاصد اور عقائد کے پرچار کیلئے باہمی محبت و یگانگت کا اہتمام کیا گیا۔ بین المذاہب ہم آہنگی کو باقاعدہ طور پر متعارف کرنے کا سہرا جدہ کے کنگ عبداللہ II اور شہزادہ غازی بن محمد کے سر جاتا ہے جنہوں نے باقاعدہ طور پر اقوام متحدہ کے 65 ویں اجلاس میں 23 ستمبر 1020 کو اس کا مسودہ پیش کیا جس میں بین المذاہب ہم آہنگی کا ایک مکمل ہفتہ منانے کی تجویز دی گئی جسے اقوام متحدہ نے تسلیم کرتے ہوئے اسے باقاعدہ طور پر ہر سال فروری کے پہلے ہفتے میں منانے کا اعلان کیا گیا۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے اصل محرک غازی بن محمد نے 2007 میں پہلی مرتبہ اسے دنیاکے سامنے پیش کیا جس میں 29 ممالک نے سپانسرشپ کی جن میں البانیاآذر بائیجان بحرین بنگلہ دیش کوسٹاریکاڈومینکن جمہوریہ مصر سلواڈور جارجیا گوئٹے مالاگیانا ہندورس قازقستان کویت لائبیریا لیبیا موریطس مراکو عمان پیراگوئے قطر ریشین فیڈریشن سعودی عرب تنزانیہ ترکی متحدہ عرب امارات یوراگوئے اور یمن شامل ہیں۔اس کا بنیادی تصور یہ تھاکہ اس دنیاکے تمام لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی امن و محبت اور خیر سگالی کے جذبات کے پیش نظر اپنے اپنے عقائد میں رہتے ہوئے زندگیاں گزاریں۔ بین المذاہب ہم آہنگی دو چیزوں پر دلالت کرتاہے Love of God and love of neighbour OR Love of the good and love of the neighbour. سب کے ساتھ محبت اسی طرح کی جائے جیسے کہ ایک رب اپنے بندوں سے کرتا ہے اپنے قریبی لوگوں ہمسایوں اور غیر مذہب کے لوگوں کو تعظیم و تکریم دی جائے ان کے دیوی دیوتاؤں کو برا بھلا نہ کہا جائے ان کے عقائد پر قدغن نہ لگائی جائے انہیں اپنے کردار و اعمال اپنے رویوں اپنی عادات وخصائل کے اپنے دین کی طرف راغب کیاجائے محبت خدا کیلئے کی جائے انسانیت کا درس اور انسانیت کی فلاح ہی سب سے بہتر طریقہ ہے کہ دنیاپر امن رہ جائے

کی پالیسی divide and rule اگر تاریخ کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مغرب کی پست ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے وہ لوگ اس بات سے خائف تھے کہ اگر کچھ لوگ کچھ مذاہب کچھ ملک ہمارے خلاف متحد ہو گئے کسی ایک کاز کیلئے اکٹھے ہو گئے تو ہمیں اس دنیا میں اپنی بقا کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اور اسی بنیاد پر انہوں نے ہر جگہ اپنی منفی پالیسیوں ریشہ دوانیوں اور باہمی تنازعات کو ہوا دے مذاہب اقوام اور ممالک کے درمیان ایک گرم و سرد جنگ کا آغاز مسلسل جاری رکھا جس کی وجہ سے دنیا میں کئی جنگیں ہوئیں اور لاکھوں کے تعداد میں لوگ لقمہ اجل بن گئے اور فی الوقت بھی یہ عمل جاری ہے لیکن مسلمدنیا کی جانب سے بین المذاہب ہم آہنگی کا سب سے پہلے درس دیکر ایک مرتبہ بھی یہ بات ثابت کردی گئی کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو بین المذاہب ہم آہنگی بین المذاہب خوشحالی اور بین المذاہب مکالمہ جات پر یقین رکھتا ہے اور شدت پسندی تعصب اور پسند و ناپسند سے بالا ہو کر انسانیت کی فلاح و بہبود کا حامی ہے اور مسلمانوں کی خواہش ہے کہ ان تمام قوتوں کے خلاف مزاحمت کی جائے جو مذاہب کے درمیان غلط فہمیاں دوریاں بداعتمادی اور بے یقینی کی فضا قائم کرتے ہیں اقوام و مذاہب کو تقسیم کرکے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل چاہتے ہیں اسی طرح بین المسالک ہم آہنگی کا سلسلہ بھی مرطوب ہونا چاہئے کہ ہم فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر انتہائی حد تک چلے جاتے ہیں نام نہاد ملاں اپنی اپنی سوچ اور ضرورت کے مطابق تشریح کرکے مسلم

امہ میں فاصلے پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں مسلم امہ کے دانشور علما کرام کو بھی اس مسئلے کو سنجیدگی سے لینا چاہئے کہ ہم نے دین کو ایک سائیڈ پر رکھ کر مسالک کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خلیج بڑھتی جا رہی ہے تمام مسالک کے علمائے کرام اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کریں اور بین المسالک ہم آہنگی خیر سگالی اور رواداری کو پروان چڑھائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانیت ہر جگہ محبت امن بھائی چارہ اور ہم آہنگی سے جڑی ہوئی ہے یہ صرف مفادات سے منسوب نہیں ہے ہر شخص خواہ اس کا مذہب اور عقیدہ کوئی بھی ہو اسے برداشت تحمل حسن سلوک باہمی عزت اور باہمی تعاون جیسے مثبت رویوں سے ہی رام کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان بھی ہمیشہ سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے اور اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے اور ہر طرح سے facilitate کرتا ہے لیکن ہمسایہ ملک اپنی ہٹ دھرمی تعصب پسندی انتہا پسندی جیسے مکروہ عوامل میں پھنسا ہوا ہے اور عالمی امن کیلئے خطرہ ہے جو کہ عالم کیلئے لمحہ فکریہ ہے اور سب سے اہم نکتہ جو کہ بین المذاہب کے حوالے سے ہے کہ ''آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے'' القرآن

چھٹی......!

گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی اقبال ڈے آیااور گزر گیا لیکن اس مرتبہ ایک لمبی بحث بھی چھوڑ گیا کیونکہ اس مرتبہ روایات کے برعکس یوم اقبال پر سرکاری اداروں بالخصوص تعلیمی اداروں میں حکومت کی جانب سے چھٹی ختم کردی گئی تھی اس ایشو پر لوگوں کو دو طبقوں میں تقسیم کردیا۔ ایک طبقہ وہ ہے جو کہ ہمیشہ سے چھٹی کا دلدادہ اور حامی ہے دوسرا طبقہ اس کے برخلاف چاہتا ہے کو چھٹی کی بجائے اس دن کو باقاعدہ celebrate کیا جائے۔ چھٹی کا خواہاں طبقہ اس بات پر مصر ہے چونکہ ''ہم روایتوں کے امین ہیں''اور جس طرح سے روایت چلی آرہی ہے کہ یوم پیدائش ڈاکٹر علامہ محمد اقبال 9 نومبر کو ملک بھر میں عام تعطیل ہونا چاہیئے تاکہ نوجوان نسل اور نسل نو کو بھی علامہ اقبال کی حیثیت واہمیت کا ادراک ہوسکے۔ وہ یہ جان سکیں کہ آج کے روز پیدا ہونے والی شخصیت اتنی بڑی تھی کہ پورے ملک میں چھٹی کردی گئی ان کے مطابق علامہ اقبال اور ہمارے دوسرے قومی ہیروز مشاہیر پاکستان کے بارے میں روشناس کرانے کیلئے ضروری ہے کہ اس دن چھٹی منائی جائے چھٹی نہ منا کر نسل نو اور بچوں میں علامہ اقبال سے محبت ختم کرنے کے مترادف ہے کسی بھی شخصیت کے قد کاٹھ ،افادیت، عظمت اور انس ولگاؤ جانچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس روز تمام تماموں کو معطل کردیا جائے۔

روزمرہ کے معاملات کو پس پشت ڈالتے ہوئے تمام لوگ گھروں میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مشغول رہیں۔ ٹی پر ٹاک شوز، ڈرامے ، فلمیں یا دوسرے پروگرامز سے محظوظ ہوں۔ انٹرنیٹ یا موبائل فونز پر سرفنگ کریں یا پھر اپنی فیملیز کے ہمراہ پکنک منانے کیلئے کسی پکنک پوائنٹ پر جا دھمکیں اور اس طرح سے اس شخصیت کو خراج تحسین پیش کریں۔مزید یہ کہ چونکہ میڈیا کا دور ہے اسلئے اپنے اسلاف کی عظمت و توقیر کیلئے میڈیا پر نشر کئے جانیوالے پروگرامز سے استفادہ کریں اور اس کی خدمات جدو جہد اور عملی کاوشوں کے بارے میں جان کر ان کا دن منائیں۔

دوسرا طبقہ اس کے برعکس خیالات کا حامل ہے ان کا موقف ہے کہ کسی بھی قومی ہیرو یا شخصیت کے بارے میں آگاہی دینے، ان کی خدمات کا اعتراف و اعادہ کرنے،ان کے کارہائے نمایاں کو نوجوان نسل اور نونہالان وطن کو بتانے کیلئے ضروری ہے کہ چھٹی کرنے کی بجائے ہم اداروں بالخصوص تعلیمی اداروں میں اس شخصیت کے حوالے سے پروگرامز منعقد کریں ان پروگرامز میں اس شخصیت کی مختلف تصاویر آویزاں کریں، ان کے کارنامے بتانے کیلئے تقاریر بحث و مباحثے اور کوئزکے پروگرامز کا انعقاد کیا جائے ان کے علاقے جائے پیدائش آباؤ اجداد کے بارے میں تعارف کرایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ اس شخصیت نے کس بنیاد پر کس نظریے کے تحت کن کن خیالات کے پیش نظر ایسے کارنامے سرانجام دیئے۔ان کے

یہ کارنامے کس طرح ملک و قوم کے بہتر مفاد میں ثابت ہوئے۔ اس طبقہ کا یہ بھی خیال ہے کہ چھٹی کے دن بس ہم محض چھٹی سمجھ کر گزار دیتے ہیں۔ گھر میں اس حوالے سے کوئی سرگرمی نہیں ہوتی اور نہ ہی ہم اپنے بچوں کو اس بابت آگاہی دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ آؤٹنگ کرنے سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ وہ شخصیت جس کی وجہ سے آج ہمیں اپنے کاموں سے تعلیم کے سلسلے سے اور اپنی ڈیوٹیز سے چھٹکارا ملا ہے وہ پکنک کی دلدادہ تھی ہمارے میڈیا نے کچھ عرصہ سے بالخصوص جنرل راحیل شریف کے اقدامات کے بعد سے قومی ہیروز اور ان کی خدمات کو سراہنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے لیکن ہمارے میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے پاس اس قدر مواد میسر نہیں ہے وہ اس شخصیت کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو یا ڈاکومنٹری پیش کرسکیں جب تک لوگ خود اس پروسس میں انوالو نہیں ہونگے اس تقریب کا حصہ نہیں بنیں گے اس وقت تک وہ اس ہیرو یا شخصیت کو اپنے اذہان و قلوب میں داخل نہ کرسکیں گے کسی کے بارے میں جاننے کیلئے اسے پڑھنے سے زیادہ سننا اور سننے سے زیادہ دیکھنا سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے اگر آپ کسی بچے کو بتائیں کہ ایک شیر ہوتا ہے اس کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں بڑے بڑے دانت ہوتے ہیں تو وہ اس کے بارے میں اتنا نہیں جان پائے گا جتنا کہ اس کی تصویر دیکھ کر اور اگر اس کی یادداشت میں مزید پختگی لانا مقصود و مطلوب ہے تو اس کی وڈیوز یا پھر کسی چڑیا گھر میں اس سے ملاقات کرائی جائے تو وہ بچے زندگی میں کبھی بھی اس شیر کے بارے میں کنفیوز نہیں ہونگے کبھی

بھی وہ شیر کو چیتا یا بندر نہیں کہیں سمجھیں گے

کیا جائے تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اداروں میں sumup لہٰذا اگر اس معاملے کو
چھٹی نہ کی جائے دفاتر میں دفتری کام کو معطل کر دیا جائے سکولز و کالجز اور یونیورسٹیز
میں کلاس ورک کی بجائے اس موضوع کو زیر بحث لایا جائے تمام اساتذہ اور طلبا و
طالبات کے ذمے اس حوالے سے کوئی ایک کام اسائن کیا جائے اگر وہ شاعر ہے تو اس
کے اشعار کو کسی بھی انداز میں پیش کرایا جائے ان کے اقوال زریں کے جمع کرایا جائے
ان کو پڑھ کر بتایا اور سمجھایا جائے ان کے اعمال کردار اور سیرت کے حوالے سے کوئی
تقاریر نغمے پیش کئے جائیں ان کی تصاویر کو ڈسپلے کرایا جائے تاکہ تمام لوگ ریلیکس موڈ
میں اس شخصیت کے بارے میں بہتر انداز میں جان سکیں۔

انسانیت یاد آگئی

پیرس میں آٹھ حملہ آوروں کی فائرنگ سے 130 کے لگ بھگ لوگ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے یہ ایک بڑا المناک واقعہ تھا اور قابل مذمت بھی۔ اس پر مغربی ممالک سے بھرپور انداز میں مذمتی بیانات آئے قرار دادیں منظور ہوئیں سکیورٹی ہائی الرٹ ہوئی سرحدیں سیل کر دی گئیں کرفیو کا نفاذ ہوا مغرب کیلئے یہ ایک انھونا واقعہ تھا پہلے پہل تو لوگوں کو یقین ہی نہ آیا کہ فرانس میں یہ دہشت گردانہ کارروائی عمل میں لائی جارہی ہے پر اامن کے دینا کے باسیوں کیلئے یہ قتل عام ہے جس پر امریکی صدر اوبامہ فرماتے ہیں کہ ''یہ پوری انسانیت اور آفاقی اقدار پر حملہ ہے''برطانوی وزیر اعظم فرانسیسی صدر و دیگر نے اسے انسانیت پر حملہ سے منسوب کیا۔ ہم بھی کہتے ہیں مسلمان بھی کہتے ہیں اور آج سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ چودہ سو سال قبل سے کہہ رہے ہیں ہمارے آقائے نامدار وجہ تخلیق کائنات سرور دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی ناحق کسی انسان کو قتل کرتا ہے گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے آپؐ نے کسی مسلمان کا لفظ استعمال نہیں فرمایا مسلم غیر مسلم، عربی عجمی، گورے کالے، بڑے چھوٹے کی تفریق سے بالاتر ہو کر چودہ سو سال قبل فرمارہے ہیں کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کو مارنے کے مترادف ہے بیت اللہ جسے تمام دنیا

میں بالخصوص مسلم امہ میں عزت و تکریم عظمت و تقدس کا منبع جانا جاتا ہے اور حضور اکرؐ کی اس سے محبت عقیدت اور لگاؤ کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات ہی نہیں آپؐ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو اللہ کا گھر ہے اگر تجھے کوئی سو مرتبہ گرائے اور سو مرتبہ بنائے تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوگا جتنا کہ ایک انسان کے ناحق خون بہانے پر ہوتا ہے۔

جی ہاں یورپ والو! یہ ہیں ہماری اقدار ہماری روایات جنہیں ہم اب تک نبھانے کی کوشش میں لگے ہیں لیکن تم نے کبھی بھی اپنے رویے اپنے خیالات اور اپنی منفی سوچیں ہمارے بارے میں تبدیل نہ کی ہیں.برما میں مارنے جانے والے کیا انسان نہیں تھے بوسنیا میں قتل عام میں جان گنوانے والے انسان نہیں تھے گجرات میں مذہب کے نام پر جان کا نذرانہ پیش کرنے والے انسان نہیں تھے فلسطین و کشمیر لیبیا میں جو.بربریت کے کھیل کھیلے جارہے ہیں مسلمانوں کو تہہ و تیغ کیا جارہا ہے کیاوہ انسان نہیں تھے؟انسانیت کے نام نہاد علمبردارو! کیا انسانیت صرف تم تک محدود ہے کیا صرف تم ہی انسان کہلانے کے حقدار ہو کیا مسلمان انسانیت کی معراج پر پورا نہیں اترتے یا تمہارے پیمانے گڑبڑا گئے ہیں۔ ہاں یقینا تمہارے پیمانوں میں فتور آگیا ہے اور آج سے نہیں بلکہ اس وقت سے ہے جب ہمارے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہود و نصاری کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے لیکن بہت سی اور دوسری باتوں کی طرح یہ باتیں

بھی ہماری سمجھ میں نہیں سما رہی ہیں۔ ہمارے ملک کے وزیر خزانہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیں قرضے (بھیک) نہیں دیتے 10 مانگو تو ایک ملتا ہے تو بابا جی یہ کوئی نئی بات نہیں جب بھکاری کسی کے پاس آ کر سوال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے نام پر سو روپے کا سوال ہے بابا تو اسے دیکھ کر آپ کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اسے کڑوی کسیلی سناتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہٹے کٹے ہو کر مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی اور پھر اگر اسے کچھ دینا پڑ جائے تو پانچ دس روپے دے کر جان چھڑا لیتے ہو کیونکہ تم اس کی ڈیمانڈ کے مطابق اسے دینے کے پابند نہیں ہو چونکہ وہ بھکاری ہے۔ ہماری گورنمنٹ کا بھی یہی حال ہے۔ یورپ والے اسے بھکاری گردانتے ہیں اور پھر اپنی مرضی کی بھیک دیتے ہیں اور اس بھیک پر بھی قدغن اور ٹیکس کاٹ کر الگ ہوتا ہے جو کہ عوام کے جوڑ جوڑ کڑکڑا دیتا ہے کیونکہ وہ یورپ والے جانتے ہیں کہ سوال کرنے والے ہٹے کٹے ہیں ان کی ہمارے ملکوں کے بنکوں میں موجود رقوم اتنی ہیں کہ اگر وہ اپنے ملک میں لے جائیں اور اسے استعمال میں لائیں تو قرض کی والا معاملہ ہی ختم ہو جائے لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ عادی بھکاری ہیں یہ صرف ہاتھ پھیلانا جانتے ہیں ان کا ہاتھ کبھی اوپر والا نہیں ہو سکتا لہذا وہ اپنی مرضی و منشا کے مطابق شرائط رکھتے ہیں جلی کٹی سناتے ہیں اور پھر ڈیمانڈ کا ایک دو فیصد کشکول میں ڈال دیتے ہیں اور حکمرانوں کو یہ جلی کٹی بھی بری محسوس نہیں ہوتی۔

دراصل ہمارے حکمرانوں نے کبھی عوام کو یہ باور نہیں کرایا کہ وہ یہ بھیک عوام کیلئے مانگتے ہیں کیونکہ وہ مانگتے ہی اپنے لئے ہیں اسی لئے انہیں یہ سب.برا بھی محسوس نہیں ہوتااور پھر جو رقم مملکت خداداد میں بطور قرض آتی ہے کہاں پر خرچ ہوتی ہے کیسے خرچ ہوتی ہے کس پر خرچ ہوتی ہے کمیشن میں کتنی استعمال ہوتی ہے اس کا کوئی حساب نہیں بس یہ پتا چلتا ہے کہ کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے کے مصداق پوری قوم کا ہر ہر فرد لاکھوں روپے کا مقروض ہوچکا ہے اور قرض ہے کہ.بڑھتا ہی جارہا ہے ہم بطور قرض دار اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ قرض دینے والے کے نیچے لگنا چاہیے۔ بہر حال جب تک ہم من حیث القوم یورپ والوں کو یہ باور نہیں کرائیں گے کہ ہم پاکستانی اور پوری مسلم امہ بھی انسان ہیں ہمارے بھی احساسات وجذبات ہیں ہیں ہمیں بھی دکھ محسوس ہوتا ہے کانٹے کی چھبن کا احساس ہوتا ہے زخم لگنے پر تکلیف ہوتی ہے اس وقت تک ہم دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی مانند کٹتے رہیں گے اور یہ لوگ جو صرف اپنے آپ کو انسان گردانتے ہیں ہمیں کچلتے رہیں گے اس میں کوئی دورائے نہیں ہیں کہ پیرس میں ہونے والی دہشت گردانہ کارروائی ننگ انسانیت ہے انسانیت کا کلنک کا ٹیکہ ہے انسانیت کے منہ پر کالک ہے لیکن یہ تمام حسیات وکیفیات مسلمانوں کے قتل عام کیلئے بھی عود کر آنی چاہئیں.برما بوسینیا انڈیا فلسطین شام عراق لیبیا چیچنیا کشمیر اور پاکستان میں مرنے والے بھی گوشت پوست کے انسان ہے ان کی تکلیف پر بھی انسانیت کے ٹھیکیداروں کو دکھ

تکلیف محسوس ہونا چاہئے دوہرے معیارات کو چھوڑنا چاہئے یہی درحقیقت انسانیت سے محبت کا ثبوت ہے ورنہ تو......؟

حوصلہ افزائی کی تقریب

شاباش (appriciiation)، ویلڈن اور بہت خوب کے الفاظ کسی بھی شخص کیلئے ایک طاقتور ٹانک کا دوسرا نام ہے کسی کے عمدہ کام، اعلیٰ کارکردگی، اس کی قابلیت ولیاقت کو سراہنا اور اس کیلئے تعریفی کلمات کی ادائیگی اس شخص کیلئے عظیم سرمایہ ہوتے ہیں اور جب یہ کلمات ایک تقریب سجا کر آپ کے نام سے منسوب کئے جائیں تو یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے ایک تھپکی ہوتی ہے کہ انھوں نے جس محنت اور خلوص سے یہ نمایاں اور منفرد عمل سرانجام دیا ہے اسے مزید نکھارا جائے اس میں اضافہ کرکے اپنی صلاحیتوں کو منوایا جائے۔آج کے کالم میں میں جس تقریب کا ذکر کرنے جارہاہوں یہ بھی اپنی نوعیت کی ایک منفرد تقریب تھی عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے لوگ اپنے سے بڑے عہدے مرتبے کے لوگوں کیلئے تقاریب کا انعقاد کرتے ہیں کہیں پر ان کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے کہیں پر کسی کو obligeکرنے کا عمل کارفرما ہوتا ہے لیکن یہ تقریب بڑوں نے اپنے چھوٹوں ماتحتوں کی عمدہ کارکردگی کامظاہرہ کرنے، فرض شناسی سے ڈیوٹی سرانجام دینے اور اپنے ذمہ فرائض کو بخوبی واحسن طریقے سے انجام دینے پر ان کے اعزاز میں سجائی جو انھوں نے محرم الحرام اور بلدیاتی الیکشن میں سرانجام دیں اور اس کی انفرادیت اس وقت بھی دوچند ہوجاتی ہے کہ جب ایک ضلعی پولیس افسر اپنے

ماتحت آفیسرز اور ملازمین کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے تقریب منعقد کرے کیونکہ ایسی روایات نایاب ہیں اور جب سے ڈی پی او لودھراں اسد سرفراز خان نے لودھراں میں قدم رنجہ فرمایا ہے اس وقت سے نئی نئی روایات کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے جو کہ خوش آئند ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے ضلع کو نئی جہت بھی بخش رہی ہیں۔

یہ بھی ایک باوقار تقریب تھی جس میں ضلع بھر سے چنیدہ لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا جس میں جوڈیشری، ضلعی انتظامیہ ،آرمی ، ضلعی امن کمیٹی ،پولیس آفیسرز اور ضلع بھر سے اہل قلم و کیمرہ (جرنلسٹ) کو اس تقریب کا حصہ بنایا گیا تھا تقریبات کسی بھی علاقے میں معمول کا معاملہ ہوتی ہیں جو کہ اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ جتنے زیادہ اعلی عہدے کے لوگ مدعو ہوتے ہیں تقریب اتنی زیادہ ڈریگ ہو جاتی ہے اور دو تین گھنٹے لیٹ ہونا معمول کی بات سمجھی جاتی ہے جبکہ دو تین گھنٹے کا اضافہ بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ پولیس لائن میں منعقدہ اس حوالے بھی unique تھی کہ اپنے مقررہ ٹائم پر تمام احباب پنڈال پہنچ گئے اور اپنے مقررہ وقت پر آغاز ہوا۔نقیب محفل نے چار سے پانچ منٹ میں پروگرام کی غرض و غایت بیان کی اور ثنائے لم یزل کے بعد گلہائے عقیدت بحضور سرور کونین احمد مجتبی ﷺ نچھاور کئے گئے۔ بعد ازاں محفل کے روح رواں اسد سرفراز خان ڈی پی او نے بڑے پر وقار اور نپے تلے انداز میں معزز

حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور انہیں پولیس کے ساتھ مثالی تعاون پر خراج تحسین بھی پیش کرتے ہوئے چھ منٹس میں اپنی تقریر سمیٹ دی اور چھ اداروں کو بہترین انداز میں ان کی کارکردگی اور معاونت پر سراہا۔ اسد سرفراز کا ماننا ہے کہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کسی بھی ضلع میں ایک شفیق باپ کی حیثیت کا حامل ہوتا ہے تمام اداروں کو قواعد و ضوابط کے مطابق چلانا ان سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج لودھراں اکرام اللہ صاحب اور دوسرے ججز صاحبان نے جس انداز میں ہمیں رہنمائی، عزت اور تکریم دی میں ان کا ممنون احسان ہوں۔ اگر بات کی جائے ضلعی انتظامیہ کی تو ڈی سی او لودھراں محمد شاہد نیاز کی کوآرڈینیشن مثالی رہی جہاں جہاں کسی بھی مسئلہ کو فیس کرنا پڑا شاہد نیاز نے بڑے بھائی کا کردار نبھاتے ہوئے ہمیں باہم معاونت فراہم کی اور مسائل سے چھٹکارا دلایا۔ محرم الحرام جو کہ مذہبی و مسلکی حوالے سے ایک انتہائی حساس تہوار ہے بالخصوص پہلا عشرہ تو نہایت ہی ٹینس ہوتا ہے اور پوری پولیس اور انتظامیہ اس میں بری طرح ملوث ہوتی ہے دہشت گردی کا عفریت اور تخریب کاری کے خوف کے ساتھ ساتھ مسالک میں تصادم کا خطرہ بھی ہمہ وقت منڈلاتا رہتا ہے لیکن میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں ضلعی امن کمیٹی کو کہ جنہوں نے مجھے محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ محرم الحرام ہے تمام لوگ ایک منظم انداز میں میرے شانہ بشانہ رہے اور بفضل تعالی یہ ٹائم بھی بخیر و خوبی گزر گیا۔ میں ان کی محبت اخلاص اور بھرپور تعاون کو سلام پیش کرتا ہوں ان کی

خدمات نا قابل فراموش ہیں۔میڈیا کے کردار کو نہ سراہنا اور قابل ستائش نہ ٹھہرانا بھی یقیناً زیادتی کے مترادف ہوگا اور میں اس زیادتی کا متحمل نہیں ہو سکتا،پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا نے جس بھرپور انداز میں مثبت، تعمیری و اصلاحی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے کوریج دی ہماری کی کوتاہی پر تنقید.برائے تنقید کی بجائے تنقید.برائے اصلاح پر گامزن رہے، ہماری رہنمائی کی عوام اور پولیس کے مابین فاصلہ کم کرنے اور اعتماد .بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا جو کہ قابل صد تحسین ہے اور ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔پاک آرمی کی خدمات کا احاطہ تو کسی بھی طور ممکن نہیں سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوں میں تمام آفیشلز کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے محرم الحرام اور بلدیاتی الیکشن میں ہمیں تقویت بخشی۔

اب کچھ بات ہو جائے میری ٹیم کی جس کا مجھے ضلع لودھراں میں کمانڈر بنا کر بھیجا گیا اس ٹیم نے میری ہر کوشش اور ہر ہدایت پر بلاچوں چراں عمل کیا لودھراں میں بطور ڈی پی او میں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ پر بہت سے نئے تجربات کئے اور الحمدللہ سرخرو ہوئے ہماری کاوشیں رائیگاں نہیں گئیں میرے سٹاف اور پوری ٹیم شب و روز میرے ساتھ ملکر ضلع کو امن کا گہوارہ بنانے، جرائم کی بیخ کنی، مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے، مظلوموں کی داد رسی کرنے ، عوام میں اعتماد و یقین کی فضا پیدا کرنے اور پولیس کا مورال بلند کرنے میں جو

کردار ادا کیااور جس طرح تمام امور کو پایہ تکمیل پہنچانے میں اخلاص و محبت اور فرض شناسی کو شعار بنایا میں انہیں سیلیوٹ کرتا ہوں۔لاہور میں ہوتے ہوئے بھی میں نے بہت سے تجربات کئے لیکن جو تعاون اور ہمراہی مجھے لودھراں کے جوانوں نے فراہم کی لائق صد تحسین ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ضلع کے 15 ایمرجنسی سسٹم کو پذیرائی مل رہی ہے ہمارے کاموں کی تقلید میں دوسرے اضلاع بھی اب سسٹم کو adopt کرنے جارہے ہیں جس کا تمام تر کریڈٹ میری ٹیم کی شبانہ روز محنت کو جاتا ہے۔ موجودہ سسٹم میں مزید بہتری لاکر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اپلائی کیا جائے تو ہماری افرادی قوت میں کمی کے سب سے.بڑے مسئلے سے باآسانی نمٹا جاسکتا ہے

یہ اور اسی قسم کی تقاریب سجا کر حوصلہ افزائی کی فضا قائم کرنا ہے اور اسد سرفراز نے بھی یقینا اسی مقولے پر عمل کیا ہوگا (Real education is your behaviour with others not your status. So work hard but spend some time with those who belong to you who care and love you. People remember you for your Good and Bad behaviour.) ”

حقیقی علم یہی ہے کہ آپ دوسروں لوگوں کے ساتھ کس طرح سے پیش آتے ہو یہ نہیں ہے کہ آپکا مرتبہ کیا ہے، محنت کئے جاؤ لیکن اپنے وقت میں سے کچھ وقت ان لوگوں کیلئے بھی وقف کرو جو آپ کے متعلق ہیں آپ سے انس و محبت رکھتے ہیں آپ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہیں کیونکہ

لوگ آپ کو ہمیشہ آپ کے اچھے یا برے رویے اور سلوک کی بنا پر یاد رکھتے ہیں'' ویسے بھی خوبصورت لوگ ہی خوبصورت روایات کا امین ہوتے ہیں امید واثق ہے کہ آنے والے وقت میں بھی ڈی پی او لودھراں اسد سرفراز ضلع کیلئے مزید بہتر امور سرانجام دیں گے تاکہ جرائم اور مجرموں کو اپنے کرتوت دکھانے کے مواقع میسر نہ آسکیں۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کا 341 ارب روپے کا کسان امدادی پیکج کسانوں کو ریلیف دینے کی بجائے ان کے لئے درد سر بنا ہوا ہے لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی ہیں ایک ایک سنٹر پر سینکڑوں لوگ اپنے روز مرہ کے کام کاج چھوڑ کر منہ اندھیرے آ کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ اپنی باری پر انٹری ہو سکے ہر شخص یہ سوچ کر جلدی آتا ہے کہ میں سب سے پہلے پہنچوں گا لیکن جب آتا ہے تو پہلے سے ہی کچھ یا اکثر لوگ لائن میں لگ چکے ہوتے ہیں ۔ ابھی دفتر بند ہے، بنک بند ہے تحصیلدار قانونگو پٹواری گھر پر سکون کی نیند سو رہے ہیں بنک عملہ ابھی تک نہیں پہنچا ہے لیکن یہ مظلوم اور قسمت کے مارے کاشتکار اور کسان سینکڑوں کی تعداد میں آ چکے ہیں کچھ تو ایسے ہیں جو مسلسل تین دنوں سے آ رہے ہیں لیکن ابھی تک ان کی باری نہیں آئی یہ لوگ وزیر اعظم پاکستان کسان پیکج کے مارے اور ستائے ہوئے لوگ ہیں جو وزیر اعظم کی سخاوت اور دریا دلی سے دیئے گئے 341 ارب روپے کی امداد میں سے اپنا حصہ وصولنے آئے ہیں ان میں سے کوئی دو ایکڑ کا مالک ہے تو کوئی تین ایکڑ کا مستاجر جنہیں پانچ ہزار روپے فی ایکڑ ملنا ہے دو دو تین تین دنوں سے گھروں سے نکلے ہوئے کام کاج کو تیاگ کر تازہ مزدوری کرنے والے یہ حالات کے ڈسے لوگ صبح صادق کے وقت پہنچتے ہیں اور پھر اکثر خالی ہاتھ اگلے

دن ملنے کی امید میں رات گئے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

شہر شہر تحصیل و ضلع کی سطح پر یہ کھیل جاری ہے انتظام و انصرام ہمیشہ کی طرح مفقود ہیں ہر شخص کی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہے جو جس کے جی میں آ رہا ہے نت نئے تجربات کرکے کسانوں کو ذلیل و رسوا کرنے پر تلا بیٹھا ہے محکمہ مال ہو کہ بنک کا عملہ اور تحصیل و ضلعی انتظامیہ وزیراعظم پاکستان نواز شریف کے لنگر کو تقسیم کرنے میں جتی ہوئی ہے جبکہ اس محکمہ جات سے متعلقہ دوسرے امور تاخیر اور بدنظمی کا شکار ہیں جائیداد و وراثت کے معاملات تاخیر کا شکار ہیں بنک کے معمولات میں خلل پڑ چکا ہے کسٹمر پریشان ہیں اقرباپروری اور سیاسی نوازشات کی شکایات عام ہیں دن بھر کے تھکے ماندے بے بس و بے کس کاشتکار اکثر و بیشتر دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔ میری باری میرا نمبر کی رٹ ہر شخص کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن دیگر بہت سے دوسرے امور کی مانند یہاں پر بھی کوئی منظم یا ترتیب شدہ کام اور تربیت یافتہ عملہ ناپید ہے

معزز قارئین بات اگر یہیں تک محدود و رہتی تو بھی شاید پاکستانی بھولی بھالی قوم اسے معمول سمجھ کر اور حکومتی ناکام انتظام جان کر پس پشت ڈال دیتی لیکن دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا کہ ابھی

چیکس کی تقسیم کا عمل مکمل نہیں ہوا بنک سے رقوم کی ادائیگی ہنوز باقی ہے کہ اب حکومت نے ''کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے'' کے مصداق زرعی ٹیکسز کی مدات میں ریکوریز کا عمل تیز کرنے کی ہدایات تمام ڈی سی اوز کو جاری کردی ہیں اور انھوں نے اپنے ماتحت اور ریکوری سے متعلقہ محکمہ جات کو متحرک کرنا شروع کردیا ہے کسان جو کہ ابھی تو اپنے ہرے زخم سہلا رہے ہیں کہ ان پر مزید نمک و مرچ کا تڑکہ لگانے کی تیاری شروع ہو چکی ہے فصل تباہ زمین فارغ قرضہ سر کھانے کو روٹی کے لالے رقوم کی ادائیگی ندارد جیسے عوامل اور مسائل کیا کم تھے کہ حکومت نے آبیانہ مالیہ ،زرعی انکم ٹیکس و دیگر کی ریکوری کا عمل بھی شروع کرنے کا عندیہ دے دیا ہے، کسان تو کسان محکمہ مال کے چھوٹے سے لیکر بڑے افسر تک سر پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ ایک عفریت تو ابھی گلے سے نکلا نہیں دوسرا بھی سر تھوپا جا رہا ہے

اگر وزیر اعظم اپنی کچن کیبنٹ سے نکل کر کسی سیانے بندے سے مشورہ کر لیتے تو شاید ایسی صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ مثال کے طور پر جس طرح ان تمام کسانوں اور کاشتکاروں کی فہرستیں مرتب کی گئیں کہ جنھیں امدادی رقوم دینا مقصود تھا تو یہی فہرستیں اور ان میں شامل دہقانوں کو بجائے بھیک دینے اور ذلیل و خوار کرنے کے سے اندازکے،ان کے ذمہ واجب الادا ٹیکسز کو معاف کردیا جاتا ان کو لائنوں میں لگا کر رسوا کرنے کی بجائے باعزت طریقے سے مطلع

کردیا جاتا ان کے ذمہ واجب الادا ریکوریز کو ختم کردیا گیا ہے انہیں ریلیف دیا گیا ہے اس سے ایک توکسان ٹکاٹوکری ہونے سے بچ جاتا دوسرے یہ کہ حکومت کو بھی مظلوم و محکوم کاشتکاروں کی دعائیں سمیٹنے کا موقع میسر آجاتا اور تیسرا یہ کہ وہ اخراجات جو کہ حکومت ان امور کو سرانجام دینے میں صرف کررہی ہے وہ بھی بچ جاتے ۔ محکمہ مال ان دنوں میں کسانوں کے ذمہ بچ جانے والی ریکوریز بھی وصول کرنے میں آسانی محسوس کرتا اور حکومت کو تمام ریکوریز باآسانی وصول ہوجاتیں ۔ایک اور دلچسپ امر یہ ہے کہ اگر امدادی رقوم دیتے وقت محکمہ مال ریکوری کی کوشش کرتا ہے توکسان آسمان کو سرپر اٹھالیتا ہے اور اس بات کو ہوا دی جاتی ہے کہ ہم سے رشوت وصول کی جارہی ہے حالانکہ کسان کو معلوم ہے کہ وہ یہ ریکوریز دینے کا پابند ہے لیکن اس نے بھی سوچ لیا ہے کہ جس طرح حکومت انہیں ذلیل و خوار کررہی ہے اسی طرح وہ حکومتی نمائندوں کو ذلیل و رسوا کرکے دم لیں گے

اٹھ! گرادے فصیلیں ہر اک ظلم کی

محترم قارئین آپ کے سامنے تھوڑی سے منظر کشی کرکے اپنا مدعا ندر خدمت کرونگا مجھے وہ سب منظر یاد ہیں جب ہر طرف لاشے بکھرے ہوئے تھے مرد و زن بچے بوڑھے گاجر مولی کی مانند کاٹ دیئے گئے تھے عمر کا لحاظ کئے بغیر عصمتیں تار تار کردی گئیں تھیں حد نگاہ وحشت و بربریت کا عالم تھا اپنے پیاروں سے بچھڑنے کا دکھ سینوں کو فگاں کئے دے رہا تھا آنکھوں میں اپنوں کا بہتا خون دیکھ کی تاب نہ تھی نام پکارنے کی سکت تک مفقود تھی لیکن اسی وقت میں ایک بات انہیں حوصلہ دے رہی تھی ان کی ہمت بندھائے ہوئے تھی کہ کچھ ساعتوں کے بعد ان قربانیوں کے بعد ہم اپنے آزاد ملک کی آزاد فضاؤں میں آزادی سے سانس لیں گے اپنی زندگیاں اپنی مرضی و منشا کے مطابق صرف کریں گے تعلیم صحت اور دیگر بنیادی سہولیات سے مستفید ہونگے ایسا ہوا بھی خواہشات پروان چڑھیں امیدیں بار آور ثابت ہوئیں خواب پایہ تکمیل کو پہنچے کھیتوں میں ہل چلے ملوں میں پہیے گھومے اور ایسے گھومے کہ جن کی رفتار نے دنیا کو چکرا دیا دنیا کی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں ملک سے محبت کرنے والوں نے قوم کو خوشحالی دینے والے نے وطن کو تحفظ و تقویت دینے والوں نے اپنی محبت و چاہیت کا وہ حق ادا کیا کہ رہتی دنیا تک انہیں سنہرے اقوال میں لکھا جاتا رہے گا ان کے اخلاص کے قصے بار ہا بار گنگناتے جاتے

رہیں گے ہر طرف خوشحالی کا راج تھا امن ہی امن تھا مگر رفتہ رفتہ لالچ بڑھ گیا ہوس نے دل و دماغ کو جکڑ لیا جھوٹی شان و شوکت نفرت حائل ہوتی گئی اور ملک اس نہج پر آگیا کہ بے ساختہ یہ شعر ذہن پر دستک دینے لگتا ہے

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

جی ہاں ہمارا نشیمن اب غیر محفوظ ہوچکا ہے محافظ ڈاکوؤں کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں حکمران اپنے اللے تللوں میں مشغول ہیں نااہل اور بے کار لوگ ہم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں کہیں تعلیم کا قحط ہے تو کہیں تربیت کا فقدان۔ مسیحائی کے علمبرداروں نے مسیحائی کا علم سرنگوں کر دیا صحت کی صورت حال ابتر ہوچکی ہے پروجیکٹس پر پروجیکٹس تعمیر کئے جارہے ہیں لیکن ان کا حاصل کہیں سجھائی نہیں دے رہا ہے معیشت کا دیوالیہ نکل چکا ہے ہر شہری لاکھوں روپے کے لاحاصل قرضوں تلے دبا ہوا ہے ملک میں بیروزگاری کا عفریت غربا کو نگل رہا ہے امیر امیر تر ہوتا جارہا ہے غریب غربت کی چکی میں پس رہا ہے سیاستدان سیاست سیاست کھیل رہے ہیں عالم علم کو فروخت کر رہے ہیں ڈاکٹر مسیحائی کو سرعام نیلام کر رہے ہیں عجب گورکھ دھندہ ہے امیدیں دم توڑتی جارہی ہیں خواہشات کے گلے گھونٹے جارہے ہیں خواب چکنا چور ہیں غریب طبقہ احساس کمتری و احساس محرومی کا شکار ہے ایلیٹ کلاس احساس تفاخر سے پھیلتی اور پھولتی جارہی ہے

انہیں وطن سے سروکار ہے نہ قوم سے پیار ہے ہر طرف نفسی نفسی کی تکرار ہے ابوالہوس اور بے حس لوگوں کی مار دھاڑ ہے دانشوروں کا کیا یہی معیار ہے جبکہ اہل اخلاص کی بس یہی پکار ہے کہ

غمگساری، الفتیں، احساس، ہمدردی، وفا
ہم وہ پتھر ہیں جو ان جذبوں سے خالی ہو گئے

ہمارے آباو اجداد نے جن قربانیوں مصائب و آلام اور مسائل و مشکلات کو گلے لگا کہ ہمیں علیحدہ تشخص دیا اور ایک وطن ہمارے حوالے کیا کہ ہم اسے بام عروج تک پہنچائیں گے لیکن افسوس صد افسوس ہماری نااہلی اور بوجوہ ایسا نہ ہو سکا دہشت گردی کا جن پوری قوم کو جھلسائے دے رہا ہے اس کی گرم جھلسا دینے والی سانسیں ہمارے ملک اور قوم کا حلیہ بگاڑ چکی ہیں اب تو ہر طرف ایک یہ پکار ہے کہ

اذن دے اب اے خدا برسے یہاں ابر کرم
گردشوں کی دھول میں چہرے اٹے ہیں آج بھی

لیکن دھول ہے کہ دبیز ہوتی جا رہی ہے ابر کرم کے برسنے کا چانسز ندارد ہیں قوم کو غربت و بدحالی کے سمندر، نفرتوں کی سیاہی، غفلتوں کی چادروں اور گمراہی کے ایسے راستوں پر دھکیل دیا گیا ہے جہاں سے واپسی کا سفر ناممکنات

میں سے دکھائی دیتا ہے عوام بے بس حکمران بے حس نوجوان بے کار نونہال بیمار اور
بیوروکریٹس ہوشیار ہوچکے ہیں ایسے میں صرف اور صرف ایک ہی نعرے اور اس پر
عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے

غفلتوں میں گھری قوم اٹھ تو سہی
اٹھ کہ تیرا مقدر بدلنے کو ہے
اٹھ گرادے فصلیں ہر اک ظلم کی
دیکھ اس پار سورج نکلنے کو ہے

دسمبر سے بابا! مجھ کو ڈر لگتا ہے 16

سیاسی زعما کی نااہلیوں اور اقتدار کی ہوس نے پاکستانی قوم کے منہ پر 16 دسمبر 1971 کی جو سیاہی اور تلخیاں مل دی تھیں اور رگوں میں گھول دی تھیں، ابھی مٹنے اور ختم ہونے بھی نہ پائیں تھیں کہ 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں وارسک روڈ پر آرمی پبلک سکول میں انسانیت دشمن ظالموں نے اس سیاہی کو مزید گہرا اور کثیف کردیا۔ اتنا گہرا کردیا کہ جس طرح سقوط ڈھاکہ ہمیں پل پل کچوکے لگاتا ہے اسی طرح 132 طالب علموں اور 12 سٹاف ممبران کے ساتھ کھیلی گئی خون کی ہولی ہمیں لحہ لحہ سسکنے پر مجبور کرتی رہے گی۔ وہ سکول جہاں پر معماران قوم کو تربیت دے کہ ملک و قوم کے مستقبل کو سنوارنا تھا محفوظ بنانا تھا ان کو اسی سکول کے کمروں اور برآمدوں میں خون سے نہلادیا گیا اس گھناؤنے عمل کو انجام دینے والے ننگ انسانیت تھے ان کا کسی دین مذہب مسلک اور فرقے تو کیا انسانیت سے بھی دور تک کا تعلق نہ تھا۔ وہ انسانوں کے روپ میں جنگلی درندے تھے جن کا مطمع نظر صرف اور صرف بہانا تھا پاک فوج کے جوانوں نے انہیں جہنم واصل بھی کردیا لیکن اس اندوہناک واقعے کی وحشت ابھی تک سکوکے درودیوار سے ٹپک رہی ہے۔ معصوم جانوں کی معصومانہ ہنسی اور خون کی مہک اسی سکول کے در و دیوار میں رچ بس گئی ہے۔ یہ وحشت آج نہیں تو کل ختم ہو ہی جائیگی لیکن ان شہداکے خون سے جو عبارت رقم

کی جائیگی انہیں دہشت گردوں کی نسلیں بھی تاحیات یاد رکھیں گی

سانحہ پشاور کے بعد پاکستانی قوم بالخصوص سیاسی قیادت نے ایک ٹرن لیا تمام سیاسی مذہبی اور سماجی جماعتیں بشمول افواج پاکستان ایک صفحہ پر دکھائی دیں۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ دہشت گرد افغانی طالبان ہوں کہ پاکستانی طالبان کسی کالعدم تنظیم سے متعلق ہوں کہ کسی ملک سے وابستہ انہیں بلا تفریق تختہ دار پر لٹکادیا جائے۔ مملکت خداداد میں بربریت کا جو مظاہرہ کیا گیا اس بات کا متقاضی ہے کہ سیاسی و عسکری قیادت ہم آہنگ اوریکسو ہو کر ایک مربوط پالیسی کے تحت انسداد دہشت گردی کے حوالے سے سرگرم ہو جائے۔ تمام قوتیں ملک وقوم مخالف قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں۔ باہم شیر وشکر ہو کر عزم صمیم، حقیقی اتحاد اعتماد اور عمل پیہم کے ذریعے ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کریں نیشنل ایکشن پلان اور ضرب عضب کے نفاذ سے خاطر خواہ نتائج بھی منظر عام پر آچکے ہیں مزید بھی اس حوالے سے جامع اور قابل عمل پلان مرتب کرکے اسے عملی جامہ پہنانا چاہئے تاکہ پاکستانی شہریوں اور نونہالان وطن کے تحفظات، خدشات اور خوف کو دور کیا جاسکے بقول اس شاعر کے

بابا مجھ کو ڈر لگتا ہے

،بابا میری مس کہتی ہیں

،کل سے سب بچوں کو اپنے گھر رہنا ہے

گھر پڑھنا ہے،
میں نے سنا ہے.....
ایک بڑی سی کالی مونچھوں والے انکل،
بم لگا کر آئیں گے
سب بچے مر جائیں گے.....
بھول گئی میں،، نام بھلا تھا.....
امم ..... شائد دہشت گرد کہا تھا
بابا کیوں ماریں گے ہم کو؟؟؟
ہم سے کوئی بھول ہوئی کیا؟؟؟
ہم سے کیوں ناراض ہیں انکل؟؟؟
بابا !!!
ان کو گڑیا دے دوں؟؟؟
یا پھر میری رنگوں والی ..... یاد ہے ناں وہ نیلی ڈبیا؟؟
میری پچھلی سالگرہ پر مجھ کو آپ نے لا کر دی تھی
اور میری وہ پیاری پونی..... ریڈ کلر کی تتلی والی
وہ بھی دے دوں؟؟؟
پھر تو نہ ماریں گے مجھ کو؟؟؟
بابا!!! مجھ کو ڈر لگتا ہے

بابا!!! مجھ کو ڈر لگتا ہے

یہ خوف ہراس اور بے یقینی کی فضا جو کہ یکدم پروان چڑھی تھی دل و دماغ کو جامد کررہی تھی اب اس سے نکل چکے ہیں اور پاکستانی قوم نے اس بات کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔ قوم یک جہت اور متحد ہوچکی ہے۔ دہشت گردوں کے حوصلے پست ہوچکے ہیں۔ سونے پر سہاگہ وزیراعظم نواز شریف اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کادلیرانہ، بے باکانہ اور جرات مندانہ فیصلہ دہشت گردوں کیلئے ننگی تلوار اور ملک و قوم کیلئے ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔ 13 سال سے مسلط دہشت گردی کے عفریت جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے انتہا پسندی، بدامنی و انتشار، تعصب پسندی اور تنگ نظری کو اعتدال، امن و آشتی، اتحاد و یگانگت اور وسیع القلبی سے مات دینا ہوگی۔ ماضی کی غلطیوں کو دہرانے کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ دہشت گردوں سے مذاکرات کی اب کوئی بات نہیں ہونا چاہئے۔ مگر حکومت سندھ اور اس کے متعلق کرتا دھرتا پھر سے ایک مکمل ہوتے کام میں روڑے اٹکانے کی کوشش میں مصروف ہیں کیونکہ ان پر بلواسطہ یا بلاواسطہ زد پڑ رہی ہے ان کی نام نہاد مناپلی ختم ہونے جارہی ہے اس لئے قائم علی شاہ جو کہ اپنی کسی بھی بات پر قائم نہیں رہتے اب رینجرز کے اختیارات کی توسیع میں کیل میخ نکال رہے ہیں سیاسی مظلوم بننے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں لیکن ایسے کام نہیں چلے گا ہمیں بطورادارے اپنے اپنے فرائض ایمانداری اور خلوص نیت سے سرانجام دینا

ہونگے۔ خورشید شاہ اور مولا بخش چانڈیو نے جو وطیرہ اپنایا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ بعینہٖ لا اینڈ انفورسمنٹ ایجنسیاں وی آئی پیز اور سیاسی اشرافیہ کو پروٹوکول دینے کی بجائے عوام کے تحفظ اور جرائم کی بیخ کنی کیلئے کام پر متعین کرنا ہونگی۔ اشرافیہ کو بھی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر تمام ادارے اور سیکیورٹیز ایجنسیز اپنے اپنے کام تندہی سے کریں گی تو دہشت گردی کا خاتمہ ہوجائے گا اور پھر کسی وزیر مشیر ایم این اے ایم پی اے کو سیکیورٹی کی ضرورت نہیں پڑے گی بشرطیکہ عوام ان سے خوش ہوں۔ اسی طرح عالمی دباؤ خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولڈ سٹیپ اٹھاتے ہوئے اپنی حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کرہم اپنے 150 شہدا، جوانان رعنا اور جگر گوشوں کے خون کو رائیگاں ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ زندہ پائندہ اور تابندہ قوم ہونے کا اعزاز حاصل کر سکتے ہیں اور بات کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ سانحہ پشاور نے ہمیں خواب غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہے اور یہ بیداری ہی ہمارے لئے طرہ امتیاز اور مشعل راہ ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق اب حکومت پاکستان کو دہشت گردوں کے خلاف جنگ کو جاری رکھنا ہوگا اور حکومت سندھ و دیگر تمام اداروں کو ملکی تحفظ کیلئے تھوڑا سا دکھ سہنا ہی ہوگا۔

سیاسی ٹوپی

قارئین کرام ! سلیمانی ٹوپی کے بارے میں تو آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ جو شخص اس کو سر پر پہن لے وہ نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے وہ تمام اچھے.برے کام دھڑلے سے کرتا ہے کوئی اس کو پکڑنے والا روکنے والا ٹوکنے والا نہیں ہوتا بلکہ اس سے ڈر اور خوف محسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی کو نظر نہیں آرہا ہوتا اور نادیدہ چیزوں سے انسان ویسے بھی خوف کھاتا ہے۔اور پھر ذکر کرونگا عمرو عیار کی زنبیل کا جس میں ملک کے ملک غائب ہوتے دکھائی دیتے ہیں لیکن ڈکار ندارد.اب بات ہوگی ایک اور ٹوپی کی جی ہاں اس کا نام ہے ''سیاسی ٹوپی''جو شخص بھی اس کو پہن لیتا ہے اسکے تمام گناہ، کرپشن، لوٹ کھسوٹ کے معاملات، قتل و غارت میں ملوث، حتی کہ دہشت گردی جیسے سنگین الزمات بھی غائب ہوجاتے ہیں ان تمام الزمات سے.بری الذمہ قرار پاجاتا ہے یہ سیاسی ٹوپی اب تک کئی مرد و خواتین کو پہنائی جاچکی ہے ان میں سے کچھ تو .خود اسے پہننے کی ''صلاحیت و اہلیت'' رکھتے ہیں اور جبکہ کچھ کو پہنا دی جاتی ہے ماضی قریب میں دیکھا جائے تو سب سے پہلے اسے نواز شریف کو پہنایا گیا جس کی ذمہ داری مرحومہ بے نظیر بھٹو پر ہے اس کے بعد بعض ججز کو بھی اس سے مستفید

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ الطاف حسین جس پر نجانے کتنے اور کونسے الزمات ہیں قاتل غدار وطن، دہشت گرد، کرپٹ، قبضہ مافیا و دیگر الزمات اس ٹوپی کی بدولت غائب، ہیں بڑے دھڑلے سے ملک سے باہر بیٹھ کر ملک اور افواج پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے لیکن کچھ نہیں ہوتا کیونکہ ٹوپی سر پر ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے اکثر اس ٹوپی کو پہن کر مفاد پرستی، خود غرضی، بدعنوانی، پارٹیوں کی تبدیلی، مفاہمتی پالیسی جیسے الزمات سے مستثنیٰ پاچکے ہیں سابق صدر آصف علی زرداری جسے دنیا کرپشن کنگ کے نام سے جانتی و پہچانتی ہے اس کے پاس بھی یہ سیاسی ٹوپی ہی تھی جس کی بنا پر آج تک کوئی بھی الزام ثابت نہ ہوسکا نظر نہ آسکا۔ ایان علی ریڈ ہینڈڈ پکڑی جاتی ہے منی لانڈرنگ ثابت ہوجاتی ہے گرفتاری عمل میں آجاتی ہے جیل میں بھیج دیا جاتا ہے بڑے بڑے کرتا دھرتاؤں کے نام سامنے آنے لگتے ہیں چہ میگوئیاں ہونے لگتی ہیں تو پھر اس ٹوپی کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے عدالتوں میں کیس چلتے ہیں معاملہ لنگر آن کردیا جاتا ہے۔ اس کے سر پر بھی یہ ٹوپی پھنسانے کی مجبوری آڑے آتی ہے اور پھر یوں ہوتا ہے کہ وہ یونیورسٹی میں لیکچر دے رہی ہوتی ہے۔ رانا ثناء اللہ پر متعدد کیس بنتے ہیں قتل معاونت قتل و دیگر کے الزمات ببانگ دہل لگائے جاتے ہیں لیکن چونکہ سیاسی ٹوپی کی آشیر باد حاصل ہوتی ہے تمام الزمات و حقائق گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہوجاتے ہیں۔ رانا مشہود، یوسف رضا گیلانی، مرحوم مخدوم امین فہیم، راجہ پرویز اشرف، خواجہ سعد رفیق

حدیبیہ ملز، رینٹل پاور، نندی پور پروجیکٹ و دیگر ان سب پر سیاسی ٹوپیاں پہن کر ایک دوسرے کو پہنا کر دودھ میں دھلے پھر رہے ہیں ان کے کردار کرتوت اور الزمات اور ان میں حقائق کسی کو نظر نہ نہیں آتے۔

یہ تو بات تھی اعلی سطح کی۔ اب ایک ایم این اے ، ایم پی اے، ان کا پی اے،اس کے کارندے اور گرگے جو بھی غلط کام کرتے ہیں یا کرواتے ہیں کروڑوں کے غبن، کمیشن، کرپشن کے جو الزامات بھی ان پر لگتے اور ثابت ہوتے ہیں وہ بھی مذکورہ بالا سیاسی ٹوپی کی نذر ہوجاتے ہیں۔ ملازمتوں میں کوٹہ جس کا کوئی جواز ہے نہ آئین و قانون میں گنجائش، فنڈز کی تقسیم اور پھر ٹھیکوں میں حصہ جب تک نہ ملے کام اوکے نہیں ہوتا۔ کوئی قتل کردے کسی کا رشتہ دار قتل کردے اغوا کرلے زنا کردے سب معاف، کیوں؟ کیونکہ سب کے سب عوام دشمن ملک دشمن ہیں اور سیاسی ٹوپی کی آشیرباد کی چھاؤں میں ہیں۔ میں حقیقت بیان کررہا ہوں ان میں سے اکثر کے ساتھ لگا ایم پی اے، ایم این اے اور ان کی رشتہ داری اور عزیزداری کا دم چھلا ہٹالیا جائے تو یقین کیجئے کہ لوگ ان کی طرف دیکھنا پسند نہ کریں لیکن مجبور و بے بس ہیں تھانہ کلچر کا دور دورہ ہے وہ تھانہ کلچر جسے شہباز شریف کئی عشروں سے تبدیل کرنے کا طبل بجارہے ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ چاہتے ہی نہیں ورنہ تو مسئلہ کوئی نہیں اگر کوئی ڈی پی او، ڈی ایس پی ، ایس ایچ او کسی منتخب نمائندے یا ان کے کارندوں کو گھاس

نہ ڈالے تو دیکھیں کس طرح شکایت پر ڈی پی او سے لیکر ایک کانسٹیبل تک منٹوں میں تبدیل کردیا جاتا ہے تو پھر تھانہ کلچر میں تبدیلی میں کیا امر مانع ہے یہ بات آپ یقینا سمجھ گئے ہوں گے تھانہ کلچر میں تبدیلی ان سب کی سیاسی موت کا پروانہ ہے ایک ایماندار پولیس آفیسر ان کی نیندیں حرام کردیتا ہے بس اسی وجہ سے سیاسی ٹوپی کا سہارا لیا جاتا ہے رینجرز کے معاملے میں بھی ڈرامے بازی جاری ہے ایک صوبہ اختیارات کی توسیع کے خلاف ہے تو وفاق کے ترجمان اس طرح پوز کررہے ہیں کہ وہ توسیع کے حامی ہیں حالانکہ دلی طور پر کوئی بھی اس کے حق میں نہیں صرف پاک افواج کو الجھانے کی گیم ہے جب تکرار بڑھے گی تو معاملہ پارلیمنٹ میں جائیگا اور پھر سیاسی ٹوپی کی نذر ہوجائیگا۔لہٰذا جنرل راحیل شریف کو چاہئے کہ اس سیاسی ٹوپی پر فوجی ٹوپی چڑھادی جائے تاکہ ان دودھ کے دھلوں کی سیاسی نظر آسکے-

اسوہ نبی ﷺ ! قیامت تک محیط ہے

ولادت باسعادت کے حوالے سے لکھنا بھی کسی سعادت سے کم نہیں آپؐ کی ذات اقدس وہ ہستی ہے کہ جو وجہ تخلیق کائنات بنی نور کا ایک سیل بے کراں تھا جو کہ ظلمت کے اندھیروں کو بہا کرلے گیا سیرت و کردار کے حوالے سے اور موجودہ حالات و واقعات و معمولات کے بارے چند مشاہدات اور گزارشات عرض کرنے کیلئے قلم زنی کررہا ہوں ہمارے ہاں کچھ ایسی باتیں روایات اور رسومات سرایت کرتی جارہی ہیں جن سے اجتناب برتنا ضروری ہے مثلا ہم لوگ نماز جنازہ کے حوالے سے بڑی سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔کام کاج ،کاروبار چھوڑ کر حتی کہ دوسرے شہروں کا سفر کرکے فرض کفایہ کی ادائیگی کا تردد کرتے ہیں ہمارا مقصد اجر وثواب بھی ہوگا لیکن دنیا داری نبھانے کی خاطر لواحقین کو چہرہ دکھانا زیادہ مطلوب ہوتا ہے حالانکہ ہی نماز وہ فرض ہے کہ جسے اگر مرنے والے کیلئے اس کے جاننے یا نا جاننے والے چند لوگ بھی ادا کرلیں تو پورے علاقہ شہر ملک حتی کہ دنیا کی طرف سے ادا ہوجاتی ہے اور نہ پڑھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوتا جبکہ وہ فرض عین جسے نماز کا نام دیا گیا ہے اس میں ہم انتہائی سستی کاہلی لاپرواہی اور بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ قطعاً اور کسی بھی حالت میں قابل معافی نہیں۔ نماز جنازہ کیلئے نماز فرض چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ہم عشق رسول کا دم بھی بھرتے ہیں تو کیا

خیال ہے ہمارے اس عمل سے سرور دو عالم آقائے نامدار ﷺ کی روح مبارک خوشی محسوس ہوتی ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص اپنے مالک سے اصرار کر رہا تھا کہ مجھے جلوس میلاد میں شرکت کرنا ہے چھٹی دی جائے وہاں پر موجود ایک اللہ کے بندے نے ملازم سے سوال کیا کہ بھائی آج آپ نے کتنی نمازیں ادا کی ہیں تو کہنے لگا کہ وہ جی میرے کپڑے خراب ہیں میں نے کوئی نماز ادا نہیں کی۔ اللہ اکبر! ہم کس طرف جا رہے ہیں کہ وہ اعمال جن کی شدت سے ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے نبی مکرم ﷺ سے لیکر صحابہ کرام تابعین تبع تابعین ولی اللہ علمائے تک کسی کو بھی کسی بھی حالت میں معاف نہیں ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ عشق نبی بلاشبہ روز قبر اور روز قیامت شفاعت کا باعث بنے گا لیکن یہ شفاعت ایک حقیقی امتی ہونے کی بنا پر مشروط ہے حقیقی اور سچا عاشق و امتی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے محبوب کیلئے وہ تمام اعمال و افعال کرے جس سے اسے خوشی راحت اور فرحت محسوس ہوتی ہو۔ ہم سارا سال خلاف شرع امور سرانجام دیتے ہیں قطع رحمی غیب سود زنا حرام خوری حقوق کا غصب کرنا بدزبانی کرنا صبر و تحمل کا دامن چھوڑ دینا صوم و صلوۃ کی پابندی نہ کرنا اوامر سے پہلو تہی برتنا اور نواہی کی طرف رغبت ہونا جیسے اعمال ہماری زندگیوں پر حاوی ہیں اور پھر زبان پر عشق نبی ﷺ کے دعوے بھی ہیں۔ نہیں نہیں ایسا عشق کسی کام کا نہیں۔ ہمیں اپنی خواہشات اور معیارات اپنانے اور اختراع کرنے کی بجائے والی مدینہ، شہ ہر دو سرا، سرور کائنات احمد مجتبی ﷺ کی خواہشات اور سنن کے مطابق اپنی زندگیوں کو

کردار واعمال کو کاروبار ومعیشت کو سیاست وحکومت کو، درس وتدریس کو صحت و بیماری، معاشرت وسماجیات کو شادی بیاہ دکھ سکھ کو تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جی اس وقت کے حالات اور تھے اب کے حالات قطعی مختلف ہیں ترجیحات بدل چکی ہیں زمانے یکسر تبدیل ہو چکے ہیں لیکن اگر بنظر غایت دیکھا جائے تو جو اسوہ ہمیں دیا گیا ہے بتایا اور پڑھایا گیا ہے آج بھی اسی طرح نافذ العمل کیا جاسکتا ہے آپ ﷺ کی بہت سی سنن ایسی ہیں جو صرف ہماری توجہ اور غور کی طالب ہیں اور دور جدید کے مطابق ہے اور وہ سنن اگر ہماری زندگیوں میں اب بھی شامل ہو جائیں تو اس سے زیادہ کامیابی اور رہنمائی کا ذریعہ ممکن ہی نہیں۔چودہ سو سال قبل رہنمائی اور بہار کے خوشگوار جھونکے کی مانند بعثت فرمانے والے ہستی نے اپنے کردار وسیرت کے ایسے خوشنما پھول بکھیرے کہ دور جدید میں بھی اس کی کرنیں اسی طرح درخشندہ و جاویداں ہیں جسٹس ریٹائرڈ محبوب احمد کے بقول " اس کائنات رنگ وبو میں بہت سی بہاریں مہکیں اور خزاں کا شکار ہو گئیں بہت سے سورج ابھرے اور فنا کے گھاٹ اتر گئے بہت سے چاند چمکے اور پھر گہنا گئے بہت سے پھول کھلے، پھر مرجھا گئے ہاں ایک بہار ایسی کہ جسے جان بہاراں کہیے خزاں اس کے قریب نہ آسکی ایک سراج منیر ایسا کہ غروب کی سیاہیاں اس سے آنکھیں نہ ملا سکیں ہاں ہاں طلعت وزیبائی کا ایسا

پیکر کہ کوئی دھندلکا سایہ اس کے جلوؤں کو گہنا نہ سکا ایسا رشک گلستان کہ جس کے تلوؤں کو چوم لینے کا شرف رکھنے والی پتیاں بھی مرجھانے سے محفوظ رہیں وہ جان بہاراں سراج منیر بدر فلک رسالت فخر گلزار نبوت ہمارے آقا ہمارے مولی ہمارے ہادی ہمارے رہبر حضرت محمد ﷺ ہیں جو ہر مومن کی نظر کا نور وح کا قرار اور دل کا سرور ہیں" بقول شاعر

جب تک طلوع مہر رسالت ہوا نہ تھا

تہذیب زندگی سے کوئی آشنا نہ تھا

آدم سے لیکر حضرت موسی کے عہد تک

کس کی زباں تھی جس پہ تیرا تذکرہ نہ تھا

سبحان اللہ میری جان میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔جب میلاد مصطفیٰ ہوئی تو اس کی منظر کشی مولانا شبلی نعمانیؒ کچھ یوں کرتے ہیں"اس رات کسری کے چودہ کنگرے گر گئے آتش کدہ فارس بجھ گیا دریائے ساوہ خشک ہوگیا لیکن سچ یہ کے ایوان کسری ہی نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوچین کے قصرہائے فلک بوس گرپڑے،آتش کدہ فارس ہی نہیں بلکہ آتش کدہ کفرآذرکدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی بت کدے خاک میں مل گئے شیرازہ مجوسیت بکھرگیا نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑگئے توحید کا غلغلہ اٹھاچمنستان سعادت میں بہار آگئی آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئی،اخلاف

انسانی کا پرتو قدس سے چمک اٹھا یعنی یتیم عبداللہ جگر گوشہ آمنہ اشہ حرم حکمران عرب فرماں روائے عالم شہنشاہ کونین ﷺ عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرما ہوئے'' میری نبی کی خوبیاں اور اوصاف بیان سے باہر ہیں بقول شاعر

تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا
ہو گئیں زندگیاں ختم اور قلم ٹوٹ گئے

حاصل مضمون یہ ہے کہ حقیقی عاشق وہی ہے جو اپنے محبوب کے کردار میں ڈھل جائے اس کی شباہت اس میں نظر آئے اسے دیکھ کر اس کا محبوب یاد آ جائے دعا ہے کہ اللہ باری تعالی ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے

جو راہ طریقت پہ ان کی چلا
اسے اپنی منزل کی حد مل گئی

جہانگیر ترین کیلئے

میں اڑھائی ارب روپے لینے آ رہا ہوں نواز شریف اڑھائی ارب تیار کر لو۔ لودھراں میں ن لیگ کا سورج غروب ہونے جا رہا ہے اور پی ٹی آئی کا طلوع آفتاب شروع ہو چکا ہے فرعونیت کا طلسم ٹوٹ چکا ہے لودھراں کے عوام کو مبارک ہو اب لودھراں کو ترقی و خوشحالی سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو جہانگیر خان ترین نے اپنی جیت کی خوشی کے موقع پر لودھراں کے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے۔ واقعی جہانگیر ترین کی این اے 154 سے جیت لودھراں میں دونوں پارٹیوں اور بالخصوص عوام کیلئے بھی یہ ایک ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہو گی مناپلی کا ہالہ ٹوٹ چکا ہے عوام نے تھانہ کچہری کی سیاست کرنے والوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ 138737 لوگ اس فرسودہ نظام سے چھٹکارا چاہتے ہیں وہ روایتی سیاست سے اکتا چکے ہیں وہ بھی تبدیلی کے خواہاں ہیں اور اس کا اظہار انہوں نے جلسے جلوسوں میں تو کیا ہی تھا اب 23 دسمبر 2015 کو بھی کر دیا اپنے اظہار رائے اور حق خود ارادیت سے ثابت کر دیا کہ بیس تیس سال سے سیاسی خدمت کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو چاروں خانوں چت کر دیا۔ یہ عوام کے سینوں میں دبی خواہش تھی جس نے بالآخر سر اٹھا لیا اور چنگاری بن کر سیاسی کفر کے مسکن کو جلا ڈالا۔ طلسم سے نکل کر

جمود کو توڑ کر عوام نے آزاد ہونے کا ثبوت دیا۔
ضلع لودھراں میں طویل عرصہ سے سرپر حکمرانی کا تاج سجانے والوں نے آج تک اجتماعی مفادات کو پرکاہ کی حیثیت نہ دی تھی انفرادی کام ضرور کرائے مگر عوامی مفادات کو لارے وعدے اور دعووں کی نذر کردیا اور عوام نے بھی طوعا و کرھا، خوشدلی سے یا بادل نخواستہ آپشن نہ ہونے کی بناپر بار بار آزمائے ہوئے لوگوں کا آزمایااور نتیجہ وہی دھاک کے تین پات کے مصداق رہا کہیں کوئی تبدیلی کوئی اصطلاحات و اصلاحات نظر نہ آئیں اور آتیں بھی کیسے کہ کوئی کام اس سلسلے میں کیا ہی نہیں گیا۔ اسی بابت راقم الحروف نے الیکشن کے دوران عوام الناس کی رائے معلوم کی ان کی خواہشات اور ترجیحات، پسند و ناپسند بارے گفت و شنید ہوئی تو اکثریت اس حق میں تھی کہ این اے 154 میں تبدیلی از حد ضروری ہے ایک ریڑھی بان سے لیکر تاجر تک ایک چپڑاسی سے لیکر بیسویں گریڈ کے افسر تک کے دل کی آواز یہی تھی کہ علاقے کی ترقی اور عوام کی خوشحالی و فلاح کیلیۓ جہانگیر ترین کا اقتدار میں آنا سب کے بہترین مفاد میں ہوگا۔زرلٹ کو لیکشن کے دوران پریذائڈنگ آفیسرز کی اکثریت کے دل کی آواز بھی یہی تھی کہ یہ کہن سالہ اور روایتی سیاست منطقی انجام کو پہنچنا چاہیۓ
اب بات کرتے ہیں اس ٹرننگ پوائنٹ کی جو جہانگیر ترین کو ملا ہے دیکھنا یہ

ہے پی ٹی آئی اور جہانگیر ترین اس سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں اور عوام کی اس سے کتنا مستفید کرتے ہیں اپنے کئے ہوئے وعدوں پر کس حد تک کاربند رہتے ہیں موجودہ حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو ڈسٹرکٹ لودھراں پسماندگی اور محرومیوں کی بنا پر تھر موہنجوداڑو اور سندھ کی دور دراز کی تحصیلوں کی مانند دیکھا اور سمجھا جاتا ہے اور یہاں کی عوام کو اسی طرح بے توقیر و ذلیل کیا جاتا رہا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا علاقوں میں سردار اور وڈیرے وہاں کے مکینوں کو بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے بالخصوص صدیق بلوچ کے بارے میں لوگوں کے مشاہدات اور تجربات بھی یہی باور کراتے ہیں۔ان سیاسی محرومیوں نے لوگوں کو اتنا زچ کیا ہوا تھا کہ انہیں جیسے ہی کوئی رہبر نظر آیا اس کی جانب اپنی نظر التفات ڈال دیں لیکن عرصہ دراز سے ڈسے یہ لوگ اس بات سے خائف بھی تھے کہ اگر ان کے ساتھ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والا معاملہ ہوگیا تو وہ کہیں کے نہیں رہیں گے۔ بس یہی بات جہانگیر ترین کو سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ عوام نے تھانہ کچہری کی سیاست سے دل برداشتہ ہو کر آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے آپ سے بہت سے خواہشات اور امید وابستہ کرلیں ہیں انکی خواہشات بتارہی ہیں کہ وہ اب علاقائی ترقی، معاشی خوشحالی، زرعی اصلاحات، تعلیمی اصطلاحات اور صحت کی سہولیات جیسی بنیادی ضرورتوں کے خواہاں ہیں اپنا اور نسل نو کا مستقبل محفوظ و مامون اور روشن دیکھنے کی آس میں ہیں کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جن علاقوں میں ترقیاتی

کام ہوتے ہیں کوئی انڈسٹری لگتی ہے کسی مل کا پہیہ گھومتا ہے تو لامحالہ وہاں کے مکینوں کیلئے معاشی راستے کھل جاتے ہیں معاش کے ذرائع عام ہو جاتے ہیں اور جب لوگ خوشحال ہوتے ہیں تو اپنی تعلیمی استعداد کار اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے لئے علاقے اور ملک و قوم کیلئے کار آمد ثابت ہوتے ہیں پھر وہ پڑھنا اور پڑھانا بھی چاہتے ہیں بہرحال جہانگیر ترین کی شہرت اس حوالے سے پہلے بھی بہت شاندار ہے اجتماعی مفادات کے کام جابجا ان کی عوام دوستی کا ثبوت دیتے ہیں لیکن اب ان کاموں میں مزید تیزی لانے کی از حد ضرورت ہے فرعونیت کے بت پاش پاش تو ہو چکے ہیں لیکن یہ نظام بھی اپنی قبر میں دفن ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ نظام کا ہی شاخسانہ ہے کہ لوگ گھٹن زدہ ماحول میں جی رہے تھے اور ابھی بھی ان کی گھٹن اور خوف کم ضرور ہوا ہے لیکن ختم نہیں ہوا اب بھی لوگ انتقامی سیاست سے خوفزدہ ہیں عدم تحفظ کا شکار محسوس کر رہے ہیں کہ سابقہ روایات پھر سے نہ دہرائی جائیں ناجائز مقدمات تھانہ کچہری کے چکر چوری چکاری کے معاملات درپیش نہ آئیں تو ترین صاحب ان سب کے ان معاملات پر تحفظات دور کرنا ہونگے جان و مال و عزت و عصمت کے تحفظ کا یقین دلانا ہوگا اور عملی طور پر کرنا بھی ہوگا۔ ضلعی عوام کی تمناؤں کے مطابق 155 کے معاملات کو بھی آپ ہی نے دیکھنا ہے اپنی ٹیم کو مضبوط و منظم کرنا ہوگا مضبوط اور ہر دلعزیز امیدوار سامنے لانا ہوگا کیونکہ ذرائع اور قرائن بتا رہے ہیں کہ 155 کا الیکشن بھی قریب ہے اور اگر

الیکشن ہوتا ہے تو عبدالرحمٰن کانجو کو بہت سے مشکلات درپیش ہونگی انہیں بھی صدیق بلوچ کی ہار سے سبق لینا ہوگا علاقے کی سالہا سال کی محرومیوں کو عملی انداز میں دور کرنا ہوگا ورنہ وقت کا پہیہ بہت ظالم ہے کسی کو نہیں بخشتا شہید کانجو گروپ کیلئے بھی یہ ایک ٹرننگ پوائنٹ ہے اور انہیں اس پوائنٹ پر اخلاص کے ساتھ توجہ مرکوز کرنے کی اشد ضرورت ہے۔کانجو صاحب ایک بات اور وہ یہ کہ یہ ہار کوئی اچانک روبہ عمل نہیں ہوئی بلکہ اس کیلئے ایک لمبی پلاننگ، مضبوط اعصاب، جہد مسلسل ،نئے نظام کا تعارف، فرسودہ روایات کا خاتمہ، بے لوث خدمت ،وعدوں کی پاسداری اور طویل وقت جیسے عوامل کارفرما رہے ہیں اور کسی بھی نظام کو بدلنے کیلئے ان سب چیزوں کی ضرورت ایک مسلمہ حقیقت ہے اس مفر ممکن نہیں۔

بہرحال جہانگیر ترین نے جس طرح پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ریکارڈ بنائے ہیں کہ ضمنی الیکشن ہو اور ٹرن آوٹ 59.81 فیصد ہو کبھی نہیں ہوا۔ ضمنی الیکشن ہو اور حکومتی پارٹی کا امیدوار اتنالیس ہزار کی لیڈ سے ہار جائے اسی طرح ضلع کی عوام کیلئے بھی ریکارڈ ترقیاتی کام فلاحی منصوبے سکول کالجز ہسپتال ٹرانسپورٹ کے وسائل کی فراہمی جیسے بنیادی کام کرنا ہونگے۔اگر انہیں یہ کام ملے تو یقین جانئے اگلا مرتبہ پورا ضلع بھی آپ کا ہوسکتا ہے امید ہے ترسی ہوئی عوام کو مایوس نہیں کریں گے بلکہ ان کا یہ اعلان ہونا چاہئے کہ

غفلتوں میں گھری قوم اٹھ تو سہی
اٹھ کہ تیرا مقدر بدلنے کو ہے
اٹھ گرادے فصیلیں ہر اک ظلم کی
دیکھ اس پار سورج نکلنے کو ہے

کارڈ کارڈ کھیلنا بند کیجئے

کوئی اپنے والد کی پیٹھ پر سوار تھا تو کسی نے اپنے والد اور والدہ کو اپنی کمر پر اٹھایا ہوا تھا کوئی اپنے بچے کو گود میں اٹھائے ہوئے تھی تو کسی نے اپنے لخت جگر کو کندھے پر بٹھا رکھا تھا کچھ لوگ اپنی بیساکھیوں کے سہارے چلے آ رہے تھے تو کچھ کو ان کے عزیز اقربا اپنے سہارے پر اٹھا کر پہنچ رہے تھے ہر کسی کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر درخواست تحریر تھی اور ساتھ ہی ان کی اپنی یا پھر والد اور والدہ میں سے کسی ایک کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی بھی لف تھی کوئی بیس کلومیٹر دور سے آیا تھا تو کوئی 18 کلومیٹر دور سے۔ کسی نے دس کلومیٹر کی مسافت طے کی تھی تو کوئی آٹھ کلومیٹر کے فاصلے سے امیدیں باندھے آیا تھا کوئی چلنے سے معذور تھا تو کسی کی قوت گویائی سلب تھی کسی کو نظر نہیں آتا تھا تو کوئی پاؤں سے معذور تھا کسی کا ایک بازو غائب تھا تو کسی کے دونوں بازو تن سے جدا تھے ان میں ذہنی معذور افراد کی بھی کثیر تعداد موجود تھی۔ ان سے پوچھا بھئی خیریت کیا معاملہ ہے کیوں یہ سپیشل افراد یہاں جمع ہیں تو بتایا گیا کہ حکومت پنجاب نے حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے معذور افراد کی بحالی اور امداد کیلئے 1200 روپے ماہانہ پیکج کا اعلان کیا ہے اور ہر تین ماہ کیلئے 3600 روپے خدمت کارڈز کے نام پر دیے جائیں گے راقم نے معذوروں سے پوچھا کہ

آپ اب کیوں آئے ہو کہنے لگے کہ ہمارے علاقے کے پٹواری بادشاہ نے ہمارے ناموں کا اندراج نہ کیا ہے انہوں نے تو اپنے دفاتر میں بیٹھ کر اپنے منشیوں کی ڈیوٹی لگادی کہ اپنے علاقے کے معذور لوگوں کی لسٹ مرتب کریں اور ڈی سی او آفس پہنچائیں اب منشی جو کہ پٹواری کا بھی باپ ہوتا ہے اس نے تیرا نام بھی لکھ دیا اور میرا نام بھی لکھ دیا اور چند اپنے چاہنے والوں کے ناموں کو بھی فہرست میں شامل کردیا اور کچھ اپنے علاقے کے وڈیرے جاگیر دار کے من پسند افراد کے نام بھی اس میں شامل کردیئے اور پھر لسٹ ڈی سی او آفس پہنچادی گئی۔ پھر وہاں سے لسٹ متعلقہ علاقے کے اے سی صاحبان کو ارسال کردی گئی جنہوں نے ریونیو ڈیپارٹمنٹ موبائل کمپنی اور ڈاکٹرز کی مدد سے تصدیق کے بعد خدمت کارڈز تقسیم کرنا تھے۔

معزز قارئین! دلچسپ مگر قابل افسوس امر یہ ہے کہ ان لسٹوں میں کچھ نام ایسے بھی شامل تھے کہ سرے سے کسی معذوری کا شکار ہی نہ تھے ان سے پوچھا کہ بھئی تم نے اپنا نام کیوں لکھوایا تو ان کا جواب بڑا مضحکہ خیز تھا کہ ہمیں تو کل ہی معلوم ہوا ہے کہ ہمارا نام بھی اس لسٹ میں شامل ہے اور ہمیں 3600 روپے ملنے والے ہیں بس انہیں اندھے کی ریوڑیوں کی مانند اس لسٹ میں شامل کرلیا گیا اور دوسری طرف اکثریت ایسے مستحق معذوروں کی تھی جن کا نام بھی درج نہ ہوسکا تھا درج بالا لائنز انہیں کے بارے میں ہیں اب ہم اپنے ناموں کا

اندراج کرانے آئے ہیں اصل اور حقیقی معذور تو ہم ہیں۔اس حوالے سے یہ جان کر انتہائی دکھ اور تکلیف محسوس ہوئی کہ یہ محض ایک ڈرامہ ہے یہاں پر فہرستیں تو وہی ہیں جو قبل ازیں مرتب ہو چکی ہیں یہ تو بدمزگی بد نظمی اور شور شرابہ سے بچنے کیلئے ڈرامہ رچایا گیا ہے کیونکہ درخواستیں وصول کرنے پر مامور عملہ جس انداز میں درخواستیں وصول کر رہا تھا اس سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ خانہ پری کی جارہی ہے وہ ایسے کہ درخواست لے کر پڑھے بغیر اس پر ڈائری نمبر لگائے بغیر کسی رجسٹر میں درج کئے بغیر اپنے میز کے نیچے پلندہ بنانا بھی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ان پر کوئی عملدرآمد ہونے والا نہیں۔

تو جناب خادم اعلی صاحب ! کیا اس بابت کوئی جواب دے سکیں گے کیا ان معذوروں گونگے بہروں ہاتھ پاؤں سے معذور ذہنی طور پر ڈس ایبل لوگوں کا کیا قصور ہے کیا ان کا یہ قصور ہے کہ وہ اپنے گھروں میں آرام سے زندگی گزار رہے تھے اب آپ کی بیوروکریسی اور حکومتی ناکام پالیسی کی وجہ سے وہ اپنے گھروں سے نکل کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔پٹواری کے ایک منشی سے لیکر بیوروکریسی کے اعلی افسران تک ان کے معصوم جذباتوں سے کھلواڑ کر رہے ہیں جس کا کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا یہ تو ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ غریب و بے بس عوام کی توہین و تذلیل کرنے کا ٹھیکہ لے لیا گیا ہو۔ یہ کارڈز کارڈز کھیلنے والا کھیل اب براہ مہربانی بند کر دیجئے آپ کے تمام کارڈز فلاپ ہو چکے ہیں آپ کی حکومتی

مشینری وزیر مشیر اور بیوروکریسی بری طرح ناکام ہوچکے ہیں انکم کارڈ صحت کارڈ خدمت کارڈ بیوہ کارڈ کسان پیکج سستا تندور لیپ ٹاپ ٹیکسی سکیم سب کے سب شروع ہوتے ہی پٹواری کی نااہلی اور بیوروکریسی کی عدم دلچسپی کی بنا ر پر بد نظمی کا شکار ہوچکے ہیں۔اگر کسی کو ریلیف دینا ہے تو کسی باوقار اور باعزت انداز میں دیجئے اور اپنے کسی بھی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے پٹواری کا پاجامہ درست کیجئے ورنہ آپ کے تمام منصوبے اسی طرح بے ثمر ہوتے جائیں گے اور عوام کے ساتھ ساتھ حکومت بھی مسائل میں گھرتی جائے گی کیونکہ تاریخ بتاتی ے کہ ایک سرکاری اوپر سے پٹواری تو بس کسی بھی کام کا اللہ حافظ ہے وہاں پر شفافیت اور میرٹ طاق میں رکھے نظر آتے ہیں۔لہذا کسی بھی منصوبے کو نافذ العمل کرنے سے قبل مخلص اور متعلقہ لوگوں کی ٹیم کا انتخاب کریں تو یہ ہر دو فریقین کے بہترین مفاد ہوگا

عظیم خاندان کے عظیم سپوت کا عظیم اقدام

دنیا میں کوئی بھی عمل ، فعل ، کردار، مشین وغیرہ کے دو پہلو عام طور پر زیر بحث ہوتے ہیں ایک مثبت اور ایک منفی۔ مثبت اور منفی پہلو بھی نہ تو سب کیلئے غلط اور نقصان دہ ہوتے ہیں اور نہ ہی سب کیلئے فائدہ مند۔ ایک ہی وقت میں ایک شخص ایک کمیونٹی اور علاقہ کسی ایک پہلو سے متاثر ہورہا ہوتا ہے تو اسی وقت اسی عمل سے ایک شخص ایک کمیونٹی ایک علاقہ مستفید بھی ہورہا ہوتا ہے کہیں پر کسی عمل پر خوشی منائی جارہی ہوتی ہے تو کہیں اسی عمل پر نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کے معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جب سے انہوں نے اس بات کو کلیئر کیا ہے کہ وہ اپنی مدت ملازمت میں توسیع کے متمنی نہیں ہیں تو وہ تمام حلقے جو ان کے بدخواہ اور ناپسندیدگی کا اظہار ظاہر و باطن میں کرتے تھے ان کے من میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ یہ وہ تمام عناصر کرپٹ سیاستدان بیوروکریٹس کرپٹ اور ظالم اشرافیہ اااور بالخصوص دہشت گرد ہیں جن کی نیندیں جنرل راحیل شریف کے ملک دوست کارناموں اور کارروائیوں سے اڑی ہوئی ہیں اب وہ 29 نومبر 2016 کا بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں ان کی شدید ترین خواہش ہے کہ یہ وقت پر لگا کر اڑ جائے اور ہماری جان چھوٹ جائے۔ یہ لوگ یقینا قلیل مقدار میں ہیں لیکن ایک بڑی اکثریت کو متاثر کیا ہوا ہے۔

دوسری طرف ایک وہ کمیونٹی اور لوگ جنہیں عمومی طور پر عوام کہا جاتا ہے جنرل صاحب کے اس عمل سے گومگو کی کیفیت کا شکار ہیں وہ خوش بھی ہیں اور نہایت خوش ہے کہ جنرل راحیل شریف نے ایک بار پھر ثابت کردیا کہ وہ عظیم خاندان کے عظیم سپوت ہیں ان کے خون میں ملک سے محبت اور اس کی سلامتی و بقا کیلئے جان قربان کرنے والوں کا خون شامل ہے ان کے ارادے پختہ ہیں عزم جوان اور حوصلے بلند ہیں ملکی مفادات اور عوام کی فلاح و بہبود کے سامنے تمام تر معاملات و اقتدار ہیچ ہیں وہ اقتدار کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایسا نشہ ہے کہ عورت کا نشہ شراب کا نشہ اور دولت کا نشہ سب ان کے تابع ہیں اور دنیا کی تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے ہوس اقتدار نے باپ کو بیٹے کا، بیٹے کو باپ کا، ماں کو بیٹی کا اور بیٹی کو ماں کا جبکہ بہن اور بھائی کے رشتوں کو بھی خون کا پیاسا کردیاتاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ جو اقتدار کی وادی میں قدم رنجہ کرچکا تو اس کی لذت و چاشنی اسے چمٹا رہنے پر مجبور کردیتی ہے اور اس قدر مجبور کرتی ہے کہ وہ تمام حدود و قیود اور اخلاقیات سے عاری ہوجاتا ہے لیکن سلام ہے عظمت و استقلال کے پیکر پر کہ انھوں نے سابقہ فوجی روایات کو بھی پس پشت ڈالتے ہوئے آٹھ ماہ قبل ہی یہ عندیہ دے دیا کہ اسے اقتدار کی نہ تو ہوس ہے اور نہ خواہش میرا تو مطمع نظر یہ ہے کہ پاکستان اور اس کی غیور مگر

مجبور عوام پرسکون و مامون اپنے ملک میں آزادی سے سانس لے سکے۔ وہ لوگ غمگین اس لئے ہیں کہ غریبوں بے کسوں کا حامی جس نے اوپر سے لیکر نیچے تک تمام کرپٹ عناصر کو نتھ ڈالی ہوئی ہے وہ پھر سے بے لگام ہو جائیں گے۔ وہ دہشت گردی کہ جس کے عفریت سے پوری قوم پریشان و غیر محفوظ تھی نہایت حد تک تحفظ کے دائرے میں آچکی ہے پھر سے اس عفریت کی بھینٹ چڑھے گی۔

جنرل راحیل شریف کی مدت توسیع کو بے بنیاد قرار پانے کے بعد ملک دشمن عناصر ملکی و غیر ملکی، منافقین سیاست بغل میں چھری رکھنے والے سب کی گز بھر لمبی زبانیں واپس اندر چلی گئی ہیں اور دنیا کو یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اس شیر جوان مرد نے یہ فیصلہ خالصتا ملک و قوم کے بہتر مفاد میں کیا ہے بہت سے خیر خواہ اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ اقتدار میں رہتے ہوئے جنرل راحیل شریف ملک میں اصلاحات و اصطلاحات کا نفاذ کریں ان جمہور پسند جمہوروں کو لگام ڈالیں ان کی سوچ اپنی جگہ۔ لیکن چیف آف آرمی سٹاف نے جس وسیع تناظر میں ہی اصولی اور حکیمانہ فیصلہ کیا ہے اس کے دور رس نتائج ہونگے۔ایک تو سابقہ روش کہ 1993 سے لیکر اب تک پاک فوج کی کمان سنبھالنے والے چیف آف آرمی سٹاف.بر سر اقتدار آئے انہوں نے اپنی ملازمت کی مدت میں توسیع کے مختلف حربے استعمال کئے کسی نے مارشل لا لگایا تو کسی نے ڈنڈے کے بل پر اپنی حکومت کو طول دیا اس روش کو جنرل راحیل شریف جو کہ اس وقت پاکستانی فوج کی تاریخ میں

سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ پسندیدہ ہونے کے باوجود عجز و انکساری کی مثال بنے ہوئے ہیں مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی ایسا نظام وضع کردیا جائے کوئی ایسا طریقہ کار نافذ کردیا جائے کہ آرمی چیف کوئی بھی ہو وہ صرف اور صرف ملکی مفادات کو عزیز رکھے۔ایسا سسٹم بنادیا جائے کہ وہ خودکار طریقے سے تمام معاملات کو ڈیل کرتا رہے وہاں جنرل راحیل شریف کی ضرورت نہ ہو بلکہ ان کے کئے ہوئے کاموں کہ اہمیت دی جائے ان اصولوں پر عمل پیرا ہوا جائے تو کہ سراسر ملک و قوم کی بہتری کیلئے ہوں۔ اورانشاءاللہ ان کے جانے کے بعد یہ نظام بعینہٖ کام کریگا اور اب ہر آنے والے چیف آف آرمی سٹاف میں جنرل راحیل شریف کا عکس دکھائی دے گا یہی جنرل راحیل افواج پاکستان اور عوام پاکستان کی جیت ہے اور ملک دشمن عناصر خواہ وہ اندرونی ہوں کہ بیرونی ظاہر میں ہوں کہ باطن میں سب کی موت کا پروانہ ہے انشاءاللہ

کمبل تو چھکے گا بھئی!

لگتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنی ''رہنما'' پالیسی میں تبدیلی کی ہے اور آج کل اس پالیسی پر سختی سے کاربند نظر آتی ہے کیونکہ عزیر بلوچ کے معاملے میں لاتعلقی اس کا واضح ثبوت ہے جبکہ قرائن اور شواہد چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ عزیر بلوچ ان ہی کی صفوں سے نکلا ہوا وہ زہریلا تیر ہے جس نے انسانیت اور بالخصوص پاکستانیوں کی معاشرت معیشت میں اپنا زہر گھول دیا ہے وہ زرداری کے ساتھ ہاتھ ملاتا ہوا نظر آتا ہے تو کہیں فریال تالپور کو ان کی خواہشات و منشااور عادات کے مطابق تحفے پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کے پہلو میں نمایاں طور پر براجمان ہے تو کبھی قائم علی شاہ المعروف سوئی ہوئی سرکار کے گرد طواف کرتا پایا جاتا ہے لیکن مذکورہ بالا تمام احباب اس بات کی سختی سے نفی کر رہے ہیں۔زرداری صاحب نے جس طرح ایان علی اور ڈاکٹر عاصم کو بچانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگادی اپنی اور پارٹی کی رہی سہی عزت کو بھی سرعام نیلام کرکے سٹینڈ لیاباوجود اس کے کہ وہ دونوں رنگے ہاتھوں کرپشن ملک دشمنی میں پکڑے گئے جبکہ ڈاکٹر عاصم تو دہشت گردوں کے سہولت کار کے طورپر بھی ثابت ہو چکے ہیں ان کو ہسپتال میں ٹریٹ منٹ دینے کے الزام بھی بھگت چکے ہیں لیکن پھر بھی آصف علی زرداری کی سوئی اس میں اٹکی ہوئی ہے۔ لیکن عزیر بلوچ کے معاملے میں بالکل لاتعلق بنے

پھرتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ عزیر بلوچ سے کتنا قریبی تعلق رہا ہے اسی طرح موصوف کی ہمشیرہ فریال تالپور جن کے بارے میں مشہور ہے کہ بے نظیر کے اس دنیا سے جانے اور آصف زرداری کے اقتدار میں آنے کے بعد پارٹی کا تمام ''لین دین''ان کے ذمہ تھا اور تحفے تحائف لینا پارٹی کے ٹکٹ بیچنا ان کی ذمہ داری تھی وہ بھی عزیر بلوچ سے تحفے وصول کرتی منظر عام پر آچکی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں کسی عزیر کو نہیں جانتی ۔ اپوزیشن لیڈر اور پی پی پی کا سب سے سیانا رہنما خورشید شاہ فرماتا ہے کہ دور جدید ہے سلفی کا زمانہ ہے کسی نے تصویر میں میرے ساتھ اتار لیا ہوگا اور ویسے بھی آجکل وی آئی پی شخصیات کے ساتھ تصاویر بنوانا کریز کی حد تک بڑھ چکا ہے لہذا میں کسی عزیر بلوچ کو نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی تعلق واسطہ ہے۔ نثار کھوڑو عزیر بلوچ کے نام کرتے cross question پر تعجب واستعجاب کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پوچھنے والے سے بیٹھتے ہیں کہ یہ عزیر بلوچ کون موصوف ہیں میں تو ان کو نہیں جانتا۔

بات یہ ہے کہ ایان علی ڈاکٹر عاصم اور عزیز بلوچ پیپلزپارٹی سے ایک خاص نسبت رکھتے تھے اولذکر دونوں کیلئے تو پارٹی بھرپور انداز میں لنگوٹ کس کر برسرپیکار ہے اور انہیں ریلیف بھی دلوادیا گیا لیکن آخرالذکر عزیر بلوچ کے حوالے سے اول دن سے ہی میں نہ مانوں میں نہ جانوں کی رٹ لگی ہوئی ہے وہ تو

کمبل کو چھوڑنا چاہتے ہیں لیکن کمبل ہے کہ انہیں چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے ان کی جان بخشی کرنے پر رضامند ہی نہیں ہے بلکہ اب تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ فیوی کول سے پارٹی کے ساتھ چپک گیا ہے عزیر بھی سوچ تو رہا ہوگا کہ

کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی
کبھی ہم تم بھی تھے آشنا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مگر مجھے یاد ہے سب کچھ ذرا ذرا۔ محبت اخلاص تعلق دوستی اور بھائی چارے کے بارے میں اصل حقائق اس وقت منظر عام پر آتے ہیں جب کوئی بھی شخص مصیبت اور مسائل کا شکار ہوتا ہے اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو برے وقت میں کام آئے نہ کہ درخت پر چڑھ جائے۔ یہی کچھ عزیر بلوچ کے ساتھ بھی ہو رہا ہے کہ جن پر تکیہ تھا وہ پتے ہوا دے رہے ہیں بلکہ جھکڑ چلا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک اور دورائے نہیں کہ عزیر بلوچ بذات خود ننگ انسانیت ہے اور جس طرح سے اس نے، اس کے گروپ کے لوگوں نے، اس کے سہولت کاروں اور یاروں نے ملک میں نفرت کا بیج بویا انتشار کی فضا پروان چڑھائی عدم تحفظ کو فروغ دیا بدامنی اور لاقانونیت کو عام کیا قتل و غارت گری سے وحشت و بربریت کی داستانیں رقم کیں

دہشت گردی کے عفریت کو بے لگام کیااور خون خرابے کا ماحول پیدا کیا خون و بارود کی بو سے سانسوں کو متعفن کیا، نہ تو لائق ہمدردی ہے اور نہ ہی کسی رو رعایت کا مستحق، معافی جیسے الفاظ کا تو اس سے دور پرے کا واسطہ بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے جو شخص 400 سے زائد افراد کو موت کے گھاٹ اتارنے کا اعتراف کر رہا ہو گینگ وار کی سربراہی کا معترف ہو وہ یقینا قابل نفرین ہے انسان کہلوانے کا حق دار بھی نہیں اسے تو سرعام تختہ دار پر لٹکا دینا چاہیۓ نشان عبرت بنا دینا چاہیۓ۔ مگر اس سے قطع نظر جو لوگ اس کے اچھے وقت میں اس کے ساتھی میں ہم پیالہ ہم نوالہ تھے دوستی کا دم بھرتے تھے یاری کا ورد کرتے تھے آج اس سے نظریں چرا رہے ہیں حالانکہ یہ سب بے فائدہ اور لاحاصل ہے جس طرح سے وہ عزیر بلوچ وعدہ معاف گواہ بننے جا رہا ہے اگر ایسا ہوا تو بہت سوں کے سر پر ننگی تلوار لٹکانے کے مترادف ہے۔ ہونا تو یہ چاہیۓ تھا کہ سابقہ روایات کی پاسداری کرتے ہوئے پاکستان پیپلز پارٹی اور اسکے کرتا دھرتا عزیر بلوچ کے معاملے پر بھی سٹینڈ لیتے اور اسے بھی ایان علی،ڈاکٹر عاصم و دیگر کی طرح بچانے کی کوشش کرتے اور ہمہ یاراں دوزخ ہمہ یاراں بہشت کے مترادف ساتھ ساتھ ہوتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ لوگ بھی تھک چکے ہیں اکتاہٹ اور یکسانیت کا شکار ہو چکے ہیں کہ یار آخر کتنے لوگوں کو، کن کن لوگوں اور کس کس معاملے میں سابقہ صدران کے اہل خانہ ان کے دست راست یاروں کو بچائیں گے لہذا اپنی جان بچائیں اور اس بات کا ورد کریں کہ میں نہیں

جانتا میں نہیں مانتا کیونکہ جان ہے تو جہاں ہے پیارے۔

شاگردوں کی ہی پیروی کرلی جائے!

بتایا جاتا ہے کہ پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائن (پی آئی اے) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ دنیا کی بہترین ایئر لائنز میں شمار کی جاتی تھی اور لاجواب سروس باکمال لوگ کا سلوگن بھی اسی کا شاخسانہ ہے جبکہ موجودہ دور میں دنیا میں صف اول کی ایئر لائنز جن میں ایمریٹس ایئر لائن، رائل مراکو ایئر لائن مالٹا ایئر لائن و دیگر کی تربیت کا سہرا بھی پی آئی اے کا سر سجتا ہے یہ عجیب و غریب باتیں ہیں جو کہ ہضم ہونے میں نہیں آرہی ہیں کیونکہ موجودہ صورت میں کہیں سے نہیں لگتا کہ پی آئی اے کی کارکردگی اتنی باکمال ہوسکتی ہے اور اگر فرض کر بھی لیں تو آجکل کی موجودہ صورت کو کیا کہیں گے یہ کہ سفید ہاتھی نظر آنے والا ادارہ اربوں روپے خسارہ ظاہر کرنے والا ادارہ کبھی عروج کی داستانوں میں بھی لکھا گیا ہے۔ پی آئی اے ہی کیا پاکستان کے وہ تمام ادارے جو کبھی سونے کی چڑیا کہلاتے تھے پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار رکھتے ہیں آج اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن لمیٹڈ (پی ٹی سی ایل) پاکستان ریلوے، پاکستان سٹیل ملز، واپڈا و دیگر ادارے کمال عروج پر تھے آج سسک رہے ہیں جاں بلب ہیں ان کے قاتل جو کبھی سڑکوں کی خاک چھانتے تھے کوڑی کوڑی کو محتاج تھے جن کو ایک وقت کی روٹی بھی صحیح معنوں میں میسر نہ تھی جو سینما

چلا کر اور بلیک میں ٹکٹ بیچ کر گزر بسر کیا کرتے تھے آج وہ کھربوں ڈالرز کے مالک بنے بیٹھے ہیں ادارے تنزلی کا شکار ہیں اور افراد عروج و فراز کی مسند پر تکیہ نشین ہیں اور ان اداروں کی تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ان کی ناکامی و تنزلی میں صرف اور صرف سیاست کا زہریلا اور دشمن نما عنصر واضح دکھائی دیتا ہے ان میں انفرادی مفاد کی اولیت دکھائی دیتی ہے اور اجتماعیت کا گلا گھٹتا نظر آتا ہے۔بے جا بھرتی، لاحاصل اخراجات بے ثمر توقعات اور خودساختہ مراعات نے مذکورہ بالا اداروں کو دیوالیہ کرنے میں، کوئی کسی نہیں چھوڑی ہے۔

اعدادو شمار کے مطابق تقریبا18 ہزار ملازمین پی آئی اے سے وابستہ ہیں اور پرکشش تنخواہیں وصول رہے ہیں ان میں مبینہ طور پر 50 فیصد وہ لوگ ہیں جن کا کوئی کام نظر آتا ہے اور نہ وہ کام کرتے نظر آتے ہیں بس ایسے لوگ ہی ہیں جن کی جیب خرچی چلانے اور اللے تللے پورے کرنے کیلئے حکومتی خزانے کو بے دریغ لوٹا جارہا ہے۔نجکاری کرنا کوئی خلاف فعل قانون ہے اور نہ ہی خلاف شرع۔اگر احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے، خفیہ طور پر بندر بانٹ نہ کی جائے اور اقربا پروری کا دامن جھٹک دیا جائے تو نجکاری شفاف اور غیر متنازعہ معاملہ ہے۔خدا کی پناہ! 35 کے قریب طیاروں کی دیکھ بھال کیلئے اٹھارہ ہزار افراد کا جم غفیر۔اگر ضرب تقسیم کا عمل کیا جائے تو ہر طیارے کی خاطر مدارت کیلئے 500

کے قریب افراد کا ٹولہ موجود ہے لیکن یہ صرف ٹولہ ہی ہے ان ٹولوں کی اگر سکروٹنی اس طرز پر کی جائے کہ کام کے لوگ الگ کر لئے جائیں تو ایک طیارے کی دیکھ بھال کیلئے کا عملہ ایک معیاری عملہ تصور ہوگا کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ایمریٹس 100 ایئر لائن دنیا کی بہترین ایئر لائنز میں شمار ہوتی ہے اور پی آئی اے کی شاگرد رہ چکی ہے اس میں بھی طیارے کی دیکھ بھال اور خاطر مدارت کیلئے 150 کے لگ بھگ عملہ ہوتا ہے اور اگر حقیقی معنوں میں کام کرے اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے یا پھر اپنے شاگردوں کے نقش قدم پر چلے تو نا صرف ہم دوبارہ باکمال لوگ بن کر لاجواب سروس دے سکتے ہیں اور پھر سے استاد کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں اور خود ساختہ خسارے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں

دراصل ہمارے ہاں ہوتا کیا ہے کہ ایک کام کیلئے دس کا عملہ متعین ہوتا ہے زید سمجھتا ہے کہ یہ کام بکر نے کرنا ہے جبکہ بکر جو ہے عابد کو تک رہا ہوتا ہے کہ عابد نے کرنا ہے اس طرح وہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا اور تنخواہ دس دس لے رہے ہوتے ہیں کام کوئی نہیں کر رہا۔ پھر کسی بھی کام کو منصوبہ بندی کے تحت نہیں کیا جاتا جب سر پر آ پڑتی ہے تو پھر شیطان کے کام (عجلت) برتی جاتی ہے جو کہ سراسر نقصان کا سبب بنتی ہے۔ علاوہ ازیں یونین کا کردار بھی ان بداعمالیوں کو شہ دیتا ہے دھرنے ہڑتالیں شور شرابہ ملازمین

کرتے ہیں اور مذاکرات یونین لیڈرز۔ مذاکرات کے کامیاب ہونے پر ملازمین کو طفل تسلی ملتی ہے جبکہ لیڈر کی ٹھاٹ باٹ اور ٹور بدل جاتی ہے یعنی ڈیل۔ تازہ ترین صورتحال بھی اسی قسم کی ہے دو ملازمین جان سے گئے۔ سرد و گرم کو ملازمین نے جھیلا اور یونین لیڈرز بغیر کسی فیصلے پر پہنچے وزیراعظم کی آشیرباد لینے پہنچ گئے اور ہڑتال ختم۔ بھئی اگر یہی کام کرنا تھا تو پھر یہ ڈرامہ کس لئے رچا گیا تھا کیوں عوام الناس کو ذلیل و خوار کیا گیا۔ کوئی جنازے میں شامل نہ ہوسکا تو کوئی عمرہ کی سعادت سے محروم ہوگیا کسی کا انٹرویو کینسل ہوا تو کوئی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھا کوئی علاج معالجہ کی سہولت سے فیض یاب نہ ہوا تو کوئی آپریشن نہ کراسکا۔ موجودہ حکومت کی کل تو ویسے ہی نرالی ہے کوئی بھی کام صحیح ڈھنگ سے آج تک نہ ہوپایا ہے لہٰذا اگر حکومت اپنی نااہلیوں کو چھپانے کیلئے ادارے قومیا رہی ہے تو پھر ان لوگوں کو پہلے ملازمت سے برخاست کرے تعینات کرائے یا out of way جو انہوں نے اقربا پروری اور رشتہ داری نبھانے کیلئے کئے اور جو ایک مکمل پروسس سے گزر کر میرٹ پر تعینات ہوئے ان کو نجکاری سے دور رکھا جائے۔ اپنی کوتاہیوں خامیوں نااہلیوں اور شاہ خرچیوں کا ملبہ ملازمین پر نہ ڈالا جائے۔ رہا احتجاج تو پرامن احتجاج ہر شہری کا قانونی و آئینی حق ہے شہری سرکار کا ملازم ہو کہ پرائیویٹ۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ قابل تحسین ہے کہ پرامن احتجاج کوئی بھی کرسکتا ہے کیونکہ ماضی قریب میں آپ بھی اسی کا حصہ تھے تمہیں یاد ہو کہ نہ

.....یاد ہو مجھے یاد ہے ذرا ذرا

! تھانہ کلچر کی گونج اب عدالت عظمی میں

نجکاری کا عمل عرصہ دراز سے جاری ہے نجکاری دراصل اپنے کندھے سے ذمہ داریوں کا بوجھ اتار کر دوسرے کے کندھوں پر ڈالنا ہے جس کا صاف مقصد ومدعا یہ ہے کہ اس ذمہ داری سے میں عہدہ.برآ نہیں ہو سکتا۔ لہذا ذمہ داری کسی دوسرے کو سونپ دی جائے چاہے اس کیلئے آپ کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ بس خود کچھ نہیں کرنا کسی دوسرے پر انحصار کرکے اپنا فائدہ حاصل کرلو باقی سب جائیں بھاڑ میں۔ تھوڑے سے مسائل کچھ مشکلات چند رکاوٹوں اعتراضات والزامات کا سامنا ہی تو کرنا پڑے گا تو کرلیں گے۔ پی ٹی سی ایل، سٹیل ملز، پی آئی اے، ریلوے، واپڈا، تعلیم کی نجکاری تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں اور اس کے نتائج پوری قوم بھگت بھی رہی ہے لیکن ایک محکمہ ایسا بھی ہے کہ جس کی نجکاری نہ تو کاغذات کی مرہون منت ہے اور نہ ہی اس کی نجکاری حکومتی وسیاسی سطح پر اجاگر کرنا ضروری ہے اور نہ ہی ارباب اختیار واقتدار میں ہی اس کا پرچار کرنا ہے لیکن کبھی کبھی کرنا بھی پڑتا ہے جب اپنی برتری و.بڑائی کا ڈھنڈورا پٹوانا مقصود ہو اس محکمے کے بارے میں شاعر کا درج ذیل شعر تشریحا پیش نظر کر رہا ہوں

زمانے سے عمل نجکاریوں کا
یہاں جاری نہیں تو اور کیا ہے

ہمارے ملک میں بکتے ہیں تھانے

یہ نجکاری نہیں تو اور کیا ہے

جی ہاں یہ محکمہ ہے پولیس کا۔ جس کی ''نجکاری'' (خرید و فروخت) روز اول سے جاری و ساری ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کی بولی لگتی ہے اور نہ ہی اس کا ٹینڈر ہوتا ہے بیچنے والا بھی سامنے نہیں آتا اور خریدار کا بھی پتہ نہیں ہوتا (کاغذات کی حد تک) وگرنہ تو سب کو معلوم ہوتا ہے کہ کون کتنے میں بکا ہے اور کس نے کس بل پر کسے خریدا ہے۔ عوام الناس تو شروع دن سے ہی اس حوالے سر پیٹتی آ رہی ہے لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے کے مصداق ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور وہ سر پیٹتے اور سینہ کوبی کرتے مر جاتے ہیں یا پھر اس محکمے (پولیس) سے کسی ایک فرد کی ۔نجکاری'' کرکے اپنا جائز و ناجائز حق وصولتے ہیں''

اب تو اعلی عدلیہ میں بھی اس ''نجکاری'' یعنی تھانے بکنے کی گونج سنائی دینے لگی ہے اور یہ آواز اتنی واضح اور صاف ہے کو اس کو رد کرنا آسان نہیں ۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس انور ظہیر جمالی نے پانچ رکنی لارجر بنچ کی سربراہی کرتے ہوئے 22 دفعات سے متعلق ایف آئی آر کے اندراج A 22 اور B کی سماعت پر ریمارکس دیتے ہوئے تھانہ کلچر پر انتہائی برہمی اور افسوس کا

اظہار کیاانہوں نے بتایا کہ تھانے کروڑوں میں بکتے ہیں اور ایس ایچ او کروڑوں روپے دے کر لگتے ہیں انہوں نے پھر پیسے بھی پورا کرنا ہوتے ہیں ساری خرابی قانون پر عمل درامد نہ کرنے کی وجہ سے ہے جسٹس ثاقب نثار کا موقف تھا کہ ماسواء ایک کا اختیار آئین سے متصادم نہیں Bاور A 22وکیل کے تمام وکلا کا موقف ہے کہ 22 جسٹس آف پیس کا عہدہ پولیس پر ایک چیک ہے2015 میں سپریم کورٹ نے ایک فیصلے کے ذریعے ایک کھڑکی کھولی تھی کہ مقدمہ کے اندراج کیلئے کوئی سائنسی طریقہ کار وضع کیا جائے انہوں نے یہ بھی کہا کہ ممکن ہے کہ عدالت اس حد تک چلی جائے کہ پرچہ کااندراج نہ کرنے والا پولیس آفیسر مس کنڈکٹ کا مرتکب پایا جائے ساعت میں اس بات کا اعادہ عدالتی معاون خواجہ حارث نے کہااگر پولیس پرچہ درج نہ کرے تو پولیس سے ہٹ کر ایک ایسی اتھارٹی ہونا چاہئے جو ان کو اس کا حکم دے سکے کیونکہ 30- فیصد ایف آئی آر کے چالان ہی پیش نہیں کئے جاتے۔ 35

یہ ہمارے سماج کا سب سے بڑا سماجی مسئلہ ہے جس کا حل تاحال لاینحل ہے عدالت عظمی نے بات کروڑوں سے شروع کی ہے لیکن کہیں کہیں بات لاکھوں حتی کہ ہزاروں میں بھی ہوتی ہے تھانے ہزاروں میں بکتے دیکھے اور سنے گئے ہیں اور تاحال یہ روش قائم و دائم ہے۔یہی وجہ ہے کہ انصاف کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف ہے سائل تھانے میں مقدمہ درج کرانے سے بہتر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ جو

ظلم وزیادتی ہوئی ہے اسے اللہ کی رضا سمجھ کر صبر کرلیا جائے کیونکہ تھانوں میں سائلوں کے ساتھ جو ذلت آمیز سلوک ہوتا ہے اور جو تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور پیسے بٹورے بغیر کام نہیں ہوتا یا پھر وہ سائل تھانے کی ''نجکاری'' کرتے کوئی ایک افسر کو خرید لیتا ہے اور پھر اس کے تمام جائز و ناجائز کام ہو جاتے ہیں۔ماضی میں بھی یہ شکایات عام تھیں حال بھی ان مسائل سے بے حال ہے جبکہ مستقبل میں بھی اس کی بہتری اور تھانہ کلچر کے خاتمے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔کیونکہ موجودہ حکومت اور بالخصوص وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف نے تو ایک عشرے سے زائد گزار دیا ہے تھانہ کلچر تبدیل کرتے کرتے لیکن نتائج ندارد۔دراصل کسی بھی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے خلوص درکار ہوتا ہے اور ہم لوگ اس سے خالی ہیں ہم صرف ہوس کے پجاری ہیں اور دولت کی ہوس نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا اور پولیس والے بھی آخر انسان ہیں اور 24 گھنٹے ڈیوٹی دیتے ہیں تھانہ کلچر کو ختم کرنے کیلئے اخلاص کے ساتھ ساتھ سسٹم میں تبدیلی لانا بھی از حد ضروری ہے۔

ایک کمہار درکار ہے

اگر آئینہ چہرہ دکھانے کی بجائے انسان کے پوشیدہ اعمال کردار اور کرتوت ظاہر کرنا شروع کردے تو انسان جو آئینے سے بڑا پیار کرتا ہے اسے کبھی بھی نہ دیکھے یا اگر انسان اپنے گریبان میں دیکھنے کی ہمت و جسارت کرے اور یہ حوصلہ پیدا کرے مجھ میں کیا کمی کوتاہی اور خامیاں ہیں تو پھر وہ ضرور دوسروں کے بارے ریمارکس پاس کرنے اور ہرزہ سرائی کرنے سے کسی حدتک گریز کریگا۔ لیکن اپنے بارے میں جاننے کیلئے کوئی بھی بے تاب نہیں ہمیں تو بس اوروں کے عیوب و نقائص سے سروکار ہوتا ہے دوسرے لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے میں ہمیں تسکین ملتی ہے اور اس میں ید طولی حاصل ہے اور یہ سلسلہ ہم اس وقت مزید عود کر شدت کے ساتھ درپیش ہوتا ہے جب کوئی دوسرا ہمارے گریبان میں جھانکتا ہے یہ ہمیں آئینہ دکھانے کی کوشش کرتاہے تو ہم اسے کھانے کو دوڑتے ہیں ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں اس سے قطع تعلق کرلیتے ہیں کیوں؟ کیونکہ وہ دوسرا یا تیسرا شخص ہوتا ہے جس کی سچی باتیں کڑوی اور تلخ ہوتی ہے اور ہم ان کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں لیکن کیا ہم خود اس آئینے کی مدد سے اپنے بارے میں جان کر اپنے آپ سے نفرت کر سکتے ہیں کراہت محسوس کر سکتے ہیں ؟ نہیں ہم نہیں کر سکتے اس لئے ہم اپنے گریبانوں میں نہیں جھانکتے بلکہ دوسروں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ ہمارے بارے میں اپنی

رائے قائم کریں جو کہ ہمیں قابل قبول نہیں ہوتی ۔ اس لئے تو مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ خود احتسابی کا عمل سب سے بہتر ہے اگر خلوص نیت اور صدق دل سے کیا جائے۔

آجکل نیب نیب ہو رہی ہے نیب کو تنقید و تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے تھریٹ دیئے جا رہے ہیں وزیر اعظم سے لیکر ایم این اے تک ہر کوئی اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے نیب کا احتساب کسی کو ہضم نہیں ہو رہا ہے دکھایا جو آئینہ تو برا مان گئے کے مصداق ہر ایک ناراضگی و غصے کا اظہار کر رہا ہے کوئی پر کاٹنے کی بات کر رہا ہے تو کوئی ناخن تراشنے پر اتارو ہے کسی کو ناخنوں کے بڑھنے پر اعتراض ہے تو کوئی اس کی اڑان سے خائف ہے کسی کے ذہن پر نیب کا آسیب سوار ہے تو کسی کا دل نیب کی مٹھی میں بند ہونے پر تیار ہے کوئی اپنے آپ کو صاف ستھرا پیش کر کے اپنی پگڑی اچھالنے پر خفا ہے تو کوئی اس بات سے نالاں ہے کہ کوئی دوسرا اپنے ناخنوں سے انکے جسم کو کیوں نوچ رہا ہے کسی نے اپنی خفت مٹانے اور بہادری جتانے کیلئے بیان داغ دیا ہے کہ نیب سے ناراض ہیں اور نہ ہی اس سے خوفزدہ ہیں۔ مسلم لیگ ن پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان تحریک انصاف اور دیگر جماعتیں اور ان کے ترجمان اور مشیران ہر روز نیب کے حوالے سے بیان داغتے دکھائی اور سنائی دیتے ہیں جماعت کا سربراہ دھمکی لگاتا ہے اپنی اوقات میں رہنے کا مشورہ دیتا ہے اور سنگین نتائج بھگتنے کا

عندیہ دیتا ہے اسی جماعت کے ایک اور سینئر رہنما گنج کے خوف سے ناخن تراشنے کی بات کر رہے ہوتے ہیں چوہدری شیر علی کے مطابق نیب بھارت سے آئی ہوئی کوئی مقدس گائے نہیں ہے احتساب سب کا ہونا چاہئے مڑے تاجروں سے مک مکا کرلیا جاتا ہے صرف سیاستدانوں ہی نہیں عدلیہ کے احتساب کے ساتھ ساتھ خود نیب کے لوگوں کا بھی ایک ضروری عمل ہے جبکہ دوسری طرف اس جماعت کے انتہائی سینئر رہنما چیئرمین نیب چوہدری قمر زمان کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں اور وزیراعظم کے بیان کی تاویل بھی دے رہے ہوتے ہیں ان کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف کا بیان نیب اور اس کے چیرمین کو نشانہ بنانا نہیں تھا بلکہ وزیر اعظم کسی کی باتوں میں آ کر ایسا کہہ گئے تھے انہیں اتنا ڈرایا گیا اور ایسا منظر نامہ پیش کیا گیا کہ وزیر اعظم کو اپنی تجارت و معیشت خطرے میں نظر آئی کیونکہ بتانے والے پاکستان کے بڑے تاجر تھے اور اپنے بیٹی بھائیوں کی بات کو نظر انداز کرنا..... توبہ توبہ۔ بس پھر کیا تھا جو دل میں آئی زبان پر لے آئے اور زبان سے نکلی بات کمان سے نکلے تیر کی مانند واپس نہیں آسکتی لیکن اس کو justify کرنے کیلئے ایک پوری فوج تیار ہے اس لئے وزیر اعظم کا مطلب یوں نہیں تھا بلکہ یوں تھا یو نہیں کہہ رہے تھے بلکہ ان کا مقصد تو کچھ یوں تھا کی گردانیں ہر طرف سے سنائی دیتی رہیں۔

ویسے بھی نواز شریف اور شہباز شریف کے بارے میں ہمارے تجزیہ کاروں اور دانشوروں اور اہل قلم کی رائے یہی ہے کہ ''ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو''

دوسری طرف قمر زمان کائرہ نیب کے گن گاتے دکھائی دیتے ہیں اور یوسف رضا گیلانی اپنی پگڑی کو اچھلنے سے بچانے کی کوشش میں سرگرداں ہیں وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا گردان رہے ہیں ان تمام باتوں سے قطع نظر نیب کا ادارہ جس مقصد کیلئے بنایا گیا ہے اسے اپنے مقصد پر کاربند رہنے اور رکھنے کی ضرورت ہے بلا تفریق بلا اشتعال اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عربی و عجمی سیاہ و سفید سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہئے کیونکہ جو مجرم ہے اسے اس کے گناہوں کی سزا ملنی چاہئے اور مجرموں کے سہولت کاروں کو بھی ان کے ساتھ شامل کرنا چاہئے جو یقینا ان کے کردہ کرتوتوں میں ان کے برابر کے نہ سہی حصہ دار ضرور ہیں اور ان سب کو سیدھا کرنے کیلئے ایک کمہار کی ضرورت ہے وہ کمہار جسے ایک بادشاہ اپنے گدھوں کو سیدھا رکھنے پر بنا پر بادشاہت دے دیتا ہے اور جب اس کے سامنے ایک چور کو لایا جاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے تو جلاد ایسا نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ چور وزیر کا خاص بندہ ہے کمہار پھر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے تو وزیر اس کی سفارش کرتا ہے اب بادشاہ حکم دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو اور وزیر کی زبان کاٹ دو اور ایسا ہی کیا جاتا ہے بس پھر کیا تھا کہ ملک میں تمام درباری و خوشامدی چیلے اور کرچھے سب سیدھے ہو جاتے ہیں لہٰذا اس قوم کیلئے ایک کمہار کی ضرورت ہے لیکن اس کمہار کو بادشاہ کون بنائے گا کیونکہ بادشاہ بنانے والے تو خود

ئ..................

!توجہ طلب

عوام شدید پریشانی میں مبتلا ہیں۔گھروں سے آتے ہیں اور مایوس ہو کر چلے جاتے ہیں۔ کسی نے عمرہ پر جانا ہے تو کوئی ویزے کی معیاد ختم ہونے کی وجہ سے پریشان ہے۔ کچھ لوگوں کے لین دین اور کاروبار متاثر ہو رہے ہیں تو کہیں پر خرید وفروخت کے سلسلے متاثر ہیں۔ اسی طرح کچھ طالب علموں کے داخلے کے معاملات تاخیر کا شکار ہیں۔واضح اطلاع نہ ہونے پر مرد و خواتین شہر اور دور دراز کے دیہاتوں سے آتے ہیں اور بیٹھ بیٹھ کر ناکام واپس لوٹ جاتے ہیں ۔پانچ کے قریب ضعیف العمر خواتین انہی اوقات میں بے ہوش بھی ہو چکی ہیں۔ قارئین کرام یہ حالات ہیں نادرا آفس کے جو کہ ضلع لودھراں کی تینوں تحصیلوں میں تقریباًایک ماہ سے بند ہیں سیکیورٹی خدشات اور انتظامات نامکل ہونے کی بنیاد پر بندش کا شکار ہیں۔اخبارات میں خبروں کی اشاعت کے باوجود کوئی ہلچل دکھائی نہیں۔ ڈی سی اولودھراں کی اس معاملے میں عدم دلچسپی بھی سوالیہ نشان ہے۔نادرا آفس لوگوں کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا ہے۔روزمرہ کے معاملات و معمولات زندگی کافی حدتک اس سے منسلک ہو چکے ہیں۔ کسی نے بیرون ملک جانا ہے تو کوئی عمرے کی سعادت سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔جائیداد کی خرید وفروخت کا معاملہ ہو کہ طالب علموں کے داخلوں کیلئے ب فارم کا حصول نیا شناختی کارڈ بنوانا مقصود ہو یاپرانے کو

اپ ڈیٹ کرنا، نام زوجیت کی تبدیلی کے نام کی تبدیلی سب کچھ نادرا کے مرہون منت ہے لیکن ان مسائل کے حل کیلئے ضلعی انتظامیہ اور حکومت کی طرف سے کوئی قدم اٹھتا دکھائی نہیں دے رہا۔ آج کل کی طفل تسلیوں کی بنا پر گاڑی کو گھسیٹا جارہا ہے عوام کے نقصان اور پریشانی سے کسی کو کوئی سروکار نہیں کمشنر ملتان کے نوٹس میں بھی لایا جاچکا ہے لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

دوسرا معاملہ کاشتکاروں کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے متعلق ہے اسے بھی احاطہ تحریر میں لانا ضروری ہے۔ وزیر اعظم کے امدادی پیکج برائے کاشتکار کے تحت سوا تینتیس کروڑ کے لگ بھگ رقوم کسانوں میں تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا یہاں بھی ملک بھر کی طرح ضلع لودھراں میں انتہا کی بے ضابطگیاں پائی گئی کسان اور کاشتکار رو رو کر بے حال ہوگئے شور مچا مچا کر تھک گئے احتجاج دھرنے درخواست بازی جو ان سے بن پڑا انہوں نے کیا لیکن کہیں پر کوئی ایکشن نہ لیا گیا آخر کار وزیر اعلی پنجاب کے نوٹس لینے پر سینئر ممبر ریونیو بورڈ، ڈی جی ریلیف، کمشنر ملتان نے کہروڑپکا کا دورہ کیا اسی دوران پٹواریوں اور ان بارہ افراد کے خلاف مقدمات کا اندراج کر لیا گیا جو کہ فرضی ڈالے گئے تھے حالانکہ یہ تعداد کہیں زیادہ تھی بلامبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں افراد میں بے ضابطگیاں پائی گئی ہیں۔ محکمہ مال کے نگران سر

جوڑ کر بیٹھ گئے ۔اگلے روز اسسٹنٹ کمشنر کہروڑپکا کے کمپیوٹر سے وزیراعظم امدادی پیکج کے ریکارڈ کی حامل ہارڈ ڈسک چرا لی جاتی ہے۔اور تین سے چار روز بعد اے سی آفس میں لگے درخت کے نیچے سے مل بھی جاتی ہے پولیس اور شواہد کے مطابق اس سارے عمل میں ملوث افراد ''اندر کے لوگ'' ہیں باہر سے کوئی نہیں آیا اور نہ ہی آسکتا ہے کیونکہ جس جگہ سے چور کا داخلہ دکھایا گیا ہے وہاں سے آدمی کا اندر آنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے تفتیش شروع ہے لیکن یہ اونٹ ابھی کھڑا ہے اور اسکی کروٹ کا بیٹھنے پر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے

تیسرا معاملہ جو کہ نہایت اہمیت کا حامل ہے وہ یہ کہ پرائیویٹ سکولز کی رجسٹریشن نئی اور پرانی کا عمل سارا سال جاری رہتا ہے۔ پہلے یہ معاملہ ایجوکیشن کے کرتا دھرتا سرانجام دیتے تھے لیکن اب ڈی سی او کی منظوری بھی اس میں شامل کردی گئی ہے جس کی وجہ سے رجسٹریشن بہت سی پیچیدگیوں اور تاخیر کا شکار ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ ڈی سی او آفس کی شرائط انتہائی سخت کردی گئی ہیں پرائیویٹ renewal کی جانب سے رجسٹریشن اور سکول مالکان اور رپرنسپلز کا کہنا ہے کہ ایک طرف تو حکومت بچے بچے کو پڑھانے پر اتارو نظر آتی ہے اور کسی بھی بچے کو سکول سے باہر دیکھنے کی خواہاں نہیں ہے اور اس سلسلے میں پرائیویٹ سیکٹر کا کردار روز روشن کی طرح عیاں بھی ہے اور اس میں

کوئی بحث بھی نہیں ہے۔ لیکن اب دوسری شرائط کے ساتھ ساتھ سکول میں گراؤنڈ
کا ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسرے اضلاع میں اس قسم کی کوئی پابندی سنائی اور
جاری ہے مگر ضلع لودھراں کے سکولز مالکان smoothly دکھائی نہیں دیتی اور کام
کا کہنا ہے کہ ڈی سی او لودھراں کو بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ ہم نامساعد
حالات میں تعلیم کی روشنی کو پھیلانے میں حکومت کے شانہ بشانہ مصروف عمل ہیں اور
ہماری کاوشیں اور نتائج ہماری علم دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ گورنمنٹ کے کچھ سکولز
ایسے بھی ہیں جن میں گراؤنڈ تو درکنار بنیادی سہولیات جیسے پینے کا پانی بجلی کی سہولت
چاردیواری کے ایشوز موجود ہیں دوسرا یہ کہ دہشت گردی کے عفریت کی وجہ سے کھیل
اور کھلاڑی عنقا ہوتے جارہے ہیں گراؤنڈز تو پہلے ہی نہیں تھے اور جو اکا دکا تھے وہ بھی
سیکورٹی خدشات کے تحت ویران ہوتے جارہے ہیں سکولز میں انہی خدشات کے پیش نظر
صبح کی اسمبلی تک نہیں کرائی جارہی ہے اوپن ایریاز کو خطرناک قرار دیا جارہا ہے انہیں
کیا جارہا ہے coveredاور congested سیکیورٹی رسک قرار دیا جارہا ہے سکولز کو
خاردار تاریں اور مورچوں میں سکیورٹی گارڈز کو بٹھایا جارہا ہے تو ایسے میں سکولز میں
گراؤنڈز اور پلاٹس کی تکرار سمجھ سے بالاتر ہے بلکہ محترم ڈی سی او صاحب کو چاہیئے جو
لوگ علم کو پھیلانے میں کوشاں اور سرگرداں ہیں انہیں ہمت دیں ان کی حوصلہ افزائی
کریں ناکہ غیر ضروری معاملات میں الجھا کر مقصد سے دور کریں ویسے بھی ضلع

لودہراں میں 55 سکولز ایسے ہیں جن کی عمارتوں کو مخدوش قرار دے دیا گیا ہے اور ان میں بچے زیر تعلیم ہیں تو ان کی طرف توجہ زیادہ ضروری ہے لہٰذا ارباب اختیار اور ڈی سی او لودھراں درج بالا امور کی جانب ترجیحا توجہ فرمائیں اور ان معاملات کو حل کی طرف لے کر چلیں تاکہ غریب اور بے بس عوام کی شکایات کا ازالہ ہو سکے بچوں کا معیار تعلیم بلند ہو سکے جبکہ شہریوں کو پاکستانی شہری ہونے پر فخر محسوس ہو سکے۔

عمل کے بغیر تو معجزہ بھی نہیں ہوتا صاحب

دین اور دنیا کے حوالے سے کشمکش عرصہ دراز سے جاری ہے۔دنیا کی رنگینوں کے رسیا دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور دین کے حوالے سے انکی ترجیحات نہ ہونے کے برابر ہیں۔اسی طرح دین کے علم برداروں کا زور اسی بات پر صرف ہوتا ہے کہ دنیا کچھ نہیں دین میں داخل ہو جاؤ۔دنیا سے کنارہ کشی کر لو اور کامیابی کو اپنا لو۔یہ جنگ جاری ہے اور نہ جانے کب تک اس جنگ میں لوگ جھلتے رہیں گے حالانکہ دین و دنیا لازم و ملزم ہیں۔دنیا اگر دین اسلام کے بغیر ادھوری ہے تو دین بھی دنیا کی عملداری کے بغیر مکمل نہیں ۔ انسان فطری تقاضوں کا پابند ہے اور دین اسلام کی بنیاد فطرت پر ہی ہے ۔فطرت سے روگردانی دنیا و آخرت کی ناکامی ہے۔اگر ہم دنیا کی تاریخ میں دیکھ لیں قرآن وحدیث اور تفسیر کا مطالعہ کریں تو بڑی دلچسپ اور حیران کن معلومات سے واسطہ پڑتا ہے کہ وہ تمام پیغمبر،نبی اور رسول جو کہ اپنے اپنے وقت کے سب سے معتبر،برگزیدہ،دانشمند، فہم وفراست کے منبع ہوتے تھے اگر انکی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ دینی ومذہبی معاملات کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی یکتا تھے عصری علوم پر انکی گرفت ہی انکو دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔کہیں پر کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی دنیا دار نے دنیاوی معاملے میں ان میں سے کسی کو مات دے دی ہو۔ان کے

علم و عمل کا سکہ مانا جاتا تھایہی وجہ تھی کہ لوگ ان کے ساتھ نسبت کو اپنی آخرت سنوارنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ہم لوگ آج کے اس پر فتن دور کے فتنوں اپنے آپ کو اس طرح سے غرق کر چکے ہیں کہ دین کے ساتھ ساتھ دنیا سے بھی عملی طور پر دور ہوتے جا رہے ہیں۔یہی روش ہمیں تنزلی کی عمیق گہرائیوں کی جانب لے جا رہی ہے۔ علم کے بل پر ہم یہ گمان کر رہے ہیں کہ کوئی معجزہ ہوگا اور ہمارے سارے دکھڑے دھل جائیں گے حالانکہ تاریخ کے ساتھ ساتھ واقعات بھی بتاتے ہیں کہ کوئی بھی معجزہ عمل کے بغیر نہیں ہوتا۔ کسی بھی معجزے کے وقوع پذیر ہونے میں عمل کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہوتا ہے چاہے وہ کسی نبی سے منسوب ہو کہ کسی ولی سے۔ یہ حقیقت ہے کہ نبوت علم و عمل سے نہیں ملتی خدائے بزرگ و برتر کی ودیعت و عطاء ہے کہ اس نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کو اپنی مرضی و منشا کے مطابق اس عظیم منصب کی ذمہ داری سے سرفراز کیا لیکن انسان کامل ہونے کیلئے اس کا عامل ہونا شرط اول ہے گرچہ وہ عالم نہ بھی ہو مگر جب علم و عمل متوازی ہو چلیں تو اس کے حامل کا اس وقت ہی دنیا میں علم و ہنر کا ڈنکا بجتا ہے۔دنیا میں نامور ہونے کیلئے باعمل ہونے کی جو شرط ہے ہر ذی شعور اس کا ادراک رکھتا ہے کوئی اس پر عمل پیرا ہو کر علم کی بدولت بہت آگے نکل جاتا ہے اور کوئی علم رکھنے کے باوجود عامل نہ ہونے کی بنا پر کہیں

پیچھے رہ جاتا ہے

ہمیں اس وقت بڑی خوشی اور مسرت کا احساس ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ پولیس میں علم و عمل سے مزین لوگ اپنے فرائض سے عہدہ برآمد ہو رہے ہیں ان کے کاموں سے جہاں عوام کو ریلیف مل رہا ہے، انکی داد رسی ہو رہی ہے، ان کے مسائل حل کیے جا رہے ہیں وہیں پر پولیس کے حوالے سے عمومی رائے بھی تبدیلی کے مراحل سے گزر رہی ہوتی ہے۔ملتان ڈویژن میں آر پی اوطارق مسعودیسین نے پولیس کلچر کو تبدیل کرنے کی کوشش کی اور تبدیلی شروع ہو گئی۔ کیوں؟ کیونکہ وہ کرنا چاہتے تھے اور کرنا چاہتے ہیں۔اور لودھراں میں اسد سرفراز جیسے ڈی پی او کی تعیناتی سے جس طرح اوپر سے لے کر نیچے تک پولیس کے رویے، ان کے اطوار اور کردار میں بہتر تبدیلی کی جھلک دکھائی دی ہے وہ ہر عام و خاص کیلئے خوشگوار ہے۔ خود کو عقلمند سمجھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ گراس روٹ لیول سے تبدیلی کا آغاز کریں حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے کہ تبدیلی ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے تو نتائج مثبت اور اور ثمر مند ہوتے ہیں ۔اختیار رکھنے والا شخص جب کسی کو اس کے برے عمل سے روکے گا تو اس کی بات میں وزن ہوگا۔بے وزن اور کمزور شخص کی بات کا اثر آج کل کم کم ہی ہوتا ہے۔ سوایسا ہی کچھ طارق مسعود اور انکی ٹیم کے ایک ہونہار ڈی پی او اسد سرفراز نے کیا خود کو بطور نمونہ پیش کیا جس کے اثرات نیچے تک گئے شروع شروع میں ان کے

کردار کو بطور تمسخر لیا جاتا رہا کہ ہر نیا آنیوالا افسر کا وطیرہ اور طریقہ واردت یہی ہوتا ہے ،اپنے آپکو بڑا فرض شناس، ایماندار اور بڑا با اصول افسر کے طور پر پیش کرتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد ہی اس ماحول میں ڈھل جاتا ہے مگر مذکورہ افسران کے بارے میں اکثریت کی رائے دھری کی دھری رہ گئی ۔اور جب ماتحت عملے نے انہیں ڈگر پر قائم اور اپنے مقصد پر ڈٹے دیکھا تو وہ بھی اسی انداز اور ماحول میں ڈھلنے لگے یہ بھی حقیقت ہے کہ پولیس کلچر میں مکمل طور پر تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی اس نظام کی کہنہ سالی کی وجہ سے آسکتی ہے لیکن تبدیلی کا آغاز تو ہو چکا ہے پہلا قطرہ اپنی قربانی دے چکا ہے پہلی اینٹ تو رکھی جاچکی ہے کوئی شبہ نہیں محکمہ پولیس دہائیوں سے بدنام چلا آرہا ہے لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ زبانی جمع خرچ اور اس پر تنقید کے علاوہ کچھ نہیں کیا جاسکا ہے۔خلوص دل اور عملی طور پر اسکو بدلنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔اب جب کہ مذکورہ بالا علم و عمل سے مزین افسران محکمہ کی باگ دوڑ سنبھالیں گے تو پھر ٹاؤٹ مافیا جس سے سب سے زیادہ محکمہ پولیس نقصان پہنچایا اور پہنچا رہا ہے اس کا خاتمہ بھی ہوگا ،روایتی تفتیشی انداز بھی تبدیل ہوگا۔شائستگی اور شفقتگی بھی اپنا رنگ دکھائے گی ظالم کو جیل اور مظلوم کو کرسی ملے گی۔گناہگار اور مظلوم میں فرق بھی نمایاں ہوگا عوام اور پولیس کے درمیان اعتماد کی فضا بھی قائم ہوگی اوور فاصلے بھی یقیناً سمٹیں گے۔آپ صرف پہلے اپنے آپ کو بدلئے۔دوسرے خود تبدیل ہوجائیں گے۔یہی سوچ اسد

سرفراز خان نے اپنائی اپنے جدید علم کو عملی طور پر نافذ کیا تو لودھراں پولیس کا قبلہ نہایت حد تک درست سمت اختیار کر چکا ہے اور اس میں مزید بہتری آ رہی ہے صرف مستقل مزاجی درکار ہے بقول شاعر

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل
بلاشبہ گھس جائے پتھر کی سل

والدین......!

25 جولائی والدین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے جس میں والدین کی عظمت عزت احترام وخدمت کو ملحوظ رکھنے کا درس دیا جاتا ہے اس عزم کا اعادہ کیا جاتا ہے بچوں کو بتایااور سکھایا جاتاہے کہ والدین کی خدمت و اطاعت ہی دراصل ہماری دنیاو آخرت کی کامیابی ہے اور اس میں کوئی دو رائے بھی نہیں ہیں کہ والدین کی دعا دنیا میں اور ان کی خوشنودی واطاعت آخرت میں کامیابی کا زینہ ہے ماں کے قدموں تلے جنت کا بتایا گیا ہے تو وہیں پر والد کو جنت کے دروازے کی مثل کہا گیا ہے جنت میں جانے کیلیۓ دروازے کا استعمال ضروری ہے والد کی ناراضگی کو اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب بھی مانا جاتا ہے الغرض والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری ہی میں سب پوشیدہ ہے لیکن جب ہم معاشرے پر نظر دوڑاتے ہیں تو کچھ تضادات اور پریشان کن حالات سے بھی واسطہ پڑتا ہے جو انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کوئی ماں یا باپ بھی اس حد تک جا سکتے ہیں اور اگر ہاں تو پھر اس کے پس پردہ کیا حقائق ہوتے ہیں اس کیلیۓ دو تین باتوں سے وضاحت کرنا چاہوں گا-

اس نے عجیب سی شرط رکھ دی تھی کہ اگر اپنی ماں کا کلیجہ نکال کر پلیٹ میں

رکھ کر پیش کروگے تو میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں ورنہ نہیں۔ وہ بڑا پریشان تھا وہ اس عورت کو ٹوٹ کر چاہتا تھا اور کسی بھی طور حاصل کرنا چاہتا تھا جب کہ اپنی ماں کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا۔اس کی پریشانی ماں نے بھانپ لی اور اس بابت پوچھا تو وہ ٹال گیا۔دوسرے تیسرے دن پھر ماں نے مامتا سے مجبور ہو کر پھر پوچھ لیا تو اس نے چارو ناچار بتایا کہ وہ جس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے دنیا کی حسین ترین عورت ہے لیکن اس نے آپ کے کلیجے کے عوض سے مشروط کیا ہے۔میں آپ دونوں کو کھونا نہیں چاہتا۔ماں بھی یہ سن کر خاموش ہو گئی۔کچھ عرصہ بڑا اضطراب اور بے سکونی میں گزرا اور آخر کار محبوبہ کی محبت جیت گئی اور اسی غلبے کے تحت ایک رات اس نے اپنی سوئی ہوئی ماں کو خنجر سے مار کر اس کا کلیجہ نکال لیا اور پلیٹ میں رکھ کر محبوبہ کے دولت کدے کی جانب چل پڑا۔کچھ دور چلنے کے بعد اسے ٹھوکر لگی اور وہ طشتری سمیت زمین پر گر گیا۔اس نے زمین سے اٹھ کر کلیجے کو طشتری میں رکھا تو اسے ماں کے کلیجے سے آواز آئی ''بیٹا چوٹ تو نہیں لگی'' اللہ اکبر۔یہ ہے ماں کی ممتا اپنی اولاد کیلئے اور ایسی بہت سی مثالوں سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ماں کوکھ میں رکھنے سے جنم دینے تک اور پھر اس کی پرورش سے لیکر جوانی تک اولاد کیلئے ہزاروں صعوبتیں برداشت کرتی ہے اور کوئی بھی شخص دنیا و آخرت میں ماں کی ایک دن کی پرورش اور تکلیف کا قرض ادا نہیں کر سکتا۔ وہ ہستی ہے جو اولاد کی ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی حتی کہ

ایک کانٹے کی نوک اور سلی (پھانس) کے چھبنے پر بھی تڑپ اٹھتی ہے۔ گرمی و سردی کی پرواہ کئے بغیر اپنا حسن و شباب جوانی اپنی اولاد پر نثار کر دیتی ہے۔

اسی طرح باپ کی اولاد سے محبت کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ ایک باپ اپنی اولاد کی خاطر شب و روز کمانے میں گزار دیتا ہے۔ اپنی خوشیاں، راحتیں، اپنی جوانی کو اولاد کیلئے اچھا مستقبل دینے کی تگ و دو میں جھونک دیتا ہے۔ بسا اوقات اپنی اولاد کی خاطر نفع و نقصان کی پرواہ کئے بغیر دنیا سے ٹکرا جاتا ہے اس کی ذرا سی تکلیف پر باپ اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اگر کوئی اولاد کو انگلی بھی ٹچ کر دے تو اسکی جان لینے پر اتارو ہو جاتا ہے اور اسکی اکثر مثالیں کتاب دنیا کی صفحات کی زینت بن چکی ہیں کہ بچوں کی آپس کی لڑائی میں خاندان کے خاندان صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں اولاد کی محبت میں جائز و ناجائز کو پرکھے بنا والدین نجانے کیا کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے حقیقی جذبہ ہے بناوٹ و تصنع سے پاک احساسات صرف والدین ہی سے منسوب ہوتے ہیں

اوپر نذر خدمت کی گئی مثالیں یقیناً شاہکار مثل ہیں مگر ان کو بیان کرنے کا مقصد انہی والدین کا دوسرا رخ دکھانا اور ڈسکس کرنا ہے جب یہی خلوص و وفا کے

پیکر، ممتا اور پدرانہ محبت و شفقت کے مجسم کیوں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لخت جگر کو کاٹ ڈالتے ہیں؟ کیا مجبوری آڑے آتی ہے کہ فاختہ دل رکھنے والہ باپ ایک جنگلی بھیڑیے کے روپ میں اپنی ہی اولاد کو چیڑ پھاڑ کر رکھ دیتا ہے؟ کیوں ایک تعلیم یافتہ شخص ایک سکول ٹیچر اپنے چار جگر گوشوں کو ان کی ماں سمیت کاٹ ڈالتا ہے اور پھر خود بھی خود کشی کرلیتا ہے؟ کیوں ایک ملازمت پیشہ شخص اپنے تین بچوں کو موت کی نیند سلادیتا ہے؟ کیوں ایک ماں کسی ایک شخص کی جھوٹی محبت کی بھینٹ چڑھ کر اپنے معصوم بچوں کو زہر ددے کر مار ڈالتی ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ دولت کی چمک اور دنیاوی ہوس اس ممتا کی پاسدار ماں کو اندھا کردیتی ہے اور اپنے بچوں کو ایسے سفر پر روانہ کردیتی ہے کہ جہاں سے واپسی نا ممکن ہوتی ہے۔

دراصل یہ ہمارے سماجی اور معاشرتی رویے ہیں۔ غیر منصفانہ تقسیم کا عمل ہے کہ کہیں پر کتے مکھن اور مربے کھارہے ہوتے ہیں اور کہیں پر انسان کتوں کے ساتھ کھانے پر مجبور ہوجاتا ہے وہ اتنا بے بس و بیکس ہوجاتا ہے کہ اس کی عقل ماوف ہوجاتی ہے صحیح و غلط کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ہوجاتا ہے کہ آسمان دنگ رہ جاتا ہے زمین بے کل ہوجاتی ہے کہ جب ایک باپ اپنی بے بسی کو، دنیا کی بے ثباتی کو، حکمرانوں کی بے حسی کو خراج اور بھینٹ دینے کی غرض سے اپنی بے گناہ اولاد کو اور خود کو موت کے سپرد کردیتا ہے کیونکہ اس

کا ہاتھ ان گریبانوں تک نہیں پہنچ پاتا پس اپنی گردن میں پھندا ڈال کر لٹکا لیتا ہے۔اس کا شعور لاشعوری کے تحت بے شعوری کی منازل طے کر جاتا ہے اور وہی والد یا والدہ ایک ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں کہ جس سے معاشرہ براہ راست شدید متاثر ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور حکمرانوں کو ایسے واقعات کے سدباب کیلئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل بنانا چاہئے کہ کم از کم کئی والد یا والدہ اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہ کریں۔یہ سب مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں بس توجہ اور اخلاص کی ضرورت ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

کسی بھی ملک میں معاشرتی اقدار اس کے تہذیب و تمدن کی عکاس ہوا کرتی ہیں معاشرے کے امور کی بناپر ہی اس معاشرے کے لوگوں کے بارے میں خیالات اور رائے منظر عام پر آتی ہیں اور معاشروں کی اکثریت کا بنظر غایت مشاہدہ و مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ تقریبا تمام معاشرے بہت سے معاملات اور معمولات میں ایک دوسرے سے میل کھاتے ہیں ان کا تعلیمی نظام، صحت کا نظام ٹرانسپورٹ کے قواعد، لین دین کے معاملات ، اقتصادی و معاشی سسٹم بھی ایک، دوسرے سے قریب قریب ہوتے ہیں اور بین الاقوامی اصولوں ضابطوں اور قاعدوں کو ملحوظ خاطر رکھ کران کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن جس معاشرے میں ہم بادل نخواستہ جی رہے ہیں اپنی سانسوں کو مستعار رکھ کر زندگی کے دن گزار رہے ہیں اس معاشرے میں تمام نظام دنیا سے الگ بلکہ الٹ ہیں ویسے تو ہم دنیاکے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں یورپ امریکا برطانیہ و دیگر ممالک کی تقلید و نقل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن جب بات عوام کی فلاح و بہبود کی آتی ہے تو یہاں پر اصول الٹ جاتے ہیں سر نیچے ٹانگیں اوپر اٹھ جاتی ہیں مثال کے طور پر معیشت کا اصول پوری دنیا میں نافذ ہے کہ جس بھی جنس چیز یا آئٹم کو آپ جتنی زیادہ مقدار میں خریدیں یا فروخت کریں گے اتنا ہی کم ریٹ آپ کو دینا یا لینا پڑے گا۔

جتنی کم بجلی استعمال کریں گے اتنا زیادہ بل آئے گا جس چیز کی جتنی زیادہ ڈیمانڈ ہو گی جتنی زیادہ مارکیٹ میں ہو گی اتنی ہی سستی ہو گی لیکن پاکستان میں سب الٹ ہے جتنی زیادہ بجلی استعمال کرو گے اس کا بل اتنا ہی زیادہ آئے گا دو سو یونٹ تک اگر بل تین ہزار روپے ہے تو دو سو ایک یونٹ کا بل چار ہزار روپے ہو گا یعنی کھپت زیادہ ہونے پر قیمت یکدم سے ضرب کھاتی ہے گیس، پٹرول و دیگر ضروریات زندگی کے شعبہ ہائے جات جو کہ گورنمنٹ کے زیر کنٹرول چل رہے ہیں ان سب کا باوا آدم ہی الٹ اور نرالا ہے۔ عوام کے زیر اثر چلنے والے نظام پھر بھی قابل برداشت ہیں اسی طرح ایک پاکستانی سیاستدان دو یا دو سے زائد حلقوں سے بیک وقت الیکشن لڑ سکتا ہے، مگر ایک پاکستانی شہری دو حلقوں میں ووٹ کاسٹ نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جو جیل میں قید ہے ووٹ نہیں دے سکتا مگر ایک پاکستانی سیاستدان جیل میں ہونے کے باوجود بھی الیکشن لڑ سکتا ھے۔ ایک شخص جو زندگی میں جھوٹا سا سچا کبھی جیل گیا ہو وہ کبھی سرکاری ملازمت حاصل نہیں کر سکتا مگر ایک پاکستانی سیاستدان یا بیوروکریٹ کتنی بار بھی جیل جا چکا ہو اس ملک کا صدر، وزیر اعظم، ایم پی اے، ایم این اے یا کوئی بھی عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ بینک میں ایک معمولی ملازمت کیلئے آپ کا گریجویٹ ہونا لازمی امر ہے مگر ایک پاکستانی سیاستدان فنانس منسٹر بن سکتا ہے چاہے وہ انگوٹھا چھاپ ہی کیوں نہ ہو، فوج میں ایک عام سپاہی کی بھرتی کیلئے دس کلو میٹر کی دوڑ لگانے کے ساتھ ساتھ جسمانی اور دماغی طور پر چست و توانا اور درست ہونا بھی

ضروری ہے مگر ایک پاکستانی سیاستدان اگرچہ ان پڑھ، عقل سے پیدل، مخبوط الحواس فاترالعقل، لاپرواہ، پاگل، لنگڑا یا بیمار ہی کیوں نہ ہو وہ وزیر اعظم یا وزیر دفاع بن کر، آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے سربراہ کا کردار ادا کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔ایک پٹواری کی پوسٹ پر مقرر ہونے پر بھرتی ہونے والا شخص کسی بھی ضلع کا ڈی سی او بن کر اس ضلع کے تمام محکموں کی باگ ڈور سنبھال کر تگنی کا ناچ نچا رہا ہوتا ہے حالانکہ اسے بہت سے محکموں کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہوتی حتی کہ انسانی جذبات واحساسات اور اخلاقی اقدار بھی اسے چھو کر نہیں گزرتی۔ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ کسی سیاستدان کے پورے خاندان میں سے کبھی کوئی سکول کے پاس سے بھی نہ گزرا ہو مگر پھر بھی ایسا کوئی قانون نہیں جو اسے وزیر تعلیم بننے سے روک سکے۔ایک پاکستانی سیاستدان پر اگرچہ ہزاروں مقدمات عدالتوں میں اس کے خلاف زیر التوا ہوں وہ تمام قانون نافذ کرنیوالے اداروں کا وزیر داخلہ و وزیر قانون بن کر سربراہ بن سکتا ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ الٹی گنگا ہمارے ہی ملک میں کیوں بہہ رہی ہے کیوں ہمار ے ملک میں قانون اور اس پر عملداری مذاق بن کر رہ گئی ہے کیوں غریب کیلئے الگ اور امیر کیلئے الگ قانون ہے جوتا چرانے والے کا مار مار کر بھرکس نکال دیا جاتا ہے جبکہ کروڑوں روپے لوٹنے والوں کو سر آنکھوں پر

بٹھایا جاتا ہے ملکی و قومی مجرم دندناتے پھرتے ہیں بے گناہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں ان سب میں قصوروار عوام ہیں جو ہر حالت میں خوش ہیں حقوق مل رہے ہیں تو خوش ،نہ مل رہے ہیں تو خوش، سہولیات میسر ہیں تو جی بسم اللہ میسر نہیں ہیں تو خیر سلا، صحت تعلیم ٹرانسپورٹ سستی ہے کہ مہنگی بولنا نہیں حقوق کیلئے نکلنا نہیں حقوق کیلئے جدوجہد نہیں کرنا جوتے کھانے ہیں سوجانا ہے یا پھر رونا رو کر خاموش ہوجانا ہے بس۔ اگر یہی روش رہی تو پھر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا اور اگر بدلنا ہے تو شعور و آگاہی کا سبق حاصل کرکے اپنے حقوق کیلئے کھڑا ہونا پڑیگا۔

پاکستان بنانے والے سیاستدان نہیں تھے !

میں اس بات سے بالکل اتفاق نہیں کرتا کہ کرپشن آمریت کی پیداوار ہے آئین اور ایٹم بم سیاستدانوں اور جمہوریت کا تحفہ ہیں۔پاکستان سیاستدان نے بنایا۔ اگر پاکستان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آپ کو جا بجا سیاستدانوں کے ''کارنامے'' جلی حروف میں نظرآئیں گے جنھوں نے کسی نہ کسی انداز میں وطن عزیز کو اس کے وقار کو اور اس کی عوام کو داغدار ،ذلیل و رسوا کیا بھٹو سے لیکر زرداری تک یوسف رضا گیلانی سے لیکر راجہ پرویزاشرف تک الطاف حسین لے لیکر قمر منصور وسیم اختر سبز واری اور لنگڑا، کاناتک، نواز شریف سے لیکر شہباز شریف تک اور ان کے دوسرے سیاسی رشتہ دار رفقا کار تک، مولانا فضل الرحمٰن سے لیکر مولانا عبدالعزیز تک کسی نہ کسی طور جمہوریت کی آڑ میں گھناؤنے کھیل کھیلتے رہے۔ کوئی ملک کو دولخت کرواگیا تو کسی نے ملک کو بیچ کھایا۔ کسی نے دہشت گردوں کی سرپرستی کی تو کوئی دہشت گردی میں ملوث ہو کر مملکت خداداد اور عوام پاکستان کی جانوں سے کھیلتا رہا۔ کسی نے پاور پروجیکٹس، نندی پور پروجیکٹس، قرضہ سکیم، آشیانہ سکیم، سٹیل مل، میٹرو پروجیکٹس کی آڑ میں ملکی معیشت کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا تو کوئی زراعت کے شعبے اور کسانوں کو پستی میں دھکیل رہا ہے یہ سب لوگ جمہوریت کے پروردہ ہیں جمہوریت کے آنچل میں سب سے بڑے آمر ہیں تعلیم

صحت ، سپورٹس ، میونسپلٹی، ڈویلپمنٹ ، پولیس ،واپڈا، ایڈمنسٹریشن غرض کہ کوئی شعبہ، ایسا نہیں جہاں چھوٹا یا بڑا سیاستدان کرپشن میں ملوث نہ ہو اور اب تو بات اس سے بھی آگے جا چکی ہے کہ ان جمہور پسندوں میں سے ہی کچھ لوگوں نے دہشت گردی اور دہشت گردوں کو پروان چڑھایا۔ کوئی ڈائریکٹ تو کوئی ان ڈائریکٹ ان کے سہولت کار کے طور پر سامنے آ رہا ہے اور نجانے کون کون کس کس انداز میں بے نقاب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ جنھوں نے پاکستان بنایا وہ لوگ سیاستدان نہیں تھے وہ لوگ تو لیڈر تھے راہنما تھے، جنھوں نے دامے درمے سخنے ہر طرح سے قربانیاں دی عوام اور مملکت کیلئے اپنی توانائیاں خرچ کیں ان میں سے کسی پر نہ تو کبھی کرپشن کا الزام لگا اور نہ ہی کسی کو انگلی اٹھانے کی جرات ہوئی۔

69 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اس عرصے میں نصف میں جمہوریت کا بگل بجا اور نصف میں آمریت کا راج رہا ہے ان دونوں ادوار موازنہ ایمانداری سے کیا جائے تو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیگا کہ کسی فوجی یا فوج کی کرپشن کے حوالے سے کبھی نہ تو لوگ سڑکوں پر آئے اور نہ ہی انہیں اس انداز میں طعن و تشنیع کیا گیا۔ ان ادوار میں ہمیشہ ملک و قوم کی بہتری اور فلاح کے حوالے سے کام ہوئے اور بتقاضائے بشریت غلط کام بھی ہوئے لیکن ان کو justify بھی کیا گیا۔ ہٹ دھرمی کا لبادہ نہیں اوڑھا گیا لوگ یحییٰ خان جنرل نیازی ضیاء

الحق پرویز مشرف جنرل پرویز اشفاق کیانی اور ان کی پالیسیوں کیوجہ سے نشانہ تنقید بناتے ہیں اور اب جنرل راحیل شریف نے اس باب کو بھی اپنی حکمت عملی دانشمندی اور راست اقدام سے بند کردیا ہے ہر طرف جنرل راحیل شریف کے گن گائے جارہے ہیں لیکن اب بھی ایک خاص طبقہ ایسا ہے جو اس پاپولیریٹی کو ہضم نہیں کرپارہا ہے۔وہ طبقہ دراصل غلام ابن غلام کی کسی نسل سے متعلق ہے جو خود بھی محکوم بن کر رہنا چاہتا ہے اور قوم کو بھی اپنا مطیع بنانے کا خواہاں ہے۔

درحقیقت ! ہم غلام ہیں، ہماری سوچیں غلام ہیں، ہماری فکریں غلام ہیں، ہماری اقدار غلامی کی دردناک وادیوں میں گم ہیں، ہماری نام نہاد جمہوریت غلام ہے ،ہم نے تو ابھی تک حقیقی آزادی کا مزہ تک نہیں چکھا اس وقت بھی ہم انگریزوں کے غلام تھے اور آج بھی ہم ان کے غلام ہیں اور جو غلام و محکوم ہوتے ہیں ان کے کیا حقوق ہوتے ہیں کن حقوق کی بات کرتے ہیں عوام کے حقوق کی جو کبھی آپ نے ،آپ کی سیاست نے، آپ کی جمہوریت نے ،چاہے وہ پی پی یا مسلم لیگ اور کوئی اور لیگ ہو ،نے عوام کو دیے ہی نہیں۔اور یہ غلام و محکوم عوام ہی ہے جس کی وجہ سے آپ کی حکومت قائم ہے انہیں جس طرح کولہو کے بیل کی طرح جوتا ہوا ہے جس طرح ان کے خون پسینے کو نچوڑ کر دولت سمیٹ رہے ہیں یہ عوام کی غلامانہ ذہن کی عکاسی ہی تو کرتی ہے۔کس نے کہا کہ آپ لوگ

ایوانوں کے قابل ہیں آپ سیاستدانوں نے ہمیشہ عوام کو ملک کو سیاست کے نام پر بیوقوف بنایا ان کے حقوق غصب کئے اور جمہوریت کا لولی پاپ دے دے کر ان کو مریض بنادیا لیکن ملک میں جمہوریت نام کو نہ آسکی۔ غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے امیر امیر ترین۔ بدمعاش طاقتور اور حاکم ہوتا جارہا ہے اور شریف محکوم و لاغر ذلیل و رسوا۔ آپ کی مہنگائی کے تحائف نے لوگوں کو اپنی اولادیں اپنے لخت جگر اور عصمت تک بیچنے پر مجبور کردیا ہے۔ ایک غریب طالب علم وسائل نہ ہونے کی وجہ سے خود کشی کرتا ہے تو دوسرا خود سوزی کا خواہاں ہے واہ ری جمہوریت۔

اگر ہم آئین بنانے کی بات کریں تو اس کی کیپیسٹی بھی سب جانتے ہیں کہ کون کس قابل ہے پارلیمنٹ میں نہ تو آئین بنتا ہے اور نہ قانون۔ دھرنے کے دنوں کے علاوہ کتنی مرتبہ جناب وزیراعظم نواز شریف صاحب پارلیمنٹ میں تشریف لائے کتنے سینٹ کے اجلاس اٹینڈ کئے یعنی کہ صرف اور صرف اپنا الو سیدھا کرنے کی حد تک پارلیمنٹ اور جمہوریت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اول تو کوئی مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہی نہیں کیا جاتا یا جاسکتا اور بالفرض کوئی شومئی قسمت ہو بھی جائے تو اس طرح سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی جنگ کی نذر ہوجاتا ہے کہ مسئلہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یا خدایا میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں یہ تو وہ عذاب ہے جس کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ جب اس

قسم کے حالات ہوں اور اگر کوئی عام کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنے والا عوام کی مظلومیت کو دیکھتے ہوئے ان کے دکھوں کے مداوے کا سوچتا ہے تو وہ آمر بن جاتا ہے۔یعنی سیاستدان جس طرح چاہیں جمہوریت کی آڑ میں عوام کو تگنی کا ناچ نچاتے رہیں اور جب کوئی مسیحا ان کی مسیحائی کا ارادہ کرے تو اسی کا مکو ٹھپنے کی کوشش میں آمر آمر کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے میں آپ سب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جمہوریت سے کیا مراد ہے ''عوام کی حکومت، عوام پر حکومت اور عوام کے ذریعے سے حکومت'' لیکن اب جمہوریت کا قبلہ ہی تبدیل ہو چکا ہے کہ ''خواص کی حکومت، عوام پر حکومت اور خواص کے ذریعے حکومت''اور یہ خواص وہ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہمارے ہی تابع ہے ہمارے لئے ہے ہم حاکم ہیں اور 18 کروڑ عوام ہیں جن پر حکومت کرنا ہمارا خاندانی وراثتی اور پشتینی حق ہے۔یہ سوچ تبدیل ہونا چاہئے بہت ضروری ہے۔

وہ نہایت لاغر اور کمزور ہو چکا تھا اٹھ کر چلنا بھی محال تھا اپنی زندگی بچانے کی خاطر اپنی تمام تر توانائیاں مجتمع کرکے رینگتا ہوا آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے خونخوار اور خوفناک درندے اور بھیڑیے لگے ہوئے تھے جو اس کی زندگی کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کا جہاں تک بس چلتا تھا وہاں تک وہ اپنی بھرپور کوشش کرکے اس کے جسم کو زخموں سے چور چور کر چکے تھے۔ اس کے ان زخموں سے خون رس رہا تھا ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے پورا کا پورا بغیر ڈکار لئے ہڑپ کر جائیں۔ ان کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی اور وہ اس پر جھپٹنے کیلئے تیار تھے۔ ان بھیڑیوں کے پیچھے چالاک و مکار اور شاطر لومڑیاں دوڑتی چلی آ رہی تھیں اور اپنے پنجوں کو بار بار زمین رگڑ رہی تھیں اور بڑی بے چین دکھائی دیتی تھیں انہیں یہ تو معلوم تھا کہ وہ اس کا شکار نہیں کر سکتے لیکن بھیڑیوں اور درندوں کے شکار کرنے کے بعد جب وہ اس کے اچھے اچھے اور پسندیدہ حصوں کو چٹ کر جائیں گے تو بقیہ جسم ہمارے رحم و کرم پر ہوگا اور وہ بھی اپنے پیٹ کا دوزخ اس سے بھریں گے اور خوب سیر ہو کر کھائیں گے۔ ان مکار لومڑیوں کے ساتھ دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے لمبی اور نوکیلی چونچ والے مکروہ شکل گدھ اپنی باری کے منتظر تھے۔ ان کے سروں پر منڈلا رہے تھے ان کی پرواز نہایت ہی

نیچی تھی اور کبھی کبھی اور ان کے جسم کو مس کرتے ہوئے گزرتے تھے جیسے کہہ رہے ہوں جلدی کرواس کے بعد ہماری باری ہے۔انہیں بھی یہ معلوم تھا کہ لومڑیوں کے کھانے کے باوجود ان کا حصہ بھی ضرور بچ جائے گا اور اتنا بچ جائیگا کہ وہ بھی اپنی ہوسناک بھوک مٹا سکیں گے۔ اس کے جسم اور ہڈیوں سے چمٹا ہوا گوشت ان کی مرغن غذا ہے اور بس لومڑیوں کے جانے کی دیر تھی کہ انہوں نے اس پر ٹوٹ پڑنا تھااور اس کے جسم سے گوشت ، کھال ، گودا غرض جہاں تک ان کے لمبی چونچ اور نوکیلے پنجے پہنچ سکیں گے وہ نوچ نوچ کر کھائیں گے ۔ قصہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ گدھوں کے بعد ایک اور مخلوق اپنی باری کے انتظار میں بے چین و بے کل تھی کہ کب گدھ یہاں سے ہٹیں اور ان سے بچ جانے والے ہڈیوں کے ڈھانچے میں میں موجود بچے کچے مواد سے لازمی مستفید ہونا ہے اور یہ ہمارا حق وراثتی ہے۔ یہ زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں تھیں جو ہڈیوں کے اندر تک سے اپنا حصہ کھسوٹنے کی تیاری میں تھے ایک لمبی قطار تھی۔ ہر کوئی اپنی باری کا منتظر تھا۔ سب سے طاقتوروں نے پہلے اپنے پنجے آزمائے تھے ان کی ہوس مٹنے پر ان سے کم طاقتور نے اپنی باری کا کھانا تھااور اسی طرح یہ سلسلہ طاقتور سے کم طاقتور تک آتا تھاو سب سے اپنی اپنی بھوک مٹانا تھی اس ’’کارخیر‘‘میں حصہ ڈالنا تھا۔ ’’مفت کی مڈی‘‘ باپ کا مال سمجھ کر ہڑپ کرنا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس میں تھوڑا سا بھی ترس رحم و اخلاص کا مادہ ہو۔

محترم قارئین ! یہ کہانی ہمارے وطن عزیز ہماری دھرتی ماں ہماری ارض پاک اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہے جسے انہوں نے اس بے دردی سے جھنجھوڑا ہے کہ اب اس سے اٹھنا محال ہو چکا ہے۔ اتنے زخم لگائے ہیں کہ خون کی کمی سے نقاہت و کمزوری اس کے انگ انگ سے ہویدا ہے۔ ملک پاکستان کے اشرافیہ نے اس کی حالت ایسے کردی ہے کہ خاکم بدہن اب گرا کہ تب گرا۔ اشرافیہ نے اپنے دوزخ بھر لئے ہیں اور بھرتے جارہے ہیں اور جہاں تک ہو سکے گا وہ اسے کمزور کرتے رہیں گے اس کے بعد اشرافیہ کے ماشئے اور پاشئے باری کے منتظر ہیں اور بیچ درمیان میں کبھی کبھی منہ مار کر جتنا ہو سکے حصہ نکال کھاتے ہیں اور بالکل اسی طرح ایک لمبی قطار ہے جو کہ باری کی منتظر ہے اور جس کا داؤ لگتا ہے کسر نہیں چھوڑتا۔

ہمارے آباؤ اجداد جنھوں نے اپنے خون و پسینے سے جس کی آبیاری کی تھی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کیا میں ہجرت کے وقت کی کچھ نایاب تصاویر دیکھ رہا تھا جو تقسیم کے وقت کی ایک پوری کہانی بیان کرتی ہیں کہ کس طرح ہمارے آباؤ اجداد مملکت خداداد کیلئے کس کس آزمائش میں مبتلا ہوئے کیسے انہوں نے صعوبتیں برداشت کیں کون کون سی تکالیف کو سہا غم والم کی کون کون سی راہ گزر سے سفر کیا کیسے پیاروں کو قربان کیا عصمتیں لٹوائیں کیسے اپنے

لخت جگروں کو تہہ و تیغ کروایا یہ تصاویر بہت کچھ بیان کر رہی تھیں لیکن یہ سب سوچنے والوں محسوس کرنے والوں کیلئے تھیں جنھوں نے سوچا تھا کہ

خون جگر دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

یقینا انہوں نے قسم کھائی تھی اور اس قسم کا حق بھی ادا کیا اس کے تحفظ و سلامتی کیلئے خون جگر بھی نچھاور کیا اور اب جنرل راحیل شریف اس حق کی ادائیگی کیلئے میدان عمل میں نکل آئے ہیں انہوں نے ملکی خوشحالی ترقی امن وامان کیلئے علم جہاد بلند کر دیا ہے پوری قوم کی نگاہیں ان پر مرتکز ہیں امید خواہشیں پروان چڑھ رہی ہیں بہتری اور امید کی کرنیں پھوٹنا شروع ہو گئی ہیں ۔انہوں نے اپنا کردار بھی ادا کیا ضرب عضب نیشنل ایکشن پلان کو اپلائی کیا کراچی کی روشنیاں واپس لوٹا دیں کرپٹ مافیا کو پہلی مرتبہ لگام ڈالی گئی انہیں قانون کے کٹھمرے میں لایا گیا لیکن کیا کیجئے اس قوم کے میر جعفر و میر صادق کا کہ جنھوں نے اپنی تجوریاں بھرنے کی خاطر اپنے ہی ملک کو اغیار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے خود ان کی آغوش میں جا گرے۔ عیش و مستی میں اپنی اقدار گنوا بیٹھے۔ یہ بیوقوف، نااہل ،ناکارہ اور ہوس کے پرستار لوگ یہ نہیں سمجھنے کی کوشش کرتے کہ جس ملک کا تم سودا کر رہے ہو جس کی وجہ سے تمہیں سر آنکھوں پر اغیار بٹھا رہے ہیں اگر خدانخواستہ، خدانہ کرے یہی نا رہا تو

تمہاری حیثیت، تمہاری اوقات کیا ہوگی۔ تمہاری اوقات ان کتوں کی طرح ہوگی جو نہ گھر کے ہوتے ہیں اور نہ گھاٹ کے۔اس لئے اپنی روش تبدیل کیجئے۔ جنرل راحیل شریف،افواج پاکستان کا ساتھ دیجئے عوام کی خوشی،خوشحالی،ترقی میں اپنا کردار ادا کیجئے 14 اگست کو شایان شان طریقے سے منایئے بچوں کو ترویج دیجئے ان کے اذہان میں ان قربانیوں کا نقشہ کھینچئے کہ جن کی بدولت وہ آج ان آزاد وطن کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں اور قائداعظم واقبال کی روح کو یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ

کیا اسی لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگادے

ممکن ہوسکتا ہے طریقہ تبدیل کرنا ہوگا

دونوں متوازی چلتے ہیں۔ (appriciation))اور حوصلہ افزائی(critisum)) تنقید
جب آپ اپنے کسی ایسے کام کی مداح چاہتے ہیں تو آپ کو تنقید کے لئے بھی تیار رہنا
چاہتے ہیں ہمارے معاشرے میں یہ بڑا مشکل ہے کہ لوگ آپ کے اچھے کام کو سراہیں
کیونکہ ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔کہ کسی کے اچھے کام کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا بلکہ کوئی
بھی ایسا پہلو سامنے لایا جائے جس کی وجہ سے اس شخص کو اس کے کام کو تنقید یا تضحیک
کا نشانہ بنایا جائے اور اکثر لوگ اسے فرض سمجھتے ہیں کہ ہر کام میں کیڑے نکالے
جائیں۔آپ ۹۹ فیصد درست کر رہے ہیں اگر کسی سے نادانستگی میں یا غفلت سے کوئی
کمی یا مسئلہ رہ گیا تو پھر اسی بات کو پکڑ کر پوائنٹ آؤٹ کر دیا جائے۔ یہ بالکل نامناسب
اور غیر مناسب رویے ہیں ۔اس سے شاید آپ کو وقتی تسکین ملتی ہو۔ لیکن وہ شخص
جو ایک خاص مقصد لے کر آگے چل رہا ہے وہ متزلزل ہو جاتا ہے اس کی سوچ دوراہے
پر آکر ٹھہر جاتی ہے اور اسے فیصلہ کرنے میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی
عمل کسی بھی شعبے اور ان سے متعلق افراد پر لاگو ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے کام
کرنے کے باوجود پولیس کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ہم سب اپنا اولین
فرض سمجھتے ہیں حالانکہ دیگر ڈیپارٹمنٹ جہاں پر پولیس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ
کرپشن ہے۔انہیں نظر

انداز کردیا جاتاہے۔اس کی بھی میرے نزدیک کچھ وجوہات ہیں جو کسی بھی انسان کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سب سے پہلے بے جاطاقت کا استعمال ہے اور کوئی بھی معاشرہ اور طبقہ اس بے جاطاقت اور اس کا غلط استعمال ایک خاص حدتک.برداشت کرتاہے۔ لیکن اس کے بعد وہ ذہنی طور پر اس سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتاہے۔اس کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کو عزت نہیں دینی۔ ان سے ناراضگی اور نفرت کا اظہار کرنا ہے۔ بالفرض اگر کبھی آپ کسی بھی سواری پر جا رہے ہیں آپ کے سامنے پولیس کی گاڑی ہے آپ بار بار ہارن دینا اپنی تسکین کیلئے ضروری سمجھتے ہیں اور اگر گاڑی پیچھے ہے تو اس کو راستہ نہ دینا۔ مقصد صرف یہ باور کرانا ہے کہ میں پولیس نہیں ڈرتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے رویے ہمارے معاشرے کا خاصہ کیوں بنتے جارہے ہیں کیوں ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود پولیس اور تھانہ کلچر تبدیل نہیں ہو سکا ہے۔ کیوں آپ بھی عوام کو پولیس پر عارضی ہے۔اس سلسلے میں کب سے کوششیں ہو رہی ہوں لیکن بے سود ہیں۔اپنی ایک سوچ کے تحت چند گزارشات پیش کر رہا ہوں ۔ جب آپ کسی بچے سوال کریں کہ آپ.بڑے ہو کر کیا بنناہے تو عام طور پر یہ جاب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر انجینئر.بزنس مین یا ٹیچر اور اگر کسی فورس میں جانے کی بات کی جائے تو پاک آرمی یعنی فوجی بننے کو ترجیح دے گا اگر اسے کہا جائے تو پولیس مین بننا ہے تو وہ فوراانکار کردیتا ہے اور جب اس کی وجہ دریافت کی

جاتی ہے تو وہ بچہ بتاتا ہے کہ پولیس انکل اچھے نہیں ہوتے اس لئے پولیس مین نہیں بننا۔یہ کسی ایک بچے کی بات یا سوچ نہیں بلکہ معاشرے میں موجود ننانوے فیصد بچے اسی سوچ کے حامل ہیں ان کے ناپختہ ذہنوں میں شروع سے ہی یہ بات بٹھادی جاتی ہے کہ پولیس اور اس کا محکمہ اچھا نہیں ہے اور اس کی زندگی کے ہر سٹیج پر یہ بات مزید پختہ ہوتی جاتی ہے اور اس کے دل و دماغ میں موجود پولیس کا یہ تاثر اسے کبھی بھی پولیس کو اچھا سمجھنے میں معاون ثابت نہیں ہوتا لہٰذا اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے اگر پولیس کلچر میں تبدیلی لانی ہے عوام اور پولیس کے مابین تعلقات بنانا اور دوریاں ختم کرنا ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اصل نچ ہی یہی ہے کہ سکول لیول سے ہی طالب علموں کو اس سوچ سے دور کیا جائے اس میں یقینا ایک عرصہ درکار ہوگا ایک مکمل (cycle) پیڑھی کو پروان چڑھانا ہوگا اور اس کیلئے پولیس افسران کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا سکولز میں جاکر طالب علموں کو بتانا ہوگا اپنی اچھائی بیان کرنا ہوگی ڈیپارٹمنٹ کی خوبیوں کو اجاگر کرنا ہوگا انہیں بتانا ہوگا کہ پولیس مین کوئی برا نہیں ہوتا پولیس انکل اچھے ہوتے ہیں اپنے رویوں عادات و اخلاق سے ان کو متاثر کرنا ہوگا ان سے محبت کا رشتہ استوار کرنا ہوگا اعتماد کی فضا کو پروان چڑھانا ہوگا اور جب یہ طالب علم سکول کالج اور یونیورسٹی سے نکل کر معاشرے میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے تیار ہونگے تو ان کی اکثریت ایسی بھی ہوگی جو کہ پولیس مین بننے کو ترجیح دے گی اور پھر یہ پولیس مین روایتی پولیس

مین سے یکسر مختلف ہونگے اور موجودہ تھانہ کلچر خود بخود تبدیل ہو جائے گا ہر تھانہ ماڈل تھانہ ہوگا ہر پولیس والہ'' ملازم'' ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا شہری بھی ہوگا معاشرے کے لوگوں سے اسکے تعلقات بھی بہتر ہونگے المختصر پولیس کلچر کی تبدیلی تعلیمی اداروں کی مرہون منت ہے طالبان علم کو روز اول سے ہی یہ بتانا ہوگا کہ پولیس والے قابل اعتماد اور پیار کرنے والے انسان ہوتے ہیں اور آپ میں سے ہی ہوتے ہیں تو انشاء اللہ کوئی پولیس کلچر کو تبدیل ہونے سے نہیں روک سکتا۔

الطاف حسین ! کراچی کی روشنیاں پھر سے لوٹ رہی ہیں

فلسفہ کی کلاس جاری تھی پروفیسر صاحب نے ایک خالی جار لیا اور اس میں گولف کی بالز ڈال دیں جار بھر گیا اور طلبا سے پوچھا کہ بتائیں جار خالی ہے کہ بھرا ہوا ہے تمام طلبا نے کہا کہ جار بھرا ہوا ہے اس کے بعد پروفیسر نے کچھ سنگ ریزے لئے اوور ان کو جار میں ڈالا وہ بھی جار میں سموگئے پروفیسر صاحب نے پھر پوچھا کو بتائیں جار کی کیفیت کیا ہے پوری کلاس نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ جار بھرا ہوا ہے اب پروفیسر صاحب نے ریت لی اور اسے جار میں انڈیلنا شروع کیا ریت بھی جار میں سما گئی پھر سوال دہرایا گیا پوری کلاس نے یک زبان ہو کر کہا کہ جار بالکل بھر چکا ہے اب مزید کوئی گنجائش باقی نہیں رہی پروفیسر صاحب نے شہد کی بوتل لی اور اسے جار میں انڈیلا تو جار کے بھرے ہونے کے باوجود شہد نے اپنی جگہ بنالی کلاس دم بخود تھی کہ ہر مرتبہ جار بھر گیا لیکن اس میں کوئی نہ کوئی گنجائش باقی رہی کلاس نے اس ساری پریکٹس کے پیچھے چھپے مقصد کو جاننا چاہا پروفیسر صاحب نے بتایا کہ جار زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ گولف کی بالز سنگ ریزے ریت اور شہد انسان کے اعمال و افعال ہیں اس کے عمل کردہ افعال سے زندگی کا جام بھرتا جاتا ہے جب انسان کو غلط عمل سرانجام دیتا ہے تو اس کے سدھارنے کی مزید گنجائش رہتی ہے لیکن جب وہ کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو کہ ریت پر دلالت

کرتا ہے یعنی جار کو ریت سے بھر دیا جائے تو پھر اس کے سدھار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی صرف اور صرف لہجے اور افعال کی مٹھاس ہی اس میں جگہ بنا سکتی ہے دلائل اور تاویلیں بے معنی ہوجاتی ہیں-

الطاف حسین اور ان کی جماعت ایم کیو ایم کی ملک و قوم سے محبت شکوک و شبہات کی تہہ میں پہلے ہی دب چکی تھی مزید پختگی الطاف حسین نے گذشتہ روز پاکستان کے خلاف شرانگیز اور منافرت پر مبنی تقریر کرکے اور میڈیا ہاؤسز پر حملے کا حکم دے کر کردی ہے اویعنی کہ انھوں نے اپنے جار کو ریت سے بھر دیا ہے اب مزید کچھ کہنے سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔تاویل دلیل بحث مباحثہ کو طاق میں رکھتے ہوئے الطاف حسین پر ملک سے غداری اور ملک دشمن عناصر کے ساتھ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونیکی بنا پر مقدمہ درج کیا جانا چاہئے اور اس بھی پہلے تاج.برطانیہ کو بھی سمجھایا جائے کہ غدار وطن شخص کو سیاسی پناہ کے زمرے خارج کیا جائے۔دہشت گردی کے حوالے سے عالمی قانون ریڈ وارنٹ کو استعمال کرکے الطاف حسین کو گرفتار کیاجائے۔حکومت .برطانیہ کو باضابطہ قانونی ریفرنس پیش کیا جائے جو کہ باقاعدہ شکایت کی شکل میں ہو جیسے ایک ملک دوسرے ملک سے کرتا ہے۔اس کی تقریر و تحریر پر بھی پیمرا قوانین کے تحت پابندی عائد کی جاچکی ہے۔ویسے الطاف حسین نے کا وطیرہ ہے کہ پل میں ماشہ پل میں تولہ۔ سوتے میں کروٹ لی بیان داغ دیا دوسری کروٹ لی معافی مانگ

آنکھ کھلی استعفی دے دیا اور سونے سے قبل ہی واپس لے لیا پلک جھپکی ہرزہ سرائی پلک جھپکی معافی ۔ویسے تو اس قماش کے شخص کو مخبوط الحواس قرار دے کر اسے پاگلوں کی فہرست میں شامل کرلیا جائے اور اسے قابل رحم سمجھتے ہوئے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے لیکن ایم کیو ایم اور اسکے کرتا دھرتاؤں سے ضرور پوچھا جائے کہ آیا کہ وہ بھی اسکے حامی ہیں کیا وہ بھی را کی مداخلت کے خواہاں ہیں کیا وہ بھی انڈیا کو غیرت دلوانا چاہتے ہیں ان کے نیٹو افواج کی آمد کے حوالے سے کیا خیالات ہیں اگر وہ بھی اس بدروش پر قائم ہیں اپنے لیڈر کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں تو انہیں آڑے ہاتھوں لیا جائے ۔ کیونکہ ان کے پاپوں کا گھڑا گندگی سے بھر چکا ہے

ماضی کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لیں 1985 سے پہلے کراچی جو کہ روشنیوں کا شہر تھا غریب کی ماں تھی بیروزگاروں کیلئے جنت تھا کمانے والوں کیلئے دبئ تھا ان کی شرانگیزیوں کی بنا پر تاریکی میں ڈوب چکا ہے غریب کیلئے روزگار کے ذرائع مفقود کردیئے گئے ہیں سرمایہ کار سرمایہ کاری سے اجتناب برتتے ہیں ان تمام حالات کا ذمہ دار الطاف حسین اور اسی قماش اور ذہن نے لوگوں کا کراچی کا یہ حال کیا ہے۔ آغوش کراچی تار تار ہو چکی ہے اسے مشکلات اور مسائل سے دوچار کردیا ہے ان کے وسائل کو چاٹ لیا ہے یہ حقیقت ہر شخص پر آشکار ہو چکی ہے کہ کس طرح کراچی ایسے پرامن شہر میں بدامنی شرپسندی لاقانونیت دہشت گردی کا

بیج بویا گیا سیاسی غنڈہ گردی لسانی تعصب جماعتی تشدد کا گڑھ بنادیا گیا مگر اب کراچی پھر سے بدل رہا ہے جس کا سہرا عوام پاکستان کے دلوں کی دھڑکن اور امنگوں کے ترجمان چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف اور انکی ٹیم کو جاتا ہے جنھوں نے آپریشن ضرب عضب آپریشن کلین اپ کے ذریعے ملک دشمن قوتوں اور عناصر کو نتھ ڈالدی ہے ان کا ناطقہ بند کردیا ہے کراچی میں پھر سے روشنیاں لوٹ آئیں ہیں اس کی رونقیں پھر سے امن سے بھرپور کروٹیں بدل رہی ہیں شہر کے باسی پھر سے اپنے کونوں کھدروں سے نکل کر پھڑ پھڑانے کیلیئے پر تول رہے ہیں آزاد ملک کے آزادی شہری کی حیثیت سے کھلی اور پرسکون فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں بارود اور خون کی بو سے ان کے نتھنے چھٹکارا چاہتے ہیں ۔ بہرحال ان سب کے باوجود حکومت وقت کو الطاف حسین کی شرانگیز گفتگو کا سختی اور سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیئے کیونکہ الطاف حسین یہ بیان کھلم کھلا اور واضح طور پر ملک دشمنی اور بھارت نوازی پر تائید کرتا ہے افواج پاکستان اور جنرل راحیل شریف کے اقدامات پر پوری قوم صدقے واری ہے انکے سر فخر سے بلند ہیں اور وہ یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہر پاکستانی کے دل جنرل راحیل شریف کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

صبح کے دو بھولے !

نریندرا مودی کی کیرالہ میں تقریر اور اوڑی کیمپ پر حملہ کی قلعی کھلنے کے بعد کا بیان اس بات کا کھلا اشارہ دے رہا ہے کہ اب جنگ نہیں ہوگی بلکہ اسے یوں کہا جائے کہ ہم اب جنگ نہیں کر سکتے تو مودی کے جذبات کی عین عکاسی ہوگی کیونکہ موجودہ صورت حال میں وہ واضح طور پر جان چکے ہیں کہ پاک فوج نقل و حمل، جنرل راحیل شریف کا واضح اور دوٹوک بیان اور سوشل میڈیا پر پاکستانی عوام کو جوش و جذبہ ان سب عوامل نے انڈین پرائم منسٹر اور اس کی کابینہ و فوج کی ساری آکڑ فوں جھاگ کی طرح بٹھا دی ہے لیکن اس کے باوجود کہ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی کے مصداق کہ جنگ نہیں کریں گے تو کچھ نہ کچھ تو کریں گے چونکہ شرارت ، مکاری و منافقت تو ان کے خون میں شامل ہے لہٰذا اس بنا پر کشمیر میں ظلم بربریت کا بازار گرم کرتے رہیں گے، امن کی آشا کے نام پر دنیا کی ہمدری سمیٹے رہیں گے سارک کانفرنس میں شرکت سے انکار، کھیل کے فروغ کو روکنے کی کوششیں کرتے رہیں گے یہ تمام خرافات دراصل کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف ہیں انڈیا ایک طرف تو پاکستان کو دنیا میں تنہا کرنے کا دعویدار ہے لیکن دوسری طرف وہ خود ان مکروہ کرتوتوں کی وجہ سے دنیا کے سامنے ایکسپوز ہو چکا ہے اور بوکھلاہٹ میں مزید ایکسپوز بھی ہو رہا ہے تنہا کرنے کی بات کا موٹا سا جواب یہ ہے کہ پاک

چائنا کوریڈور بھرپور انداز میں جاری ہے ایران کے ساتھ بحری مشقیں اور اب روس کے ساتھ دوستی 2016 کی بری مشقیں انڈیا کے منہ پر طمانچہ ہیں اب کشمیری ان کے ساتھ ہیں اور نہ ہی سعودی عرب و امریکہ دو دیگر دوست ممالک کے رویے بھی ان کی نام نہاد دوستی کا بھرم کھولنے کیلئے کافی ہے

تمام راستے مسدود پا کر سارک کانفرنس سے انکار، ہاکی و کبڈی کی ٹیموں کا روکنا چیمپیئن ٹرافی میں شامل نہ ہونے کا ڈراما فلاپ ہونے اب پانی روکنے کی دھمکی دے رہا ہے لیکن پاکستان کے ساتھ ساتھ بھارت بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ پانی کے روکنے اور چھوڑنے سے اس کی اپنی حالت کے غیر ہونے کے چانسز بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اگر انڈیا پانی چھوڑنے کی بات کرتا ہے تو اس کے بہت سے علاقے مزید بنجر ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں جبکہ اگر پانی کو روکنے کی بات کرتا ہے تو بہت سے علاقے سیلاب کی زد میں آ جاتے ہیں لہذا اب صورت حال قطعی مختلف ہے اور سب سے اہم بات کہ یہ تمام امور انجام دے کر ایک مرتبہ پھر سے وہ دنیا کے سامنے اپنے وعدہ خلاف ہونے کا بھرپور ثبوت دے گا۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب جب انڈیا نے اپنے ناپاک عزائم کے تحت پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے تب تب اسے منہ کی کھانا پڑی خاک چاٹنا پڑی۔ جب جب اس نے ہمیں للکارا پاکستانی قوم نے تمام تر اختلافات کو

بھلا کر پاک آرمی کے شانہ بشانہ کھڑی ہو گئی ہمیشہ پاکستانی قوم نے اس بات کا ثبوت دیا کہ حمیت غیرت اور وطن سے محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اس پر سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ صورت حال میں تو پاکستانی سیاست بھی قوم اور فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے نواز شریف کا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں خطاب نے بھی واضح کردیا ہے کہ انڈیا ہمارا کھلم کھلا دشمن ہے اور اس پر انڈیا میں نواز شریف کے پتلے بھی نذر آتش کئے گئے جو اس بات کی غمازی ہے کہ ان کی خواہشات اور امیدوں کے برعکس نواز شریف نے تقریر کی اور یہاں تک بھی کہا جارہا ہے کہ یہ تقریر بھی کسی خاص جانب سے لکھ کر بھجوائی گئی ہے بہرحال وجہ جو بھی ہو اب نواز شریف نے جس طرح پاکستان اور کشمیر کے ایشوز کو دوٹوک انداز میں دنیا کے سامنے رکھا ہے تو ان کی اس واپسی کو ویلکم کرنا چاہئے اور بالکل اسی طرح نریندر مودی نے بھی جس انداز میں جنگ جنگ کی رٹ سے پسپائی اختیار کی اور انڈین عوام کی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے لیٹرین بنوانے کا عزم کیا ہے اسے بھی سراہنا چاہئے اور خیر مقدم کرنا چاہئے ۔کیونکہ یہ دونوں صبح کے بھولے تھے اور واپس آگئے ہیں

! نتائج میں خامیاں ''استاد'' کو پابند کیا جائے

ہر سال کی طرح امسال بھی میٹرک اور انٹر کے نتائج آنے کے بعد اپنے نتائج پر تحفظات کے حوالے سے احتجاجی طور پر سڑکوں سے نکلنے والے طلبا و والدین کے ساتھ ساتھ طالبات بھی کثیر تعداد میں اپنا احتجاج ریکارڈ کروارہی ہیں اور اب مرتبہ اس میں تعداد اور شدت زیادہ ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ تعلیمی بورڈز میں مارکنگ کے معاملے میں نااہلیاں بڑھتی جارہی ہیں چیک اینڈ بیلنس کا نظام مفقود ہوتا دکھائی دے رہا ہے کیونکہ زبان خلق نقارہ خدا کے مترادف ہوتی ہے۔ جبکہ بورڈز کے چیئرمینز اور اعلی افسران اس پر آنکھیں موندے بیٹھے ہیں کیونکہ ان کے ریونیو میں کئی گنا اضافہ بھی اس طریقے سے ہوتا ہے

نتائج کا انتظار اور امتحان میں کامیابی روز اول سے ہی انسان کی سرشت میں شامل رہی ہے اور وہ اپنے افعال و امور کی بنیاد پر نتائج کا خواہاں تو ہوتا ہی ہے بلکہ اس کی خواہش تو یہ بھی ہوتی ہے کہ بغیر بیج بوئے کھیتی حاصل ہوجائے اور کچھ لوگ قسمت کے دھنی بھی ہوتے ہیں اور اس طرح سے کامیابی بھی حاصل کرلیتے ہیں لیکن وہ افراد جنہوں نے دن رات محنت لگن سے امتحانات کی تیاری کی ہو اور کامیابی کا تناسب اسی فیصد ہو اور نتیجہ فیل آجائے تو اس

کیلئے اس روز قیامت سے کیا کم ہوگا اس کی سوچوں تمناؤں اور خواہشوں کو تہہ و بالا کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ سر کا گھومنا دنیا کا چکر کھانا اسے بند گلی میں کھڑا کرنے کے مترادف ہوتا ہے ایسے میں اس کے ذہن میں الٹے سیدھے خیالات پرورش پاتے ہیں اور کچھ ان میں سے انتہائی قدم اٹھالیتے ہیں خود کو نظام تعلیم کی خامیوں ،بداعمالیوں اور بے حسی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں

شہزاد احمد گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کا طالب علم تھا میٹرک میں پچاسی فیصد نمبر حاصل کرنے والے کا فرسٹ ایئر میں فیل ہو جانا اچنبھے کی بات تھی جس پر اس نے خود کشی کرلی ۔افسوس ناک اور دلچسپ بات یہ کہ جب ری چیکنگ کی گئی تو وہ پاس تھا مگر وہ اس دنیا میں نہیں تھا اور اسی طرح گذشتہ تین سالوں میں بیس سے زائد طالب علموں نے فیل ہونے پر خود کشی کی تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی سٹوڈنٹ اس حد تک جاتا ہے تو اس میں ذمہ دار کون ہے؟ والدین، گھریلو ماحول، تعلیمی بورڈ، پیپر مارک کرنے والے اساتذہ یا پھر خود طلبہ ۔اگر اس میں کہیں پر قصور طلبہ کا ہے تو لازمی طور تعلیمی بورڈز اور بالخصوص وہ پیپر چیک کرنے والے اساتذہ ہیں جو صرف بنڈل کو مکمل کرنے کے چکر میں ہوتے ہیں کہ بنڈل جتنے زیادہ چیک ہونگے معاوضہ اتنا ہی زیادہ ملے گا اس سے کسی کا مستقبل تباہ ہوتا ہے تو ہو جائے کوئی جان سے جاتا ہے تو چلا جائے انہیں تو صرف اور صرف پیسے بنانے سے غرض ہے اور گذشتہ دو تین سالوں

سے تو یہ پریکٹس عام ہو چکی ہے اور مارکنگ میں غلطیوں کی بھرمار اس قدر سامنے آئی ہے کہ رہے نام اللہ کا۔

قارئین کرام! افسوناک بات یہ ہے کہ اگر سٹوڈنٹ ری چیکنگ (ری کاونٹنگ) کی درخواست دے تو پہلے فی مضمون 750 روپے بورڈ کو ادا کرنے پڑتے تھ اوراب 1100 روپے فی مضمون کے چارج کئے جارہے ہیں اور پھر ایک مخصوص فارمیٹ کا لیٹر سب امیدواروں جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ ہم نے آپ کا پیپر چیک کر لیا ہے اور اس میں کوئی کمی یا خامی نہ پائی گئی ہے پھر بھی اگر آپ خود آکر دیکھنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ کو بورڈ میں حاضر ہوں اس لیٹر کے بعد نوے فیصد طلبا اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور جو دس فیصد بورڈ کے دفتر جا دھمکتے ہیں ان میں سے 99 فیصد کو اپنے پیپرز میں غلطیوں سے واسطہ پڑتا ہے اور کچھ کے نمبرز بھی بڑھ جاتے ہیں لیکن !لیکن !اس غلط مارکنگ کرنے والے "استاد" سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی اور کیسے ہو کہ ایسے ہی لوگ تو بورڈ کے ریونیو میں اضافے کا سبب بنتے ہیں یعنی خود بھی کھاتے ہیں اور بورڈ کو بھی مستفید کرتے ہیں اور مارے جاتے ہیں بیچارے غریب اور نادار طلبا اور والدین پرچوں کو چیکنگ اور ری چیکنگ کا معیار اور طریقہ کار طلبہ کیلئے اس قدر سنگین اور گھمبیر بن چکا ہے کہ اس معاملہ میں ان کی حالت اس شخص جیسی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور اپنے تئیں تمام تر کوششوں کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوسکے تو پھر وہ

خود کو موجوں کے حوالے کر دیتا ہے کہ اب قسمت میں بچنا ہوا تو بچ جائیں گے ورنہ موت تو مقدر ہو چکی ہے اس سارے عمل میں "دریا" اور مرکزی نقطہ پیپر چیک کرنے والا وہ ٹیچر ہے جو لاکھوں کروڑوں بچوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے لیکن افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایکٹ ایف اے، بی اے پاس کرکے بھرتی ہونے والا ٹیچر سائنس کے مضامین کی چیکنگ کر رہا ہوتا ہے جسے آکسیجن اور ہائیڈروجن کی خاصیت تک معلوم نہیں ہوتی کہ ان کے ملنے سے پانی بنتا ہے نتیجتا وہ ٹیچر بہت سے بچوں کے فیل ہونے کا سبب بنتا ہے اور قانون وہی ہے کہ غلط ہو گیا تو ہو گیا اب کوئی چارہ نہیں ۔اس نظام کو تبدیل ہونا چاہئے اور مرتکب ٹیچر کو بھی نشان عبرت بنانا چاہئے

پاکستان میں آئے روز نت نئے تجربات نے تعلیم کے شعبے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ تعلیم جیسے حساس شعبے کو سیاستدانوں اور بیوروکریسی نے تختہ مشق بنالیا ہے آئے روز نئے نئے تجربے کرکے تعلیم کو مذاق بنادیا گیا ہے ۔گذشتہ 67 سالوں میں پاکستان میں آنے والی ہر سیاسی و معاشی تبدیلیوں کے پیچھے جس طرح سے بیوروکریسی اپنی پالیسیاں تھوپتی ہے اسی طرح تعلیم کے معاملے میں بھی یہی حال ہے ۔اگر ہم ترقی یافتہ اقوام کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ اندازہ ہوگا کہ آج جس مقام پر جنوبی کوریا اور ملائیشیا کھڑے ہیں وہ سب کا سب تعلیم کی ترقی واہمیت کے سبب ہی ہے جبکہ پاکستان میں ہماری

تعلیمی پالیسی آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کا منظر پیش کر رہی ہے۔آئے روز کے تجربات ہماری ناقص گرفت اور عدم مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔یہ ساری تمہید اور باتیں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب پھر امتحانات کے نتائج آچکے ہیں اب بھی مسئلہ جوں کا توں ہے۔طلبا و طالبات اپنے نتائج سے مطمئن نہیں۔ری چیکنگ درخواستوں کی بھرمار ہے طلبا اور والدین کے ساتھ ساتھ خود بورڈز کے ممبران بھی اس صورت حال سے پریشان ہیں اور طلبہ و طالبات کے ساتھ ساتھ والدین بھی پوری طرح سے اس میں نظر آتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام کے ساتھ involve ساتھ نت نئے تجربات کرنے کی بجائے پہلے سے موجود سسٹم کو بہتر بنایا جائے اور ایجوکیشن سیکٹر کو مزید تختہ مشق نہ بنایا جائے تاکہ مزید طالب علموں کو خودکشی سے بچایا جاسکے اور انہیں ملک و قوم کیلئے معاون و مددگار بنایا جاسکے علاوہ ازیں چیک اینڈ بیلنس کے ذریعے "استاد" کو بھی پابند کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں پر ان کی اہلیت کو مستقل ختم کرکے نظام کو شفاف بنایا جائے۔

او ایس ڈی

اسسٹنٹ کمشنر نے وزیر کا حکم ہوا میں اڑا دیا۔ تیسرے دن انہیں او ایس ڈی بنا دیا گیا افسر سے لیکر گلی کے حجام تک سب نے طرح طرح کے مشوروں سے نوازا اور وزیر موصوف سے معذرت کرنے کا مشورہ دیا لیکن انکے سر پر تو میرٹ افسری اور انا کا بھوت سوار کسی کے مشورے کو پرکاہ کی حیثیت نہ دی چار ماہ تک کسی افسر نے دوبارہ بلایا نہ پوچھا نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ گھر والے بھی شکوک و شبہات کا اظہار کرنے لگے ایک روز تنگ آ کر ایک گیٹ پر دستک دی گارڈ نے تلخ لہجے میں پوچھا کیا بات ہے؟ وزیر صاحب ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے!

این ٹی ایس ٹیسٹ

لڑکے کی والدہ: وہ جی ہمیں تو لڑکی پسند ہے ڈاکٹر ہے خوبصورت ہے جوان ہے اور کیا چاہیئے ہماری طرف سے تو ہاں ہی سمجھیں ہمیں جہیز وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں بہن جی

لڑکی کی والدہ: جی ۔جی۔ آپکا لڑکا ماشاء اللہ کماؤ پوت ہے اچھا کاروبار ہے پسند تو ہمیں بھی ہے بس ہماری بیٹی کی ایک ضد ہے کہ شادی سے پہلے لڑکے کو ایک ٹیسٹ پاس کرنا ہوگا

وہ کیا ہے بہن جی۔ وہ ہے این ٹی ایس ٹیسٹ

علم دشمن سوشل میڈیا!

کتابیں چار سو بکھری ہوئی تھیں اور اس سات سالہ بچی کی نظریں اس پر مرکوز تھیں جو کہ ماما نے اس کی پہنچ سے دور اوپر طاق پر رکھ دیا تھا وہ اس کے حصول کیلئے بے قرار تھی آخر کار اسے ترکیب سوجھ ہی گئی اس نے چہار سو بکھری کتابوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر ان کی سیڑھی بنائی اور ان پر پاؤں رکھ کر اس کا ہاتھ موبائل تک پہنچ ہی گیا اس نے موبائل اٹھالیا اور کتابوں کی سیڑھی سے اتر کر فیس بک آن کی اور مشغول ہو گئی

جنون، نون اور قانون

آخر خدا خدا کر کے جنون نون اور قانون والے اپنے اپنے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کئے اور ٹھنڈے ہو گئے جنون والوں نے اپنے جنونی ہونے کا ثبوت دینے کی کوشش کی لیکن یکبارگی جنون ہوا ہو گیا نون والوں نے اس دوران نون (نمک) چھڑکنے کی بھرپور کوشش کی اور ان کے دھرنے ،لاک ڈاؤن ،جلسے اور احتجاج کو استہزائیہ انداز میں اڑاتے رہے اور میں نہ مانوں کے فارمولے پر عمل پیرا رہے جبکہ تیسری طرف قانون والے تھے جو جنون اور نون والوں کے درمیان بطور سینڈوچ کا کردار ادا کر رہے تھے ان کے منہ میں چھچھوندر ڈال دیا گیا تھا اب نہ نگل سکتے تھے اور نہ اگل سکتے تھے ایک طرف کھائی تو دوسری طرف آگ کا سمندر تھا اس کے باوجود انہوں نے مار کھا ر اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی کوشش کی جلاؤ گھیراؤ بچاؤاور بھگاؤ والی پالیسی کو اختیار کر کے حتی المقدور کوشش کی اور اسی کاوش کو سراہتے ہوئے وزیر داخلہ چوہدری نثار نے ان کو انعام سے نوازتے ہوئے ان کی وفاؤں کے صلے میں تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔ یعنی کسی کو فائدہ ہو نہ ہو قانون والے پھر سے مستفید کر دیئے گئے جبکہ جنون اور نون والے اب عدالتی لڑائی میں ایکدوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے پر تول چکے ہیں لیکن یہ عدالتی جنگ ہے اس میں گالم گلوچ لغویات اور

غیر اخلاقی افعال سے احتراز برتنا پڑے گا ورنہ توہین عدالت کے زمرے میں بھی جایا جاسکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو دونوں فریقین کی عدالتی جنگ بے سود ہوگی اور دونوں ہی ڈھک دیئے جائیں گے قطع نظر اس سے کہ اس کے چانسز بہت کم ہیں۔

تجزیہ کاروں اور وقائع نگاروں نے بھی اس سلسلے میں بہت طبع آزمائی کی ہوئی ہے ہر ایک کا نقطہ نظر دوسرے سے مختلف ہے کوئی اسے مسلم لیگ ن والوں کی جیت تصور کر رہا ہے تو کوئی اسے پاکستان تحریک انصاف سے سر سہرا سجانے پر آمادہ ہے جبکہ ایمپائر کی انگلی کو بھی فی الوقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا عمران خان کے رویوں اور طرز عمل پر حسب معمول تنقید جاری ہے اور اسے بیوقوفی سے تعبیر کیا جارہا ہے اور کہیں کہیں تو اسے پاکستان تحریک انصاف کی ناکامی پر تشبیہ دی جارہی ہے جبکہ پاکستان مسلم لیگ نون کی تاریخی کامیابی سے منسوب کیا جارہا ہے۔ بعینہٖ دوسری طرف نون لیگ والوں کو ان ڈھٹائی اور قانون شکنی پر لعن و طعن کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے اور اسے عمران کی کامیابی تصور کیا جارہا ہے کوئی مان رہا ہے اور کوئی انکاری ہے جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی اس تمام سیناریو میں اپنا کردار کہیں گم کرچکی ہے اور گزشتہ حالات و واقعات سے لگتا ہے کہ پی پی پی اور مسلم لیگ نون جس طرف جانا چاہ رہی تھی ان کا وہ مقصد پورا نہ ہوسکا۔ پی ٹی آئی والوں کو شاباش ٹھیک ہے کا کہہ کر ان کو شہہ

دینا اور نون لیگ والوں کا ان کو انگیختہ کرنا اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ عمران خان اور پاکستان تحریک انصاف ملک میں اس طرح کی صورت حال پیدا کردیں کہ ملک بدامنی اور انتشار کی طرف چلا جائے اور کوئی ایسی صورت حال پیدا ہوجائے کہ وہ مستقبل کیلئے پھر سے سیاسی شہید یا سیاسی مظلوم بن جائیں اور پھر سے انہیں معاہدے کے مطابق باری مل سکے۔ لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے کے مصداق ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔

الحمدللہ! پاکستان میں ایسے ذہین و فطین اور محب وطن لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ان سیاستدانوں کو جیب میں رکھ کر چلنے کی اہلیت و قابلیت رکھتے ہیں اور ان کی حب الوطنی اور عوام دوستی اب تک پاکستان کو بچائے ہوئے ہے پس منظر میں رہتے ہوئے عوامی خدمت کا کام سرانجام دے رہے ہیں آج تک کی صورت حال کو بغور دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اور ان کے نمائندوں کے کردار کو آئینہ کی مانند دنیا اور پاکستانی عوام کے سامنے پیش کردیا گیا ہے ایم کیو ایم کی ملک دشمنی اور دہشت گردوں سے روابط، پیپلزپارٹی کی بے انتہا کرپشن نااہلی، پاکستان مسلم لیگ ن کی بے ایمانی و تیز طراری اور شدت پسندی جبکہ پی ٹی آئی کی جنونی و غیر یقینی کی کیفیات دنیا کے سامنے عیاں ہوچکی ہے ان لوگوں نے نام نہاد جمہوریت کو نقصان پہنچائے بغیر سب کو ننگا کرکے رکھ دیا ہے واضح پیغام دے

دیا گیا ہے کہ کون کسی قماش اور کس ذہنیت کا مالک ہے کون ملک سے کتنا وفادار ہے عوام کا کتنا خیر خواہ ہے عوام سے وفاداری کا دعوی کتنا سچا ہے۔ مزید چند روز میں اگر حسب روایت نظریہ ضرورت کو درمیان میں نہ لایا گیا تو بہت سوں کے کپڑے پھر سے اتریں گے ۔اب یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ اس صورت حال کے بعد کتنی ڈھٹائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں ایک طرف کا کام مکمل ہے اب دوسری طرف والوں کا کام باقی ہے۔